

اللہ تعالیٰ کے پیارے بنائے ناموں کی دل نشین تشریح

شرح الاسماء الحسنی جلد اول

- ★ قرآن کریم و احادیث نبویہ سے ہر اسم کی تفسیر و تشریح اور ائمہ کرام کے اقوال سے مزین تعریفات
- ★ علمائے کرام کے دلوں کو جلا بخشنے والے نصائح و بزرگان دین کے ایمان افروز واقعات
- ★ توحید باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اور اس سے بچاؤ کی تدابیر
- ★ ہر اسم مبارک سے متعلق مفید فوائد و نصائح

ان شاء اللہ اس کتاب کا مطالعہ ایمان و یقین میں اضافے کا باعث اور عبادت، معاشرت اور زندگی کے دیگر معاملات میں رضائے الہی کے حصول کا ذریعہ ثابت ہوگا۔

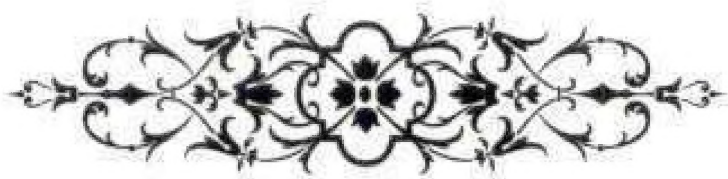
تقریظ
مفتی محمد اسرف عثمانی صاحب
استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

تصدیر
حضرت مولانا حسن جان صاحب
شیخ الحدیث و بانی جامعہ امداد العلوم پشاور

جمع و ترتیب
محمد حنیف عبد المجید
فاضل جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

کلمات تبریک
مولانا ابن الحسن عباسی صاحب
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

تقریظ
مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب
استاذ الحدیث جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی



بیت العلم ٹرسٹ کراچی

اسماءُ حُسنیٰ (جلد دوم)

مجلہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

11040507

— اسٹاکسٹ —

مکتبہ بیت العلم

فون: +92-21-2726509 - موبائل: 0300-8213802 - 0301-8266655

کتاب کا نام اسمائے حسنی (جلد دوم)

تاریخ اشاعت اول رجب ۱۴۲۳ھ بمطابق ۲۰۰۲ء

تاریخ اشاعت دوم شوال ۱۴۲۶ھ بمطابق نومبر ۲۰۰۵ء

تاریخ اشاعت سوم صفر المظفر ۱۴۲۸ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۷ء

تاریخ اشاعت چہارم رجب ۱۴۲۸ھ بمطابق اگست ۲۰۰۷ء

کمپوزنگ فاروق اعظمی کمپوزرز کراچی

ناشر بیت العلم ٹرسٹ

ST-9E بلاک نمبر 8، گلشن اقبال، کراچی، فون: +92-21-4976073

فیکس: 0092-21-4972736 ای میل: bit-trust@cyber.net.pk

ملنے کی دیکھتے

○ بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-2630744

○ مکتبہ بیت العلم، نزد جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ فون: 021-4916690-4914569

○ مکتبہ فہم دین، نزد مسجد بیت السلام، ڈیفنس، کراچی

○ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون: 042-7224228

○ ادارہ اسلامیات، اردو بازار لاہور۔

○ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔ بی روڈ، ملتان۔ فون: 061-544965

○ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 5771798

○ اسلامیہ کتب خانہ، گامی اوڈ، ایبٹ آباد۔ فون: 340112

○ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون: 662263

○ کتاب مرکز، فیروز روڈ، سکھر۔

○ حافظ اینڈ کو، لیاقت مارکیٹ، نواب شاہ۔

○ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر بارون والی گلی، چھوٹی گھٹی، حیدر آباد

○ حافظ کتب خانہ، مردان۔

○ مکتبہ المعارف، محلہ جنگلی، پشاور

الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى

بِمَخْفِي سِرِّ لَا أَحِيطُ بِهِ عِلْمًا

ان مخفی رازوں کے صدقے جہاں تک میرے علم کی رسائی نہیں

بِمَدِّ يَدِي، أَسْتَمِطِرُ الْجُودَ وَالرَّحْمَى

دستِ سوال پھیلا کر رحم و کرم کی التجا کرتا ہوں

لِعِزَّتِهَا يَسْتَغْرِقُ النَّشْرُ وَالنَّظْمَا

تھوڑے سے ذکر میں سارے نظم و نثر ختم ہو جائیں

بِمَنْ كَانَ مَكْنُونًا فَعَرِّفَ بِالْأَسْمَا

اس عظیم ذات سے جو مخفی تھی اور اسمائے حسنی سے جانی گئی

مَحِبًّا شَرَابًا لَا يُضَامُ وَلَا يَظْمَا

کہ جس کا پلایا ہوا نہ کبھی رسوا ہوتا ہے نہ پیاسا

(دیوان الامام الشافعی: ۲۱۹)

بِمَوْقِفِ ذُلِّي دُونَ عِزَّتِكَ الْعُظْمَى

تیری عظیم ذات کے سامنے عجز و انکساری کے اظہار کے ذریعہ

بِإِطْرَاقِ رَأْسِي، بِاعْتِرَافِي بِذِلَّتِي

اپنا سر جھکاتے ہوئے، اپنی ذلت کا اظہار کرتے ہوئے

بِأَسْمَائِكَ الْحُسْنَى الَّتِي بَعْضُ وَصْفِهَا

آپ کے ان اسمائے حسنی کے وسیلے سے جس کی عظمت کے

بِعَهْدٍ قَدِيمٍ مِنْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ

عہدِ اَلَسْتُ کے اس عہد و قدیم کے واسطے سے

أَذِقْنَا شَرَابَ الْأَنْسِ يَا مَنْ إِذَا سَقَى

ہمیں بھی شرابِ محبت پلا اے وہ عظیم ذات

بِاللَّهِ يَا نَاطِرًا فِيهِ وَ مُنْتَفِعًا

مِنْهُ سَلِ اللَّهَ تَوْفِيقًا لِجَامِعِهِ

وَقُلْ أَنْلَهُ إِلَهَ الْعَرْشِ مَغْفِرَةً

وَأَقْبَلْ دُعَاةَ وَجَنِّبْ عَنْ مَوَانِعِهِ

وَحُصِّ نَفْسَكَ مِنْ خَيْرٍ دَعَوْتَ بِهِ

وَمَنْ يَقُومُ بِمَا يَكْفِي لَطَائِعِهِ

وَالْمُسْلِمِينَ جَمِيعًا مَا بَدَا قَمَرٌ

أَوْ كَوَّكَبٌ مُسْتَنِيرٌ مِّنْ مَّطَالِعِهِ

دیتی ہے اور لوگ دینی، معاشرتی، اخلاقی احکام اور ہدایات سے باخبر ہوں گے تو **إِنْ شَاءَ اللَّهُ** **تَعَالٰی** باعمل بھی ہوں گے۔

۵ **اللہ تعالیٰ** نے مالی گنجائش عطا کی ہو تو کم از کم دس کتابوں کو لے کر والدین اور اساتذہ کرام کے ایصالِ ثواب کے لئے وقف کر دیں، یا رشتہ داروں، دوستوں کو خوشی کے مواقع پر پیش کر کے دین اور دنیا کے فوائد اپنائیں۔

کتاب دے دینا ہمارا کام ہے، مطالعہ کی توفیق اور پھر ہدایت دینا **اللہ تعالیٰ** کا کام ہے، ہم اپنا کام پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو **اللہ تعالیٰ** ہماری مدد فرما کر مطلوبہ نتائج بھی ظاہر فرمائیں گے۔

درج ذیل سطور میں پہلے اپنا نام و پتہ پھر جنہیں ہدیہ دے رہے ہیں ان کا نام و پتہ لکھیں۔

ہدیہ مبارکہ

From

مِنْ

To

إِلَى



منفرد علمی اور دینی تحفہ

”اسمائِ حسنیٰ“

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ.

○ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ تحفہ میں بہترین چیز پیش کرے۔

○ کیا آپ جانتے ہیں کہ: ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی طرف سے سب سے بہترین چیز کیا ہے؟

❶ یاد رکھیے! ایک مسلمان کے لئے سب سے بہترین تحفہ ”دینی علوم سے واقفیت ہے“ اپنے دوستوں، عزیزوں کو یہ کتاب ہدیہ میں پیش کر کے ہم ”تَهَادُوا تَحَابُّوا“^۱ والی حدیث پر عمل کر سکتے ہیں جس کا معنی: ”تم ایک دوسرے کو ہدیہ لیا دیا کرو آپس میں محبت بڑھے گی۔“

❷ اس کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر آپ محسوس کریں کہ یہ آپ کے گھر والوں..... رشتہ داروں..... دفتر کے ساتھیوں..... کاروباری حلقے..... اور معاشرے کے دیگر افراد بشمول اسکول، کالج اور مدارس کے طلبہ کے لئے مفید ہے تو آپ کا انہیں یہ کتاب تحفہ میں پیش کرنا آخرت میں سرمایہ کاری اور سماجی ذمہ داری کی ادائیگی کا حصہ ہوگا۔

❸ نیکی کے پھیلانے، علم دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ لہذا اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔ محلہ کی مسجد، لائبریری، کلینک، محلہ کے اسکول اور مدرسہ کی لائبریری تک پہنچا کر معاشرہ کی اصلاح میں معاون و مددگار بنئے۔

❹ کتاب کو ہدیہ میں دے کر آپ علمی دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں اس لئے کہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت



ضروری گزارش

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ **الْحَمْدُ لِلَّهِ**..... ہم نے اس کتاب میں تصحیح و تخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اغلاط وغیرہ نظر آئیں تو آزرہ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں ”خط“ دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر **الْحَمْدُ لِلَّهِ**..... کافی محنت ہوئی ہے اُمید ہے قدر دان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا بھی کرتے رہیں گے۔

جَزَاكُمُ اللَّهُ خَيْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس کتاب کا مطالعہ کس طرح کریں

- ۱ اگر ممکن ہو تو دو رکعت **صلوۃ الحاجت** پڑھ کر دعا مانگ کر پڑھیں کہ اے اللہ! مجھے ان اسمائے مبارکہ سے دین کی کامل معرفت عطا فرما اور، اپنی کامل محبت و عظمت میرے دل میں بٹھا دے اور کتاب کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے اگر آسان اور ممکن ہو تو وضو کا اہتمام کریں، ہمارے بعض اکابر و بزرگانِ دین، دین کی کوئی کتاب بغیر وضو کئے نہیں اٹھایا کرتے تھے۔ لہذا ”اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی تشریح“ کا مطالعہ وضو کے اہتمام کے ساتھ شروع کریں، ان شاء اللہ با وضو مطالعہ بہت خیر کا ذریعہ بنے گا۔
- ۲ مطالعہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت کا استحضار کر کے مطالعہ کیا جائے، گویا اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کے ذریعے، میں ان کی محبت اپنے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔ دل سے اللہ تعالیٰ کے غیر کو نکالنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں۔
- ۳ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ان شاء اللہ ضرور نصیب ہوگا۔ اس بندہ عاجز نے بارہا اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں سے سنا ہے کہ ادب اور توجہ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جائے اور سچی طلب اس میں شامل ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں اور یہ تو سب ہی کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت ہمارے سینوں میں پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے غیر پر ہماری نگاہ نہ رہے، اور یہ کہ رضا اور امید و خوف صرف اللہ ہی سے رہے، اس ضرورت کے لئے جتنا بھی توجہ و دھیان کے ساتھ، ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے دعائیں مانگتے ہوئے پڑھیں گے، اتنا ہی ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔
- ۴ اس کتاب کا مطالعہ خالص علمی سیر کی طرز پر ہرگز نہ کیا جائے، بل کہ محض معرفتِ الہی اور ایمان مضبوط، یقین کامل حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔
- ۵ مطالعہ کے دوران آپ کو جو مفید باتیں محسوس ہوں وہ ایک جگہ لکھتے رہیں اور اپنے گھر والوں اور دوست و احباب سے اُن کا مذاکرہ بھی فرماتے رہیں تو ان شاء اللہ سب کا فائدہ ہوگا۔

فہرست مضامین

۲۳	تصویر: مولانا حسن جان صاحب مدظلہ العالی، بانی و شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم، پشاور
۲۴	کلمات تبریک: مولانا ابن الحسن عباسی مدظلہ العالی، استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ، کراچی
۲۵	تقریظ: مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ العالی، استاذ حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی
۲۶	تقریظ: مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہ العالی، استاذ حدیث دارالعلوم، کراچی
۲۷	مقدمہ طبع اول
۲۹	مقدمہ طبع ثانی

الحکیم جل جلالہ

۳۱	حکمت خداوندی کی کھلی نشانی
۳۲	الحکیم جل جلالہ کی حکمت کے کرشمے
۳۳	مکھی اور متکبر بادشاہ
۳۴	ناکامی میں بھی حکمت ہے
۳۵	کوئی نکتہ نہیں قدرت کے کارخانہ میں
۳۷	اس نقصان میں بھی نفع ہے
۳۷	اللہ نے جو کیا اس میں خیر ہوگی
۳۸	الحکیم جل جلالہ بندوں کی مصلحتوں کو زیادہ جانتے ہیں
۳۹	الحکیم جل جلالہ نے تمام مخلوقات کو کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے
۴۱	رشد و ہدایت کے حصول کی دعا
۴۲	فوائد و نصائح

الودع جل جلالہ

۴۳	اللہ سے محبت پیدا کیجئے
۴۵	”الودع جل جلالہ“ کن بندوں سے محبت فرماتے ہیں
۴۶	قصہ سے حاصل شدہ باتیں
۴۷	محبت الہی میں جان کا نذرانہ
۴۹	”الودع جل جلالہ“ سے محبت کی تدبیریں

۵۱ محبتِ الہی کے لئے آسان دعا
۵۲ فوائد و نصائح
۵۳ الْحَمْدُ لِلَّهِ
۵۶ درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے
۵۷ فوائد و نصائح
۵۹ الْبَيْتُ لِلَّهِ
۵۹ ہر ذی روح چیز مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کی جائے گی
۶۱ قیامت کے دن ” الْبَيْتُ لِلَّهِ “ کا عجیب و غریب معاملہ
۶۳ فوائد و نصائح
۶۴ الشَّهِيدُ لِلَّهِ
۶۹ ” الشَّهِيدُ لِلَّهِ “ پر یقین کا فائدہ
۷۰ فوائد و نصائح
۷۲ الْحَقُّ لِلَّهِ
۷۲ قرآن کریم ” الْحَقُّ لِلَّهِ “ کی برحق اور سچی کتاب ہے
۷۳ ” الْحَقُّ لِلَّهِ “ کا حق کسی اور کو دینا شرک ہے
۷۶ ” الْحَقُّ لِلَّهِ “ کی حقانیت کی دلیل
۷۶ حق یہ ہے کہ صرف ” الْحَقُّ لِلَّهِ “ ہی سے دعائیں مانگی جائیں
۷۷ ” الْحَقُّ لِلَّهِ “ سے تہجد کے وقت مانگنے کی دعا
۷۸ فوائد و نصائح
۷۹ الْوَكِيلُ لِلَّهِ
۸۰ جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا
۸۳ ترکِ اسباب کا نام توکل نہیں
۸۴ الْوَكِيلُ لِلَّهِ ہی وکیل بھی ہیں اور کفیل بھی
۸۶ ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا
۹۰ دل کو غموم و ہوموم سے پاک کرنے کا نسخہ

- ۹۱ اپنے کسی نیک عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے
- ۹۲ توکل کا صحیح مفہوم
- ۹۳ بیماری اور تنگ دستی دور کرنے کے لئے بہترین نسخہ توکل ہے
- ۹۳ فوائد و نصائح

القَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ الْمَثَانِ جَلَّ جَلَالُهُ

- ۹۵ مصائب سے نجات اور مقاصد کے حصول کا مجرب نسخہ
- ۱۰۰ ”القَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے مانگنے کے نبوی الفاظ
- ۱۰۲ مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر بھی ”القَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے حکم کے تابع ہیں
- ۱۰۴ ”القَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قوت کن لوگوں کے ساتھ ہے
- ۱۰۶ ”الْمَثَانِ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے مخلوق کو بھی مختلف قوتیں دی ہیں
- ۱۰۷ اس قصہ سے ”الْمَثَانِ جَلَّ جَلَالُهُ“ پر اعتماد دیکھنا چاہئے
- ۱۰۸ فوائد و نصائح

الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ

- ۱۰۹ ابو مسلم خولانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ ”الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی مدد
- ۱۱۲ دعاؤں کو قبول کروانے کے لئے تین تدابیر
- ۱۱۳ فوائد و نصائح
- ۱۱۵ اسلام پر ثابت قدمی کی دعا

الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ

- ۱۱۷ ”الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے بہترین بندے اس کی حمد و ثناء کرنے والے ہیں
- ۱۱۹ ”الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے بہترین بندے
- ۱۲۱ حمد کا حقیقی مستحق صرف ”الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہی ہے
- ۱۲۲ حمد و ستائش کا پیارا جملہ
- ۱۲۳ ”الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی حمد و ثناء کے فضائل
- ۱۲۵ ”الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کس بندے سے بے حد راضی ہوتے ہیں؟
- ۱۲۶ ”حمد“ دعا کی قبولیت کے لئے بہترین وسیلہ ہے
- ۱۲۷ رکوع سے اٹھ کر ”الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی تعریف کرنا

- حمد و ثناء کی دو مختصر، عمدہ اور نفیس دعائیں
- ۱۳۲ بے چینی دور کرنے کا بہترین نسخہ
- ۱۳۲ **سبحان اللہ و بحمدہ** پڑھ کر **الحَمْدُ لِلَّهِ جَلَّ جَلَالُهُ** کی تعریف کیجئے
- ۱۳۳ فوائد و نصائح
- ۱۳۳ **الْمُحْضَى جَلَّ جَلَالُهُ**
- ۱۳۶ **الْمُحْضَى جَلَّ جَلَالُهُ** کی پکڑ کا خوف
- ۱۳۷ فوائد و نصائح
- ۱۳۸ **الْمُسْتَوْدَعُ جَلَّ جَلَالُهُ، الْمُعَيَّدُ جَلَّ جَلَالُهُ**
- ۱۴۰ ”**الْمُعَيَّدُ جَلَّ جَلَالُهُ**“ کی نشانیاں
- ۱۴۱ منکرین قیامت پر حجت
- ۱۴۳ فوائد و نصائح
- ۱۴۴ **الْمُحِیَّةُ جَلَّ جَلَالُهُ، الْمُهَيَّیَّةُ جَلَّ جَلَالُهُ**
- ۱۴۴ جسے **الْمُحِیَّةُ جَلَّ جَلَالُهُ** زندہ رکھے
- ۱۴۵ **الْمُحِیَّةُ، الْمُهَيَّیَّةُ جَلَّ جَلَالُهُ** پر صحابہ کرام کا ایمان
- ۱۴۶ زندگی اور موت **الْمُحِیَّةُ، الْمُهَيَّیَّةُ جَلَّ جَلَالُهُ** کے ہاتھ میں ہے
- ۱۴۸ موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے
- ۱۴۹ حضرت خالد بن ولید **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** کی وفات، موت سے ڈرنے والوں کے لئے ایک سبق
- ۱۴۹ حضرت قتیبہ باہلی **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** کا ”**الْمُحِیَّةُ، الْمُهَيَّیَّةُ جَلَّ جَلَالُهُ**“ پر یقین
- ۱۵۰ **الْمُحِیَّةُ** اور **الْمُهَيَّیَّةُ جَلَّ جَلَالُهُ** کی نشانی
- ۱۵۰ دواؤں کو موت و حیات کے لئے موثر بنانے والا کون؟
- ۱۵۲ موت و حیات کا مالک
- ۱۵۲ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا
- ۱۵۳ ایک چھوٹے سے کنکر میں موت کی تاثیر رکھنے والا
- ۱۵۴ موت سے کوئی نہیں بچ سکتا
- ۱۵۵ فوائد و نصائح
- ۱۵۶ **الْحَيُّ جَلَّ جَلَالُهُ، الْقَيُّوْمُ جَلَّ جَلَالُهُ**
- ۱۵۸ اللہ تعالیٰ کو کسی وقت کسی سے بھی کسی قسم کا خطرہ نہیں

- پریشانی اور مشکل مراحل کی دعا..... ۱۵۸
- ان دو اسماء کی مثال آسمانوں پر دو چمکتے میناروں کی طرح ہے..... ۱۶۰
- اسم اعظم..... ۱۶۲
- اس اسم مبارک ”الْقَیُّوْمُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے حاصل ہونے والے ایمانی ثمرات..... ۱۶۳
- فوائد و نصائح..... ۱۶۵
- علامہ ابن تیمیہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا وظیفہ..... ۱۶۶

الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ

- ”الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے وجود پر دلائل..... ۱۶۹
- ۱ ”جسم انسانی کا عصبی نظام“..... ۱۶۹
- ۲ کائناتی نظام..... ۱۶۹
- ۳ امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا مناظرہ..... ۱۷۰
- ۴ ایک دیہاتی کا حیران کن جواب..... ۱۷۱
- ۵ شیخ سعدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی بصیرت..... ۱۷۲
- ۶ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی باریک بینی..... ۱۷۲
- اللہ الْوَاحِدُ..... ۱۷۳
- ۷ امام احمد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی دلیل..... ۱۷۳
- ۸ وجود باری تعالیٰ برحق ہے، اس کا عجیب ایمانی واقعہ..... ۱۷۴
- فوائد و نصائح..... ۱۷۸

الْمَلِکُ جَلَّ جَلَالُهُ

- فوائد و نصائح..... ۱۷۹

الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ

- ہر نبی نے اپنی قوم کو الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ کی توحید کا پیغام دیا..... ۱۸۲
- قرآن کریم میں توحید کی تعلیم..... ۱۸۶
- انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے صحیفوں میں الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ کی توحید کی تعلیم..... ۱۸۷
- توحید کی ترغیب قرآن کریم میں..... ۱۹۰
- حضرت دانیال عَلَیْہِ السَّلَام کی قبر..... ۱۹۲

فوائد و نصائح

الْأَخَذُ جَلَّالَهُ

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۵

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۱۹۹

۲۰۰

فوائد و نصائح

الْإِصْنُ جَلَّالَهُ

۲۰۱

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۶

فوائد و نصائح

الْقَهْرُ جَلَّالَهُ الْمُقْتَدِرُ جَلَّالَهُ

۲۰۷

۲۰۸

۲۰۹

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۲

فوائد و نصائح

الْمُقْتَدِرُ جَلَّالَهُ الْمُؤَخِّرُ جَلَّالَهُ

۲۱۳

۲۱۵

”الْمُقْتَدِرُ الْمُؤَخِّرُ جَلَّالَهُ“ کی شانِ تقدیم و تاخیر

فوائد و نصائح

۲۲۳

۲۲۴

الْأُولَى جَلَّ جَلَالُهُ الْخَيْرُ جَلَّ جَلَالُهُ

۲۲۶

اس اسم مبارک کے ذریعے ادائیگی قرض کی دعا

۲۲۷

فوائد و نصائح

۲۲۸

الْظُّلْمَةُ جَلَّ جَلَالُهُ الْبَطْنُ جَلَّ جَلَالُهُ

۲۲۹

وساوسِ شیطانیہ سے ”الْبَطْنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی پناہ مانگئے

۲۳۰

فوائد و نصائح

۲۳۱

الْوَالِي جَلَّ جَلَالُهُ

۲۳۲

جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا

۲۳۳

”الْوَالِي جَلَّ جَلَالُهُ“ کے ہاں دیر تو ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں

۲۳۴

”الْوَالِي جَلَّ جَلَالُهُ“ سے محبت کا انداز

۲۳۵

”الْوَالِي جَلَّ جَلَالُهُ“ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی دعا

۲۳۶

امانت کا نگران

۲۳۷

”الْوَالِي جَلَّ جَلَالُهُ“ سے انتہائی رغبت و شوق سے دعا مانگیں

۲۳۸

نظر بد دور کرنے کے لئے ”الْوَالِي جَلَّ جَلَالُهُ“ سے دعا مانگیں

۲۳۹

فوائد و نصائح

۲۴۰

الْمُتَعَلِّقُ جَلَّ جَلَالُهُ

۲۴۱

فوائد و نصائح

۲۴۲

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا واقعہ

۲۴۳

الْأَبْنُ جَلَّ جَلَالُهُ

۲۴۴

احسان کرنے والا اور دینے والا صرف ”الْأَبْنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہی ہے

۲۴۵

محسن کے احسان کا ہمیشہ شکر ادا کرنا چاہئے

۲۴۶

نیکی میں درجہ کمال حاصل کرنا

۲۴۷

”الْأَبْنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے محبت کرنے کی عظیم مثال

۲۴۸

حضرت ابوالدرداء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نیکی

۲۴۹

۲۵۴ ”الْبَرُّ جَلَّالٌ“ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کرنا

۲۵۵ فوائد و نصائح

۲۵۷ ”التَّوْبَةُ جَلَّالٌ“

۲۵۹ توبہ کی حقیقت

۲۶۱ ”التَّوْبَةُ جَلَّالٌ“ کا در ہر وقت کھلا ہے

۲۶۳ پادری، پیر و مرشد، فقیر و مجاور کسی کے گناہ معاف نہیں کر سکتے

۲۶۴ گناہ چھوڑنے کا آسان نسخہ

۲۶۵ توبہ کے فوائد

۲۶۵ بے چینی و پریشانی سے نجات کا مستند علاج

۲۶۶ سحری کے وقت گناہوں کی معافی مانگنے کی فضیلت

۲۶۸ فوائد و نصائح

۲۶۹ ”الْمَنْتَقِمُ جَلَّالٌ“

۲۶۹ ”الْمَنْتَقِمُ جَلَّالٌ“ ظالم سے دنیا ہی میں انتقام لے لیتے ہیں

۲۷۰ والدین کی نافرمانی پر دنیا ہی میں ”الْمَنْتَقِمُ جَلَّالٌ“ کی پکڑ

۲۷۰ ”الْمَنْتَقِمُ جَلَّالٌ“ کی قدرت کا کرشمہ

۲۷۱ قدرت کا انتقام

۲۷۳ آہ جاتی ہے فلک پہ رحم لانے کے لئے

۲۷۴ ”الْمَنْتَقِمُ جَلَّالٌ“ مظلوموں کو حق دلوانے والے

۲۷۴ ”الْمَنْتَقِمُ جَلَّالٌ“ انتقام لینے پر آئے تو کنکر کو بم بنا دے

۲۷۹ بعض جرائم کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے

۲۸۰ دوستوں اور رشتہ داروں سے انتقام لینے کے بجائے نفس سے انتقام لیں

۲۸۱ ”الْمَنْتَقِمُ جَلَّالٌ“ کی ناراضگی سے بچنے کی دعا

۲۸۱ فوائد و نصائح

۲۸۲ ”الْبَحْفُونُ جَلَّالٌ“

۲۸۵ یہ نام مبارک ہمیں معاف کرنے کی دعوت دیتا ہے

۲۸۷ جو معاف کرنے کی عادت بنائے گا وہ اس نام کی برکتیں پائے گا

۲۸۹	معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت
۲۹۰	”الْبِقْفُ جَلَّالًا“ سے اچھا گمان رکھنا چاہئے
۲۹۱	”الْبِقْفُ جَلَّالًا“ کی رحمت، غضب پر غالب ہے
۲۹۲	عبرت و نصیحت کی باتیں
۲۹۳	”الْبِقْفُ جَلَّالًا“ کی نگاہِ مغفرت و رحمت
۲۹۴	گناہوں کی معافی کی عظیم دعا
۲۹۴	”الْبِقْفُ جَلَّالًا“ کا محبوب عمل
۲۹۵	فوائد و نصائح
۲۹۷	”الْبُرُوفُ جَلَّالًا“
۲۹۹	”الْبُرُوفُ جَلَّالًا“ کی شفقتیں
۳۰۰	”الْبُرُوفُ جَلَّالًا“ کی رافت و رحمت کا عجیب کرشمہ
۳۰۱	دل و زبان ”الْبُرُوفُ جَلَّالًا“ کی دو عظیم نعمتیں
۳۰۲	شیطان سے بچاؤ کے لئے یہ دعا مانگئے
۳۰۲	فوائد و نصائح
۳۰۶	”مَالِکُ جَلَّالًا“
۳۰۷	”مَالِکُ جَلَّالًا“ چاہے تو فقراء کو تخت و تاج کا مالک بنا دے
۳۰۹	”مَالِکُ جَلَّالًا“ پر بھروسے کی ایک مثال
۳۱۰	اس اسم مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنے کی فضیلت
۳۱۲	حقیقی بادشاہ اللہ ہے
۳۱۳	حقیقی مالک تو وہی تھا، وہی ہے اور وہی رہے گا
۳۱۴	جس کا بھروسہ ”مَالِکُ جَلَّالًا“ پر ہو اس کو پریشانی کیسے چھوئے!
۳۱۵	فوائد و نصائح
۳۱۷	”مُحَمَّدُ جَلَّالًا“
۳۱۸	اس اسم مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنا
۳۱۹	نماز کے بعد کی دعا
۳۱۹	”مُحَمَّدُ جَلَّالًا“ اسمِ اعظم
۳۲۰	فوائد و نصائح

المُقْسِطُ جَلَّالَهُ

۳۲۱

۳۲۱

۳۲۲

۳۲۵

۳۲۶

۳۲۸

۳۲۸

۳۲۹

۳۳۱

۳۳۲

۳۳۳

۳۳۴

۳۳۵

۳۳۸

۳۳۹

۳۴۰

۳۴۰

۳۴۱

۳۴۲

۳۴۲

۳۴۵

۳۴۵

۳۴۵

۳۴۷

۳۴۸

۳۴۹

عادل و منصف صرف اور صرف **المُقْسِطُ جَلَّالَهُ** ہی ہیں

تمام مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے

عدل و انصاف پر قائم رہنا ہر خاص و عام کا فریضہ ہے

عدل و انصاف کے قیام میں رکاوٹ بننے والے اسباب

ایک گھڑی کے عدل کا ثواب

عدل و انصاف برکت کا ذریعہ ہے

فوائد و نصائح

الجَبِيحُ جَلَّالَهُ

”**الجَبِيحُ جَلَّالَهُ**“ سے گمان اچھا رکھیے

گم شدہ چیز واپس ملنے کے لئے یہ دعا مانگئے

فوائد و نصائح

الْبَغِيضُ جَلَّالَهُ

غنا کے اسباب میں سے ایک سبب صلہ رحمی ہے

صلہ رحمی کس چیز کے ذریعے کی جائے؟

رشتہ داروں کو ناراض رکھنا بے برکتی کا سبب ہے

صلہ رحمی کا عجیب اور پیارا طریقہ

”**الْبَغِيضُ جَلَّالَهُ**“ فقیر کو غنی بناتا ہے

ہر رات سورہ واقعہ پڑھنا اور موجودہ نعمتوں پر شکر غنا کا سبب ہے

”**الْبَغِيضُ جَلَّالَهُ**“ نے جتنا دیا ہے اس پر دل سے شکر کریں

بندوں کو رزق دینا ”**الْبَغِيضُ جَلَّالَهُ**“ کے ذمہ ہے

فوائد و نصائح

مال داری کے فتنہ سے حفاظت کی دعا مانگئے

الْمَغْنِيُّ جَلَّالَهُ

غنائے رسول ﷺ

”**الْمَغْنِيُّ جَلَّالَهُ**“ کی قدرت کے کرشمے

- قرض کی ادائیگی کے لئے دعا ۳۵۰
- فوائد و نصائح ۳۵۲
- الْمَلِیْعُ بِمَا جَلَّالَهُ** ۳۵۳
- جب ”الْمَلِیْعُ بِمَا جَلَّالَهُ“ نے موت کو روکنے کا حکم دیا ۳۵۴
- ”الْمَلِیْعُ بِمَا جَلَّالَهُ“ مخلوقات کے شر کو روکنے والا ۳۵۵
- عطا و منع کرنے والا صرف ”الْمَلِیْعُ بِمَا جَلَّالَهُ“ ۳۵۶
- فَإِنَّ مَنْ لَا يَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهِ الْفَاسَ كَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيهِ الْبَاسَ ۳۵۶
- ”الْمَلِیْعُ بِمَا جَلَّالَهُ“ کی قدرت کے کرشمے ۳۶۰
- کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب ۳۶۰
- آگ کا کافر بادشاہ کو حیران کن جواب ۳۶۱
- جب ”الْمَلِیْعُ بِمَا جَلَّالَهُ“ نے سانپ کو نقصان پہنچانے سے روک دیا ۳۶۱
- ”الْمَلِیْعُ بِمَا جَلَّالَهُ“ جس مصیبت کو روک دے وہ کبھی نہیں آسکتی ۳۶۲
- تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا ۳۶۳
- فوائد و نصائح ۳۶۵
- الضَّمَا جَلَّالَهُ الْفِیْعُ بِمَا جَلَّالَهُ** ۳۶۶
- انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کا اصل کام ۳۶۷
- کوئی انسان تقدیر نہیں بدل سکتا ۳۷۱
- رشتہ داری نفع و نقصان نہیں دے سکتی ۳۷۲
- فوائد و نصائح ۳۷۳
- النُّوْرُ جَلَّالَهُ** ۳۷۴
- نور کی تعریف ۳۷۵
- نورِ مؤمن ۳۷۹
- صرف النُّوْرُ جَلَّالَهُ ہی نور و ظلمت دونوں کے خالق ہیں ۳۷۷
- النُّوْرُ جَلَّالَهُ نے آنکھوں میں نور پیدا کیا، روزِ قیامت بھی وہی نور دے گا ۳۷۹
- میدانِ حشر میں نور اور ظلمت کے اسباب ۳۸۰
- جب دل میں نور پیدا ہو جائے تو حرام سے بچنا آسان ہو جاتا ہے ۳۸۲

- ۳۸۳ نور طلب کرنے کے لئے آپ ﷺ کی ایک نہایت جامع دعا
- ۳۸۸ حفظ و امان میں آنے کی دعا
- ۳۸۸ فوائد و نصائح

الہدائی جَلَّالہ

- ۳۸۹ ہدایت کا اعلیٰ درجہ
- ۳۹۰ ہدایت طلب کرنے کی اہمیت پر امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ
- ۳۹۲ راہِ مستقیم کی ہدایت دینے والا صرف ”الہدائی جَلَّالہ“ ہے
- ۳۹۵ دعوت، ہدایت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے
- ۳۹۷ جن کی دعوت پر اسلام قبول کرنا
- ۳۹۹ انسان کو سائنسی تعلیم بھی ”الہدائی جَلَّالہ“ کی طرف سے عطیہ ہے
- ۳۹۹ ”الہدائی جَلَّالہ“ سے ان الفاظ میں ہدایت کی دعائیں مانگئے
- ۴۰۰ فوائد و نصائح

النبی جَلَّالہ

- ۴۰۲ ”النبی جَلَّالہ“ کی قدرت کے عجیب کرشمے
- ۴۰۳ ۱۔ چیونٹی
- ۴۰۶ النبی جَلَّالہ نے آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا
- ۴۰۷ ایک قطرہ آب سے انسان کی پیدائش
- ۴۰۷ خون کے درمیان سے خالص دودھ
- ۴۰۸ دانے کا زمین میں پھول کر پھٹنا
- ۴۰۸ آم کے درخت میں تر بوڑھے
- ۴۱۰ قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کر دیا
- ۴۱۱ بے زباں جانور کا بولنا النبی جَلَّالہ کی قدرت
- ۴۱۲ النبی جَلَّالہ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟
- ۴۱۳ پرندے راستہ کیوں نہیں بھولتے؟
- ۴۱۴ اس آئینے میں سبھی عکس ہیں تیرے
- ۴۱۵ النبی جَلَّالہ کے کرم کا ایک واقعہ

فوائد و نصائح

۴۱۵

الباقی جلالہ

۴۱۶

۴۱۶

”الباقی جلالہ“ کے سوا ہر چیز فانی ہے

۴۱۸

قرآن کہتا ہے

۴۱۹

الباقی جلالہ سے تعلق پیدا کرنے کی دعا

۴۲۱

ٹینشن اور ڈپریشن دور کرنے کے لئے ان کلمات کو یاد کر لیجئے

۴۲۳

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے فانی چیزوں سے دل نہیں لگایا

۴۲۴

کتنے سعادت مند تھے یہ لوگ

۴۲۵

الباقی جلالہ سے حسن خاتمہ مانگئے

۴۲۵

اس فانی دنیا کی بے ثباتی

۴۲۷

فانی دنیا کے ناکام عاشق

۴۲۷

اس فانی محل میں دو عیب ہیں

۴۲۸

”الباقی جلالہ“ کی مخلوقات کی عارضی بقاء

۴۲۹

فانی چیزوں سے دل نہ لگانے کی نصیحت

۴۲۹

فکر و غم کے ازالے کی ایک دعا

۴۳۰

فوائد و نصائح

۴۳۱

الوارث جلالہ

۴۳۳

الوارث جلالہ کی راہ میں خرچ

۴۳۵

کسی کے انتقال پر تقسیم میراث

۴۳۷

الوارث جلالہ کی بہترین وراثت

۴۳۸

فوائد و نصائح

۴۳۹

الرشید جلالہ

۴۴۰

”الرشید جلالہ“ کی جانب سے رشد و ہدایت کی راہ

۴۴۱

الرشید جلالہ کی ہدایت کی روشنی

۴۴۲

نفس کی برائی سے پناہ اور رشد و بھلائی مانگنے کی دعا

۴۴۲

فوائد و نصائح

الصَّبْرُ جَلَّالَہٗ

- ۴۴۳ صبر اور نماز ہر مشکل کا حل اور ہر تکلیف کا علاج ہیں
- ۴۴۴ لوگوں کی ایذا کا مقابلہ صبر اور نصرت الہی سے کیجئے
- ۴۴۶ مصیبت کے وقت صبر کرنا اور "الصَّبْرُ جَلَّالَہٗ" ہی سے مدد طلب کرنا
- ۴۴۶ مشکلات و مصائب سے نجات کا نسخہ اکسیر
- ۴۴۷ صبر کی اصل حقیقت
- ۴۴۸ دکھ سکھ، خوشی اور ناخوشی سب **الصَّبْرُ جَلَّالَہٗ** کی طرف سے ہے
- ۴۵۰ جو اپنی مصیبت کسی پر ظاہر نہ کرے اس کے لئے بخشش کا وعدہ
- ۴۵۱ دنیا و راحت کی جگہ نہیں
- ۴۵۳ پریشانیوں میں گھبرانا نہیں چاہئے
- ۴۵۴ صبر..... معیت خداوندی کا ذریعہ
- ۴۵۵ اقسام صبر
- ۴۵۶ واقعات صبر
- ۴۵۷ صبر کے آداب
- ۴۵۷ مصائب کے فوائد
- ۴۵۸ مصائب کو ہلکا کرنے کی تدابیر
- ۴۵۹ تکالیف گناہوں کا کفارہ ہیں
- ۴۶۰ جنت کے تحفے
- ۴۶۰ معیار مصیبت
- ۴۶۰ **الصَّبْرُ جَلَّالَہٗ** سے تعلق پیدا کرنے کے لئے صبر کرنا چاہئے
- ۴۶۱ صبر کے درجات
- ۴۶۲ مصیبت میں بھی غور کرنے سے شکر کا پہلو سامنے آئے گا
- ۴۶۳ صبر کی برکات
- ۴۶۴ شاہد و صابر ہونے کی دعا
- ۴۶۴ فوائد و نصائح
- ۴۶۵ مصادر و مراجع

Muhammad Hassan Jan

Sheikhul Hadith, Jamia Imdadul Uloomul Islamia, Peshawar Cantt,
M.A. Islamic University of Madina Munawara
M.A. (Gold Medalist) Peshawar University
Voice President Wifaq Almadaris
Ex. Member National Assembly Pakistan
Ex. Member Council of Islamic Ideology Pakistan
Tel: Office: 271497 Res: 844302

Ref No: _____

Date: ۳/۱۱/۲۰۰۶

۱۰/۱۱/۱۴۲۷ھ

محمد حسن جان

شیخ الحدیث بجا معة امداد العلوم الاسلامیہ پشاور صدر پاکستان
(خبر بچہ النجاة معة الاسلامیہ بالمدینة المنورة)
الما جستیوریت جامعہ پشاور
نائب رئیس وفاق المدارس
عضو المجلس الوطني سابقاً
عضو مجلس الفکر الاسلامی بحكومة پاکستان الاسلامیہ سابقاً
ہاتف الجا معة: ۲۷۱۴۹۷ ہاتف المنزل: ۸۴۴۳۰۲

تقدیر**بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ **الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى** وَنَحْنُ نَدْعُوهُ بِهَا. وَصَلَاتُهُ وَسَلَامُهُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ مُحَمَّدٍ الْمُجْتَبَى وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَعَلَى مَنْ افْتَدَى بِسِيرَتِهِ وَاهْتَدَى وَبَعْدُ! فَإِنَّ هَذَا الْكِتَابَ الْمُسْتَطَابَ بَيْنَ يَدَيْكَ أَيُّهَا الْقَارِي الْكَرِيمُ. كِتَابٌ قِيمٌ وَصَحِيفَةٌ عِلْمِيَّةٌ نَبِيَّةٌ، أَوْضَحَ فِيهِ أَخُونَا فِي اللَّهِ تَعَالَى **"مُحَمَّدٌ حَنِيفٌ"** - الْمُحْتَرَمُ حَفِظَهُ اللَّهُ تَعَالَى - **أَسْمَاءُ اللَّهِ الْحُسْنَى** الَّتِي وَرَدَتْ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَشَرَحَهَا مُفَصَّلًا، وَاعْتَنَى بِكَلِمَاتِهَا وَمِيزَاتِهَا، وَمَا وَرَدَ فِي فَضَائِلِهَا فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ الْمُطَهَّرَةِ، وَمَا اهْتَمَّ بِهِ سَلَفُنَا الصَّالِحُ فِي وَرْدِهَا وَذِكْرِهَا، وَفِي مَا جَعَلُوهُ لِحَلِّ مَشَاكِلِهِمُ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالْآخِرَوِيَّةِ فِي التَّوَسُّلِ بِهَا، وَمَا بَيَّنُّوا مِنْ مَعَالِمِ الْهُدَايَةِ فِيهَا لِلْأُمَّةِ الْمَرْحُومَةِ.

وَلَقَدْ أَعْجَبَنِي جَدًّا مَا مَرَحْتُ فِي أَوْرَاقِهِ الْبَرَّاقَةِ مِنْ نَظَرِي الْقَاتِرِ فِي عَجَلَةِ الْمُسْتَوْفِرِ. وَأَرْجُو اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَنْ يَنْفَعَ بِهِ الْعُلَمَاءَ وَالنَّاشِئَةَ مِنَ الطَّلَبَةِ، وَعَامَّةَ الْمُسْلِمِينَ مِمَّنْ طَالَعُوهُ بِحُبِّ الْقَلْبِ وَعَزَمِ الْإِسْتِفَادَةِ مِنْ أَضْوَائِهِ **إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى**، وَأَنْ يَجْعَلَهُ وَسِيلَةً لِنَجَاةِ الْمُؤَلَّفِ الْمُحْتَرَمِ وَإِخْوَانِهِ الَّذِينَ سَاعَدُوهُ فِي جَمْعِهِ وَطَبْعِهِ وَذُخْرًا لِعِقَابِهِمْ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ وَهُوَ وَلِيُّ ذَلِكَ وَالْقَادِرُ عَلَيْهِ.

اخوهم في الله

محمد حسن

غفر له ولوالديه

بسم الله

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلمات تبریک

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ نے بہت مختصر عرصے میں کئی مفید کتابیں مرتب فرمائی ہیں: مثالی استاذ، مثالی ماں، تحفہ ولہن اور تحفہ دولہا، ان کی مرتبہ کردہ مقبول عام کتابیں ہیں۔ اس ناکارہ نے ان کی بعض کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور دورانِ مطالعہ محسوس ہوا کہ انہوں نے کتاب ترتیب دیتے وقت ہمارے معاشرے کی نفسیات کو بطور خاص پیش نظر رکھا ہے، ان کا اسلوب عام فہم، انداز انتہائی سہل لیکن سنجیدہ و پروقار، تحریر کے بین السطور میں ایک داعی و مبلغ کا درد اور اصلاح کا جذبہ نمایاں، اکابر کی تحریروں سے جگہ جگہ مفید اقتباسات، خوب صورتی اور سلیقہ مندی کے ساتھ کتاب کی طباعت اور اشاعت ان کی اور ان کے ادارے کی کتابوں کی یہ چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

زیر نظر کتاب انہوں نے ”اسماءِ حسنیٰ“ کے موضوع پر مرتب فرمائی ہے۔ یہ ایک معطر اور مشک بار موضوع ہے، اللہ کے ایک ایک اسم میں جو مٹھاس، حلاوت اور روحانیت ہے اس کا احساس ایک قلبِ مؤمن ہی کو ہو سکتا ہے۔ اس ناکارہ نے ان کی اس کتاب کا کچھ حصہ پڑھا، ان کے قلم کی خصوصیت اس میں بھی اس طرح جھلکتی ہے، انہوں نے اولاً ایک اسم ذکر کیا ہے، اس کے معنی لکھے ہیں، پھر اس کی سیر حاصل تشریح کی ہے اور اس اسم سے متعلق دوسری کئی مفید بحثوں کو بھی مختلف مناسبتوں سے قلم بند کیا ہے، جو کچھ لکھا اس کے حوالہ جات کا بھی اہتمام کیا ہے، مثلاً: ”السَّعْلَا“ کے تحت سلام کرنے کی فضیلت، سلامتی کا مفہوم اور سلامتی کی دعائیں بھی ذکر کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ان کے لئے ذخیرہ آخرت اور قارئین کے لئے مفید بنائیں۔

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب

تقریظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مولانا حافظ قاری مفتاح (اللہ عفا اللہ عنہ) Moulana Hafiz Qari Miftahullah

USTAD HADIS, TAFSEER, FIQAH & ASOOL-E-FIQAH

Jamia-tul-Uloom-il-Islamiyyah,

Allama Banuri Town, Karachi-5.

KHATIB JAMIA MASJID GULSHAN-E-UMER

Federal 'B' Area, Block No. 20,

Karachi-Pakistan.

استاذ حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فقہ
جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی ۵
خطیب جامع مسجد گلشن عمر۔ فیڈرل بی ایریا بلاک ۲۰
کراچی۔ پاکستان

DATE ۱۴۲۶ - ۰۹ - ۰۱

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

اَمَّا بَعْدُ! اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں مختلف لوگوں کو مختلف اعمال و اشغال کے لئے پیدا کیا ہے:

ہر کسے راہرے کارے ساختہ میل اورا در دیش انداختہ

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ ان ہی خوش قسمت لوگوں میں سے مؤلف سَلَّمَ اللہُ تَعَالٰی کا خاندان ہے۔

مولانا محمد حنیف صاحب نے کئی گراں قدر تصانیف کی ہیں، الحمد للہ ”تحفہ ولہن“، ”تحفہ دولہا“، ”والدین کی قدر کیجئے“، مقبول عام و خاص ہیں۔ ان ہی میں سے زیر نظر تصنیف ”اسماءِ حسنی“ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عوام و خواص کے لئے مفید بنائے۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا مظہر ہے، اور انسان اپنی تمام ضروریات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء کا محتاج ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے ان شاء اللہ وہ تمام معلومات حاصل ہوں گی جو اسماء مبارکہ سے متعلق ہیں۔ ایک مرتبہ پھر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو مقبول و نافع بنائے، آمین ثم آمین۔

سید اسحاق
دسم رسنان اسلام
۱۲ ۱۳ ۱۴

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے مخصوص لوگ پیدا فرمائے ہیں، اور ان لوگوں کے دل میں اُس کام کا میلان اور شوق بھی پیدا فرمایا ہے۔“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہ العالی

استاذِ حدیث و نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

احقر نے براہِ مکرم مولانا حنیف عبد المجید صاحب زید مجدہم اور ان کے احباب کی مرتب کردہ کتاب "اسماءُ حسنیٰ" دیکھی اور اس کے کچھ صفحات متفرق مقامات سے پڑھے تو احقر کو قلبی طور پر بہت فائدہ محسوس ہوا۔ اکابر کے علوم بہت آسان زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازیں اور اس کا نفع خوب عام فرمائیں۔ آمین

احقر محمد رفیع منشاہ

حاجہ سہارا لعل لعل کراچی (۷۵۱۸۰)

۵ رزوالقعدہ ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ طبع اول

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

اما بعد انسان کے مختلف بشری تقاضے اور ضروریات ہوتی ہیں، جب انسان پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے، مصائب و مشکلات کا شکار ہوتا ہے اور مخلوق میں سے کسی کے بارے میں اس کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص میرا کام کر دے گا، تو یہ اس کی تلاش میں لگ جاتا ہے، اگر کوئی کہہ دے کہ فلاں تھانیدار، گورنر، وزیر سے میری جان پہچان ہے، تو انسان مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب میرا کام ہو جائے گا۔ اسی طرح انسان کی کوشش یہ ہو کہ ہم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی جان پہچان نصیب ہو جائے یعنی ہر پریشانی، ہر مصیبت بل کہ ہر آن، ہر گھڑی، ہر حال میں ہماری نگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ انسان کا تعلق اپنے خالق سے کس طرح قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کو کس طرح حاصل ہو؟

اس کا ایک اہم ذریعہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ ہیں۔ جب انسان ان ناموں کے معنی اور مفہوم میں غور و فکر کرے اور ان میں موجود صفات سے تعلق اور نسبت پیدا کرے، تو یہ انسان دونوں جہانوں میں کامیاب ہوگا۔

جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کی صفات و معرفت ہوں گی، اُس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق نصیب ہوگا، اور جس کو اللہ تعالیٰ کا تعلق مل گیا اس کو کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہو سکتی، بقول کسی شاعر کے

جس کو مولیٰ ملے اُسے کوئی مرض نہ ملے جس کو مولیٰ نہ ملے اُسے کوئی دوا نہ ملے

اسی طرح جس کو اسمائے حسنیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی، تو اس کو پریشانی و بے چینی نہیں ستائے گی اور اس میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہوگا، اس لئے کہ جو شخص یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ ہی عَلِيمٌ وَ خَبِيرٌ ہے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے، تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے زیادہ خوف رکھے گا، برخلاف اس شخص کے، جو اللہ تعالیٰ کی یہ صفات نہیں جانتا، اور جو شخص یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ قَدِيرٌ ہے، ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، تو وہ اس شخص کے مقابلے میں زیادہ متقی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے ناواقف ہو۔

اسی بات کی حقیقت دل میں بٹھانے کے لئے ”اسمائے حسنیٰ حصہ اول“ کے بعد ”اسمائے حسنیٰ حصہ دوم“ کی تیاری میں یہ ادنیٰ سی کوشش کی گئی ہے، جس میں مندرجہ ذیل امور کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا ہے:

① اسمائے حسنیٰ کے لغوی و اصطلاحی معنی۔

۲ قرآن کریم کی جن آیات میں اسماءِ حسنیٰ کا ذکر ہے اُن میں سے کم از کم تین آیات کا ذکر۔

۳ قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ اور ائمہ کرام کے اقوال کی روشنی میں اسماءِ حسنیٰ کی تشریح۔

۴ اسماءِ حسنیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے مواعظِ حسنہ۔

۵ ہر اسم کے تحت اس اسم کی خصوصیات سے متعلق مفید اذکار اور دعائیں۔

۶ ہر اسم کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے فوائد و نصائح۔

آخر میں گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں، مصنفین اور مؤلفین کو یاد رکھیں جن کی کتب سے یہ کتاب تیار کی گئی ہے۔

تاہم یہ کام پایہ تکمیل کو اس وقت تک نہ پہنچتا جب تک اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق الہی کے ساتھ ساتھ مخلص احباب کی ایک مجلس شوریٰ اس کے لئے دن رات ایک نہ کر رہی ہوتی، خاص کر شروع کی تصحیح میں مولوی صالح صاحب اور مولوی عمیر صاحب (فاضلانِ جامعہ فاروقیہ)، اور ان کے بعد عزیزم مولوی ریاض احمد صاحب (فاضل جامعہ فاروقیہ)، مولوی ارشد محمود صاحب (فاضل جامعہ عربیہ احسن العلوم)، اور مولوی ارشد اقبال صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن) کے تعاون کا نہایت ممنون ہوں۔

ان کے لئے بھی اور ادارہ کے تمام اساتذہ معاونین کے لئے بھی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی عافیت نصیب فرمائے اور اعلائے دین کی خدمت کے لئے دیر سے دیر اور دور سے دور کے لئے ہم سب کو قبول فرمائے اور بندہ کے لئے بھی فرض نماز کے بعد ضرور دعا کیجئے اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

”مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ“^۱

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو کوئی مسلمان اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے غائبانہ (پیٹھ پیچھے) دعا کرے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔“

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حصہ اول کی طرح حصہ دوم کو بھی اپنی بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت سے نوازیں، آمین۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

مُحَمَّدٌ حَنِيفٌ عَبْدُ الْمُجِيدِ

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ طبع ثانی

﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ (الضحیٰ: ۱۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! میرے لئے زیرِ نظر کتاب ”اسماءُ حسنی“ کا تالیف کرنا انتہائی خوشی کی بات ہے۔ ہر انسان کی کوئی آخری تمنا ہوتی ہے، میری آخری تمنا یہی تھی کہ مولائے کریم اپنے ناموں کی تشریح و تفسیر کے لئے میرے قلم اور میرے ساتھیوں کو منتخب فرمائے۔

کتنا اس پر شکر کروں اور کتنی سعادت سمجھوں اپنے لئے، اپنے خاندان، اپنے اساتذہ و والدین کے لئے کہ اُس مولائے کریم نے اپنے ناموں کا تعارف کروانے کی ہمیں سعادت بخشی۔

لَقَدْ جُدتْ اِنْعَامًا عَلٰی وَمِنَّةً وَفَضْلًا وَاِحْسَانًا فَهَا اَنَا شَاكِرٌ

یہ نام صرف نام نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی (جو اس کائنات زمین و آسمان اور انسان کا پیدا کرنے والا اور اس کا رخانہ قدرت کا تنہا چلانے والا ہے) صفات ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان خوبیوں، قدرتوں، کمالات اور اوصاف کا مالک ہے، اس کو اپنی مخلوق سے کیسا تعلق ہے، وہ ان پر کتنا مہربان ہے،..... وہ کتنا قابلِ محبت، مستحقِ اطاعت و عبادت اور تعظیم و احترام ہے، کیا چیز ہے جو اس کے پاس نہیں، اور اس کے احاطہ قدرت میں داخل نہیں؟ کائنات میں اس سے زیادہ محبت کرنے والا..... اچھائی کی قدر کرنے والا..... رحم کرنے والا..... انصاف کرنے والا..... چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا..... اور بڑی سی بڑی چیز اور مشکل سے مشکل کام کو نیست (عدم) سے ہست (وجود) میں لانے والا، اور ناممکن کو ممکن بنا دینے والا، اس کے علاوہ کون ہے؟ پھر کیوں نہ اس سے محبت کی جائے، اس کی بڑائی کے گیت گائے جائیں، اُٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیا جائے، ہر مشکل ہر مصیبت میں اس کو پکارا جائے اس کی دہائی دی جائے، اس کے سہارے جیا جائے، زندگی بھر اس کا دم بھرا جائے اور اس کے منشاء پر چلا جائے، اپنی جان اپنے ماں باپ اور اولاد اور پیاری سے پیاری چیز سے زیادہ اس سے محبت کی جائے، پھر اس سب کے ہوتے ہوئے اس کے سوا کسی کی بندگی کرنے، کسی سے دعا و التجا کرنے اور کسی کو کارساز و مشکل کشا سمجھنے کا کیا جواز ہے۔ تمام آسمانی صحیفوں اور مذہبوں اور تمام شریعتوں نے بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات پر دیا ہے، اس کے بعد عبادات، طاعات، اور فرائض و معاملات کی

ترجمہ: ”بلا شک و شبہ آپ نے مجھ پر انعامات اور احسانات کی بارش کر دی ہے، لیجئے میں آپ کے عظیم و عالی دربار میں شکر کرنے آ پہنچا۔“

تفصیل بیان کی ہے۔

ہمارے مسلمانوں کے لئے عموماً اور اردو زبان جاننے والوں کے لئے خصوصاً یہ انتہائی سعادت اور خوشی کی بات ہے کہ اس زبان کے اندر اگرچہ یہ انوکھا البیلا تو نہیں، البتہ ہمارے علم کے موافق اس طرح کا یہ پہلا کام ہے جو محض بتوفیق الہی ہم سے لیا گیا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ! عربی زبان میں اس پر بے شمار کتب تیار ہو چکی ہیں کہ ”اسمائِ حسنیٰ“ سے جو اصل مقصد ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت، توحید، اللہ تعالیٰ کی محبت، وہ انسانوں کو بتلایا جائے۔ اس لحاظ سے اس طرح کا کام اردو زبان میں کم ہوا تھا..... **بِحَمْدِ اللَّهِ تَعَالَى** اب یہ کام مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس نئے ایڈیشن میں بندہ اپنے معاونین مولوی اختر علی صاحب (سابق استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی) اور مولوی خلیل الرحمن صاحب (فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی) کا نہایت ممنون ہے جنہوں نے پروف ریڈنگ، علامات ترقیم اور تصحیح و تخریج میں کافی تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کی قبولیت اور بندہ اور بندہ کے معاونین حضرات کے لئے صدقہ جاریہ اور نجات کا ذریعہ بننے کے لئے آپ حضرات سے دعا کی درخواست ہے اور گزارش ہے کہ اس کتاب کو اپنے رشتہ داروں، دوست احباب اور تعلق والوں میں خوب عام کریں، تاکہ دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں کی معرفت اور اللہ رب العزت سے محبت پیدا کرنے میں آپ کا بھی حصہ شامل ہو جائے، کیوں کہ انسانی معاشرے میں اگر ”اسمائِ حسنیٰ“ سے حاصل ہونے والے اخلاق و صفات آجائیں تو ہر کنبہ اور معاشرہ جنت کدہ بن سکتا ہے، ہر زمانے اور خاص طور پر مادیت کے اس دور میں ہزار ہا انسانی مسائل کا حل اسمائِ حسنیٰ میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اسماء مبارکہ کے فیوض و برکات، انوار و اسرار اور اخلاق و آثار نصیب فرمائے۔ آمین

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ.

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبد المجید

۱۵ محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

الحکیم جل جلالہ

(بڑی حکمتوں والا)

اس اسم کے تحت تین تعریضیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ الْحَكِيمُ: الَّذِي لَا يَدْخُلُ فِي تَدْيِيرِهِ خَلْلٌ وَلَا زَلٌّ۔

ترجمہ: علامہ ابن جریر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْحَكِيمُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جس کی تدبیریں مضبوط ہیں اور اُن میں کوئی خلل اور رکاوٹ نہیں آتی۔

۲۔ علامہ ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْحَكِيمُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو اپنے تمام افعال و اقوال میں حکیم ہے۔ اس طرح کہ ہر چیز کو اس کی صحیح جگہ پر اپنے علم، حکمت اور انصاف کے ساتھ رکھتا ہے۔

۳۔ حضرت امام حلیمی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْحَكِيمُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے کہ ٹھیک بات کہنا اور صحیح کام کرنا ہی اس کی شان ہو اور مناسب بھی یہی ہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ہوں اس لئے کہ اس کے افعال بالکل مناسب اور اس کی پیدا کردہ چیزیں بالکل ٹھیک ہیں اور یہ سب باتیں حکیم ذات کے علاوہ کسی سے نہیں ہو سکتیں جیسا کہ تمام کاموں پر قدرت اسی ذات کو ہے جو زندہ ہے، تمام باتوں کو جانتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اللہ پاک کا اسم مبارک ”الْحَكِيمُ“ قرآن مجید میں (۹۴) مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین یہ ہیں:

﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

۱۔ النهج الاسمی: ۲۴۴/۱

۲۔ قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: الْحَكِيمُ فِي أَعْمَالِهِ وَأَقْوَالِهِ فَيَضَعُ الْأَشْيَاءَ فِي مَحَالِّهَا لِعِلْمِهِ وَحُكْمَتِهِ وَعَدْلِهِ. (تفسیر ابن کثیر: ۱۲۲، البقرة: ۱۲۹)

۳۔ وَقَالَ الْحَلِيمِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: ”الْحَكِيمُ“ وَمَعْنَاهُ الَّذِي لَا يَقُولُ وَلَا يَفْعَلُ إِلَّا الصَّوَابَ، وَإِنَّمَا يَنْبَغِي أَنْ يُوصَفَ بِذَلِكَ لِأَنَّ أَعْمَالَهُ سَدِيدَةٌ، وَصُنْعُهُ مُنْقِنٌ، وَلَا يَظْهَرُ الْفِعْلُ الْمُتَقِنُ السَّدِيدُ إِلَّا مِنْ حَكِيمٍ، كَمَا لَا يَظْهَرُ الْفِعْلُ عَلَى وَجْهِ الْإِخْتِيَارِ إِلَّا مِنْ حَيٍّ عَالِمٍ قَدِيرٍ. (النهج الاسمی: ۲۴۴/۱)

۴۔ البقرة: ۲۲۸

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے۔“

﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾^{۱۹}

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

﴿وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾^{۲۰}

ترجمہ: ”اور وہی بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔“

حکمتِ خداوندی کی کھلی نشانی

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی اپنے سفرنامے میں اس قدرتِ باری تعالیٰ کا عملی مشاہدہ بیان فرماتے ہیں:

”کیپ ٹاؤن دنیا کے حسین ترین مقامات میں سے ایک ہے۔ یہاں سمندروں، پہاڑوں، جھیلوں اور سرسبز میدانوں میں ہر طرح کا فطری حسن موجود ہے اور اسی شہر کے جنوب میں تقریباً ۷۰،۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر وہ مشہور تاریخی ٹیلہ ہے، جسے اردو میں ”راسِ اُمید“ عربی میں ”رَأْسُ الرَّجَاءِ الصَّالِحِ“ اور انگریزی میں (Cap of good hope) کہا جاتا ہے، جو اس سمت میں آباد دنیا کا آخری کنارہ ہے۔

یہیں سے ”واسکو ڈی گاما“ نے ہندوستان کا راستہ دریافت کیا تھا اور اسی مقام پر دنیا کے دو بڑے سمندروں ”بحرِ اوقیانوس“ اور ”بحرِ ہند“ کا وہ سنگم ہے جو ﴿مَجْرَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيْنَ﴾^{۲۱} کا دل آویز منظر پیش کرتا ہے۔ اس سے پہلے بھی یہاں آنا ہوا تھا لیکن اس وقت ابر آلود موسم کی وجہ سے دونوں سمندروں کا امتیاز واضح نہ تھا۔ اس مرتبہ موسم صاف تھا، اس لئے وہ امتیازی لکیر میلوں دور تک نظر آرہی تھی جسے قرآن حکیم نے ﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيْنَ﴾^{۲۲} سے تعبیر فرمایا ہے اور جسے دیکھ کر انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾^{۲۳}

اسی طرح حکمتِ خداوندی کے بہت سے مظاہر انسان اپنے جسمانی نظام میں غور کرے تو نظر آئیں گے مثلاً: سانس لینا، کھانا پینا، پیدل چلنا وغیرہ۔ لوگوں کے لئے یہ فطری باتیں ہیں، مگر یہ بنیادی کام کس طرح عمل پذیر ہوتے ہیں اس میں غور نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر جب ہم پھل کھاتے ہیں، عین اُسی وقت ہمارا جسم بڑی جزئیات کے ساتھ ایسے فعل سے گزر رہا

۱۹۔ الانعام: ۱۸

۲۰۔ النساء: ۲۶

۲۱۔ الرحمن: ۱۹، ترجمہ: ”اس نے دو دریا جاری کر دیئے جو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔“

۲۲۔ الرحمن: ۲۰، ترجمہ: ”ان دونوں میں ایک آڑ ہے کہ اس سے بڑھ نہیں سکتے (یعنی دونوں کے پانی آپس میں نہیں ملتے)۔“

۲۳۔ المؤمنون: ۱۴، ترجمہ: ”سو بڑی برکت اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔“ (جہان دیدہ: ۶)

ہوتا ہے جس کا ہمیں تصور تک نہیں ہوتا۔

جوں ہی خوراک کا ایک لقمہ ہمارے منہ کے اندر جاتا ہے تو نظام ہضم اپنا کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ لعاب دہن خوراک کو پہلے گیلا کرتا ہے اور پھر دانتوں سے اس کے پس جانے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل ہو جانے پر مری (Oesphagus) سے نیچے معدے میں اتار دیتا ہے۔ یہاں پہنچ کر معدے میں موجود نمک کے ترشے سے یہ خوراک ہضم ہو جاتی ہے۔ یہ ترشہ اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اس میں موجود صلاحیت خوراک کو تحلیل کر دیتی ہے۔ مفید خوراک کے وہ ٹکڑے جن کو نظام ہضم توڑتا ہے، انہیں چھوٹی آنت کی دیواریں جذب کر لیتی ہیں اور یہ خون کی ندی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ چھوٹی آنت کے اندر کی سطح پر چھوٹے چھوٹے عسلج (Tendrils) جمع ہو جاتے ہیں۔ جنہیں خملہ (Villus) کہتے ہیں۔ اس کے سب سے اوپر والے حصے میں موجود خلیوں پر خورد بینی تو وسیع ہوتی ہے، جسے خورد خملے (Micro Villus) کہتے ہیں۔ یہ توسیعات خوراک کو جزو بدن بنانے کے لئے پمپوں کا کام کرتی ہیں۔ اس طرح جزو بدن بننے والی خوراک جسم میں دوران خون کے نظام کے ذریعے چاروں طرف پہنچادی جاتی ہے۔

اب آپ ایک جان دار کے بارے میں تصور کر سکتے ہیں کہ جب خوراک اُس کے معدے کے اندر پہنچتی ہے تو اس کے اندر کئی کیمیائی تبدیلیوں سے معدے میں اسے توڑنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور محض کسی ارتقائی عمل سے اُس کے جسم میں اس قسم کی کیمیائی تبدیلی ممکن نہیں۔ مزید برآں یہ کہ اس تحلیل کے دوران معدے کی دیواریں ساتھ ساتھ وہ افراز (Secretion) پیدا کرتی ہیں جسے لعاب کہتے ہیں۔

اگر یہ پیدا نہ ہو تو ترشہ تو معدے کو تباہ کر دے گا۔ اس لئے زندگی کو قائم رکھنے کے لئے معدے کو یہ دونوں سیال مادے (ترشہ اور لعاب) ساتھ ساتھ پیدا کرنے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی تدریجی انطباق یا اتفاقی ارتقاء نہیں ہے، بل کہ اللہ رب العزت کی شعوری تخلیق اور حکمت کا مظہر ہے۔

الحکیم جلال اللہ کی حکمت کے کرشمے

یوں تو اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے، جو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر پیدا کی ہو، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عمل اور فائدہ ضرور ہے۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا:

نہیں کوئی چیز نکمی زمانے میں کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کوئی چیز بری پیدا نہیں فرمائی، تکوینی اعتبار سے سب اچھی ہیں، ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی تکوینی مصلحت ضرور ہے، البتہ جب ہمیں کسی چیز کی حکمت اور مصلحت کا پتہ نہیں ہوتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز

اللہ کی نشانیاں: ۳۷، بالتلخیص

بری ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی چیز بری نہیں۔ حتیٰ کہ وہ مخلوقات جو بظاہر موذی اور تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں مثلاً: سانپ اور بچھو ہیں، ان کو ہم اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے ان میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے، ان میں فائدہ موجود ہے، چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔

مکھی اور متکبر بادشاہ

واقِعَةُ مَلَبِک (۱): ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ ایک دن اپنے دربار میں بڑی شان و شوکت سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مکھی آکر اس کی ناک پر بیٹھ گئی، اس بادشاہ نے اس کو اڑا دیا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی، اس نے دوبارہ اڑایا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مکھیاں بہت ضدی قسم کی ہوتی ہیں۔ ان کو کتنا ہی اڑالو، وہ دوبارہ اسی جگہ پر آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ وہ بھی اسی قسم کی تھی۔ بادشاہ نے اس وقت کہا: خدا جانے یہ مکھی اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کی؟ یہ تو تکلیف ہی تکلیف پہنچا رہی ہے، اس کا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا۔ اس وقت دربار میں ایک بزرگ موجود تھے۔ ان بزرگ نے اس بادشاہ سے کہا: اس مکھی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ تم جیسے جابر اور متکبر انسانوں کے دماغ درست کرنے کے لئے پیدا کی ہے۔ تم اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تم اتنے عاجز ہو کہ اگر ایک مکھی تمہیں ستانا چاہے تو تمہارے اندر اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس کی تکلیف سے بچالو۔ اس کی پیدائش کی یہی حکمت اور مصلحت کیا کم ہے؟ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو کسی نہ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

ناکامی میں بھی حکمت ہے

واقِعَةُ مَلَبِک (۲): امام احمد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے نوف بکالی سے ایک عجیب حکایت نقل فرمائی ہے، فرمایا: ایک مرتبہ دو شخص مچھلیوں کے شکار کی غرض سے نکلے، ان میں ایک کافر تھا اور دوسرا مسلمان، کافر اپنا جال ڈالتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتا جس کی وجہ سے اس کا جال مچھلیوں سے بھر جاتا اور مسلمان اپنا جال ڈالتے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام لیتا لیکن کوئی مچھلی اس کے ہاتھ نہ آتی، اس کا جال خالی رہتا، اسی طرح غروب آفتاب تک دونوں شکار کرتے رہے، آخر کار ایک مچھلی مسلمان کے ہاتھ لگی۔

لیکن وائے ناکامی! وہ مچھلی بھی اس کے ہاتھ سے اچھل کر پانی میں کود گئی، یہاں تک کہ یہ بے چارہ غریب مسلمان شکار گاہ سے ایسا خائب و خاسر (خالی ہاتھ) لوٹا کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہ تھا اور کافر ایسا کام یاب لوٹا کہ اس کا تھیلہ مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا، اس عجیب و غریب حیرت ناک واقعہ سے مؤمن کے فرشتے (جو اللہ کی طرف سے ہر انسان کی

نگرانی پر مامور ہیں) کو سخت افسوس ہوا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اے میرے رب! یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک مؤمن بندہ جو تیرا نام لیتا ہے، ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہیں ہوتا اور تیرا کافر بندہ ایسا کام یاب واپس آتا ہے کہ اس کا تھیلا مچھلیوں سے لبریز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مرد مؤمن کا عالی شان محل دکھا کر جو اس کے لئے جنت میں تیار کر رکھا ہے مؤمن کے فرشتے سے خطاب فرمایا: اے فرشتے! کیا اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد میرے اس بندہ مؤمن کو جو رنج و تعب دنیا میں مچھلیوں کے شکار میں ناکامی کے باعث ہوا تھا، باقی رہے گا؟

اور کافر کے اس بدترین مقام کو دکھا کر جو اس کے لئے جہنم میں تیار کر رکھا ہے ارشاد فرمایا: کافر کی وہ چیزیں جو اس کو دنیا میں عطا کی گئیں اس جہنم کے دائمی عذاب سے نجات دلا سکتی ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا: اے میرے پروردگار! آپ کی ذات کی قسم، بالکل ایسا نہیں ہو سکتا۔

کوئی نغمہ نہیں قدرت کے کارخانہ میں

واقعة منہن (۳): امام رازی **رحمۃ اللہ تعالیٰ** مشہور بزرگ اور علم کلام کے ماہر گزرے ہیں۔ انہوں نے ”تفسیر کبیر“ کے نام سے قرآن کریم کی مشہور تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر میں صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر دو صفحات پر مشتمل ہے اور اس تفسیر میں سورہ فاتحہ کی پہلی آیت **﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾** کی تفسیر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے: میں نے ایک بزرگ سے خود ان کا اپنا واقعہ سنا، وہ بغداد میں رہتے تھے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں: ”ایک دن شام کو سیر کرنے کے لئے ”دریائے دجلہ“ کے کنارے کی طرف چلا گیا۔ جب میں دریائے دجلہ کے کنارے چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے ایک بچھو چلا جا رہا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ بچھو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی نہ کسی حکمت اور مصلحت کے تحت ہی پیدا فرمایا ہے۔ اب اس وقت پتہ نہیں کہاں سے آ رہا ہے؟..... کہاں جا رہا ہے؟..... اس کی منزل کیا ہے؟..... وہاں جا کر کیا کرے گا.....؟

میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس تو وقت ہے، میں سیر کے لئے نکلا ہوں، آج میں اس بچھو کا تعاقب کرتا ہوں کہ یہ کہاں جاتا ہے، چناں چہ وہ بچھو آگے آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ چلتے چلتے اس نے پھر دریا کی طرف رخ کیا اور کنارے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ میں بھی قریب ہی کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا میں ایک کچھو تیرتا ہوا آ رہا ہے۔ وہ کچھو آ کر کنارے لگ گیا، اور یہ بچھو چھلانگ لگا کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کے لئے دریا عبور کرنے کے لئے کشتی بھیج دی۔ چناں چہ وہ کچھو اس کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے

روانہ ہو گیا۔ چوں کہ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ آج میں یہ دیکھوں گا کہ بچھو کہاں جا رہا ہے، اس لئے میں نے بھی کرائے پر لی اور اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کچھوے نے دریا پار کیا اور اسی طرح دوسرے کنارے جا کر لگ گیا اور وہ بچھو چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اب بچھو آگے چلا اور میں نے اس کا پھر تعاقب کرنا شروع کر دیا۔

آگے چل کر میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سو رہا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ بچھو اس آدمی کو کاٹنے جا رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں جلدی سے اس آدمی کو بیدار کر دوں تاکہ وہ شخص اس بچھو سے بچ جائے۔ لیکن جب میں اس آدمی کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک زہریلا سانپ اپنا پھن اٹھائے اس آدمی کے سر کے پاس کھڑا ہے اور قریب ہے کہ وہ سانپ اس کو ڈس لے، اتنے میں یہ بچھو تیزی کے ساتھ سانپ کے اوپر سوار ہو گیا اور اس کو ایک ایسا ڈنک مارا کہ وہ سانپ بل کھا کر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔

پھر وہ بچھو وہاں سے کسی اور منزل پر روانہ ہو گیا۔ اچانک اس وقت اس سونے والے شخص کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ قریب سے ایک بچھو جا رہا ہے، اس نے فوراً ایک پتھر اٹھایا اور اس بچھو کو مارنے کے لئے دوڑا، میں قریب ہی کھڑا ہوا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس لئے میں نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے کہا: ”تم جس بچھو کو مارنے جا رہے ہو، یہ تمہارا محسن ہے اور اس نے تمہاری جان بچائی ہے۔ حقیقت میں یہ سانپ جو یہاں مرا ہوا پڑا ہے، تم پر حملہ کرنے والا تھا اور قریب تھا کہ ڈنک مار کر تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت دور سے اس بچھو کو تمہاری جان بچانے کے لئے بھیجا ہے اور اب تم اسی بچھو کو مارنے کی کوشش کر رہے ہو۔“

وہ بزرگ فرماتے ہیں: میں نے اس روز اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ کرشمہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اس بچھو کو دریا کے دوسرے کنارے سے اس شخص کی جان بچانے کے لئے یہاں لائے۔ ”بہر حال دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کے پیدا کرنے میں اللہ جل جلالہ کی کوئی نہ کوئی تکوینی حکمت اور مصلحت نہ ہو۔“

بلاشبہ عالم کا یہ اکمل و احکم اور بہترین نظم و نسق ہی ایسی چیز ہے، جسے دیکھ کر بالبداهت (بغیر دلیل کے) اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان مشین کا بنانے اور چلانے والا..... اس کے پرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب و سلیقہ سے بوڑنے والا..... اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز پر اس کی حفاظت کرنے والا..... بڑا زبردست حکیم و قدیر صانع ہے۔ جس کے حکیمانہ تصرف اور نفوذ و اقتدار سے مشین کا کوئی چھوٹا بڑا پرزہ باہر نہیں جاسکتا۔ یہ کام یوں ہی محض اتفاق یا بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادے سے نہیں ہو سکتا۔

اس نقصان میں بھی نفع ہے

واقعتاً مذکور (۴): ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انہوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کیا کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دے کر سب کو جگا دیا کرتا تھا۔ اللہ کی شان کہ ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئی۔ ان کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ گیا۔ شیخ نے فرمایا: ”رو مت اسی میں بہتری ہوگی“ اس کے بعد بھیڑبا آیا اور گدھے کو مار گیا۔

اس وقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا: ”اس میں خیر تھی رونے کی کوئی بات نہیں۔“ اس کے بعد اچانک کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو شیخ نے پھر یہی فرمایا: غم نہ کرو اس میں بھلائی تھی، غرض صبح ہوئی تو اچانک غنیم کا ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کے لئے آپڑا اور جتنے بھی گھروں کا ان کو پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور سوائے ان بزرگ اور ان کی بیوی کے سب ہی کو گرفتار کر کے باندی غلام بنا کر لے گئے۔

ان کے مکانات کا پتہ دشمن کی فوج کو اس طرح چلا کہ کسی کے دروازے کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا اور کسی کا مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا۔ اس وقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا: دیکھا! اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب یہی جانور بن گئے، اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مر گئے ورنہ آج ہم بھی گرفتار ہوتے۔

اللہ نے جو کیا اس میں خیر ہوگی

واقعتاً مذکور (۵): ایک بادشاہ کا وزیر شاکر تقدیر (تقدیر پر شکر کرنے والا) تھا اور ہر ایک برے بھلے واقعے پر یہ کہنے کا عادی تھا کہ ”اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔“ ایک مرتبہ بادشاہ کی انگلی کٹ گئی تو وزیر نے حسبِ عادت کہا: ”اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔“

بادشاہ کو وزیر کے اس بے محل فقرے کے استعمال سے رنج ہوا اور وزیر کو قید خانے بھجوانے کا حکم دے دیا۔ وزیر نے اس حکم کو سن کر بھی وہی فقرہ کہا: ”اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی۔“

دوسرے روز بادشاہ شکار کے لئے گیا اور شکار کے دوران اپنے ہم راہیوں سے بچھڑ کر اکیلا جنگل میں دور نکل گیا۔ چوں کہ راستہ معلوم نہ تھا اس لئے لاچار ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اتنے میں ایک شیر نمودار ہوا اور بادشاہ پر حملہ آور ہوا۔ بادشاہ نے سانس کھینچ لیا اور مردہ سا بن کر پڑا رہا۔ شیر زخمی انگلی کو سونگھ کر بادشاہ کو اس خیال سے چھوڑ کر چلا گیا کہ یہ پہلے سے کسی جانور نے کھایا ہوا ہے۔ بقول

نخورد شیر نیم خوردہ مگ در بنختی بمیرد اندر غار

اتنے میں بادشاہ کے ہم راہی بھی تلاش کرتے ہوئے وہاں آگئے اور بادشاہ کو صحیح سلامت پا کر سجدہ شکر بجالائے اور اس واقعہ کو سن کر بادشاہ کی جان بچ جانے کو نہایت نفیست اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت خیال کیا۔ واپس آکر بادشاہ نے وزیر کو قید خانے سے طلب کر کے انعام سے مالا مال کر دیا اور کہا:

”واقعے اگر کل میری انگلی نہ کٹتی تو آج وہ شیر مجھے ہرگز نہ چھوڑتا اور انگلی کا کٹ جانا واقعی بہت اچھا ہوا۔“ اور وزیر سے کہا: ”تم نے قید خانے کو جاتے وقت بھی اللہ نے جو کیا اسی میں خیر ہوگی“ کہا تھا، اس میں کیا مصلحت خیال کر کے یہ فقرہ کہا تھا؟

وزیر نے جواب دیا کہ لازمی طور پر میں آپ کا ہم رکاب رہتا اور شیر آپ کو چھوڑ کر مجھے کھا جاتا۔ نتیجہ یہ کہ قدرت کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔

الحکیم جلالہ بندوں کی مصلحتوں کو زیادہ جانتے ہیں

واقعہ نمبر ۶: شیخ علی الطنطاوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنی کتاب ”الْبَابُ الَّذِي لَا يُعْلَقُ فِي وَجْهِ سَائِلٍ“ میں ایک واقعہ لکھا ہے جس کو شیخ زہرانی نے اپنی کتاب ”اللَّهُ أَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ“ میں نقل کیا ہے، جس کا اردو میں مختصر خلاصہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے (اہل علم اور عربی جاننے والوں کو ان دو کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے، ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ اگر کسی اہل علم کو توفیق ہو جائے تو ان کا اردو میں ترجمہ فرمادیں تو اردو جاننے والوں کے لئے بھی ان شاء اللہ یہ دو کتابیں مشعل راہ بنیں گی اور ترجمہ کرنے والوں کے لئے صدقہ جاریہ ہوں گی)۔

فرماتے ہیں: ”میں ۱۳۸۲ھ میں سعودیہ گیا، ایک سال ریاض میں رہائش پذیر رہا۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ چلا آیا۔ میرے ساتھ ایک آدمی رہتا تھا جو ملک شام کا تھا اور میں اس کا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ اس سے پہلے وہ اور اس کی ماں دونوں ریاض میں تھے۔ ایک دن اس کو ایک کام پیش آیا اور اس نے لبنان کی طرف سفر کا ارادہ کیا، لیکن اس کی ماں نے اس کے اس سفر کو پسند نہیں کیا کہ وہ کہیں اکیلی نہ رہ جائے۔ جب جانے کا وقت قریب آیا تو وہ اپنا سامان ایئر پورٹ لے گیا اور کمپنی کے حوالے کر دیا اور واپس آگیا تا کہ وہ فجر کے وقت جائے اور سفر کر سکے۔

اس نے اپنی ماں سے یہ امید لگائی کہ وہ فجر سے تھوڑا پہلے اس کو جگا دے گی، لیکن اس کی ماں نے اس کو نہیں جگایا، یہاں تک کہ جہاز کی روانگی میں پون گھنٹہ رہ گیا تو وہ جلدی سے اٹھا، گاڑی پکڑی اور ڈرائیور سے کہا کہ جلدی سے ایئر پورٹ پہنچا دے اور زیادہ پیسے دینے کی بھی بات کی اور اس نے دعا کرنی شروع کر دی کہ جہاز کے اڑنے سے پہلے وہ

وہاں پہنچ جائے۔ جب وہ ویٹنگ روم میں پہنچا تو دیکھا کہ ابھی ۱۵ منٹ باقی ہیں۔ ویٹنگ روم میں داخل ہوا اور کرسی پر بیٹھا اور نیند آگئی۔ پھر مسافروں کے لئے آواز لگائی گئی کہ وہ جہاز میں آجائیں، لیکن اس نے نہیں سنا اور جہاز اڑ گیا۔ میں اس وقت اس کے ساتھ ہی تھا۔ اس نے تعجب کرنا شروع کیا کہ اس نے کس طرح مجبوری کی حالت میں اخلاص کے ساتھ دعا مانگی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کیوں قبول نہیں کی؟

میں نے اسے تسلی دی اور کہا: اللہ تعالیٰ اخلاص سے مانگی ہوئی دعا کو کبھی بھی رد نہیں فرماتا، لیکن بعض اوقات انسان شر کو خیر سمجھتے ہوئے مانگتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی مصلحت کو زیادہ جاننے والا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

شاید آپ میں سے کسی کو یاد ہو کہ سعودی ائر لائن کا ایک جہاز گر کر تباہ ہو گیا تھا اور اس میں سوار تمام لوگ ہلاک ہو گئے تھے، یہ وہی طیارہ تھا جو اس دن اس آدمی سے رہ گیا تھا۔

کبھی انسان وہ چیز مانگتا ہے جو اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ان کے والدین اور ان کے رشتہ داروں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ وہ حکیم ہے کہ سارے کام اس کی حکمت کے موافق ہوتے ہیں، اگر کسی کو مطلوبہ چیز نہ ملے تو اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ اس میں اس کے لئے کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ ۱

الحکیم جل جلالہ نے تمام مخلوقات کو کسی نہ کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے

۱ زمین پیدا کرنے کی حکمت:

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا﴾ ۱

ترجمہ: ”تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے زمین کا کیسا اچھا بستر بچھایا، نہ اتنا نرم کہ ہم اس میں دھنس جائیں اور نہ اتنا سخت کہ ہم زمین پر کوئی کام ہی نہ کر سکیں بل کہ ہمارے تمام کاموں کے مناسب بنایا اور ہمارے لئے زندگی کی تمام ضروریات اور کھانے پینے کے سامان کے لئے زمین کو خزانہ بنایا۔

۲ آسمان پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا﴾ ۲

ترجمہ: ”اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔“

یعنی جب آپ اس کائنات میں غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ ایک مکان ہے جس میں ہماری ضروریات کی تمام

چیزیں موجود ہیں۔ آسمان بطور چھت کے اور زمین بطور فرش کے ہے۔ ستارے آسمان میں روشنی کے لئے چراغوں کی طرح ہیں اور راہ نمائی کے کام بھی دیتے ہیں۔

۳ سورج پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا﴾^۱

ترجمہ: ”اور سورج کو چراغ بنایا۔“

یعنی ایک تو سورج کی روشنی سے رات اور دن کا قیام ہے اگر یہ نہ ہو تو نظام دنیا درہم برہم ہو جائے۔

۴ سمندر پیدا کرنے کی حکمت:

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾^۲

ترجمہ: ”اس پاک ذات نے سمندر کو تمہارے قبضہ میں دے دیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے سمندر کو پیدا فرمایا اور اس کے کثیر منافع اور فوائد کی وجہ سے اس کو بہت وسیع کیا اور زمین میں خشکی کے ارد گرد اس طرح پھیلا دیا کہ زمین کا خشک حصہ اس پانی میں ایک چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دیتا ہے جو ہر طرف سے پانی میں گھرا ہوا ہے اور پانی مخلوق کی زندگی باقی رکھنے میں ہوا کے بعد دوسرے درجے میں ہے۔

اسی طرح کان، آنکھ، ناک، منہ، پلکیں، ہڈیاں، پھر ان سب کو ملا کر ایک خوب صورت جسم بنایا اور انسان کی ایک مخصوص صورت بنائی اور اس میں بے شمار حکمتیں رکھ دیں ان کو شمار کرنا، ایک ایک تفصیل سے بیان کرنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا انسان کی بس کی بات نہیں۔^۳

اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی حکمت میں سے جس کو چاہتے ہیں، کچھ حصہ عطا فرمادیتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

”وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا ہوگئی، اسے یقیناً خیر کثیر عطا ہوگئی۔“^۴

ایک حدیث میں ہے کہ دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے:

۱ ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔

۲ دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔^۵

۳ مأخذہ ”اللہ وَحْدَهُ“ ۱۴۲ تا ۱۶۱

۴ النحل: ۱۴

۵ نوح: ۱۶

۶ اللہ سُبْحَانَهُ يُؤْتِي حِكْمَتَهُ مَنْ يَشَاءُ ۖ كَمَا قَالَ عَنْ نَفْسِهِ جَلَّ ثَنَاؤُهُ ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (سورة البقرة: ۲۶۹)

۷ مسند احمد: ۴۳۲/۱، رقم: ۴۰۹۸

رُشد و ہدایت کے حصول کی دعا

واقعة مذہب (۷): حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا: ”اے حصین! تم دن میں کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟“ میرے والد نے کہا: (جو کہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) ”سات، جن میں سے چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان پر۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان میں سے کس سے تمہیں چاہت اور ڈر زیادہ ہے؟“ حصین نے کہا: ”اس معبود سے جو آسمان میں ہے۔“ (یعنی اللہ رب العزت۔ چوں کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودانِ باطلہ کو شریک کرتے تھے جو کہ چھ تھے اور کعبۃ اللہ میں بتوں کی شکل میں رکھے ہوئے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے حصین! اگر تو ایمان لے آیا تو میں تجھے دو ایسے کلمات سکھاؤں گا، جو تجھے نفع دیتے رہیں گے۔“ راوی کہتے ہیں: جب حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لے آئے، تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! مجھے وہ دو کلمات سکھا دیجئے، جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھو:

”اللَّهُمَّ اَلْهِمْنِي رُشْدِيْ وَاَعِزَّنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ“ ۱۷

”اے اللہ! میرے مقدر کی بھلائی میرے دل میں ڈال دے..... اور مجھ کو میرے نفس کی بدی سے بچالے۔“ اسی طرح ایک اور حدیث میں یوں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟ جواب دیا: سات کی، چھ وہ جو زمین میں ہیں اور ایک جو آسمان میں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کسے پکارتے ہو؟ جواب دیا: اسے جو آسمان میں ہے۔ پھر فرمایا: جب مال ہلاک ہو جائے تو کسے پکارتے ہو؟ پھر جواب دیا اسے جو آسمان میں ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عجیب بات ہے! تمہاری ضرورتیں تو سب آسمان والا پوری کرتا ہے اور تم اس کے علاوہ دوسروں کو بھی پکارتے ہو۔ حضرت حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں نے ان جیسی ہستی سے پہلے کبھی بات نہیں کی۔ ۱۸

اس لئے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رُشد و ہدایت کی دعا مانگنی چاہئے۔

۱۷ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي: يَا حُصَيْنُ! كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلَهًا؟ قَالَ أَبِي: سَبْعَةً: سِتَّةٌ فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ. قَالَ: فَأَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ؟ قَالَ: الَّذِي فِي السَّمَاءِ. قَالَ: يَا حُصَيْنُ! أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلِمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ: فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ، قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِي فَقَالَ: قُلْ ”اللَّهُمَّ اَلْهِمْنِي رُشْدِيْ وَاَعِزَّنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ“ (الترمذی، ابواب الدعوات: ۱۸۶/۲، رقم: ۳۴۸۳)

۱۸ الاصابة فی تميز الصحابة، حرف الحاء، القسم الاول: ۳۳۷/۱، رقم: ۱۷۳۵

بے شک وہ حکیم ذات ہے، اگر دعا کی قبولیت کے فوری اسباب نظر نہ آئیں تو مایوس نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ وہ بڑی حکیم ذات ہے۔

ہوسکتا ہے کہ اس ذات نے آپ کی دعا کے بدلے کوئی بڑی مصیبت جو آپ پر آنے والی تھی ٹال دی ہو، یا آپ کے لئے آخرت کا ذخیرہ بن گئی ہے۔ جو کہ ہر لحاظ سے انسان کے لئے فائدہ مند ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے، اگرچہ انسان کو وہ حکمت نظر نہ آئے۔

فوائد و نصائح

۱ بندہ کو چاہیے کہ ہر کام اور ہر حال میں یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اسی میں ہوگی تو ان شاء اللہ ایسے شخص کو حقیقی امن اور سکون نصیب ہوگا۔

۲ بندہ کو چاہیے کہ اس اسم مبارک کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہر حال میں یہ سوچے کہ جو اللہ نے کیا اس میں خیر ہے، زبان سے بھی اسی جملے کو دہرائے، انسان پریشانیوں اور مصیبتوں میں دوسروں پر الزامات تھوپتا ہے، اپنے ماتحتوں کی برائی بیان کرتا ہے، اپنی قسمت کو مورد الزام قرار دیتا ہے، اور اس نام مبارک سے جتنا تعلق ہمارا بڑھتا جائے گا اتنا ہی ہر حال، ہر پریشانی میں ہماری زبان پر یہ ہوگا: اللہ نے جو کیا اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے، اللہ کا نام حکیم ہے اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

ایسا شخص تسلی سے پریشانی کے درمیان بھی پریشانی سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈ لیتا ہے، اور ماتحتوں کو بھی اعتماد میں لے کر ان سے مشورہ کر کے جلد بلاؤں، مصیبتوں سے نکلنے کا راستہ نکال لیتا ہے۔

۳ چرند، پرند، درخت، پھل، پھول ہر چیز میں جَلَّالُہٗ کی حکمتوں کو سوچے، بل کہ اپنے آپ میں بھی غور و فکر کرے کہ کیسا بہترین نظام اس حکمت والی ذات نے عطا کیا ہے کہ جو کسی اور کی طاقت میں نہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْوَكْدُ جَلَّ جَلَالُهُ

(اپنے بندوں کو چاہنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ **فَاللَّهُ عَزَّوَجَلَّ وَدُودٌ لِأَوْلِيَائِهِ.....وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِهِ.....وَهُوَ مُحِبٌّ لَهُمْ.**
ترجمہ: امام زجاجی **رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** فرماتے ہیں: **اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ** اپنے دوستوں اور اپنے نیک بندوں کے لئے **”وَدُودٌ“** ہیں۔ (یعنی) وہ ان سے محبت کرنے والے ہیں۔

۲ **هُوَ الْوَادُّ لِأَهْلِ طَاعَتِهِ، أَيُّ الرَّاغِبِي عَنْهُمْ بِأَعْمَالِهِمْ.....وَالْمُحْسِنُ إِلَيْهِمْ لِأَجْلِهَا.....وَالْمَادِحُ لَهُمْ بِهَا.**

ترجمہ: امام حلیمی **رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** فرماتے ہیں: **”الْوَكْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“** وہ ذات ہے جو فرماں بردار لوگوں کو پسند کرتی ہے۔ یعنی وہ ان کے اعمال سے راضی ہے اور ان اعمال کے بدلے میں ان سے احسان کا معاملہ کرتی ہے اور اس پر ان کی تعریف بھی کرتی ہے۔

۳ **وَقَدْ قِيلَ: هُوَ الْوَدُودُ بِكَثْرَةِ إِحْسَانِهِ.....أَيُّ الْمُسْتَحِقِّ لَأَنُّ يُوَدُّ فَيُعْبَدُ وَيُحْمَدُ.**
ترجمہ: **”الْوَكْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“** وہ ذات ہے، جس کے انعامات کی کثرت کی وجہ سے اُس سے محبت کرنی چاہئے۔ یعنی ان بے شمار نعمتوں کی وجہ سے اس کی ذات اس کے لائق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور اس کی عبادت کی جائے اور اس کی تعریف کی جائے۔

ابن عباس **رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا** نے فرمایا: **الْوَكْدُ** کے معنی الحبيب کے ہیں۔

۱۔ اشتقاق اسماء اللہ: ۱۵۲، نقلاً عن النهج الاسمی: ۴۲۱/۱

۲۔ المنهاج: ۲۰۶/۱، نقلاً عن النهج الاسمی: ۴۲۱/۱

۳۔ المنهاج: ۲۰۶/۱، نقلاً عن النهج الاسمی: ۴۲۱/۱

۴۔ بخاری، التوحید، باب قوله ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ ۱۱۰۳/۲

اسی طرح علامہ ابن قیم **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں:

”**الْوَدُّ**، ”**الْوُدُّ**“ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خالص محبت کے ہیں۔ اس اسم کا اطلاق **اللہ** ربُّ العزت کی ذاتِ عالی پر دو طرح سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ **اللہ** ربُّ العزت محبت کرنے والے ہیں یعنی اپنے انبیاء، فرشتوں اور نیک بندوں سے **اللہ** تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔ اسی طرح **اللہ** تعالیٰ محبوب بھی ہیں یعنی **اللہ** تعالیٰ سے انبیاء، فرشتے اور نیک بندے سب محبت کرتے ہیں، بل کہ ان کے نزدیک **اللہ** ربُّ العزت کی ذات سے زیادہ محبوب اور کوئی شے نہیں ہوتی۔ اور آگے فرماتے ہیں: یہ بات ضروری ہے کہ بندہ کے دل میں **اللہ** تعالیٰ کی محبت ہر چیز کی محبت سے بڑی ہوئی ہو، غالب ہو اور باقی ساری محبتیں **اللہ** تعالیٰ کی محبت کے تابع ہوں۔^۱

امام ابن قیم **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

”**الْوَدُّ جَلَّالًا**“ وہی ذات ہے جو اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور اس کے بندے بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور بزرگی احسان کرنے والے کے لئے ہے۔ وہی ذات ہے جس نے اپنے بندوں کے دلوں میں محبت کو پیدا کیا اور پھر اُسی محبت کا اُن کو بدلہ عطا کیا۔ حقیقت میں یہی چیز **اللہ** پاک کی طرف سے بندوں پر احسان ہے۔ جو **اللہ** پاک بغیر عوض (بغیر بدلے کے) عطا فرماتے ہیں اور بندوں کی طرف سے شکر کی امید و توقع کے بغیر عطا فرماتے ہیں۔ بل کہ **اللہ** پاک تو بندوں کے شکر ادا کرنے کے محتاج نہ ہونے کے باوجود شکر ادا کرنے والوں کو اور اُن کے شکر ادا کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔^۲

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک دو جگہ آیا ہے:

① ﴿إِنَّ رَبِّيَ رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾^۳

ترجمہ: ”یقین مانو کہ میرا رب بڑی مہربانی والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔“

”**رَحِيمٌ**“ یعنی رحمت کے تقاضوں سے گناہوں کو معاف کر دے گا اور ”**وَدُودٌ**“ محبت کے تقاضے سے اطاعتوں کو قبول کرے گا، ایسے ”**رَحِيمٌ**“ اور ”**وَدُودٌ**“ رب کی طرف اطاعت و عبادت کے ساتھ رجوع کرو۔

وَهُوَ الْوَدُودُ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّهُ
وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الْمَحَبَّةَ فِي قُلُوبِ
هَذَا هُوَ الْإِحْسَانُ حَقًّا لَا مَعَا
لَكِنْ يُحِبُّ شُكْرَهُمْ وَشُكْرَهُمْ
أَحْبَابُهُ وَالْفَضْلُ لِلْمَنَانِ
بِهِمْ وَجَازَاهُمْ بِحُبِّ ثَانٍ
وَضَةً وَلَا لِتَوَقُّعِ الشُّكْرَانِ
لَا لِإِحْتِيَاجٍ مِنْهُ لِلشُّكْرَانِ

(شرح اسماء حسنی: ۲۲۳)

کیسا ہی پرانا، عادی مجرم ہو جب صدقِ دل سے اس کی بارگاہ میں رجوع ہو کر معافی چاہے تو وہ اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے، بل کہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔^{۱۷}

۲ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ﴾^{۱۸}

ترجمہ: ”اور وہی ہے بخشنے والا محبت کرنے والا۔“

اُس کی بخشش اور محبت کی بھی کوئی حد نہیں۔ وہ اپنے فرماں بردار بندوں کی خطائیں معاف کرتا ہے، اُن کے عیب چھپاتا ہے اور انہیں طرح طرح کے لطف و کرم اور عنایت و شفقت سے نوازتا ہے۔^{۱۹}

اللہ سے محبت پیدا کیجئے

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ ربُّ العزت بغیر کسی حاجت و ضرورت کے اپنی مخلوق سے محبت کرنے والے ہیں، ان کی تعریف کرنے والے ہیں اور ان پر احسان کرنے والے ہیں۔“^{۲۰}

صاحب ”أَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ“ فرماتے ہیں: ”جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو گیا اُس نے زندگی کا مقصد پالیا..... اور سعادت مندی کو حاصل کر لیا..... اور زندگی کا مزہ اُسے مل گیا..... اُس کا دل مطمئن اور منور ہو گیا..... اُسے شرح صدر حاصل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اُس کے دل میں نقش ہو گئی..... اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا وہ مظہر بن گیا..... اللہ تعالیٰ کے اسماء اُس کے سامنے آنے لگے..... تو وہ اُن اسماء کی حفاظت کرنے لگا اور اُس کی صفات میں غور و فکر کرنے لگا اور اپنے دل میں ”الرَّحْمَنُ“ ”الرَّحِيمُ“ ”الْجَمِيلُ“ ”الْحَلِيمُ“ ”الْبَرُّ“ ”اللطيفُ“ ”الْمُحْسِنُ“ ”الْوَدُودُ“ ”الْكَرِيمُ“ ”الْعَظِيمُ“ وغیرہ صفات کا استحضار کرنے لگا۔ اس استحضار کے نتیجے میں ذات ”الْبَارِي“ کے ساتھ تو اُنس اور ذات ”الْعَظِيمُ“ کے ساتھ محبت اور ذات ”الْعَلِيمُ“ کے ساتھ اُسے قرب حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق، اطاعت و محبت کا نتیجہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا مطیع ہوگا، اُس کے احکامات کو پورا کرے گا، منع کردہ چیزوں سے بچے گا اور اپنی محبت میں سچا ہوگا، وہ تعلق کا ذائقہ، قرب کی لذت اور مناجات کی سعادت کو حاصل کرے گا۔“^{۲۱}

۱۷ تفسیر عثمانی: ۳۰۷ حاشیہ ۲، ہود: ۹۰

۱۸ البروج: ۱۴ ۱۹ تفسیر عثمانی: ۷۸۶ حاشیہ ۴

۲۰ ”قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: فَيَجِبُ عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ، أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ هُوَ ”الْوَدُودُ“ عَلَى الْإِطْلَاقِ، الْمَحِبُّ لِخَلْقِهِ، وَالْمُنِّي عَلَيْهِمُ وَالْمُحْسِنُ إِلَيْهِمْ.“ (النهج الاسمی: ۱/۴۲۲)

۲۱ ”وَمَنْ أُنْسَ بِاللَّهِ أُنْسَ بِالْحَيَاةِ، وَسَعِدَ بِالْوُجُودِ، وَتَلَذَّذَ بِالْأَيَّامِ، قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ، وَفَوَادُهُ مُسْتَنِيرٌ، وَصَدْرُهُ مُنْشَرَحٌ، نُقِشَتْ مَحَبَّةُ =

الْفُرْقَانُ جَلَّ جَلَالُهُ کن بندوں سے محبت فرماتے ہیں

وَاقِعَةٌ مُنْذِرٌ ۸: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ایک شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت اور اس سے ملاقات کے لئے چلا وہ دوسری بستی میں تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو اس کا منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ جب وہ اس تک پہنچا تو فرشتہ نے (جو انسانی شکل میں تھا) اس سے پوچھا: ”کہاں جانے کا ارادہ ہے؟“

اس نے کہا: ”اس بستی میں میرا بھائی ہے، اس سے ملنے جانے کا ارادہ ہے۔“

فرشتہ نے کہا: ”کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے کہ اس کی وجہ سے وہاں جا رہے ہو؟“

وہ کہنے لگا: ”نہیں (جانے کا سبب سوائے اس کے) کچھ نہیں کہ میں اس سے اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے لئے محبت کرتا ہوں۔“ فرشتہ نے کہا: ”بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ کا فرستادہ ہوں (اور یہ پیغام دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ) ”أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحَبَّتَهُ فِيهِ“

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے اسی طرح محبت فرماتے ہیں جیسے تم اس سے محبت کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے کتنی محبت ہے کہ مخلوق پر کسی قسم کا ظلم، کسی کی طرف سے بھی ہو حرام قرار دیا گیا ہے۔ دشمنی و انتقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں، یہاں تک کہ درختوں، پودوں اور بے زبان جانوروں کو بلا وجہ نقصان پہنچانا بھی پسندیدہ نہیں۔

وَاقِعَةٌ مُنْذِرٌ ۹: ایک چیونٹی نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کو کاٹ لیا۔ انہوں نے چیونٹیوں کی بستی کو جلانے کا حکم دیا تو بستی جلا دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ فرمایا:

”آپ نے ایک ایسی پوری امت کو ہلاک کر دیا جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی جب کہ ایک ہی چیونٹی نے آپ کو کاٹا تھا۔“

اللَّهُ فِي قَلْبِهِ، وَسَكَنَتْ صِفَاتُ اللَّهِ فِي صَمِيرِهِ، وَمَثَلَتْ أَسْمَاءُ اللَّهِ أَمَامَ عَيْنَيْهِ، فَهُوَ يَحْفَظُ أَسْمَاءَهُ، وَيَتَأَمَّلُ صِفَاتِهِ، وَيَسْتَحْضِرُ فِي قَلْبِهِ الرَّحْمَنَ، الرَّحِيمَ، الْجَمِيلَ، الْحَلِيمَ، الْبَرَّ، اللَّطِيفَ، الْمُحْسِنَ، الْوَدُودَ، الْكَرِيمَ، الْعَظِيمَ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ صِفَاتِ الْجَلَالِ وَأَسْمَاءِ الْكَمَالِ، فَتَنْبِرُ أَنْسًا بِالْبَارِي، وَحُبًّا لِلْعَظِيمِ، وَقُرْبًا مِنَ الْعَلِيمِ. إِنَّ الْإِنْسَانَ لِلَّهِ ثَمَرَةٌ لِلطَّاعَةِ، وَنَتِيجَةٌ لِلْمَحَبَّةِ، فَمَنْ أَطَاعَ اللَّهَ وَامْتَثَلَ أَمْرَهُ وَاجْتَنَبَ نَهْيَهُ وَصَدَّقَ فِي مَحَبَّتِهِ، وَجَدَ لِلْإِنْسَانِ طَعْمًا وَلِلْقُرْبِ لَذَّةً، وَلِلْمَنَّا جَاةً سَعَادَةً. (اللہ اہل الثناء والمجد: ۱۰۶) (بالاتختصار)

۱۔ مسلم، البر والصلة، فضل الحب في الله تعالى: ۳۱۷/۲

۲۔ مسلم، السلام، النهي عن قتل النملة: ۲۳۶/۲

اس لئے کہ عدل و انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ کسی بے گناہ کو گناہ گار کے جرم کی سزا نہ دی جائے، یہ بات اہل اللہ کی شان سے مناسبت نہیں رکھتی۔

انبیاء علیہم السلام بھی دیگر انسانوں کی طرح انسان ہوتے ہیں اور تمام انسانی صفات و عادات ان کے اندر بھی پائی جاتی ہیں، کسی کے تکلیف پہنچانے پر ناگواری ہونا اور غصہ ہو جانا انسانی عادت ہے۔ چنانچہ مذکورہ نبی علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی بات پیش آئی۔

قصہ سے حاصل شدہ باتیں

اس واقعہ میں ہمارے لئے بہت سے فوائد اور سبق پوشیدہ ہیں:

۱ اگر کوئی چیونٹی ایذا پہنچائے مثلاً کاٹ لے تو اس کو مار سکتے ہیں، لیکن بلا کسی سبب و ایذا کے چیونٹیوں کو مارنا جائز نہیں۔ اسی طرح دوسرے بے ضرر اور معصوم جانوروں کا بھی یہی حکم ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں صراحۃً چار جانوروں کا نام لے کر حضور ﷺ نے ان کے قتل سے منع فرمایا۔ چیونٹی، شہد کی مکھی، ہڈ اور صرد (ایک خاص پرندہ ہے)۔^۱

البتہ موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے مثلاً: سانپ، بچھو وغیرہ۔

۲ کسی بھی جان دار کو آگ میں جلانا بالکل ناجائز ہے۔ شریعت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں یہ بالکل حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی علت اور وجہ بیان فرمائی:

”آگ کا عذاب، آگ کا رب ہی دے سکتا ہے۔“^۲ (البتہ شاید کچھلی شریعتوں میں اس کی اجازت رہی ہوگی)۔

۳ کسی بے گناہ کو گناہ گار کے جرم میں قتل کرنا جائز نہیں، جس نے جرم کیا ہے سزا اسی کو ملنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہی فرمایا: ”فَهَلَّا نَمْلَأُ وَاحِدَةً“..... ”ایک ہی چیونٹی کو ہلاک کیوں نہ کیا؟“

یعنی سب سے انتقام لینے کا کیا تقاضا تھا؟

۴ چیونٹی بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے: ”ایسی کوئی چیز نہیں جو اسے پاکیزگی اور تعریف کے ساتھ یاد نہ کرتی ہو۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ تم اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔“^۳

۵ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی تسبیح کرنے والے کو بلا وجہ ہلاک کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ کیوں کہ جب تک وہ زندہ رہے گا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح کرتا رہے گا۔

۱ ابوداؤد، الادب، فی قتل الذر: ۳۵۸/۲

۲ ابوداؤد، الادب، باب فی قتل الذر: ۳۵۸/۲

۳ الإسراء: ۴۴

۶ چوٹی بھی ایک پوری امت ہے، گویا اللہ تعالیٰ کی جو بے شمار امتیں ہیں، ان میں سے چوٹی ایک مستقل امت ہے۔ ماہرین حیوانات کی تحقیق کے مطابق چوٹی حشرات الارض میں سب سے زیادہ عقل مند جانور ہے اور اپنے زندگی کے نظام کو ایک مستقل اور مربوط طریقہ سے چلاتی ہے۔

ماہرین حیوانات نے سالہا سال جو تجربے کئے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر ترین جانور اپنی حیات اجتماعی اور نظام سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شونِ بشریہ (انسانی عادات) سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چوٹیوں میں بھی خاندان اور قبائل ہیں۔ ان میں تعاون باہمی کا جذبہ..... تقسیم عمل کا اصول..... اور نظام حکومت کے ادراکات..... نوع انسانی کے مشابہہ پائے جاتے ہیں۔ محققین یورپ نے مدتوں ان اطراف میں قیام کر کے جہاں چوٹیوں کی بستیاں بکثرت ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

”جب کوئی دشمن چوٹیوں کی بستی کا رخ کرتا ہے تو سب چوٹیاں کام روک دیتی ہیں اور لشکرِ دشمن سے مقابلہ کے لئے نکلتی ہیں..... پہلے ان میں سے ایک آگے جاتی ہے تاکہ دشمن کے متعلق اطلاعات حاصل کرے اور جا کر قوم کو بتائے۔ چنانچہ وہ واپس جا کر سب کو بتاتی ہے جو کچھ اس نے معلومات حاصل کی ہوتی ہیں، پھر تھوڑی دیر بعد تین یا چار چوٹیاں نکلتی ہیں۔ ان کے پیچھے چوٹیوں کا ایک پورا لشکر ہوتا ہے۔ پھر جو مقابلہ پر آتا ہے یہ اسے ڈستی اور کاٹتی ہیں۔“

غرض چوٹی بظاہر تو ایک حقیر سا کیڑا ہے، لیکن فی الواقع وہ ایک بڑا عقل مند اور منصوبہ ساز جانور ہے اور اس کی نسل ایک پوری امت ہے اور نہ صرف چوٹی بل کہ دیگر تمام حیوانات، چرند پرند، حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) غرض جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی جان دار مخلوقات ہیں، سب الگ الگ امت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ ”الْوَكْفُ جَلَّالًا“ کی اپنی مخلوق سے محبت ہے اور پھر نوع انسانیت سے تو یہ محبت اور بھی زیادہ ہے۔ انسان کو بھی چاہئے کہ اس ذات سے ان ہزار ہا نعمتوں کے سبب محبت میں دن بدن اضافہ کرے تاکہ ”الْوَكْفُ جَلَّالًا“ کی معرفت مضبوط ہوتی جائے۔

جب محبت کرنے والے کا حال اور معرفت مضبوط ہو جاتی ہے تو اس کو ذکرِ قلبی اور ذکرِ لسانی سے کوئی چیز نہیں روکتی اور وہ بظاہر مخلوق کے درمیان ہوتا ہے لیکن اس کا دل سب سے اونچی جگہ پر ہوتا ہے۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”ان کے جسم تو دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کا دل سب سے اعلیٰ جگہ پر ہوتا ہے“۔ عبادت گزار کے لئے آرام کی جگہ جنت میں طوبیٰ کا درخت ہی ہے، محبوب کا دل محبوب کی یاد سے کبھی نہیں بھرتا، سچا

۱۔ تفسیر عثمانی: ۵۰۴ حاشیہ ۳، سورۃ النمل: آیت ۷۱

۲۔ چوٹی کی پیدائش، اس کے رہن سہن میں کتنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، اس کے لئے کتاب ”چوٹی ایک معجزہ“ مصنف ہارون یحییٰ صاحب، کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ مفید رہے گا۔

۳۔ صفة الصفوة: ۱/۱۷۳، کلمات منتخبة من کلامہ.....

عاشق وہ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کرے اور اس کی حدود کی حفاظت نہ کرے۔

”الْمَحَبَّةُ هِيَ مُوَافَقَةُ الْمَحْبُوبِ عَلَى جَمِيعِ الْأَحْوَالِ“

محبت اسے کہتے ہیں کہ ہر حال میں محبوب کی موافقت ہو، جیسے ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

إِنَّ هَوَاكَ الَّذِي بِقَلْبِي صَيَّرَنِي سَامِعًا مُطِيعًا

ترجمہ: ”اے اللہ! آپ کی محبت نے میرے دل میں ایسا گھر کر لیا ہے کہ آپ کا فرمان سننا اور اس کی اطاعت کرنا ہی میری زندگی کا حاصل ہے۔“

حضرت داؤد طائی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی رات کی تنہائی میں اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے کہہ رہے تھے:

میرے محبوب! تیرے غم نے مجھے دوسرے غموں سے بے نیاز کر دیا، تیری محبت میری نیند پر غالب آگئی اور تہجد میں اٹھنا آسان ہو گیا۔ تیرے دیدار کے شوق اور تڑپ نے مجھے کسی اور طرف دیکھنے سے بے گانہ کر دیا، میرے دل کی چاہتوں پر تجھ سے ملاقات کا شوق غالب آ گیا۔ میں تو اے کریم! تیری محبت کا اسیر (قیدی) ہوں، ایسی قید جس پر ہزار آزادیاں قربان۔“

محبت الہی میں جان کا نذرانہ

واقعة مذہب (۱۰): آپ ﷺ نے اپنے ایک قاصد کو مسیلمہ کذاب (نبوت کے جھوٹے دعوے دار) کے پاس پیغام دے کر بھیجا اور اس نے قاصد کو جیل میں ڈال دیا اور سخت تکلیف پہنچائی، پھر ایک خاص دن اپنی قوم والوں کو جمع کیا اور اس قاصد کو لایا گیا۔ اور مسیلمہ کذاب نے اس سے کہا: ”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟“ تو قاصد (جن کا نام حبیب بن زید رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھا) نے جواب دیا:

”ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔“

مسیلمہ بہت غصہ ہوا اور کہا: ”تو میرے لیے بھی اس کی گواہی دیتا ہے؟“

تو حبیب رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مذاق اڑانے والے انداز میں کہا: ”نہیں میں تمہاری بات پر کان بھی نہیں دھرتا“ مسیلمہ غصے میں لال پیلا ہو گیا اور چیخ کر اپنے جلاو کو حکم دیا: اس کو اس طرح وحشیانہ طور پر قتل کرو کہ جس طرح ایک وحشی جانور انسان کو چیر پھاڑتا ہے۔ جلاو نے اپنی تلوار کی نوک سے حضرت حبیب رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تکلیف پہنچائی اور زندہ حالت میں تڑپا تڑپا کر ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے، لیکن اس بدترین ظلم نے بھی حضرت حبیب رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو ان کے کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ سے نہیں ہٹایا اور وہ اس پر آخری وقت تک قائم تھے، یہاں تک کہ ان کی پاک روح نے اپنے رب سے ملاقات کی۔“

حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی روح کو اپنے حبیب کے لئے بیچا یعنی اپنی زندگی ان کے نام پر قربان کر دی اور خود ہی اس عذاب کو خوشی سے برداشت کیا اور اپنے معاملہ کو ”الْوَكْدُ جَلَّالًا“ کے سپرد کیا، تو اس وجہ سے کرب و تکلیف کی آگ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی کر دی گئی! سو کیا ہی عظمت و بزرگی تھی اور کیا ہی محبت و فدائیت تھی اور کیا ہی صبر و ایمان تھا۔

”الْوَكْدُ جَلَّالًا“ سے محبت کی تدبیریں

- ۱ غور و فکر اور سمجھ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت اور اس کے معانی اور مطلب کو سمجھنا۔ جیسے کوئی شخص کسی کتاب کی شرح کرتے ہوئے کتاب والے کی مراد کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، ایسے ہی اللہ رب العزت کی کتاب میں تدبر اور غور کرنا چاہئے تاکہ اس کی چاہت کے مطابق چلے اور اس کی محبت و معرفت نصیب ہو۔
- ۲ اللہ رب العزت کا قرب حاصل کرنے کے لئے فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کی کثرت۔ اس لئے کہ نوافل محبوبیت کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں۔ ہر وقت اللہ رب العزت کے ذکر میں مشغول رہنا۔ زبان سے..... دل سے..... عمل سے..... حال سے..... جس قدر ذکر ہوگا، اس قدر محبت الہی حاصل ہوگی۔
- ۳ اپنی پسندیدہ چیزوں کو اللہ رب العزت کی محبوب چیزوں کی خاطر قربان کر دینا۔ اللہ رب العزت کے اسماء و صفات میں دل کی گہرائیوں سے غور کرنا۔ کیوں کہ جس نے اللہ رب العزت کی معرفت اس کے اسماء و صفات کے ذریعے حاصل کر لی وہ ضرور اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا۔ اللہ رب العزت کے احسانات و انعامات اور ظاہری و باطنی نعمتوں کو سوچنا کیوں کہ احسانات کا استحضار محبت کا سبب ہے۔
- ۴ جب اللہ رب العزت دنیاوی آسمان پر اپنی شان کے موافق نزول فرماتے ہیں (یعنی تہجد کے وقت)، اس وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنا تاکہ اس کے ساتھ مناجات (دعا) کی جاسکے اور اس کے کلام کی تلاوت کی جاسکے اور آداب عبادیت کو اختیار کر کے دل میں اس کی معرفت کا نور حاصل کیا جاسکے، پھر اس خلوت کو استغفار اور توبہ پر ختم کرنا۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وہ شخص میری محبت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے جو رات کو سو جائے۔ کیا ہر محبت کرنے والا اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کو پسند نہیں کرتا؟“^۱

محبین صادقین کی مجلس اختیار کرنا اور ان کے پاکیزہ کلام کے خوشوں کو چننا۔

اور اس گناہ سے دوری اختیار کرنا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کا سبب ہے۔

ان اسباب کی وجہ سے محبت کرنے والے منازل محبت طے کر گئے اور انہوں نے محبوب کی بارگاہ میں باریابی حاصل

کر لی اور ان تمام باتوں کا سرمایہ دو چیزیں ہیں:

① اپنے آپ کو چھوٹے بڑے اور ظاہری باطنی گناہوں سے بچنے اور بچانے کی کوشش کرنا۔

② دل میں ایسی کیفیت کا ہونا جس سے گناہوں سے دوری نصیب ہو۔

⑤ شیخ محمد محمود فرماتے ہیں: مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی اتباع کریں جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور ان چیزوں سے بچے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔

پھر اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر (حکموں) کو پورا کر کے اور اس کے منع کردہ چیزوں سے بچ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کریں، جیسے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں اور احسانات کی کثرت سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے اور بندہ بھی اللہ تعالیٰ سے اتنی ہی محبت کرے جتنی اللہ پاک اُس سے محبت فرماتے ہیں۔

اور اس بات کو جان لو کہ گناہوں سے بچ کر اللہ پاک سے اپنی محبت کا اظہار کرنا، نیکیوں کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرنے سے بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ نیک اعمال کا ظہور کبھی کبھی نیک و بد دونوں ہی سے ہو جاتا ہے۔ جب کہ گناہوں سے رُکنا صرف اور صرف کامل اور سچے مومن ہی سے ہو سکتا ہے۔^{۱۷}

محبتِ الہی کے لئے آسان دعا

اس اسم کے تحت یہ پیاری دعا یاد کر کے مانگتے رہنا چاہئے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ“^{۱۸}

ترجمہ: ”الہی! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھتا ہو اور وہ کام جو مجھ کو

تیری محبت نصیب کرے۔“

امام رازی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** شرح اسمائِ حسنیٰ میں فرماتے ہیں:

اس اسم مبارک سے بندہ کے لئے سبق آموز حصہ یہ ہے: وہ لوگوں سے حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے محبت کرے۔ (جس کے لئے نمونہ اور مثال نبی کریم **ﷺ** کی مبارک زندگی ہے۔) کیوں کہ جب نبی کریم **ﷺ** کے

دندانِ مبارک (غزوۂ اُحد میں) شہید ہوئے تو آپ **ﷺ** نے شفقت سے ان کے لئے دعا فرمائی: ”اے اللہ! میری

۱۷ فَيَجِبُ عَلَى الْعَبْدِ أَنْ يَتَّبِعَ مَا يُحِبُّهُ اللَّهُ وَيَرْضَاهُ، وَيَتَجَنَّبَ مَا يُبْغِضُهُ وَلَا يُحِبُّهُ، ثُمَّ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَتَوَدَّدَ إِلَى رَبِّهِ بِامْتِنَالِ أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ، كَمَا تَوَدَّدَ إِلَيْهِ بِإِذْرَارِ نِعَمِهِ وَفَضْلِهِ، وَيُحِبُّهُ كَمَا أَحَبَّهُ.

وَأَعْلَمُ أَنَّ مِثَالَ مَحَبَّةِ اللَّهِ تَعَالَى بِتَرْكِ الْمُنَاهِي، أَكْثَرُ مِنْ مِثَالِهَا بِسِوَاهَا مِنْ أَعْمَالِ الطَّاعَاتِ، فَلِلْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ قَدْ يَعْمَلُهَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ، وَالْإِنْتِهَاءُ عَنِ الْمَعَاصِي لَا تَكُونُ إِلَّا بِالْكَمَالِ أَوْ إِلَّا مِنْ مُصَدِّقٍ. (النهج الاسمى: ۱/۴۲۳)

۱۸ ترمذی: ابواب الدعوات: ۱۸۷/۲

قوم کو ہدایت عطا فرما کہ یہ لوگ نادان ہیں۔“ جو نبی ﷺ اپنے دانت مبارک شہید کرنے والوں کے لئے بھی ہدایت کی دعا کرے اُمّتی کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے نبی کی اقتدا کرتے ہوئے مخالفین کے لئے ہدایت کی دعا کرے۔

فوائد ونصائح

- ۱۔ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ ”الْوَدَّعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی محبت کو اپنے اعمال کے ذریعے سے بڑھائیں اور مذکورہ بالا ۵ تدبیروں کو محبت الہی بڑھانے کے لئے اختیار کرے۔
- ۲۔ جب بندہ ”الْوَدَّعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا محبوب بنے اور اس ذات کو اپنا محبوب بنانے والی زندگی گزارے گا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بنانے والی دعا کو خوب اہتمام سے مانگتا رہے گا جو اس اسم مبارک میں ذکر کی گئی ہیں تو دنیاوی زندگی کا لطف اٹھا سکے گا پھر دنیاوی چیزیں اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنیں گی اور وہ بندہ ”الْوَدَّعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا قریبی بندہ بن جائے گا۔
- ۳۔ دشمنوں کے لئے بھی ہدایت کی دعا مانگنا اور ان کے دلوں میں ”الْوَدَّعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی محبت پیدا کرنے کی فکر کرنا۔ دنیا میں بسنے والے سارے انسان کالے، گورے، عرب، عجم سب کے دلوں میں ”الْوَدَّعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی محبت پیدا ہو جائے، سب کے دلوں کا رخ دنیا کی چیزوں کی محبت سے ہٹ کر ”الْوَدَّعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی محبت کی طرف آ جائے اور دشمنوں سے بھی محبت کرے۔

۱۔ قَالَ: ”رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ.“ رواہ مسلم، الجہاد، غزوة أحد: ۱۰۸/۲

۲۔ حَظُّ الْعَبْدِ مِنْهُ أَنْ يَكُونَ كَثِيرَ التَّوَدُّدِ إِلَى النَّاسِ بِالطَّرِيقِ الْمَشْرُوعَةِ وَمِنْ ذَلِكَ لَمَّا كُسِرَتْ رُبَاعِيَّةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. (شرح الاسماء الحسنى: (للرازي) ۲۸۸)

المجید جل جلالہ

(بڑی بزرگی والا)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "حَمِيدٌ مَّجِيدٌ أَيْ: مَحْمُودٌ مَّاجِدٌ" ۱

ترجمہ: ابو عبیدہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”حمید مجید“ (کے معنی اللہ پاک کے حق میں یہ ہیں کہ) وہ بزرگی والا اور ساری تعریفوں کے لائق ہے۔

۲ "مَجِيدٌ: ذُو مَجْدٍ وَمَدْحٍ وَثَنَاءٍ وَكَرِيمٌ" ۲

ترجمہ: علامہ ابن جریر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”المجید جل جلالہ“ وہ ذات ہے جو بزرگی والی ہے، بہترین تعریف کے لائق اور کریم ہے۔

”المجید جل جلالہ“ وہ ذات ہے جو شرافت و کرامت والی ہے، اس کے افعال حکمتوں سے بھرے ہوئے ہیں،

اس کی عطائیں اور بخششیں بے شمار ہیں۔ ۳

۳ علامہ شوکانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”المجید جل جلالہ“ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کے ذریعے بہت زیادہ احسانات کرنے والی ہے۔ ۴

۴ اللہُ تَعَالٰی هُوَ (الْمَجِيدُ) تَمَجَّدَ بِأَفْعَالِهِ، وَمَجَّدَهُ خَلْقُهُ لِعَظَمَتِهِ ۵

علامہ ازہری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ ہی المجید ہے اپنے افعال کی وجہ سے، اور اس کی مخلوق

۱ مجاز القرآن: ۲۹۳/۱ ۲ جامع القرآن: ۴۷/۱۲

۳ وَفِي الْمَقْصَدِ: (الْمَجِيدُ) هُوَ الشَّرِيفُ ذَاتُهُ، الْجَمِيلُ أَفْعَالُهُ، الْجَزِيلُ عَطَاؤُهُ وَثَنَاءُهُ. (المقصد الاسنی: ۷۷ نقلًا عن النهج

الاسمی: ۴۳۲/۱)

۴ وَقَالَ الشَّوْكَانِيُّ: (مَجِيدٌ): كَثِيرُ الْإِحْسَانِ إِلَى عِبَادِهِ، بِمَا يُفِيضُهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْخَيْرَاتِ. (فتح القدیر: ۵۱۱/۲)

۵ اللسان: ۴۱۳۸/۵، نقلًا عن النهج الاسمی: ۴۲۳/۱

اس کی بزرگی، عظمت کی وجہ سے بیان کرتی ہے۔“

پس ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ اپنے عظیم افعال اور اپنی بلند صفات اور اپنے اچھے ناموں کی وجہ سے بڑی بزرگ اور عظیم ذات ہے۔ اس کی بزرگی کے سامنے اور کسی کی بزرگی نہیں ہے اور اس کی عظمت کے سامنے کسی اور کی عظمت نہیں ہے۔ اور اگر کسی اور مخلوق کی بڑائی اور اونچا مقام ہو تو وہ بھی ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی طرف سے عطا اور فضل ہے۔^۱ لہذا خوب سے خوب ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی تعریف بیان کیجئے، ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی تعریف سنئے اور ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی تعریف کو اور اس کی نعمتوں کو سوچئے۔ ہر مجلس میں، ہر جگہ آپ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی تعریف بیان کریں گے، اس کی عظمت اس کی کبریائی لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کریں گے تو ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ بغیر مانگے عطا فرمائیں گے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کرب (شدت و تکلیف) کے موقع پر دعائے کرب مانگا کرتے تھے، جو یہ ہے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ“

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ“^۲

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو نہایت عظیم بردبار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم

کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور عرش کریم کا رب ہے۔“

یہ دعائے کرب ہے..... جو ہر پریشانی..... ہر کرب..... اور ہر مصیبت..... میں کام آنے والی دعا ہے۔ ایک مشہور

تابعی سفیان بن عیینہ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى سے پوچھا گیا کہ اس دعا کو ”دعائے کرب“ کیسے کہہ دیا گیا جب کہ یہ تو ساری کی

ساری حمد و ثنا والی دعا اور مدح و ثنا والے جملے ہیں، یعنی اس دعا میں پریشانی دور کرنے کی درخواست تو سمجھ میں نہیں آتی؟

حضرت نے جواب دیا: ”کیا تم نے وہ حدیث قدسی نہیں سنی کہ جس میں ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کا ارشاد ہے:

”جس کسی کو میرے ذکر کرنے (یعنی قرآن مجید کی کثرت تلاوت) نے یہ موقع اور یہ وقت نہیں دیا کہ وہ مجھ سے

کچھ مانگ سکے اور مجھ سے دعا کرے، تو اس کو میں ان لوگوں سے زیادہ بہتر چیزیں عطا کرتا ہوں جو مجھ سے مانگتے ہیں۔“

امام سفیان رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنا..... اس کی حمد و ثنا کرنا.....

اور اس کی تعریف کرنا..... بھی دعا ہی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ

ان کو بغیر مانگے سب کچھ عطا فرما دیتا ہے۔^۳

۱۔ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ لَهُ الْمَجْدُ، الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ بِأَفْعَالِهِ الْعَظِيمَةِ وَصِفَاتِهِ الْعُلْيَا بِأَسْمَائِهِ الْحُسْنَى، فَلَا مَجْدَ إِلَّا مَجْدُهُ، وَلَا عَظَمَةَ إِلَّا عَظَمَتُهُ، وَكُلُّ مَجْدٍ لغيرِهِ إِنَّمَا هُوَ مِنْهُ عَطَاءٌ وَتَفَضُّلٌ. (النهج الاسمى: ۱/۴۳۳)

۲۔ البخاری، التوحید، قول الله ﴿تَعْبُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ﴾ (المعارج: ۴) ۱۱۰۴/۲

۳۔ کتاب الدعاء: ۳۰

ترمذی، ابواب القراءات، رقم: ۲۹۲۶

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف، کبریائی، عظمت بیان کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے جس سے بھی ملاقات ہو، جس مجلس میں بھی جائیں وہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو خوب بیان کرنا چاہئے۔

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک دو جگہ اللہ تعالیٰ کی صفت کے لئے استعمال ہوا ہے اور دو جگہ قرآن کریم کی صفت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ آیا ہے: ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾^{۱۵} اور دوسرا: ﴿إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾^{۱۶} اور قرآن کریم کے لئے بھی ایک جگہ میں: ﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ﴾^{۱۷} دوسری جگہ میں: ﴿قُلْ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ﴾^{۱۸} آیا ہے۔

درود شریف کے اخیر میں بھی اس اسم مبارک کا ذکر ہے۔ عجیب بات ہے کہ درود شریف کا اول ”اللَّهُمَّ“ اور آخر ”إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ“ ہے۔

درود شریف کو ”اللَّهُمَّ“ سے شروع کر کے اللہ تعالیٰ کے دو مبارک اور پاک ناموں ”حَمِيدٌ مَّجِيدٌ“ پر ختم کیا گیا ہے۔

بعض جلیل القدر حضرات ائمہ سلف رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سے نقل کیا گیا ہے کہ ”اللَّهُمَّ“ اللہ تعالیٰ کے تمام ”اسماءِ حسنیٰ“ کے قائم مقام ہے اور اس کے ذریعے دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ تمام اسماءِ حسنیٰ کے ذریعے دعا کی جائے۔^{۱۹} اور ”حَمِيدٌ وَ مَّجِيدٌ“ اللہ تعالیٰ کے یہ دو مبارک نام اس کی تمام صفاتِ جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں۔ ”الحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ہے جس کی ذات میں سارے وہ محاسن و کمالات ہوں جن کی بنا پر وہ ہر ایک کی حمد و ستائش کا مستحق اور لائق ہو۔

”الحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ہے جس کو ذاتی جلال و جبروت اور عظمت و کبریائی بدرجہ کمال حاصل ہو۔ اس بنا پر ”إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ“ کا مطلب یہ ہوا: ”اے اللہ! تو تمام صفاتِ جمال و کمال اور شانِ جلال کا جامع ہے۔ اس لئے سیدنا محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر صلوٰۃ اور برکت بھیجنے کی آپ ہی سے درخواست ہے۔“

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و برکت کا جہاں ذکر کیا گیا ہے، وہاں بھی اللہ ربُّ العزت کے ان دونوں ناموں کی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے ان ہی کو بالکل اسی طرح خاتمہ کلام بنایا گیا ہے۔ سورہ ہود میں فرشتوں کی زبانی فرمایا گیا ہے:

﴿رَحِمْتُ اللَّهَ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾^{۲۰}

۱۵: ق: ۱

۱۶: البروج: ۲۱

۱۷: ہود: ۷۳

۱۸: البروج: ۱۵

۱۹: شیخ ابن قیم رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے ”جلاء الافہام“ میں اس پر بڑی نفیس اور فاضلانہ بحث کی ہے، جو اہل علم کے لئے قابل دید ہے۔

۲۰: ہود: ۷۳

الغرض ”اَللّٰهُمَّ“ سے درود شریف کا آغاز اور ﴿اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ﴾ پر اس کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ اور ان دونوں کلموں کی اس معنویت کا لحاظ کرنے سے درود شریف کا کیف بے حد بڑھ جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

انسانوں پر خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہو، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی و رسول کا ہوتا جس کے ذریعے ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امت محمدیہ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کو ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے واسطے سے ملی ہے۔ اس لئے یہ امت اللہ کے بعد سب سے زیادہ ممنون احسان حضور صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ہے۔

پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہیں، ان کا حق یہ ہے کہ ان کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح ان کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت اور رفع درجات کی دعا کی جائے۔

درود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ..... وفاداری و انکساری کا نذرانہ..... اور ممنونیت و شکرگزاری کا اظہار..... ہوتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت؟

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے اور ہماری اس دعا و التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہار وفاداری کا جو خود ہم کو پہنچتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے درود و سلام کا راز اور اس کے فوائد و منافع۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء عَلِیْہِمُ السَّلَامُ کی ہیں۔ جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے۔ (یعنی ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت

کے لئے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور ان کا حق اور مقامِ عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں۔

رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے..... اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے..... تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے ہاتھ میں بھی نہیں ہے، کیوں کہ ساری مخلوق میں ان ہی کا مقام سب سے بالا و برتر ہے اور شرک کی جڑ اور بنیاد یہی حرام عقیدہ ہے کہ خیر و رحمت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے قبضے میں بھی سمجھی جائے یا کسی اور کو بھی اللہ کی مخصوص صفات میں اللہ تعالیٰ کا حصہ دار سمجھا جائے۔ بہر حال درود و سلام نے ہم کو نبیوں کے لئے دعا گو بنا دیا اور اللہ تعالیٰ کا جو بندہ اور پیغمبر کا جو امتی پیغمبروں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہو، وہ خود اس پیغمبر کا یا کسی اور مخلوق کا پرستش کرنے والا کیسے ہو سکتا ہے۔^۱

حدیث شریف میں ہے:

”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى نَائِبًا أَبْلَغْتُهُ“^۲

ترجمہ: ”جو شخص مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے خود سنوں گا اور جو شخص مجھ پر دور سے درود شریف پڑھے وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”لَا تَجْعَلُوا بَيْوتَكُمْ قُبُورًا..... وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْدًا..... وَصَلُّوا عَلَيَّ..... فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ

تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ.....“^۳

ترجمہ: ”اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ..... اور میری قبر کو عید میلہ نہ بنا لینا..... اور مجھ پر درود شریف پڑھا کرو..... کیوں کہ تم جہاں سے بھی درود پڑھو..... وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔“

فَوَائِدُ وَنَصَاحُ

① بندہ کو چاہئے کہ وہ یقین بنائے کہ بزرگی اور عظمت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ایسے افعال و اعمال کرے جن سے ”الحَمْدُ لِلَّهِ جُلْدِ دَوِّم“ کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہو، مثلاً: قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت..... نمازوں کی پابندی..... اپنے کھانے پینے، لباس اور رہن سہن میں نبی اکرم ﷺ کے طریقوں پر چلنے کی پابندی۔

۱۔ مستند مجموعہ وظائف: ۷۹

۲۔ شعب الایمان: ۱۴۰/۳، رقم: ۱۴۸۱

۳۔ ابوداؤد، المناسک، زیارة القبور، رقم: ۲۰۴۲

۲ ایسی بزرگ و برتر ذات پر اپنے یقین کو بڑھائے اور شرافت و بزرگی کی صفات اپنے اندر پیدا کرے، تاکہ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی کوئی کوتاہی باقی نہ رہے۔

۳ کم از کم ہر جمعہ کے دن ۳۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھے اور ہو سکے تو تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ لے۔

۴ اپنے اندر ایسی طلب و چاہت پیدا کرے کہ آخری دم تک بس اللہ تعالیٰ کی بزرگی و بڑائی میں لگا رہے کہ یہ **إِنْ شَاءَ اللہ** جنت تک لے جانے کا ذریعہ ہے۔^۱



الْبَشَاءُ جَلَّ جَلَالُهُ

(زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

- ۱ **بَاعَثَ الرَّسُولَ إِلَى الْأُمَمِ بِالْأَحْكَامِ أَوِ الَّذِي يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ لِلْحَشْرِ وَالنُّشُورِ.**
ترجمہ: ”الْبَشَاءُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہی وہ ذات ہے جو انبیاء اور رسولوں کو احکامات دیکر قوموں کی جانب مبعوث فرماتے ہیں اور ”الْبَشَاءُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہی حشر کے لئے تمام انسانوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائیں گے۔
- ۲ بعض حضرات کا قول ہے: ”الْبَشَاءُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو بندوں تک بغیر کسی محنت کے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتی ہے جہاں سے ان بندوں کو گمان بھی نہیں ہوتا۔^۱

ہر ذی روح چیز مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کی جائے گی

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾^۲

ترجمہ: ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔“

سورہ رعد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَن تَعْجَبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذَا كُنَّا تُرَابًا أَلْفَىٰ خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾^۳

ترجمہ: ”اگر تجھے تعجب ہو..... تو واقعی ان کا یہ کہنا عجیب ہے..... کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے..... تو کیا

ہم نئی پیدائش میں ہوں گے.....؟“

حالاں کہ ”الْبَشَاءُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ قادرِ مطلق ہے جو ساری مخلوق کو عدم سے وجود میں لایا اور پھر ہر چیز کے وجود میں

^۱ وَقِيلَ هُوَ الَّذِي يَبْعَثُ الْأَرْزَاقَ إِلَى عَبْدِهِ وَلَوْ لَمْ يَكْتَسِبْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ. (مِرْقَاة: کتابُ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى: ۹۰/۵)

^۲ الحج: ۷ ^۳ الرعد: ۵

کیسی کیسی حکمتیں رکھیں کہ انسان ان کا ادراک و احاطہ بھی نہیں کر سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ جو ذات پہلی مرتبہ بالکل عدم سے ایک چیز کو وجود عطا کر سکتی ہے، اس کو دوبارہ وجود عطا کر دینا کیا مشکل ہے؟ انسان بھی جب کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو پہلی مرتبہ اس کو مشکل پیش آتی ہے اور اسی کو دوبارہ بنانا چاہے تو آسان ہو جاتا ہے۔ اور ”الْبَيْتُ الْجَلِيلُ“ کے لئے تو پہلی بار بھی مشکل نہ تھی۔

تو تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ اس کے تو قائل ہیں کہ پہلی مرتبہ تمام کائنات کو بے شمار حکمتوں کے ساتھ اسی نے پیدا فرمایا ہے، پھر دوبارہ پیدا کرنے کو کیسے محال اور خلافِ عقل سمجھتے ہیں؟

شاید ان منکرین کے نزدیک بڑا اشکال یہ ہے کہ مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد انسان کے اجزا اور ذرات دنیا بھر میں منتشر ہو جاتے ہیں۔ ہوائیں ان کو کہیں سے کہیں لے جاتی ہیں اور دوسرے اسباب و ذرائع سے بھی یہ ذرات سارے جہاں میں پھیل جاتے ہیں، پھر قیامت کے روز ان تمام ذرات کو جمع کس طرح کیا جائے گا؟ پھر ان کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کیسے کیا جائے گا؟

مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس وقت جو وجود ان کو حاصل ہے اس میں کیا سارے جہاں کے ذرات جمع نہیں؟ دنیا کے مشرق و مغرب کی چیزیں، پانی، ہوا اور ان کے لائے ہوئے ذرات انسان کی غذا میں شامل ہو کر اس کے بدن کا جزو بنتے ہیں۔ اس مسکین کو بسا اوقات خبر بھی نہیں ہوتی کہ ایک لقمہ جو وہ اپنے منہ تک لے جا رہا ہے، اس میں کتنے ذرات افریقہ کے..... کتنے امریکہ کے..... اور کتنے مشرقی ممالک کے ہیں.....؟

تو جس ذات نے اپنی حکمت بالغہ اور تدبیر امور کے ذریعہ اس وقت ایک ایک انسان اور جانور کے وجود کو سارے جہان کے منتشر ذرات جمع کر کے کھڑا کر دیا ہے، کل اس کے لئے یہ کیوں مشکل ہو جائے گا کہ ان سب ذرات کو جمع کر ڈالے؟

جب کہ دنیا کی ساری طاقتیں، ہوا اور پانی اور دوسری قوتیں سب اس کے حکم کی تابع اور مسخر ہیں۔ اس کے اشاروں پر اگر ہوا، پانی اور فضا اپنے اندر کے سب ذرات کو جمع کر دیں تو اس میں کیا اشکال ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ”الْبَيْتُ الْجَلِيلُ“ کی قدرت اور قدر کو پہچانا ہی نہیں۔ اس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرتے ہیں۔ حالاں کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اپنی اپنی حیثیت کا ادراک و شعور رکھتے ہیں اور حکم حق کے تابع چلتے ہیں۔

خاک و باد و آب و آتش زندہ اند بامں و تو مردہ باحق زندہ اند
ترجمہ: ”مٹی، ہوا، پانی اور آگ (یہ چاروں عناصر) زندہ ہیں — میں اور تو اگرچہ ان کو مردہ سمجھتے ہیں، لیکن حق تعالیٰ کے ہاں یہ بھی زندہ ہی ہیں۔“

خلاصہ یہ ہے کہ گھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود جس طرح ان کا نبوت سے انکار قابلِ تعجب ہے، اس سے زیادہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حشر کے دن سے انکار تعجب کی چیز ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَلَىٰ قَدِیْنَ عَلَیْ اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهُۥ﴾

ترجمہ: ”ہم تو قادر ہیں کہ اس کے پور پور کو درست کر دیں۔“ حاصل یہ ہے کہ تمہیں تو اس پر تعجب ہے کہ میت کے پھیلے ہوئے ذرات اور بوسیدہ ہڈیوں کو جمع کیسے کیا جائے گا؟ اور اُن میں دوبارہ حیات کیسے ڈالی جائے گی؟ حالاں کہ یہ بات پہلے ایک مرتبہ مشاہدہ میں آچکی ہے کہ ہر انسان کا وجود دُنیا میں پلتا اور بڑھتا ہے۔ وہ دُنیا بھر کے مختلف ملکوں، خطوں کے اجزاء اور ذرات کا مرکب ہوتا ہے، تو جس ذاتِ قادر نے پہلی مرتبہ ساری دُنیا میں بکھرے ہوئے ذرات کو ایک انسان کے وجود میں جمع کر دیا تھا، اب دوبارہ جمع کر لینا اس کے لئے کیوں مشکل ہوگا؟ اور جس طرح پہلے اس کے ڈھانچے میں رُوح ڈال کر زندہ کیا تھا، دوبارہ ایسا کرنے میں کیا حیرت کی بات ہے؟

قیامت کے دن ”الْبَشَرُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا عجیب و غریب معاملہ

غور اس پر کرو کہ ایک انسان جس ہیئت و جسامت اور شکل و صورت پر پہلے پیدا کیا گیا تھا، قدرتِ حق دوبارہ بھی اس کے وجود میں اُنہی ساری چیزوں کو بغیر کسی ادنیٰ فرق کے جمع کر دے گی۔ حالاں کہ یہ اربوں کھربوں انسان، ابتداءً دُنیا سے قیامت تک پیدا ہوتے اور فنا ہوتے رہے۔ کس کی مجال ہے کہ ان سب کی شکلوں، صورتوں اور قد و قامت کی کیفیتوں کو الگ الگ یاد بھی رکھ سکے؟

مگر حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ ہم صرف اسی پر قادر نہیں ہیں کہ میت کے سارے بڑے بڑے اجزاء و اعضاء کو دوبارہ اُسی طرح بنا دیں، بل کہ انسانی وجود کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی ہم ٹھیک اُسی طرح کر دیں گے جس طرح وہ پہلے تھیں۔ اس میں ”بنان“ یعنی انگلیوں کے پوروں کا خاص ذکر فرمایا کہ وہ سب سے چھوٹے اجزاء ہیں۔ جب ان چھوٹے اجزاء کی دوبارہ ساخت میں فرق نہیں آیا تو بڑے بڑے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ میں کیا فرق ہوگا۔

اور اگر غور کیا جائے تو ”شاید“ بنان یعنی انگلیوں کے پوروں کی تخصیص میں اس کی طرف بھی اشارہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ایک انسان کو دوسرے انسان سے ممتاز کرنے کے لئے اُس کے سارے ہی بدن میں ایسی خصوصیات رکھی ہیں جن سے وہ پہچانا جاتا ہے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے۔

خصوصاً انسانی چہرہ جو چند مربع انچ سے زائد نہیں، اس کے اندر قدرتِ حق نے ایسے امتیازات رکھے ہیں کہ اربوں

کھربوں انسانوں میں ایک کا چہرہ بالکل دوسرے کے ساتھ ایسا نہیں ملتا کہ امتیاز باقی نہ رہے۔ انسان کی زبان اور حلقوم بالکل ایک ہی طرح ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے ایسی ممتاز ہے کہ بچے، بوڑھے، عورت، مرد کی آوازیں الگ پہچانی جاتی ہیں اور ہر انسان کی آواز الگ الگ پہچانی جاتی ہے۔ اُس سے بھی زیادہ حیرت انگیز انسان کے انگوٹھے اور انگلیوں کے پورے ہیں کہ اُن کے اوپر جو نقش و نگار خطوط کے جال کی صورت میں قدرت نے بنائے ہیں، وہ کبھی ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ نہیں ملتے۔

صرف آدھ انچ کی جگہ میں ایسے امتیازات کہ اربوں انسانوں میں یہ پورے مشترک ہونے کے باوجود ایک کے خطوط دوسرے سے نہیں ملتے اور قدیم و جدید ہر زمانے میں انگوٹھے کو ایک امتیازی چیز قرار دے کر عدالتی فیصلے اُس پر ہوتے ہیں اور فنی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ بات صرف انگوٹھے ہی میں نہیں، ہر انگلی کے پورے کے خطوط بھی اسی طرح ممتاز ہوتے ہیں۔

یہ سمجھ لینے کے بعد، پوروں کے بیان کی تخصیص خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو اسی پر تعجب ہے کہ یہ انسان دوبارہ کیسے زندہ ہوگا؟

ذرا اس سے آگے سوچو اور غور کرو کہ صرف زندہ ہی نہیں ہوگا، بل کہ اپنی سابقہ شکل و صورت اور اس کے ہر امتیازی وصف کے ساتھ زندہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انگوٹھے اور انگلیوں کے پوروں کے خطوط پہلی پیدائش میں جس طرح تھے اس نشاۃ ثانیہ (دوسری پیدائش) میں بھی بالکل وہی ہوں گے۔^{۱۷}

سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ دعوت دی ہے کہ (اگر یہ دھوکا لگ رہا ہے کہ ریزہ ریزہ ہو کر دوبارہ کیسے جی اٹھیں گے) تو خود اپنی پیدائش میں غور کرو کہ کس طرح ہوئی؟

اس کے علاوہ دوسری دلیل یہ دی ہے کہ دیکھو زمین مردہ پڑی تھی، رحمت کا پانی پڑتے ہی جی اٹھی اور تر و تازہ ہو کر لہلہانے لگی۔ قسم قسم کے خوش منظر، فرحت بخش اور نشاط افزا پودے قدرت نے اُگا دیئے۔ تو وہ اللہ جس طرح مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اسی طرح تمہیں بھی دوبارہ زندہ کر دے گا۔^{۱۸}

﴿مَا خَلَقْنَاهَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾^{۱۹}

ترجمہ: ”ہم نے ان دونوں یعنی زمین و آسمان کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان و زمین اور ان کے اندر جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں، وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں۔

① مثلاً قدرتِ خداوندی پر۔

(۲) آخرت کے امکان پر کیوں کہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو عدم سے وجود عطا کیا، وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ ختم کر کے دوبارہ پیدا کر دے۔

(۳) جزا و سزا کی ضرورت پر۔

کیوں کہ اگر آخرت کی جزا و سزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانہ وجود بے کار ہو جاتا ہے، اس کی تخلیق کی تو حکمت ہی یہ ہے کہ اسے دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزا و سزا دی جائے، ورنہ نیک و بد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ حکمت سے بعید ہے۔

(۴) یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر ابھارنے والی بھی ہے، کیوں کہ یہ ساری مخلوقات اُس کا بہت بڑا انعام ہیں اور بندے پر واجب ہے کہ اس نعمت کا شکر اس کے خالق کی اطاعت کر کے ادا کرے۔^۱

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

۱ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والے کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اسی صفت پر غور کرے کہ اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا بالکل آسان ہے جیسے پہلے پیدا کیا، اور اس بات کا استحضار کرے کہ یہ معاملہ اس کے ساتھ بھی ہوگا، لہذا دنیا کے تعیش سے نکل کر آخرت کی تیاری کرے، لوگوں کو دین کی طرف بلائے اور ان کو سیدھی راہ دکھلائے اور قیامت کے دن کی تیاری کی فکر پیدا کرے۔

۲ انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے زندہ کر کے نکالے گا تو دلوں میں چھپی ہوئی باتیں بھی سب کھل کر سامنے آجائیں گی، اس لئے دل صاف رکھنے کی کوشش کرے اور دل کی صفائی کے لئے یہ دعا مانگتا رہے۔

”اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ..... كَالثَّوْبِ الْأَبْيَضِ مِنَ الدَّنَسِ“^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے گناہوں سے ایسا پاک کر دیجئے جیسا سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دیں گے۔

الشَّهِيدُ جَلَّ جَلَالُهُ

(ایسا حاضر جو سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہے)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ **فَإِنَّهُ تَعَالَى شَهِيدٌ عَلَى أَعْمَالِهِمْ، حَفِیْظٌ لِّأَقْوَالِهِمْ، عَلِیْمٌ بِسَرَائِرِهِمْ وَمَا تُكِنُّ ضُمَامُهُمْ**۔
ترجمہ: ابن کثیر **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں **اللہ** تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام افعال کو دیکھتے ہیں، بندوں کے اقوال پر محافظ ہیں (یعنی بندوں کے تمام اقوال **اللہ** تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہیں) اور بندوں کے رازوں سے بھی واقف ہیں۔ حتیٰ کہ ان باتوں سے بھی واقف ہیں جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

۲ شیخ سعدی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں **الشَّهِيدُ جَلَّ جَلَالُهُ** وہ ذات ہے جو تمام اشیا پر مطلع ہے اور تمام آوازوں کو سنتی ہے خواہ وہ آوازیں ظاہر ہوں یا مخفی اور **اللہ** تعالیٰ تمام موجودات کو دیکھتے ہیں خواہ کتنے ہی چھوٹے چھوٹے ذرات ہوں یا بڑے بڑے اجسام۔ **اللہ** تعالیٰ کے علم نے بندوں کے اعمال میں سے ہر اُس چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جو بندوں کے حق میں اور بندوں کے خلاف گواہی دیتی ہے۔

۳ **”الشَّهِيدُ“** کے معنی **”الْعَلِیْمُ“** کے معنی کے ساتھ ایک گونہ مناسبت رکھتے ہیں اس طور پر کہ **اللہ** تعالیٰ **”شَهِيدٌ“** ہیں۔ **”عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ“** ہیں، یعنی پوشیدہ اور ظاہر دونوں کو یکساں طور پر جاننے والے ہیں۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو پوشیدہ ہو اور شہادۃ سے مراد وہ چیز ہے جو ظاہر ہو اور **اللہ** تبارک و تعالیٰ ظاہر اور مخفی سب سے باخبر ہیں۔

اگر صرف علم کا اعتبار کیا جائے تو **اللہ** تعالیٰ کی ذات **”الْعَلِیْمُ جَلَّ جَلَالُهُ“** ہے اور اگر اسی علم کی نسبت غیب اور مخفی (یعنی چھپے ہوئے) امور کی جانب کی جائے تو **اللہ** تعالیٰ کی ذات **”الْخَبِيرُ جَلَّ جَلَالُهُ“** ہے اور اگر اسی علم کی نسبت ظاہری

۱ التفسیر لابن الکثیر: ۸۹۱، الحج: ۱۷

۲ وَقَالَ السَّعْدِيُّ: ”الشَّهِيدُ“ أَيْ الْمَطْلُوعُ عَلَى جَمِيعِ الْأَشْيَاءِ، سَمِعَ جَمِيعَ الْأَصْوَاتِ خَفِيَّهَا وَجَلِيَّهَا، وَأَبْصَرَ جَمِيعَ الْمَوْجُودَاتِ دَقِيقَهَا وَجَلِيلَهَا، صَغِيرَهَا وَكَبِيرَهَا، وَأَحَاطَ عِلْمُهُ بِكُلِّ شَيْءٍ الَّذِي شَهِدَ لِعِبَادِهِ وَعَلَى عِبَادِهِ بِمَا عَمِلُوهُ. (تیسیر

الکریم: ۳۰۳/۵، نقلًا عن النهج الاسمی: ۴۴۲/۱)

امور کی طرف کی جائے تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات ”الشَّهِيدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے۔^۱

یہ اسم قرآن کریم میں اٹھارہ مرتبہ آیا ہے، ان میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾^۲

ترجمہ: ”آپ ﷺ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔“

۲ ﴿وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾^۳

ترجمہ: ”وہ ہر چیز سے باخبر (اور مطلع) ہے۔“

۳ ﴿وَكَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا﴾^۴

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہے اور ایسا بادشاہ ہے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں ہے اور جو ہر چیز کے ذرے ذرے کے احوال سے باخبر ہے۔ مظلوم کی مظلومیت سے بھی باخبر ہے، بس اس کی نصرت کرے گا اور ظالم کے ظلم پر بھی اس کو سزا دے گا، خواہ دنیا میں یا پھر آخرت میں۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ﴾^۵

ترجمہ: ”اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔“

یہ یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے یعنی حق و صداقت کے واضح دلائل اور قرآن کریم کی ایسی سچی اور پکی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں کیا ہوا کہ باوجود اہل کتاب کہلانے کے، مسلسل کلام اللہ اور اس کے لانے والے کے انکار پر تلے ہوئے ہو؟ یاد رکھو! تمہاری سب کاروائیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔ تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے، جس وقت پکڑے گا، رتی رتی کا حساب لے کر چھوڑے گا۔^۶

اس اسم مبارک ”الشَّهِيدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ میں ہمارے لئے دو سبق موجود ہیں۔ ویسے اسمائِ حسنی کے اسرار و خواص تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، لیکن اب تک بزرگوں کی کتابوں سے جو سمجھ میں آتے ہیں، ان میں سے دو سبق بہت اہم ہیں۔

اول توحید: اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ قرآن مجید میں اور دوسری آسمانی کتابوں میں توحید یعنی اپنی وحدانیت اہتمام

۱ ﴿وَفِي الْمَقْصِدِ: (الشَّهِيدُ) يَرْجِعُ مَعْنَاهُ إِلَى (الْعَلِيمِ) مَعَ خُصُوصِ إِضَافَةٍ، فَإِنَّهُ تَعَالَى عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَالْغَيْبُ عِبَارَةٌ عَمَّا بَطَنَ وَالشَّهَادَةُ عَمَّا ظَهَرَ، وَهُوَ الَّذِي يُشَهِدُ. فَإِذَا أُغْتَبِرَ الْعِلْمُ مُطْلَقًا فَهُوَ الْعَلِيمُ. وَإِذَا أُضِيفَ إِلَى الْغَيْبِ وَالْأُمُورِ الْبَاطِنَةِ فَهُوَ الْخَبِيرُ. وَإِذَا أُضِيفَ إِلَى الْأُمُورِ الظَّاهِرَةِ فَهُوَ الشَّهِيدُ. (النهج الاسمي: ۱/۴۴۱)

۲ الانعام: ۱۹ ۳ سبا: ۴۷ ۴ النساء: ۱۶۶

۵ آل عمران: ۹۸ ۶ تفسیر عثمانی: ۸۰، حاشیہ: ۱

سے بیان کی ہے۔ آپ اندازہ لگائیں خود حق تعالیٰ اپنی تمام کتابوں میں مسلسل اس یقین اور عقیدے کو مستحکم کر رہے ہیں اور اس کی فعلی کتاب (صحیفہ کائنات) کا ایک ایک ورق، بلکہ ایک ایک نقطہ شہادت دیتا ہے کہ بندگی کے لائق رب العالمین کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ﴾^۱

یعنی: ہم اپنی قدرت کاملہ اور وحدانیت کی نشانیاں ان لوگوں کو دکھلاتے ہیں آفاق (عالم) میں بھی اور خود ان کے اپنے تن و بدن میں بھی۔

آفاق اُفق کی جمع ہے، آسمان کے نچلے کنارے کو کہا جاتا ہے۔ مراد آفاق سے اطرافِ عالم ہیں یعنی سارے عالم کی چھوٹی بڑی مصنوعات و مخلوقات، آسمان و زمین اور ان کے درمیانی مخلوقات میں سے ہر چیز کو دیکھو تو وہ اللہ جل جلالہ کے وجود اور اس کے علم و قدرت کے محیط ہونے اور اس کے یکتا ہونے کی شہادت دیتی ہے۔ اس سے زیادہ قریب کی چیز خود انسان کی اپنی جان اور جسم ہے۔ اس کے ایک ایک عضو اور اس میں کام کرنے والی باریک اور نازک مشینوں کو دیکھئے کہ ان میں انسان کی راحت و سہولت کے کیسے کیسے انتظام رکھے گئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ پھر ان نازک مشینوں کو اتنا مضبوط بنایا ہے کہ ستر اسی سال تک بھی وہ گھستی نہیں۔

انسان کے عام جوڑوں میں جو اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔ اگر انسانی صنعت ہوتی تو فولادی اسپرنگ بھی گھس کر ختم ہو جاتے۔ یہاں ہاتھوں کی کھال اور اس پر لکھی ہوئی لکیریں اور خطوط بھی ساری عمر نہیں گھستے۔ جن میں کوئی ادنیٰ عقل و شعور کا آدمی بھی غور کرے تو اس یقین پر مجبور ہو گا کہ اس کی پیدا کرنے والی اور قائم رکھنے والی کوئی ایسی ذات ہے جس کے علم و قدرت کی کوئی انتہا نہیں اور جس کا مثل کوئی نہیں ہو سکتا۔^۲

اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ دیگر اشیاء مثلاً سبزیوں اور پھلوں میں سے کسی کا رنگ..... کسی کی خوشبو..... کسی کا مزا..... کسی کی صورت و شکل..... کسی کا مخصوص موسم میں پیدا ہونا..... کسی کا خاص خطہ زمین میں پیدا ہونا..... کسی کا پانی اور کسی کا شیرہ..... صاحب عقل و حکمت کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے۔

اسی طرح اخروٹ کی ساخت بالکل دماغ کی صورت کی سی ہے اور اس کا مغز بالکل بھیجے کے مشابہ ہے۔ لہذا اس کی بناوٹ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ دماغ کے لئے خصوصیت سے فائدہ مند ہے۔

پستے کی ساخت بتاتی ہے کہ وہ دل کی شکل پر ہے اور اس کا مغز بتاتا ہے کہ میں دل کے لئے مفید ہوں۔

انار گواہی دیتا ہے کہ میں سراپا خون ہوں اور دل و جگر کے لئے مفید ہوں۔ فالسہ اور جامن کا رنگ بتا رہا ہے کہ ہم

جگر کے لئے نفع رساں ہیں۔

سیب کھلے منہ گواہی دے رہا ہے کہ میں دل کو طاقت دیتا ہوں اور میرے اندر فولاد ہے، لہذا خون پیدا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے معدہ و جگر کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں۔^{۱۷}
سورۃ ال عمران میں ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْمَلَكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾^{۱۸}

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اس میں تین شہادتوں کا ذکر ہے، ایک خود اللہ جل شانہ کی شہادت، دوسرے اس کے فرشتوں کی، تیسرے اہل علم کی۔ اللہ جل شانہ کی شہادت تو بطور مجاز ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی ذات و صفات اور اس کے تمام مظاہر و مصنوعات اللہ تعالیٰ کی توحید کی کھلی نشانیاں ہیں:

ہر گیا ہے کہ از زمیں زوید
زمین سے اگنے والی گھاس کی ہر ہر پتی
وَاحِدٌ لَا شَرِيكَ لَهُ
زبان حال سے توحید کی دیتی ہے گواہی

اور ایک شاعر اللہ تعالیٰ کی توحید یوں بیان کرتا ہے:

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ
اور ہر چیز میں ایک نہ ایک ایسی نشانی موجود ہے
تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ
جو اللہ رب العزت کی وحدانیت پر دلیل ہے

اس کے علاوہ اس کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول اور کتابیں بھی اس کی توحید پر شاہد ہیں اور یہ سب چیزیں حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو گویا خود اس کی شہادت اس بات پر ہے کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔

دوسری شہادت فرشتوں کی ذکر کی گئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے مقرب اور اس کے تکوینی امور کے اہلکار ہیں۔ وہ سب کچھ جان کر اور دیکھ کر شہادت دیتے ہیں کہ لائق عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

تیسری شہادت اہل علم کی ہے۔ اہل علم سے مراد انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام اور علماء اسلام ہیں۔ اسی لئے امام غزالی اور ابن کثیر رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”اس میں علماء کی بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو اپنی اور اپنے فرشتوں کی شہادت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل علم سے مطلق وہ لوگ مراد ہوں، جو علمی اصول پر صحیح نظر کر کے

^{۱۷} شرح اسماء حسنی: ۲۲۵ (الازہری) ^{۱۸} ال عمران: ۱۸

یا کائناتِ عالم میں غور و فکر کر کے حق جل شانہ کی وحدانیت کا علم حاصل کر سکیں، اگرچہ وہ ضابطہ کے عالم نہ ہوں۔“
دوسری جگہ سورہ انعام میں بھی اللہ تعالیٰ توحید کی طرف بلا رہے ہیں کہ معبودِ برحق ایک ہی ہے۔

ایک مرتبہ اہل مکہ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اس پر آپ کا گواہ کون ہے؟ کیوں کہ ہمیں کوئی آدمی ایسا نہیں ملا کہ جو آپ کی تصدیق کرتا ہو، حالاں کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے بھی اس کی تحقیق میں پوری کوشش کی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۚ﴾

”آپ کہہ دیجئے کہ سب سے بڑی چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے؟“

جس کے قبضے میں کل جہان اور سب کا نفع و ضرر ہے۔ پھر آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی گواہی سے مراد وہ معجزات اور آیاتِ بینات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کے رسولِ برحق ہونے کے متعلق ظاہر فرمائی ہیں۔ اسی لئے اس کے بعد اہل مکہ کو خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا:

﴿إِنِّي كُنْتُ مِنَ الْمَشْكُوكِ ۚ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ قُلْ إِنِّي بَرِئٌ مِّمَّا

تَشْرِكُونَ ۚ﴾

ترجمہ: ”کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔“

مندرجہ بالا آیات سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات اور شرک کی نفی واضح ہو گئی۔

دوسرا سبق یہ ہے: جب اللہ تعالیٰ ”الشَّهِيدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہیں، ہمارے ہر حال سے واقف ہیں تو ہمیں اپنے معاملات صاف رکھنے چاہئیں۔ اگر ہم نے کسی سے قرض لیا ہے تو ہمیں وقت پر ادا کرنا چاہئے، ٹال مٹول یا جان بوجھ کر دیر نہیں کرنی چاہئے۔ خاص طور سے دینے والے نے امانت دار، دین دار سمجھ کر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر دیا ہو تو بہت زیادہ اہتمام سے اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ اگر ہمارے والد دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں اور ان کی میراث میں مال، جائیداد یا اور کچھ ہمارے پاس ہو تو ان کے حق داروں کو دینے میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے، خصوصاً چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو ان کا پورا پورا حق دے دینا چاہئے۔

بخاری شریف میں ایک سبق آموز واقعہ مذکور ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ”ایک شخص جس نے اپنا قرض ادا کرنے کے لئے اپنا فرض پورا کیا اور ظاہری وسائل نہ ہونے کے باوجود اپنی بساط بھر پوری کوشش کر لی تو اس کو اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت کا مشاہدہ ہوا۔“

”الشہید جلالہ“ پر یقین کا فائدہ

واقعتاً مذہب ۱۱: ”ایک شخص نے بنی اسرائیل کے کسی شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے، اس نے کہا: گواہ لاؤ تاکہ میں انہیں قرض کے اس معاملہ پر گواہ بنالوں۔ قرض خواہ نے کہا:

”اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔“ اس نے کہا: ”اچھا کوئی کفیل (ضامن) لے آؤ۔“ کہنے لگا: ”اللہ تعالیٰ ہی میرا ضامن اور کفیل ہے۔“ اس نے کہا:

”تم نے سچ کہا“..... اور ایک مقررہ مدت تک کے لئے اس نے ایک ہزار دینار سے قرض دے دیئے۔

قرض لینے والا اپنے کسی کام سے سمندر میں سفر پر گیا اور اپنا کام پورا کیا۔ فارغ ہونے کے بعد جب اس نے سمندر عبور کرنے کے لئے کشتی تلاش کی تاکہ اس پر سوار ہو کر اپنی مقررہ مدت پر، جو اس نے متعین کی تھی، قرض کی ادائیگی کے لئے پہنچ جائے تو اُسے کوئی کشتی نہ ملی۔ اس نے ایک بڑی لکڑی لی، اسے اندر سے کھود کر کھوکھلا کیا اور ہزار دینار اس میں رکھ دیئے اور ایک خط قرض دینے والے کے نام لکھ کر رکھ دیا۔ پھر اس نے کھوکھلی جگہ کو اچھی طرح سے بند کر دیا اور اسے لے کر سمندر پر آگیا اور دعا کی:

”اللھُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنِّیْ كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلَانًا اَلْفَ دِیْنَارٍ.... فَسَالِنِیْ كَفِیْلًا.... فَقُلْتُ اَكْفِیْ

بِاللّٰهِ كَفِیْلًا.... فَرَضِیْ بِكَ.... وَسَالِنِیْ شَهِیْدًا فَقُلْتُ: كَفِیْ بِاللّٰهِ شَهِیْدًا.... فَرَضِیْ بِكَ.... وَایِّیْ

جَهِدْتُ اَنْ اَجِدَ مَرْكَبًا اُبْعَثْ اِلَیْهِ الَّذِیْ لَهٗ.... فَلَمْ اَقْدِرْ.... وَایِّیْیْ اَسْتَوْدِعْكَهَا۔“

ترجمہ: ”اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے فلاں آدمی سے ہزار دینار قرض کے طور پر لئے تھے۔ اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا: میرا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ آپ کی ضمانت پر راضی ہو گیا۔ پھر اس نے گواہ کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا: میرے لئے اللہ تعالیٰ ہی گواہ کے طور پر کافی ہے۔ وہ آپ کی گواہی پر راضی ہو گیا اور میں نے اب بہت کوشش کی کہ کوئی ایسی سواری ڈھونڈوں جس کے ذریعے اس کا قرض اس تک پہنچا سکوں، لیکن میں اس میں کام یاب نہ ہوا اور میں اس قرض کی حفاظت آپ کے ہی سپرد کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی یہاں تک کہ وہ پانی میں داخل ہو گئی۔ پھر وہ واپس لوٹ آیا اور وہ پھر کشتی کی تلاش میں رہا کہ اپنے شہر کی طرف نکل جائے۔ ادھر وہ شخص جس نے قرض دیا تھا سمندر کی طرف یہ دیکھنے کے لئے نکلا کہ شاید کوئی کشتی اس کا مال لے کر آئی ہو، اچانک اس نے وہی لکڑی جس میں مال تھا دیکھی۔ اس نے اسے یہ سوچ کر لے لیا کہ گھر والوں کو ایندھن کے طور پر جلانے میں کام آئے گی۔ گھر جا کر اس نے جو اسے چیرا تو اس میں اپنا

مال اور خط پایا۔

پھر کچھ دنوں بعد قرض لینے والا شخص آگیا اور ہزار دینار لے کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! میں مسلسل کشتی کی تلاش میں رہا تا کہ تمہارا مال لے کر تمہارے پاس آؤں، مگر مجھے اب سے قبل کوئی کشتی نہ ملی۔“

اس نے کہا: ”کیا تم نے مجھے کچھ بھیجا تھا؟“

اُس نے جواب میں کہا: ”میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ میں نے اس سے پہلے کوئی سواری نہ پائی کہ اس میں آتا۔“
اس نے کہا: ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے اس مال کی ادائیگی کر دی ہے جو تم نے لکڑی میں بھیجا تھا۔ لہذا اپنے ہزار دینار لے کر کامیاب واپس لوٹ جاؤ۔“^۱

امام قشیری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اہل معرفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا مونس (غم خوار) نہیں بناتے، یعنی اپنے حالات کا ذکر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے نہیں کرتے۔ ہر حاجت، ہر ضرورت اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں۔ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ ذات ”الشَّهِيدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہمارے احوال سے واقف ہے۔“
آگے فرماتے ہیں:

”وَكَيْفَ لَا وَهُوَ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى..... وَيَسْمَعُ النُّجْوَى..... وَيَكْشِفُ الضُّرَّ وَالْبَلْوَی.....“

وَيَجْزِلُ الْحُسْنَى..... وَيَصْرِفُ الرَّدَى..... وَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَى.....“^۲

ترجمہ: ”اور اس سے کوئی بات کیسے چھپ سکتی ہے؟ جب کہ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے اور سرگوشی کو سنتا ہے اور ہر مصیبت اور بلا کو دور کرتا ہے اور نیک کاموں کا بدلہ دیتا ہے اور ہلاکت کو دفع کرتا ہے اور دنیا اور آخرت کی حکومت اسی کے قبضے میں ہے۔“

فوائد ونصائح

ملا علی قاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”وَحَظُّكَ مِنْهُ أَنْ تُرَاقِبَهُ، حَتَّى لَا يَرَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ وَلَا يَفْقُدَكَ حَيْثُ أَمَرَكَ.“^۳

① اور تیرا حصہ (یعنی ایمان و عمل کی تقویت کے لئے روحانی غذا کے لئے) اس اسم مبارک سے یہ ہے کہ تو اس بات کا خیال رکھ کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس جگہ میں نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے اور وہاں سے غائب نہ پائے، جہاں موجود

۱۔ قصص الحدیث: ۲۲۷

۲۔ مرقاة، شرح مشکاة کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ۹۰/۵

۳۔ مرقاة، شرح مشکاة کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ۹۰/۵

ہونے کا حکم دیا ہے یعنی جن گناہوں سے بچنے کا حکم دیا ہے اُن میں وہ ”الشہید جلالہ“ ہمیں مشغول نہ پائے اور جن معروفات (نیکیوں) کا حکم دیا ہے ان پر عمل سے ہمیں غائب نہ پائے۔

۲ اور اس کے ”الشہید جلالہ“ ہونے پر ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ تو اپنی حاجتوں کو اس کے غیر کی طرف نہ لے جائے اور کسی کو دھوکہ نہ دے۔

۳ جہاں بھی ہو یہ یقین رکھے کہ ”الشہید جلالہ“ میرے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ چناں چہ خیانت، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، براگمان کرنے سے بچے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحق جَلَّالَهُ

(برحق و برقرار رہنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ قَالَ الْقُشَيْرِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ -: "الْحَقُّ" مِنْ أَسْمَائِهِ، وَهُوَ بِمَعْنَى الْمَوْجُودِ الْكَائِنِ. ۱
ترجمہ: "الحق جَلَّالَهُ" اللہ رب العزت کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات جو اپنے وجود برحق کے ساتھ موجود ہے۔

۲۔ قَالَ ابْنُ الْأَثِيرِ - رَحِمَهُ اللَّهُ -: "الْحَقُّ" هُوَ الْمَوْجُودُ حَقِيقَةً، الْمَتَحَقِّقُ وَجُودَهُ وَإِلَهِيَّتَهُ. ۲
ترجمہ: "الحق جَلَّالَهُ" وہ ذات ہے جو حقیقتاً موجود ہو، اس کے وجود اور معبودیت کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہو۔

۳۔ "الحق جَلَّالَهُ" وہ ذات ہے جس کے وجود سے انکار کی گنجائش نہ ہو اور اس کا ثبوت اور اس کے وجود کا اعتراف لازمی ہو، صرف اللہ جَلَّالَهُ کا وجود ہی اس بات کے لائق تر ہے کہ اس کا اعتراف کرنا نہایت ضروری ہے، اس ذات حق جَلَّالَهُ کے وجود سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے کہ ایسی کوئی بات واضح دلائل سے ثابت نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کے وجود کو خلاف واقع ثابت کر سکے۔ ۳

قرآن کریم "الحق جَلَّالَهُ" کی برحق اور سچی کتاب ہے

وَأَقِمْ وَفَیْئِذْ قَالَ الْإِنْسَانُ إِنَّهُ لَكَ مُذْنَبٌ ۚ وَإِنَّكَ لَتَبَصُّوهُ ۚ وَإِنَّكَ لَتَظَاهَرُ عَلَيْهِ مِنَ الدَّلَائِلِ الْبَيِّنَةِ الْبَاهِرَةِ، مَا تَظَاهَرَتْ عَلَى وَجُودِ الْبَارِي جَلَّالَهُ - (الاسماء والصفات للبيهقي: ۱۲، ۱۳)

۱۔ التحبير في التذكير: ۸۶

۲۔ النهاية: ۱/۴۱۳، كلها عن النهج الأسْمَى: ۱/۲، ۱۱

۳۔ قَالَ الْحَلِيمِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: (الْحَقُّ) مَا لَا يَسَعُ انْكَارُهُ، وَيَلْزَمُ ثُبُوتُهُ وَالْإِعْتِرَافُ بِهِ، وَوُجُودُ الْبَارِي عَزَّ ذِكْرُهُ أَوْلَى مَا يَجِبُ الْإِعْتِرَافُ بِهِ، وَلَا يَسَعُ جُحُودُهُ إِذْ لَا مُنْتَبِتَ يَتَظَاهَرُ عَلَيْهِ مِنَ الدَّلَائِلِ الْبَيِّنَةِ الْبَاهِرَةِ، مَا تَظَاهَرَتْ عَلَى وَجُودِ الْبَارِي جَلَّالَهُ - (الاسماء والصفات للبيهقي: ۱۲، ۱۳)

اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تورات، انجیل اور قرآن کریم کی انتہائی خوب صورت کتابت کی، تاہم درمیان میں کمی بیشی بھی کر دی۔

پھر تورات کو لے کر علمائے یہود کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور خوب صورت کتابت پر اسے انعام سے نوازا۔

انجیل کا نسخہ عیسائی پادریوں کے پاس لے کر گیا، انہوں نے اس کی محنت کو سراہتے ہوئے بڑی رقم دے کر اس خوش خط نسخے کو خریدا۔

اس کے بعد قرآن کریم کا نسخہ علمائے اسلام کی خدمت میں لایا، انہوں نے جب اس میں کمی بیشی دیکھی تو پکڑ کر اس کی ٹھکائی کر دی اور اسے حاکم کے پاس لے کر گئے، حاکم نے ”تحریف قرآن“ کے جرم میں اس کے قتل کا حکم دیا، تب اس نے اصل حقیقت بتائی اور کہا: **”الْحَمْدُ لِلّٰهِ“** میں مسلمان ہوں لیکن میں یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ کون سا دین صحیح اور محفوظ ہے تو میرے اس تجربے سے ثابت ہو گیا کہ دین اسلام ہی ایک محفوظ دین ہے، (اور قرآن کریم **”الحق جَلَّ جَلَالُهُ“** کی حق اور سچی کتاب ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب میں کوئی بھی تحریف نہیں کر سکتا)۔^۱

”الحق جَلَّ جَلَالُهُ“ کا حق کسی اور کو دینا شرک ہے

عبادت کے معنی یہ ہیں کہ کسی ذات کی انتہائی عظمت و محبت کی بناء پر اس کے سامنے انتہائی عاجزی اور انکساری کا اظہار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے تو یہی شرک کہلاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شرک صرف اسی کو نہیں کہتے کہ بت پرستوں کی طرح کسی پتھر کی مورتی وغیرہ کو خدائی اختیارات کا مالک سمجھے، بل کہ کسی کی عظمت..... محبت..... اطاعت..... کو وہ درجہ دینا جو اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے یہ بھی شرک جلی میں داخل ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے شرک کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾^۲

ترجمہ: ”ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔“

حضرت عدی بن حاتم **رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** جو مسلمان ہونے سے پہلے نصرانی تھے انہوں نے اس آیت کے بارے میں رسول کریم **ﷺ** سے عرض کیا: ”ہم تو اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے، پھر قرآن میں ان کو معبود بنانے کا الزام ہم پر کیسے لگایا گیا؟“

^۱ فَلَمَّا أَرَادَ قَتْلَهُ أَشْهَرَ إِسْلَامَهُ، وَأَخْبَرَهُمْ بِقِصَّتِهِ وَأَنَّهُ امْتَحَنَ الْأَدْيَانَ فَعَرَفَ أَنَّ الْإِسْلَامَ دِينٌ حَقٌّ. (صفوة التفاسیر

للصابونی): ۹۸/۲، ۹۹ (کتابوں کی درس گاہ میں، حاشیہ قرآن: ۱۹۲) ^۲ التوبة: ۳۱

آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا ایسا نہیں ہے کہ تمہارے علماء بہت سی ایسی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور تم اپنے علماء کے کہنے پر ان کو حرام ہی سمجھتے ہو اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تمہارے علماء ان کو حلال کر دیتے ہیں تو تم ان کے کہنے کا اتباع کر کے حلال کر لیتے ہو؟“

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”بے شک ایسا تو ہے۔“

اس پر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ”یہی تو ان کی عبادت ہے۔“^۱

اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کے حلال یا حرام قرار دینے کا حق صرف حق تعالیٰ کو ہے جو شخص اس میں کسی دوسرے کو شریک قرار دے اور اللہ تعالیٰ کے احکام حرام و حلال معلوم ہونے کے باوجود ان کے خلاف کسی دوسرے کے قول کو واجب الاتباع سمجھے وہ گویا اس کی عبادت کرتا ہے اور شرک میں مبتلا ہے۔^۲

وہ مخصوص مدد و نصرت جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور غیر اللہ کے لئے شرک ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتے یا پیغمبر یا ولی یا کسی اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرح قادر مطلق اور مختار کل سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگنا، یہ تو ایسا کھلا ہوا کفر ہے کہ عام مشرکین بت پرست بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں، اپنے بتوں، دیوتاؤں کو بالکل اللہ تعالیٰ کے مثل قادر مطلق اور مختار مطلق یہ کفار بھی نہیں مانتے۔

۲ وہ استعانت جس کو کفار اختیار کرتے ہیں، قرآن مجید اس کو باطل و شرک قرار دیتا ہے۔ ﴿وَأَيُّكَ نَسْتَعِينُ﴾^۳ میں یہی مراد ہے کہ ایسی استعانت و امداد ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں چاہتے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق فرشتے، ولی یا دیوتا، کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اگرچہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کامل اختیارات اسی کے ہیں، لیکن اس نے اپنی قدرت و اختیار کا کچھ حصہ فلاں شخص (فلاں پیر، فلاں مجاور، فلاں عامل) کو بوجہ اس کے نیک اور مقرب ہونے کے سوپ دیا ہے اور اس دائرے میں وہ خود مختار ہے یہی وہ استعانت ہے جو مؤمن و کافر میں فرق اور اسلام و کفر میں امتیاز کرتی ہے، بت پرست مشرکین اس کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔

اس معاملے میں دھوکہ یہاں سے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے فرشتوں کے ہاتھوں دنیوی نظام کے بہت سے کام جاری کرتے ہیں، دیکھنے والا اس مغالطے میں پڑ سکتا ہے کہ اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار سپرد کر دیا ہے، یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بہت سے ایسے کام وجود میں آتے ہیں جو عام انسانوں کی قدرت سے خارج ہیں، جن کو معجزات کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اولیاء اللہ کے ذریعے بھی ایسے ہی بہت سے کام وجود میں آتے ہیں، جن کو کرامات کہا جاتا ہے، یہاں سرسری نظر والوں کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کاموں کی قدرت و اختیار ان کے سپرد نہ کرتا تو ان کے ہاتھ

سے یہ کیسے وجود میں آتے؟

اس سے وہ انبیاء و اولیاء کو ایک درجہ میں مختار کل ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں، حالاں کہ حقیقت یوں نہیں بل کہ معجزات اور کرامات براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، صرف اس کا ظہور پیغمبر یا ولی کے ہاتھوں پر ان کی عظمت ثابت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، پیغمبر اور ولی کو اس کے وجود میں لانے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، قرآن مجید کی بے شمار آیات اس پر شاہد ہیں۔ مثلاً آیت:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾^{۱۷} میں رسول کریم ﷺ کے اس معجزے کا ذکر ہے جس میں آپ ﷺ نے دشمن کے لشکر کی طرف ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ سارے لشکر کی آنکھوں میں جا لگیں، اس کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی بل کہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ معجزہ جو نبی کے واسطے سے صادر ہوتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ بلا لیجئے، تو انھوں نے فرمایا:

﴿قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ اللَّهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾^{۱۸}

یعنی معجزہ کے طور پر آسمانی عذاب نازل کرنا میرے قبضے میں نہیں، اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو یہ عذاب آجائے گا پھر تم اس سے بھاگ نہ سکو گے۔

سورہ ابراہیم میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾^{۱۹}

یعنی کسی معجزہ کا صادر کرنا ہمارے ہاتھ میں نہیں، اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت (اجازت و ارادہ) کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے کوئی پیغمبر..... کوئی ولی..... جب چاہے جو چاہے معجزہ یا کرامت دکھا دے یہ قطعاً کسی کے بس میں نہیں، رسول کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بہت سے معین معجزات کا مطالبہ مشرکین نے کیا، مگر جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا ظاہر کر دیا جس کو نہ چاہا نہیں ہوا۔ پورا قرآن کریم اس کی شہادتوں سے بھرا ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ عقیدہ تو یہی رکھنا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہو رہا ہے اس کے ساتھ انبیاء و اولیاء کی عظمت و ضرورت کا بھی اعتراف ضروری ہے، اس کے بغیر رضائے الہی اور طاعت احکام خداوندی سے محروم رہے گا جس طرح کوئی شخص بلب اور پنکھے کی قدر نہ پہچانے اور ان کو ضائع کر دے تو روشنی اور ہوا سے محروم رہتا ہے۔^{۲۰}

”الحق جل جلالہ“ کی حقانیت کی دلیل

انسان اور اس کے اندر چلنے والا آٹومیٹک (خود کار) نظام، انسان کے ارد گرد کا ماحول و معاشرہ، زمین و آسمان اور غرض کائنات کا ذرہ ذرہ حق تعالیٰ شانہ کی حقانیت کی دلیل ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

تَأْمَلْ سَطُورَ الْكَائِنَاتِ فَإِنَّهَا
مِنْ الْمَلِكِ الْأَعْلَى إِلَيْكَ رَسَائِلُ
وَقَدْ خَطَّ فِيهَا لَوْ تَأْمَلْتَ خَطَّهَا
إِلَّا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ

کائنات کے رموز میں غور کر کہ یہ شہنشاہ عالم (حق تعالیٰ) کی جانب سے پیغامات ہیں اگر تو ان پیغامات کی واضح تحریر پر غور کرے، تو تو یہ لکھا ہوا پائے گا کہ ”الحق جل جلالہ“ کے ماسوا سب کچھ فانی اور دھوکہ ہے۔

قرآن کریم میں دس (۱۰) مرتبہ یہ اسم مبارک آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

- ۱ ﴿ثُمَّ رُدُّوْا اِلٰى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ ۚ اِلَّا لَهٗ الْحُكْمُ ۚ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ۝۴﴾
- ۲ ﴿وَرُدُّوْا اِلٰى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝۵﴾
- ۳ ﴿فَذَلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ ۚ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنْیَیْ تُصْرَفُوْنَ ۝۶﴾

حق یہ ہے کہ صرف ”الحق جل جلالہ“ ہی سے دعائیں مانگی جائیں

مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ تمام کام اور یہ عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، اس لئے فرمایا کہ جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو، پھر اس کے سوا اور دوسروں کو معبود بنانے سے ڈرتے نہیں۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو ”خَالِقُ الْكُلِّ، مَالِكُ الْمُلْكِ، رَبِّ مُطْلَقٌ“ اور ”مُتَصَرِّفٌ عَلَى الْإِطْلَاقِ“ ہو، اس کا اقرار کر کے کہاں لئے پاؤں واپس جا رہے ہو، جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے اور کیا رہ گیا، سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ تمام چیزوں کا مالک وہی ”الحق جل جلالہ“ ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف فرماتا ہے، اس کے حکم و تصرف سے کبھی رات لمبی.....، دن چھوٹا..... اور کبھی اس کے برعکس دن لمبا اور رات چھوٹی..... ہو جاتی ہے اور کبھی دونوں برابر.....، اسی طرح کبھی سردی.....، کبھی گرمی.....، کبھی بہار..... اور کبھی خزاں.....، موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی کے حکم و ارادے سے ہوتا ہے۔

پھر اپنی حاجتیں، ضرورتیں اس کے در کو چھوڑ کر اسی کے بنائے ہوئے انسانوں کے پاس (جو منوں مٹی کے نیچے مدفون ہو چکے ہیں اور جو خود تمہاری دعائے مغفرت کے محتاج ہیں) کیوں لے کر جاتے ہیں، یہ سراسر باطل ہے، حق یہ

۱۔ اللہ اہل الشناء والمجد: ۱۳۸

۲۔ یونس: ۳۲

۳۔ یونس: ۳۰

۴۔ الانعام: ۶۲

ہے کہ ”الحق جلالہ“ ہی کی عبادت کی جائے اور صرف اور صرف اسی سے دعائیں مانگی جائیں اور اللہ کے غیر سے نہ مانگی جائیں، اللہ کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھی جائے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ بڑے سے بڑے بزرگ، ولی یا نبی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا مکمل محتاج ہونا، بندہ ہونا، مخلوق ہونا ہر ایک پر واضح ہو جاتا ہے، اب وہ خود کفن نہیں پہن سکتا، خود بستر سے اٹھ کر نہانے نہیں جاسکتا، خود اپنی جنازہ کی نماز کے لئے لوگوں کو دعوت نہیں دے سکتا، خود اپنی نماز جنازہ نہیں پڑھا سکتا، پھر قبر میں خود نہیں اتر سکتا، ان تمام مراحل میں وہ دوسروں کا محتاج ہوتا ہے، کوئی اور اس کو کفن دیتا ہے، کوئی اور بستر سے اٹھا کر چارپائی پر رکھتا ہے، پھر کندھا دے کر نماز جنازہ کے لئے لے جاتے ہیں۔ آج تک جو لوگ دعا کی درخواست کرنے اس کے پاس آتے تھے وہ سب اس کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا... اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمَهُ“ کہ اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کی مغفرت فرما اور اے اللہ اس میت کی مغفرت فرما، گویا خود وہ اب اپنے لئے اپنی مغفرت کے لئے بھی دعا نہیں کر سکتا، لوگ اس کے لئے دعا کرتے ہیں، خود قبر میں نہیں لیٹ سکتا، لوگ قبر میں اتارتے ہیں، ان باتوں کے ذریعے ہمیں سمجھایا جاتا ہے کہ دیکھو یہ مخلوق ہیں، یہ بندے ہیں، یہ خود فقیر اور محتاج ہیں۔

اب کتنا ظلمِ عظیم ہے کہ ایسے محتاج شخص کو جب قبر میں ڈال کر دفن کر دیا گیا تو اب اس سے مرادیں مانگنا، اس کی قبر پر دور سفر کر کے جانا، قبر پر راتوں کو قیام کرنا، اس پر چادریں چڑھانا، اس کے پتھر کو مبارک سمجھ کر ہاتھ پھیرنا، یہ سب ناجائز اور حرام ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔

”الحق جلالہ“ سے تہجد کے وقت مانگنے کی دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد کی نماز پڑھنے اٹھتے تو ”الحق جلالہ“ کا واسطہ دے کر تہجد میں دعا اس طرح مانگتے تھے:

”اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ..... وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ..... وَلَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ..... وَوَعْدُكَ الْحَقُّ..... وَقَوْلُكَ الْحَقُّ..... وَلِقَاؤُكَ الْحَقُّ..... وَالْجَنَّةُ الْحَقُّ..... وَالنَّارُ الْحَقُّ..... وَالسَّاعَةُ الْحَقُّ وَالنَّبِيُّونَ الْحَقُّ..... وَمُحَمَّدٌ الْحَقُّ“

ترجمہ: ”اے اللہ! سب تعریفیں تیرے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین اور جو ان میں ہے، تو ان سب کا نور ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے، تو ان سب کی ہستی برقرار رکھنے والا ہے۔ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں، دراصل موجود تو ہی ہے، تیرا وعدہ ٹل نہیں سکتا، تیرا فرمان برحق ہے، تیری ملاقات ضرور ہونی

ہے، جنت واقعی موجود ہے اور دوزخ بھی واقعی موجود ہے، قیامت ضرور آئی ہے، تیرے جتنے نبی ہیں سب برحق ہیں اور محمد ﷺ تعالیٰ کے برحق پیغمبر ہیں۔“

فوائد و نصائح

- ۱ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نہ دے، یعنی عبادت اور دعا کے لائق صرف اور صرف ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ ہی کو مانے، کیوں کہ بندگی اور دعا کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔
- ۲ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کی برحق کتاب قرآن کریم کو پڑھنے اور اس کو سمجھنے کا اہتمام کرے۔
- ۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعا کو اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔



الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ

(کارساز، کام بنانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ ”الْوَكِيلُ: وَهُوَ الْمُؤْتَكِّلُ..... وَالْمُفَوَّضُ إِلَيْهِ عِلْمًا..... بِأَنَّ الْخَلْقَ وَالْأَمْرَ لَهُ..... لَا يَمْلِكُ أَحَدٌ مِّنْ دُونِهِ شَيْئًا.“^۱

امام حلیمی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے کہ اس بات کو جانتے ہوئے سب کام اسی کے سپرد کئے گئے ہوں کہ تمام مخلوقات اسی کی ہیں اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ وکیل لغت میں اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے۔ قرآن کریم میں ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾^۲ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے سب کاروبار، معاملات اور حالات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ اسی کا نام اصطلاح میں توکل ہے۔ توکل یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے پھر اس کے نتیجہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسبابِ مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا تو توکل نہیں تعطل (بے کار ہونا) ہے۔^۳

❷ اللہ تعالیٰ ”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے کہ جملہ امور میں درستی و اصلاح اسی سے ملتی ہے اللہ تعالیٰ ”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے کہ نظامِ عالم کا اعتماد اسی کی ذاتِ مقدس پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے کہ عاجز نوازی، بندہ پروری اسی کی شان ہے۔^۴

❸ ملا علی قاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو بندوں کے امور کی رکھوالی کرنے والا اور ان کے لائقِ مصلحت کاموں کا ذمہ دار ہو۔^۵

^۱ المزمّل: ۹

^۲ المنہاج ۲۰۸/۱ نقلا عن النهج الأسمنی: ۲۷/۲

^۳ شرح اسماءِ حسنی: ۱۱۴ (منصور پوری)

^۴ تفسیر عثمانی: ۱۴۸، المائدة: ۲۳

^۵ المرقاة، شرح مشکوٰۃ: ۹۱/۵

وکیل و کارساز ایک اور صرف ایک اکیلا اللہ تعالیٰ ہے، اس اسم مبارک کی یہ خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے تورات میں بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا:

﴿أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا﴾^۱

ترجمہ: ”تم میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ۔“

یعنی یہاں تو ارشاد فرمایا کہ ”میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ“ اور سورہ منزل میں آیت نمبر ۹ میں ارشاد فرمایا جس کا

ترجمہ یہ ہے ”..... اللہ ہی کو وکیل بناؤ.....“ مطلب یہ کہ:

ایک طرف نہیں ہے کہ ”میرے سوا کسی کو کارساز نہ بناؤ۔“

دوسری طرف اثباتاً حکم دیا گیا کہ ”مجھے ہی کارساز بناؤ۔“

جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾^۲

ترجمہ: ”اور آپ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھیں، اور اللہ تعالیٰ کافی ہے کام بنانے والا۔“

یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہا

نہ مانئے یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا (جماعت) بنالیں..... سازشیں کریں..... جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں.....

عیارانہ مشورے دیں..... اپنی طرف جھکانا چاہیں..... آپ کسی کی کچھ پروا نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ

آنے دیجئے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانئے، اسی کے آگے جھکئے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر آجائے، اس کے خلاف

ہرگز کسی کی بات نہ سنئے، اللہ تعالیٰ سب احوال کا جاننے والا ہے۔

وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا، اسی میں تمہاری بہتری ہوگی جب اس کے حکم پر

چلتے رہو گے اور اسی پر بھروسہ رکھو گے تو وہ تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنا دے گا۔ اسی کی ذات بھروسہ کرنے کے

لائق ہے۔

جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا، دوسرا دل ہو تو کسی دوسری طرف جائے لیکن:

﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ﴾^۳

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔“

قرآن کریم میں چودہ مرتبہ یہ اسم مبارک آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

- ۱ ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾^۱
- ۲ ﴿إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾^۲
- ۳ ﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾^۳

سورۃ مزمل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾^۴ ”اُسی ذات کو اپنا کارساز بنا لیجئے“ اس سورت میں جو احکام رسول اللہ ﷺ کو دیئے گئے ہیں یہ ان میں پانچواں حکم ہے۔
امام یعقوب کرخی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ شروع سورت سے اس آیت تک مقامات سلوک (اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے راستوں) کی طرف اشارہ ہے یعنی:

- ۱ رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خلوت (تنہائی)۔
- ۲ قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہنا۔
- ۳ ذکر اللہ پر ہمیشگی اختیار کرنا۔
- ۴ اللہ تعالیٰ کے غیر سے اعراض و ترک تعلق کرنا۔
- ۵ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا۔^۵

توکل کے حکم سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ بیان کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو ذات پاک مشرق و مغرب یعنی سارے جہان کی پالنے والی اور ان کی تمام ضروریات ابتدا سے انتہا تک پورا کرنے کی کفیل ہے۔ توکل اور بھروسہ کرنے کے قابل صرف وہی ذات ہو سکتی ہے اور اس پر بھروسہ کرنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾^۶ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (بھروسہ) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے (سب مہمات و مشکلات) کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

وکیل کی صفت ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ کسی بات سے خوف نہیں کھانا چاہئے، اپنے سب کام ”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے حوالے کر دینے چاہئیں۔ اس لئے کہ وہ کارساز ہے اور اس بات کو وہ بار بار قرآن کریم میں سمجھاتا ہے۔

واقِعَةُ مَبِیْن (۱۳): سورۃ ال عمران میں صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا اللہ تعالیٰ پر بے مثال بھروسہ بیان فرمایا گیا ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی جماعت نے ظاہری اسباب اور ظاہری نقوشوں کے خلاف جب اللہ تعالیٰ کو کارساز اور وکیل بنا لیا تو کیسے اس پر بھروسہ کیا اور ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ کہہ کر جرأت اور مستعدی کا ثبوت دیا اور ڈر اور خوف

۱ ال عمران: ۱۷۳ ۲ ہود: ۱۲ ۳ الزمر: ۶۲ ۴ المزمل: ۹

۵ معارف القرآن: ۵۹۵/۸، المزمل: ۹ ۶ الطلاق: ۳

سے نجات پائی۔ جس کا اظہار واقعہ ”حَمْرَاءُ الْأَسَد“ سے ہوتا ہے کہ:

ابوسفیان جب اُحد سے مکہ واپس گیا تو راستے میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی، ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یوں ہی چھوڑ کر چلے آئے، مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصہ تمام کر دیں۔

آپ ﷺ کو خبر ہوئی تو اعلان فرما دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین باوجود یہ کہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی پکار پر نکل پڑے، آپ ﷺ ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام ”حَمْرَاءُ الْأَسَد“ تک (جو مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے) پہنچے۔ ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آ رہے ہیں سخت رعب و دہشت طاری ہو گئی، دوبارہ حملے کا ارادہ ختم کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔

جنگ اُحد ختم ہونے پر ابوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال بدر میں پھر لڑائی ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے قبول کر لیا، جب اگلا سال آیا تو حضرت محمد ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے چلو، اگر کوئی نہ جائے گا تب بھی اللہ تعالیٰ کا رسول تنہا جائے گا۔ ادھر سے ابوسفیان فوج لے کر مکہ سے نکلا۔ تھوڑی دور چل کر کمر ہمت ٹوٹ گئی، رعب چھا گیا، قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ واپس جائے، مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر پڑے۔

عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کو کچھ دے کر آمادہ کیا کہ وہ مدینے پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سن کر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب و خوف زدہ ہو جائیں، انہوں نے مدینے پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کو ختم کرنے کی غرض سے تیار کیا ہے، یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوشِ ایمان بڑھ گیا، اور کفار کی جمعیت کا حال سن کر کہنے لگے:

﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ ساری دنیا کے مقابلے میں اکیلا اللہ تعالیٰ ہم کو کافی ہے۔

آخر مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے۔ وہاں بڑا بازار لگتا تھا، تین روزہ کر تجارت کر کے خوب نفع کما کر مدینہ واپس آئے۔ اس غزوہ کو ”بدر صغریٰ“ بھی کہتے ہیں۔ اس وقت جن لوگوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے ان کو یہ بشارت ہے کہ اُحد میں زخم کھا کر اور نقصان اٹھا کر پھر ایسی جرأت کی، مسلمانوں کی اس جرأت و مستعدی کی خبر سن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے۔ چنانچہ مکہ والوں نے اس مہم کا نام ”جَيْشُ السَّوِيقِ“ رکھ دیا، یعنی وہ لشکر جو محض ستوپینے گیا تھا، پی کر واپس آ گیا۔^{۱۷۳}

۱۷۳۔ آل عمران: ۱۷۳

۱۷۴۔ ماخوذ از تفسیر عثمانی: ۹۳، حاشیہ: ۲

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی دعوت پر تیار ہو جانے والے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی جماعت کا اس جہاد کے سفر میں تمام راستہ یہی جملہ وردِ زبان رہا اور اسی جملے کے جو فوائد و برکات قرآن کریم نے بیان فرمائے وہ کچھ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ساتھ مخصوص نہ تھے، بل کہ جو شخص بھی جذبہ ایمانی (کامل یقین) کے ساتھ ان کا ورد کرے وہ یہ برکات حاصل کرے گا۔

اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبہ ایمان و انقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ رو نہیں فرماتا۔ ہجوم افکار و مصائب کے وقت اس کا پڑھنا مجرب ہے۔^۱

ترکِ اسباب کا نام توکل نہیں

دلیل اول: یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل غور ہے کہ رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے زیادہ تو دنیا میں کسی کا توکل و اعتماد اللہ تعالیٰ پر نہیں ہو سکتا، لیکن آپ ﷺ کی صورتِ توکل یہ نہ تھی، کہ اسبابِ ظاہرہ کو چھوڑ کر بیٹھے رہتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

وہ بیٹھے بٹھائے ہمیں غلبہ عطا فرما دے گا، نہیں بل کہ آپ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو جمع کیا، زخم خوردہ لوگوں کے دلوں میں نئی روح پیدا فرمائی، جہاد کے لئے تیار کیا اور نکل کھڑے ہوئے، جتنے اسباب و ذرائع اپنے اختیار میں تھے وہ سب مہیا اور استعمال کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے، یہی وہ صحیح توکل ہے جس کی تعلیم قرآن میں دی گئی اور رسول کریم ﷺ نے اس پر عمل کیا اور کرایا۔

اسبابِ ظاہرہ دنیویہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں، ان کو ترک کر دینا اس کی ناشکری ہے، ترکِ اسباب کر کے توکل کرنا سنتِ رسول ﷺ نہیں ہے، کوئی مغلوب الحال ہو تو وہ معذور سمجھا جاسکتا ہے، ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ

ع بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

دلیل دوم: رسول کریم ﷺ نے خود ایک واقعہ میں اسی آیت ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔

وَأَقِمْ وَفْدًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ: حضرت عوف بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: رسول کریم ﷺ کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا آپ ﷺ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا، یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا: ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ حضور ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو میرے پاس لاؤ اور فرمایا:

”إِنَّ اللَّهَ يَلُومُ عَلَى الْعَجْزِ وَلَكِنْ عَلَيْكَ بِالْكَيْسِ فَإِذَا غَلَبَكَ أَمْرٌ فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ

الْوَكِيلُ ۱۵

یعنی اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ تم کو چاہئے کہ تمام ذرائع اختیار کرو پھر عاجز ہو جاؤ تو اس وقت کہو: ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ ۱۵

واقعة منبر (۱۵): دلیل سوم: ایک شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا:

”اعْقِلْهَا وَاتَّوَكَّلْ أَوْ أَطْلِقْهَا وَاتَّوَكَّلْ.....؟“

ترجمہ: ”میں اپنی اونٹنی کو باندھ دوں اور توکل کروں یا اُس کو کھلا چھوڑ دوں اور توکل کروں؟“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ“ اُس کو باندھو اور توکل کرو۔ ۱۶

اسی طرح قرآن کریم میں سورہ مریم کی آیت نمبر ۲۵ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کھانے کا حکم دیا تو ساتھ ساتھ فرمایا: کھجور کے درخت کو ہلاؤ حالاں کہ بغیر درخت ہلائے بھی اللہ تعالیٰ کھجور عطا فرما سکتے تھے۔ معلوم ہوا کوشش کرنا رزق کے لئے، کاروبار کے لئے سبب کے طور پر ضروری ہے پھر اس کے ساتھ ساتھ توکل بھی کرے کہ مجھ سے جتنا ہو سکتا ہے میں کرتا ہوں تو ان شاء اللہ توکل کا بھرپور فائدہ اٹھائے گا۔ حضرت مریم علیہا السلام کے اسی واقعہ کو کسی شاعر نے عربی میں یوں بیان کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَوْحَى لِمَرْيَمَ
وَلَوْ شَاءَ أَحْنَى الْجِدْعَ مِنْ غَيْرِ هَذِهِ
وَهَزَى إِلَيْكَ الْجِدْعَ يُسَاقِطِ الرُّطْبَ
إِلَيْهَا وَلَكِنْ كُلُّ شَيْءٍ لَهُ سَبَبٌ

ترجمہ: ”ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کو فرمایا: درخت کو ہلاؤ تو کھجوریں گریں گی، حالاں کہ بغیر ہلائے بھی کھجوریں اللہ کرا سکتے تھے، لیکن ہر چیز کے ہونے کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ اور سبب ضرور ہوتا ہے۔“

الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ ہی وکیل بھی ہیں اور کفیل بھی

عقیدہ توکل کا ذہنوں میں پروان چڑھنا اور دلوں پر اثر انداز ہونا بہت ضروری ہے، اس کے نتیجے میں مؤمن اپنے تمام امور اور تمام حالات میں اللہ رب العزت ہی کی ذاتِ عالی پر توکل کرنے والا ہوتا ہے، اپنے خالق پر اعتماد کرنے والا ہوتا ہے، کسی کا محتاج نہیں ہوتا اپنے ہی معبود پر بھروسہ کرتا ہے، بندہ کا کام فقط اسباب اختیار کرنا ہوتا ہے اور فیصلے تو اللہ رب العزت ہی کی جانب سے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ ہمارا وکیل بھی ہے اور کفیل بھی ہے کہ ہر مشکل گھڑی میں ہمارا کارساز بھی ہے۔

”الزهد“ میں امام احمد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے کہ:

۱۷ ابو داؤد، القضاء، باب الرجل يحلف على حقه: ۱۵۵/۲

۱۸ الترمذی، ابواب صفة القيامة: ۷۸/۲

۱۹ روح المعانی: ۸۵/۱۶، مزہب: ۲۵

”جو شخص مجھے چھوڑ کر مخلوق کا سہارا پکڑتا ہے میں اس پر آسمان و زمین کے (رزق کے) تمام ذریعوں کو بند کر دیتا ہوں، تو اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو نہیں دیتا، اور اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول نہیں کرتا اور اگر مجھ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو میں اسے معاف نہیں کرتا۔

اور میرے بندوں میں سے جو شخص مخلوق کو چھوڑ کر میرا سہارا پکڑتا ہے میں اس کے لئے آسمان اور زمین کے رزق کا ضامن ہو جاتا ہوں، تو جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔“^۱

دنیا میں جتنے گناہ ہیں ان سب کی تین بنیادیں ہیں:

۱ دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کے غیر سے ہونا۔

۲ غصہ کے تقاضوں کو پورا کرنا۔

۳ قوت شہوت کا غلط استعمال کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے غیر سے تعلق شرک تک پہنچانے والا ہے۔

غصہ کے تقاضوں کو پورا کرنا قتل تک پہنچا دیتا ہے۔

شہوانی قوت کی اطاعت کرنا زنا تک پہنچانے کا سبب ہے۔

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے توحید مضبوط ہوگی اور جتنی توحید مضبوط ہوگی اتنا ہی انسان فواحش اور ظلم کے گناہ سے بچے گا۔ اسماءِ حسنی کے ذریعہ دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کے غیر سے ختم ہوگا۔

انسان کا ایمان جتنا مضبوط ہوتا جائے گا اتنا ہی وہ جنت کے قریب ہوتا جائے گا۔ کیوں کہ یہی مضبوط ایمان، انسان کی راہ نمائی جنت کی طرف کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: جس کا ترجمہ یہ ہے:

”یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اُن کا رب اُن کو اُن کے ایمان کے سبب اُن کے

مقصد تک پہنچا دے گا۔ نعمت کے باغوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔“^۲

ہر قسم کی پریشانی سے بچنے کا نسخہ توحید، توکل، اور اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد کرنا ہے۔

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”ہر مؤمن بندے پر واجب ہے کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اس کی

ضرورت کی وہ تمام چیزیں جن کے بغیر اس کا گزران نہیں اس تک پہنچانے کے لئے اللہ ربُّ العزت اس کے کفیل بھی

ہیں اور وکیل بھی۔ یا تو اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اس کی ضرورت کو پورا فرمادیں گے جیسے شکم سیری اور سیرابی، کیوں کہ نفس کو اللہ

۱ الفوائد، لابن قیم الجوزی: ۵۷

۲ سورة یونس: ۹

رَبُّ الْعِزَّتِ ہی سیر فرماتے ہیں (ورنہ استقواء کی بیماری والے کے پاس پانی موجود بھی ہو تب بھی وہ سیراب نہیں ہوتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کی سیرابی کا فیصلہ نہیں ہوا) یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ بذاتِ خود دلوں میں نورِ ہدایت پیدا فرماتے ہیں۔^{۱۷}

یا کسی سبب اور واسطے کے ذریعے ضرورت پوری فرما دیتے ہیں وہ واسطہ فرشتہ کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں۔

یعنی مؤمن بندوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے۔ شیطان اور شیطان کے دوستوں کی شرارتیں تو جاری رہتی ہی ہیں، لیکن مسلمان کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی ان کا کارساز ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نہ ہوتی تو اسلام پورے عالم میں کیسے پھیلتا۔ شیطان اور اس کے دوستوں نے کبھی بھی اسلام کی دشمنی میں کمی نہیں کی۔^{۱۸}

”وکیل مطلق وہ ہے کہ تمام معاملات اس کے اختیار میں ہوں اور وہ ان کو اچھے طریقہ سے پورا کر رہا ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔“^{۱۹}

ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا

اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کے یہ معنی نہیں کہ سب معاش اور دفعِ بلا کے جو اسباب و آلات قدرتِ حق نے آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کو چھوڑ کر ”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ پر بھروسہ کرو، بل کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے مقاصد کے لئے قوت و توانائی اور جو اسباب میسر ہیں ان سب کو پورا استعمال کرو مگر اسبابِ مادیہ میں غلو اور انہماک زیادہ نہ کرو، اعمالِ اختیار یہ کر لینے کے بعد نتیجہ کو اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ۔

توکل کا یہ مفہوم خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

”أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ فَإِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوتَ حَتَّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا.“^{۲۰}

ترجمہ: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اپنے مقاصد کی طلب میں اختصار سے کام لو۔ اس لئے کہ کوئی جان دار اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنے مقدر میں لکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رزق کو پورا حاصل نہیں کر لیتا۔“

۱۷ قَالَ الْقُرْطَبِيُّ: فَيَجِبُ عَلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ كُلَّ مَالٍ بَدَلُهُ مِنْهُ، فَاللَّهُ سُبْحَانَهُ هُوَ الْوَكِيلُ وَالْكَفِيلُ الْمُتَوَكِّلُ بِإِصَالِهِ إِلَى الْعَبْدِ، إِمَّا بِنَفْسِهِ فَيَخْلُقُ لَهُ الشَّعْبَ وَالرَّيَّ، كَمَا يَخْلُقُ لَهُ الْهَدَايَةَ فِي الْقُلُوبِ، أَوْ بِوَاسِطَةِ سَبَبٍ مَلَكٍ أَوْ غَيْرِهِ يُوَكِّلُهُ بِهِ. (المقصد الأسنى: ۴۱۲)

۱۸ انوار البیان: ۱۹۹/۲

۱۹ ”وَالْوَكِيلُ الْمُطْلَقُ هُوَ الَّذِي الْأُمُورُ مَوْكُولَةٌ إِلَيْهِ، وَهُوَ مَلِيٌّ بِالْقِيَامِ بِهَا، وَفِي بِإِتْمَامِهَا، وَذَلِكَ هُوَ اللَّهُ تَعَالَى فَقَطْ.“

(المقصد الاسنى: ۸۱ نقلًا عن النهج الأسنى ۳۰/۲، ۳۱)

۲۰ ابن ماجہ، ابواب التجارات، الاقتصاد فی طلب المعيشة: ۱۵۵/۱

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ترک دنیا اس کا نام نہیں کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں کو حرام کر لو، یا جو مال تمہارے پاس ہو اُسے خواہ مخواہ اڑا دو، بل کہ ترک دنیا اس کا نام ہے کہ تمہارا اعتماد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس پر زیادہ ہو بہ نسبت اس کے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔“^۱ سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل و رائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو بل کہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو، کیوں کہ یہ سب تدبیریں ”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے قبضہ قدرت میں ہیں، انسان کیا اور اس کی رائے و تدبیر کیا، ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خوب فرمایا ہے۔

خویش را دیدیم و رسوائی خویش امتحان ما مکن اے شاہ بیش

تَرْجَمَہ: ”میں نے اپنے آپ کو اور اپنی رسوائی (عاجزی) کو دیکھ لیا، اے شہنشاہ! مزید میرا امتحان مت لے۔“

یعنی کئی مرتبہ اپنے غلط فیصلے کا احساس ہو گیا۔

اس آیت کریمہ: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾^۲ ”پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔“ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ توکل ترک اسباب اور ترک تدبیر کا نام نہیں بل کہ اسبابِ قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنتِ انبیاء علیہم السلام اور تعلیمِ قرآن کے خلاف ہے، ہاں اسبابِ بعیدہ اور لمبی امیدوں میں پڑے رہنا یا صرف اسباب اور تدبیر ہی کو موثر سمجھ کر مسبب الاسباب اور مدبر الامور سے غافل ہو جانا بے شک خلاف توکل ہے۔^۳ بعض سلف صالحین نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ پورے قرآن کا، جب کہ آیت ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ پوری سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے، کیوں کہ اس کے پہلے جملے میں شرک سے بری ہونے کا اعلان ہے اور دوسرے جملے میں اپنی قوت و قدرت سے بری ہونے کا اظہار ہے کہ بندہ عاجز بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے کچھ نہیں کر سکتا، جس کا نتیجہ اپنے سب کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔^۴

① علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”توکل نصف دین ہے اور باقی نصف، رجوع الی اللہ ہے، اس لئے کہ دین، استعانت یعنی اللہ تعالیٰ سے ہر معاملہ میں مدد چاہنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا نام ہے اور استعانت ہی توکل ہے اور رجوع الی اللہ ہی عبادت ہے۔“

② توکل یہ ہے کہ اسبابِ قریبہ اور اسبابِ اختیار یہ کو اپنانے کے بعد بندہ اپنے دل کو اپنے رب تعالیٰ کے سامنے ڈال دے، یعنی رب کی مرضی پر اپنے دل کو راضی کر لے، جیسا کہ میت غسل دینے والے کے سامنے بے حس و حرکت پڑی

۱۔ ترمذی، ابواب الزہد، باب الزہادۃ فی الدنیا: ۵۹/۲

۲۔ ال عمران: ۱۵۹، معارف القرآن: ۲۲۷/۲، ال عمران: ۱۵۹ ۳۔ معارف القرآن: ۹۸/۲

ہوتی ہے وہ جیسے چاہتا ہے اسے التنا، پلٹتا ہے،

۳ بعض مرتبہ آدمی (زبان سے تو) کہتا ہے کہ میں نے صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا حالاں کہ (عمل کے اعتبار سے) وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے، اس لئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوتا۔

۴ تمام شکوک و شبہات کی نفی کر دینے اور اپنے تمام معاملات کو ”مَالِکُ“ کے سپرد کر دینے کا نام توکل ہے۔

۵ توکل یہ ہے کہ جسمانی اعتبار سے سراپا عبدیت کا اظہار ہو اور دل کا تعلق ربوبیت سے ہو، بقدر کفایت چیز کے حصول سے اطمینان حاصل ہو جائے اور عطاء زیادہ ہو جائے تو شکر کرے اور اگر (اسباب اختیار کرنے کے بعد) کچھ بھی نہ ہو تو صبر کرے۔

۶ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسباب ظاہرہ کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، بل کہ اسباب کے اختیار کر لینے کے بعد توکل صحیح ہوتا ہے ورنہ بلا اسباب کے توکل کرنا توکلِ فاسد ہے۔

اسی توکل کو اختیار کرنے کی حدیث شریف میں تعلیم دی گئی ہے:

”عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً، فَمَنْ اتَّبَعَ قَلْبَهُ الشَّعْبَ كُلَّهَا، لَمْ يُبَالِ اللَّهُ بِأَيِّ وَادٍ أَهْلَكَهُ، وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ كَفَاهُ الشَّعْبَ“

ترجمہ: ”حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انسان کے دل کے لئے ہر میدان میں ایک راہ ہے، پھر جس نے اپنے دل کو تمام راہوں کے پیچھے لگا دیا تو اللہ پاک اس کی پروا نہ کرے گا کہ کون سے میدان میں اسے تباہ کرے اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ پاک اسے تمام میدانوں میں کافی ہو جائے

۱ قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - التَّوَكُّلُ نِصْفُ الدِّينِ، وَالنِّصْفُ الثَّانِي الْإِنَابَةُ، فَإِنَّ الدِّينَ إِسْتِعَانَةٌ وَعِبَادَةٌ، فَالتَّوَكُّلُ هُوَ الْإِسْتِعَانَةُ وَالْإِنَابَةُ هِيَ الْعِبَادَةُ.

۲ هُوَ انْطِرَاحُ الْقَلْبِ بَيْنَ يَدَيِ الرَّبِّ كَانْطِرَاحِ الْمَيِّتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغَاسِلِ يُقَلِّبُهُ كَيْفَ يَشَاءُ.

۳ يَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ: تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ، وَهُوَ يَكْذِبُ عَلَى اللَّهِ لَوْ تَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ رَضِيَ بِمَا يَفْعَلُ اللَّهُ.

۴ التَّوَكُّلُ هُوَ نَفْيُ الشُّكُوكِ وَالتَّفْوِضُ إِلَى مَالِكِ الْمُلُوكِ.

۵ التَّوَكُّلُ هُوَ طَرَحُ الْبَدَنِ فِي الْعُبُودِيَّةِ، وَتَعَلُّقُ الْقَلْبِ بِالرُّبُوبِيَّةِ، وَالطَّمَانِينَةُ إِلَى الْكِفَايَةِ، فَإِنْ أُعْطِيَ شُكْرًا، وَإِنْ مُنِعَ صَبْرًا.

۶ وَقَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ التَّوَكُّلَ لَا يُنَافِي الْقِيَامَ بِالْأَسْبَابِ، فَلَا يَصِحُّ التَّوَكُّلُ إِلَّا مَعَ الْقِيَامِ بِهِ، وَإِلَّا فَهُوَ بَطَالَةٌ وَتَوَكُّلٌ فَاسِدٌ. (اللہ اہل الثناء والمجد: ۳۹۹)

۷ ابن ماجہ: الزهد، اليقين والتوکل: ۳۰۷

گا۔

جب انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے (مثلاً بیمار ہو گیا، بار بار معالج بدلے، اچھی طرح علاج بھی نہ کیا اور کسی نے کہہ دیا کہ تم پر کسی نے کچھ کروا دیا ہے فلاں عامل کو دکھا دو) یا اسے کسی چیز کی طلب ہوتی ہے تو اس کے خیالات چاروں طرف دوڑتے ہیں کہ فلاں نبی کو..... یا فلاں امام کو..... فلاں پیر کو..... یا فلاں شہید کو..... یا فلاں پری..... کو پکارا جائے۔ یا فلاں نجومی سے..... یا فلاں کاہن سے..... یا فلاں علم جفر..... جاننے والے سے پوچھا جائے، یا فلاں مولوی صاحب سے فال نکلوائی جائے۔ پھر جو کوئی ہر خیال کے پیچھے دوڑتا ہے، اللہ پاک اس سے اپنی قبولیت والی نگاہ پھیر لیتا ہے۔

اس کو اپنے مخلص بندوں میں شمار نہیں فرماتا اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی تربیت و ہدایت کی راہ جاتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان خیالات کے پیچھے دوڑتا ہوا تباہ ہو جاتا ہے۔

”الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ“ کوئی دہریہ بن جاتا ہے، کوئی ملحد، کوئی مشرک اور کوئی سب سے منکر ہو جاتا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتا ہے کسی خیال کے پیچھے نہیں دوڑتا، وہ اللہ عزوجل کا مقبول بندہ ہے۔ اس پر ہدایت کی راہیں کھل جاتی ہیں اور اس کے دل کو ایسا چین و آرام میسر ہو جاتا ہے کہ خیالات کے پیچھے دوڑنے والا خواہ مخواہ بیچ و تاب کھاتا رہتا ہے۔ اور توکل والے کو آرام مل جاتا ہے۔

اللہ پاک کو دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ سمجھو کہ بڑے کام تو خود کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام نوکروں سے کرواتے ہیں، اس لئے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں سے التجا کرنی پڑتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کارخانہ ایسا نہیں ہے، وہ قادر مطلق تو پلک جھپکنے میں بے شمار چھوٹے بڑے کام ٹھیک فرما دیتا ہے۔ اس کی سلطنت میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اس لئے چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی براہ راست اس سے مانگو، کیوں کہ اس کے سوا کوئی اور نہ چھوٹی چیز دے سکتا ہے اور نہ بڑی۔^۱

”الْمُحْكَمَاتُ جَلَدُ ثَلَاثٍ“ ہمارا کارساز بھی ہے ذمہ دار بھی، نگہبان بھی اور نگرانِ قادر بھی، ہم اس کی ہر ادا پر خوش ہیں۔ ہم نے اپنے سارے کام اس ”الْمُحْكَمَاتُ جَلَدُ ثَلَاثٍ“ کے سپرد کر دیئے ہیں کہ وہی ہمارا کارساز و کفیل ہے، بل کہ ہم نے سپرد نہیں کئے اس نے خود ذمہ داری اٹھالی ہے، اگر ہم چاہیں بھی کہ اس کی وکالت و کفالت سے نکل جائیں تو نہیں نکل سکتے، کیوں کہ وہ ہمارا کارساز ہے وہ خود ہی ہمارا نگہبان بنا ہے تو ہمیں کسی اور سے منت سماجت کی کیا ضرورت؟

ہم اس کی نگرانی میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، جوان ہوئے، اور بڑی عمر کو پہنچے، تو اور کیا چاہئے؟ مرنا جینا جب اسی (کے حکم) سے ہے تو پھر کیا رہ گیا؟

فرماتے ہیں ۔

میر بندوں سے کام کب نکلا
آگے کسی کے کیا کریں دستِ طمع دراز
مانگنا ہے جو کچھ اللہ سے مانگ
وہ ہاتھ سو گیا ہے سراپے دھرے دھرے

”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ صرف ہمارا تمہارا ہی نہیں ساری دنیا کا کارساز ہے، اسی کی کارسازی سے سبزہ سنگ لاخ زمین سے سراٹھاتا ہے پھلتا پھولتا اور لہلہاتا ہے، اسی کی کارسازی سے دن اور رات آتے جاتے ہیں، موسم تبدیل ہوتے ہیں، سورج چاند اور ستارے طلوع و غروب ہوتے ہیں، وہی زمین و آسمان کو تھامے ہوئے ہے، وہی سیاروں کی رفتار کو کنٹرول کرتا ہے ورنہ کب کے ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے۔

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾

”سورج اپنی راہ پر گامزن ہے یہ غالب و علیم کا درست اندازہ ہے۔“

”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سب کا نگہبان ہے۔ جب تک چاہتا ہے وہ اور اس کے مقرر کردہ فرشتے انسان کی حفاظت کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جب وہ اپنی حفاظت کو اٹھا لیتا ہے تو پھر کسی صورت کہیں پناہ نہیں ملتی۔

”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سب کا ذمہ دار ہے ہر مخلوق کو اس کی ضروریات کے مطابق آلات و اعضاء رزق دیئے ہیں اور جب چاہتا ہے ان پر مسلط ہو کر سب کچھ چھین لیتا ہے۔

قرآن مجید میں اہل ایمان کی صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، توکل اہل ایمان کی بہت بڑی صفت ہے..... اور بہت بڑی منقبت ہے، اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسباب ظاہرہ مکمل اختیار کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ ہی پر نظر رکھنا اور یہ یقین کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والے ہیں، اور قاضی الحاجات ہیں، اور ہم اس کے ہر فیصلے پر راضی ہیں، یہ اہل ایمان کی عظیم صفت ہے۔

دل کو غموم و ہموم سے پاک کرنے کا نسخہ

امام فخر الدین رازی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی سورہ یوسف کی تفسیر میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے اپنی تمام عمر میں یہ تجربہ کیا ہے کہ انسان اپنے کسی کام میں جب غیر اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اور اعتماد کرتا ہے تو یہ اس کے لئے محنت و مشقت اور سختی کا سبب بن جاتا ہے اور جب حق تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اور مخلوق کی طرف نگاہ نہیں کرتا تو یہ کام ضرور بالضرور نہایت حسن اور خوبی کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے۔

یہ تجربہ ابتدائے عمر سے لے کر آج تک (جب کہ میری عمر ۵۷ سال ہے) برابر کرتا رہا اور اب میرے دل میں یہ

بات راسخ ہے، کہ انسان کے لئے بجز اس کے چارہ نہیں ہے کہ اپنے ہر کام میں مکمل اسباب اختیار کر کے حق تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان پر نگاہ رکھے اور دوسری چیز پر ہرگز ہرگز بھروسہ اور اعتماد نہ کرے۔^{۱۷}

حضرت شقیق بلخی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے اپنے شیخ سے جو آٹھ باتیں سیکھی تھیں ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ **”الْوَكِيلُ جَلَّ جَلَالُهُ“** پر جو بھی بھروسہ اور اعتماد کر لیتا ہے تو اس کا دل افکار سے اور غموں اور پریشانیوں سے نجات پالیتا ہے، اور آنے والے اُن دیکھے حوادث اور خواہشات سے بھی وہ پریشان نہیں ہوتا وہ نسخہ یہ ہے فرماتے ہیں:

”میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے، کوئی اپنی جائداد پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دست کاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے، کوئی اپنے بدن کی صحت اور قوت پر (کہ جب چاہے جس طرح چاہے کما لے گا) اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کئے ہوئے ہے جو ان کی طرح خود مخلوق ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾^{۱۸}

”جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل (اور اعتماد) کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔“

اس لئے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیا۔^{۱۹}

اس آیت شریفہ کی تفسیر میں مشہور تابعی حضرت ربیع بن خثیم **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں:

”مِنْ كُلِّ مَا صَاقَ عَلَى النَّاسِ يَكْفِي اللَّهُ بِهِ“^{۲۰}

”ہر وہ چیز جو لوگوں کے لئے تنگی اور تکلیف کا سبب بنتی ہے اللہ تعالیٰ اس چیز کے مقابلہ میں کافی ہو جاتے ہیں۔“

اپنے کسی نیک عمل پر ناز نہیں کرنا چاہئے

ہمیں ہر حال میں اللہ سے مغفرت اور عمل پر قائم رہنے کی دُعا کرتے رہنا چاہئے۔ کیوں کہ حقیقت شناس مومن کا کام یہ ہے کہ وہ کتنا ہی بڑا نیک کام اور کتنی ہی جدوجہد اللہ کی راہ میں کر رہا ہو، اس کو یہ حق نہیں کہ اپنے عمل پر ناز و فخر کرے، اس لئے کہ درحقیقت اس کا عمل بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے، اس کے بغیر کوئی نیک عمل ہو ہی نہیں سکتا، حدیث میں مذکور ہے:

”قَوْلَ اللَّهِ لَوْلَا اللَّهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا“^{۲۱}

^{۱۷} تفسیر کبیر: ۱۱۶/۱۸، یوسف: ۴۲

^{۱۸} رسائل امام غزالی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی**، حاتم بن اَحم کے بیان کردہ فوائد: ۲۹

^{۱۹} شرح السنة: ۲۹۸/۱۴ بحوالہ رزق کی کنجیاں: ۳۳

^{۲۰} بخاری، المغازی، غزوة الخندق: ۵۸۹/۲

تَرْجَمًا: ”اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو ہمیں نہ سیدھے راستہ کی ہدایت ملتی اور نہ ہم سے زکاۃ و نماز ادا ہو سکتی۔“ اس کے علاوہ جو نیک عمل کوئی انسان کرتا ہے وہ کتنا ہی درست کر کے کرے لیکن مالک الملک و المملکوت کی شانِ جلالی کے مطابق کر لینا اس کے بس میں نہیں، اس لئے اس کے ادائے حق میں کوتاہی ناگزیر ہے، اس سے حالتِ عمل میں بھی استغفار کی ضرورت ہے۔

نیز یہ بھی کسی کو اطمینان نہیں ہو سکتا کہ جو نیک عمل وہ اس وقت کر رہا ہے آگے بھی اسے اس کی توفیق ہوگی، اس لئے موجودہ عمل میں کوتاہی پر ندامت اور آئندہ کے لئے اس پر قائم رہنے کی دعا مؤمن کا وظیفہ ہونا چاہئے۔^۱

توکل کا صحیح مفہوم

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”چوں کہ توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے میں لوگ عموماً غلطیاں کرتے ہیں اس لئے یہ سمجھ لیجئے کہ اس کی تین قسمیں ہیں: ۱ انسان نظری طور سے تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر رکھے، لیکن عملی طور پر اس کا دھیان اسباب ہی کی طرف لگا رہے اور ظاہری اسباب و وسائل ہی اس کی بیشتر توجہات کا مرکز بنے رہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ اپنا مقدمہ کسی وکیل کے سپرد کر دیتے ہیں، اس پر آپ کو بھروسہ تو ہوتا ہے، لیکن معاملہ اس کے سپرد کر کے آپ بالکل فارغ نہیں ہو جاتے، بل کہ ہر وقت دھیان اور کوشش اس کی طرف لگی رہتی ہے۔

۲ آپ ظاہری اسباب کو اس لئے اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیں اور یہ بات ہر آن ذہن میں رکھیں کہ یہ ظاہری اسباب کوئی حقیقت نہیں رکھتے، کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، چناں چہ آپ کی بیشتر توجہات اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے اور اسی کے سامنے اپنی حاجتیں بیان کرنے میں صرف ہوں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بچے کو جب کبھی کوئی ضرورت پیش آتی ہے وہ بس اپنی ماں ہی کو پکارتا ہے، خود کچھ ہاتھ پاؤں مارے بھی تو اس پر مطمئن نہیں ہوتا، اس کی توجہ اسی کی طرف رہتی ہے کہ کسی طرح ماں متوجہ ہو جائے تو ہر مشکل کو حل کر دے گی۔

۳ اللہ تعالیٰ پر اس درجہ بھروسہ کیا جائے کہ ظاہری اسباب کی طرف مطلق نظر نہ ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو پکارے بھی نہیں اور یہ سمجھے کہ وہ تو خود میرے دکھ درد کو جانتا ہے، خود ہی مداوا کرے گا۔

توکل کے ان تین درجات میں سے پہلا درجہ تو عامیانہ توکل ہے جو توکل کا بالکل ادنیٰ درجہ ہے اور تیسرا درجہ توکل

کی حقیقت کے اعتبار سے تو بہت اعلیٰ ہے مگر یہ انبیاء و صلحاء کے خاص احوال سے متعلق ہے، دائمی طرز کے لئے شریعت میں مطلوب نہیں ہے۔ شریعت میں مطلوب تو کل کا دوسرا درجہ ہے، آل حضرت ﷺ نے سنت اسی کو قرار دیا ہے۔ کہ ظاہری اسباب کو معمولی طور سے اختیار کرو، اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرو، لیکن بھروسہ ان ظاہری اسباب پر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی پر رکھو۔“ ۱

بیماری اور تنگ دستی دور کرنے کے لئے بہترین نسخہ توکل ہے

واقعة ملین (۱۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا آپ ﷺ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”تمہارا یہ حال کیسے ہو گیا؟“ اس شخص نے عرض کیا: ”بیماری اور تنگ دستی نے میرا یہ حال کر دیا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگ دستی جاتی رہے گی،“ وہ کلمات یہ ہیں:

”تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ..... الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا..... وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ..... وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ..... وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا.“

ترجمہ: ”میں نے توکل کیا اس ذات پر جو زندہ ہے جسے موت نہیں آتی۔ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے جو نہیں رکھتا اولاد اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار کمزوری میں اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر۔“ اس کے کچھ عرصہ بعد پھر آپ ﷺ اس طرف تشریف لے گئے پھر اس کو اچھے حال میں پایا، آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا، اس نے عرض کیا: ”جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے تھے میں پابندی سے ان کلمات کو پڑھتا ہوں۔“ ۲

فوائد و نصائح

۱ بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے کہ وہ مکمل صحیح اسباب کو اپناتے ہوئے بھی اعتماد اور بھروسہ صرف اور صرف ”الْمُکَلِّی جَلَّ جَلَالُهُ“ پر کرے۔

۲ وہ ذات وکیل مطلق ہے ہر کام کو اہتمام سے اپنی اپنی جگہ پورا فرما رہا ہے کسی بندے کو بے سرو پا نہیں چھوڑتا، لہذا

۱ مجلس مفتی اعظم: ص ۲۵۶، ص ۲۵۷

۲ تفسیر ابن کثیر: ۸۰۲، الاسراء: ۱۱۱

بندہ کو بھی اسی سے التجا کرنی چاہئے، مایوسی، کم ہمتی کو اپنے قریب بھی نہیں بھٹکنے دینا چاہئے، ہر مصیبت اور ہر پریشانی میں، مصیبت اور پریشانی دور کرنے کے شرعی اسباب اختیار کر کے التجا دعا، صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگنا چاہئے، کسی پیر، فقیر، کسی مزار، قبر، پر جا کر دعا نہیں مانگنی چاہئے۔

۳ جب تمام امور اسی کے سپرد ہیں تو بندہ غیر کی طرف توجہ کر کے ”الْمُكَيَّلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی ذات سے اپنے ایمان اور یقین کو کمزور نہ کرے۔ جس کو اس اسم کی معرفت حاصل ہو جائے گی وہ دل کا ایک ذرہ اور ایک گوشہ بھی اللہ کے سوا کسی طرف مائل نہیں کرے گا اس کو ایک عربی شاعر کہتا ہے:

خُذُوا عَنِّي فُؤَادِي وَفَتِّشُوهُ كَمَا تَرِيدُ فَوَاللَّهِ فَلَنْ تُحِسُّوا سِوَاهُ

”تم میرے دل کو دیکھ لو اس کا ایک ایک ذرہ اور قطرہ قطرہ کو اپنی لیباٹری میں چیک کر لو،

اللہ کی قسم! تم اس میں اللہ کے غیر کی بونہ پاؤ گے۔“

جو شخص اس نام کو سمجھ لے گا وہ کبھی بھی ڈپریشن..... ٹینشن..... الجھن..... کے مرض کا شکار نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ

تمام کاموں کو اللہ کے سپرد کر کے مطمئن ہو کر صحیح اسباب مکمل اختیار کرے گا۔

سونے سے پہلے اس دعا کا ترجمہ سمجھ کر مانگنا چاہئے۔

”اللَّهُمَّ أَسَلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ..... وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ..... وَالْجَانُ ظَهْرِي

إِلَيْكَ..... رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ..... لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنَاجِيئَكَ إِلَّا إِلَيْكَ..... اللَّهُمَّ

أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ..... وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ.....“^۱

ترجمہ: ”اے اللہ! میں نے اپنی ہستی کو تیرے سپرد کر دیا..... اور تیری طرف اپنا رخ کیا..... اور اپنے

سب امور تیرے حوالہ کر دیئے..... تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے..... اور تیرے رحم و کرم کی طلب و امید

کرتے ہوئے اور تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنا لیا..... اے مولیٰ! تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور بچاؤ کی جگہ نہیں.....

اے اللہ! میں ایمان لایا تیری مقدس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی..... اور تیرے نبی پر جن کو تو نے پیغمبر بنا کر بھیجا۔“

القوی جل جلالہ المتین جل جلالہ

(بڑی طاقت و قوت والا، شدید قوت والا)

ان اسماء کے تحت چھ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① **”الْقَوِيُّ هُوَ الْكَامِلُ الْقُدْرَةَ عَلَى الشَّيْءِ“** ^۱

امام زجاج **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں: ”**الْقَوِيُّ** جل جلالہ“ وہ ذات ہے..... جو تمام چیزوں پر پورے طور پر قدرت رکھتی ہے۔

”**الْقَوِيُّ** جل جلالہ“ وہ ذات ہے جس کو تمام چیزوں پر کامل و مکمل قدرت حاصل ہے، جیسے ایک عام محاورے میں یہ بات کہی جائے کہ ”یہ شخص اس کام پر قادر ہے اور یہ چیز اس شخص کی ملکیت میں ہے“ تو اس کا معنی یہ ہوا کہ وہ اس چیز میں حد کے اندر رہتے ہوئے تصرف کر سکتا ہے، اس کی خرید و فروخت کر سکتا ہے لیکن اگر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ طاقت ور بھی ہو کہ اس سے کوئی یہ چیز چھین بھی نہیں سکتا، اور جس طرح استعمال کرنا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا، تو یہ اس صفت کی مزید وضاحت ہوگی۔ اسی طرح **اللہ جل جلالہ** سب چیزوں پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ قوی بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی اسی صفت مبارکہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾ ^۲

اللہ رب العزت نے اپنی ذات کو قرآن کریم میں قوت کے ساتھ متصف فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ^۳

امام ابن کثیر **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”أَيُّ لَا يَغْلِبُهُ غَالِبٌ وَلَا يَفُوتُهُ هَارِبٌ“

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ **اللہ جل جلالہ** کی ذات ایسی (قوی) ذات ہے کہ کوئی اس پر غلبہ پانا چاہے تو غلبہ نہیں پاسکتا اور کوئی (مجرم ظالم) اس کی پکڑ سے (بھاگ کر) بچنا چاہے تو اس کی پکڑ سے بچ (کر بھاگ) نہیں سکتا۔ ^۴

علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اپنے قصیدہ ”نونیہ“ میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ الْقَوِيُّ لَهُ الْقُوَّةُ جَمْعًا لَهُ إِلَى رَبِّ ذِي الْأَكْوَانِ وَالْأَزْمَانِ ۝

”وہ ذات طاقت ور ہے، جتنی بھی طاقت اور قوت ہے اسی کی ہے۔ وہ عظیم رب ہے تمام کائنات اور زمانوں کا۔“

۲ **إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ لَا يَغْلِبُهُ غَالِبٌ وَلَا يُوَدُّ قَضَاءَهُ رَادٌّ يَنْفُذُ أَمْرَهُ وَيَمْضِي قَضَاءُهُ**

فِي خَلْقِهِ شَدِيدٌ عِقَابُهُ لِمَنْ كَفَرَ بِآيَاتِهِ وَجَحَدَ حُجَّتَهُ ۝

ترجمہ: علامہ ابن جریر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اللہ رب العزت بہت قوت والے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور نہ ہی ان کے فیصلے کو کوئی ٹال سکتا ہے، ان کا حکم اور فیصلہ ان کی مخلوق میں نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اس کی آیات اور دلائل کو جھٹلانے والے کے لئے اس کا عذاب بہت سخت ہے۔“

۳ **قَالَ ابْنُ قُتَيْبَةَ - رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی - (الْمَتِينُ): الشَّدِيدُ الْقَوِيُّ ۝**

ترجمہ: ”المتین کے معنی ہیں وہ ذات جو انتہائی قوت والی ہو۔“

۴ **الْمَتِينُ الشَّدِيدُ الْقَوِيُّ الَّذِي لَا تَنْقَطِعُ قُوَّتُهُ، وَلَا تَلْحَقُهُ فِي أَعْمَالِهِ مَشَقَّةٌ، وَلَا يَمَسُّهُ لُغُوبٌ ۝**

ترجمہ: ”امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”المثنیٰ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو انتہائی قوت والی ہو، جس کی قوت اس سے کبھی جدا نہ ہوتی ہو اور اسے اپنے کسی بھی کام میں کبھی مشقت لاحق نہ ہوتی ہو اور نہ ہی تھکاوٹ پہنچتی ہو۔“

۵ **وَفِي الْمَقْصِدِ: الْقُوَّةُ تَدُلُّ عَلَى الْقُدْرَةِ التَّامَّةِ وَالْمَتَانَةُ تَدُلُّ عَلَى شِدَّةِ الْقُوَّةِ لِلّٰهِ تَعَالٰی**

فَمِنْ حَيْثُ أَنَّهُ بَالِغُ الْقُدْرَةِ تَامَّهَا: (قَوِيٌّ) وَمِنْ حَيْثُ أَنَّهُ شَدِيدُ الْقُوَّةِ: (مَتِينٌ) ۝

ترجمہ: ”المقصد الأسنی نامی کتاب میں ہے ”الْقَوِيُّ“ کا مطلب کامل قوت والا ہوتا ہے جب کہ ”المثنیٰ“ کا مطلب شدید قوت والا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے لہذا اگر غور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کامل اور مکمل قدرت والے ہیں تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ ”الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہیں اور اگر اس بات کو دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ مضبوط قوت والے ہیں تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ ”المثنیٰ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہیں۔“

۶ **صاحب مرقاة نے ”الْقَوِيُّ“ کا معنی بہت ہی پیارا لکھا ہے:**

”الْقُدْرَةُ التَّامَّةُ الْبَالِغَةُ السَّابِغَةُ الْوَاصِلَةُ إِلَى الْكَمَالِ وَاللَّهُ قَوِيٌّ بِهَذَا الْمَعْنَى وَلَا قُوَّةَ

لِغَيْرِهِ إِلَّا بِهِ ۝

۱۔ النونية: ۲/۲۱۸ ۲۔ جامع البيان: ۱۰/۸۷، ۱۸ ۳۔ غریب الحديث: ۴۲ ۴۔ شان الدعاء: ۷۷

۵۔ المقصد الأسنی: ۸۱، ۸۲، نقلًا عن النهج الأسمی: ۳۹/۲ ۶۔ المرقاة، شرح مشکوٰۃ: ۹۱/۵

تَرْجَمَہ: ”ایسی کامل و مکمل قوت والا، جس کی قوت و قدرت اپنے ارادہ کو پہنچ کر رہتی ہے اپنے مطلوب اور ہدف کو پا کر رہتی ہے، جس کی قوت نے سب چیزوں کا احاطہ کیا ہوا ہے، اس کی قوت میں کسی قسم کا نقص نہیں ہے اور کمال کے اعلیٰ درجہ تک پہنچی ہوئی ہے، قوت کے ان معانی کے ساتھ وہ قوی ہے اور ایسی قوت صرف اسی اکیلے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے“ اس کا کوئی غیر اپنی ذات سے قوی نہیں، ہاں یہ کہ وہ کسی کو کوئی قوت دے۔“

ان دونوں اسموں سے ایمانی ثمرات یہ ہیں کہ:

قوت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے..... کوئی بھی اس کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتا..... اور نہ ہی اس کے حکم میں پس و پیش کر سکتا ہے..... اور اس کے حکم کے آگے کسی کا زور نہیں چلتا..... جسے چاہتا ہے عزت بخشتا ہے..... اور جسے چاہتا ہے ذلیل فرما دیتا ہے..... جس کی چاہے مدد فرماتا ہے..... اور جس سے چاہتا ہے اپنی مدد ہٹا لیتا ہے۔

پس عزت والا وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائیں۔ اور ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کریں، اور مدد اسی کی ہوئی جس کی اللہ جَلَّ جَلَالُهُ نے مدد کی اور بے یار و مددگار وہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنی مدد و نصرت اٹھالیں پس، تسبیح و تقدیس صرف اسی ذات کے لئے ہے جو انتہائی قوت والی ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھلایا، اور اپنے بندہ (محمد ﷺ) کی مدد کی اور اپنے لشکر کو عزت سے نوازا اور اکیلے ہی تمام لشکر والوں کو ناکام و نامراد فرما دیا۔^۱

”القوی جَلَّ جَلَالُهُ“ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾^۱

۲ ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾^۲

۳ ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾^۳

”المتین جَلَّ جَلَالُهُ“ یہ اسم مبارک قرآن مجید میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔

۱ ﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّمَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ﴾^۴

محمد انجم دہلوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اللہ ربُّ العزت کی اطاعت کی قوت بندے کو حاصل نہیں ہو سکتی ہاں یہ کہ اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے اسے

۱ مِنْ أَثَارِ الْإِيمَانِ بِهَذَيْنِ الْأَسْمَيْنِ: أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ تَعَالٰی جَمِيعًا، وَحُدَّةَ لَا شَرِيكَ لَهُ، فَلَا رَادَّ لِقَضَائِهِ، وَلَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ، وَلَا غَالِبَ لِأَمْرِهِ، يُعِزُّ مَنْ يَشَاءُ وَيُذِلُّ مَنْ يَشَاءُ، يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ، وَيَخْذُلُ مَنْ يَشَاءُ، فَالْعَزِيزُ مَنْ أَعَزَّهُ اللَّهُ وَالذَّلِيلُ مَنْ أَذَلَّهُ، وَالْمَنْصُورُ مَنْ نَصَرَهُ، وَالْمَخْذُولُ مَنْ خَذَلَهُ، فَسُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقَوِيِّ الْعَزِيزِ، صَدَقَ وَعْدُهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَأَعَزَّ جُنْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَخُدَّةَ. (النہج الاسمی: ۴۰/۲)

۱ الانفال: ۵۲ ۲ ہود: ۶۶ ۳ الحج: ۴۰ ۴ الذریت: ۵۸

قوت اور توفیق عطا ہو جائے، اسی طرح گناہوں سے بچنے پر قدرت بندے کو حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اپنے نفس سے ”شرور“ کو دور کر سکتا ہے مگر یہ سب اللہ رب العزت کی جانب سے عطا کردہ توفیق کی بنیاد پر ہی ہو سکتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کو (اس قول مبارک کے ذریعے جو عبد اللہ بن قیس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ارشاد فرمایا) خبردار اے عبد اللہ بن قیس! کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ سکھلاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے.....؟ وہ کلمہ یہ ہے: ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“۔^{۱۷}

امام نووی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”علماء نے فرمایا: اس کلمے کا جنت کے خزانوں میں سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ سراپا بندگی ہے یعنی اپنی ذات کو سپردگی اور اطاعت کا پیکر بنا دینا، اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد اور حوالے کر کے اسی ”القَوِيُّ الْمَشِيئُ جَلَّ جَلَالُهُ“ پر پورا بھروسہ کرنا اور اس کلمہ میں اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی پر یقین کرنے کا اعتراف ہے، اور اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی صانع (خالق) نہیں اور نہ ہی کوئی اس کے فیصلہ کو روکنے اور ٹالنے والا ہے۔ اس کلمہ کے ذریعہ یہ سمجھایا گیا ہے کہ بندہ سراپا فقیرانہ محتاج ہی ہے، اپنی زندگی کے بارے میں کسی قسم کے فیصلے کا مالک نہیں اور نہ ہی دوسروں کی زندگی کے فیصلوں کا مالک ہے، اللہ کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“

امام نووی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اہل لغت کا قول نقل کرتے ہیں: ”لَا حَوْلَ“ کے اندر ”الْحَوْلُ“ کا مطلب ہے حرکت کرنا اور کسی کام کی راہ تلاش کرنا، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کوئی حرکت..... کوئی طاقت..... کوئی راہ..... اور کوئی چارہ..... نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ رب العزت کی مشیت اور چاہت شامل حال نہ ہو۔

بعض حضرات نے اس کلمہ مبارک کا مطلب یہ بیان فرمایا: شر اور برائی کو دور کرنے کی کوئی طاقت نہیں اور نہ ہی خیر کو حاصل کرنے کی کوئی طاقت ہے مگر اللہ رب العزت کی جانب سے اور بعض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے حفاظت کا فیصلہ ہو جائے اور اطاعت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ اللہ رب العزت ہی کی جانب سے مدد شامل حال ہو جائے، یہ قول حضرت ابن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ وہی اَن تَحْکَ طاقوتوں والا، اور وہی لا محذور قوتوں والا ہے۔^{۱۸}

^{۱۷} مسلم، الدعاء، استحباب الاكثار من قول: لا حول ولا قوة الا بالله

^{۱۸} لا قُوَّةَ لِلْعَبْدِ عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالٰی إِلَّا بِقُوَّةِ اللَّهِ تَعَالٰی وَتَوْفِيقِهِ، وَلَا حَوْلَ لَهُ عَلَى اجْتِنَابِ الْمَعَاصِي وَدَفْعِ شُرُورِ النَّفْسِ إِلَّا بِاللَّهِ تَعَالٰی، وَقَدْ نَبَّهَ الشَّارِعُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهُ إِلَى ذَلِكَ بِقَوْلِهِ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ: ”يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ، لَا أَعْلَمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“

اسی بناء پر ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ قرار دیا ہے کہ اس میں ”حول“ اور ”قوة“ دونوں کی غیر اللہ سے نفی کی گئی ہے یعنی نہ گناہوں سے بچنے کی طاقت نہ کوئی نیکی کرنے کی قوت انسان کے ہاتھ میں ہے سوائے اس بزرگ اور برتر اللہ تعالیٰ کی مدد کے۔ (اس کلمہ کو پڑھنے کی حدیث میں بہت فضیلت آئی ہے، ہر غم اور پریشانی کے وقت اس کو چالیس مرتبہ پڑھ لینا چاہئے)۔ اور اس کلمہ کے معانی کا استحضار رکھنا چاہئے۔

بعض لوگ اس دھوکہ میں رہتے ہیں کہ محض بزرگوں کی توجہ سے ہم نیک بن جائیں گے اور وہ بزرگوں پیروں و مشائخ کے مزاروں پر جا کر بھیک مانگتے رہتے ہیں یا زندہ بزرگوں کے پاس جا کر محض ان کی توجہ کے طالب ہوتے ہیں اس کلمہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ نے ان کے اس باطل عقیدہ کی جڑ کو سرے سے ہی کاٹ دیا کہ گناہوں سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، غیر اللہ میں سے کسی کو بھی یہ اختیار نہیں ہے، محض بزرگوں کی توجہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود سے ہمت کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہنا چاہئے۔ ان بزرگوں کو بھی نیکی کرنے کی جو طاقت، گناہوں سے بچنے کی جو ہمت ملی ہے وہ بھی اللہ ہی نے دی ہے، جب ان کو بھی اللہ ہی نے دی تو ہر انسان کو چاہئے کہ اللہ ہی سے مدد مانگے۔

حضور اکرم ﷺ اپنے چچا ابوطالب کو ہدایت نہ دے سکے آخر تک کوشش فرماتے رہے لیکن آخر میں جو چچا کے ایمان نہ لانے کی دلیل تھی وہ یہ کہ انھوں نے کہا:

”السَّيِّئَةُ وَالْعَارُ“

ترجمہ: ”میں لوگوں کی گالیاں اور عار برداشت نہیں کر سکتا۔“

یقیناً عطا کرنے والی ذات تو ”القوی المتین جلد اول“ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہئے اور خود سے ہمت کرنی چاہئے۔

اسی لئے حکیم الامت رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی سے کسی نے کہا: ”حضرت! جو آپ کے سینے میں ہے وہ عطا فرمادیجئے“ تو جواب میں ارشاد فرمایا: ”میرے سینے میں تو بلغم ہے وہ دوں؟“

عارفین کا قول ہے:

قَالَ النَّوَوِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی: قَالَ الْعُلَمَاءُ: سَبَبُ ذَلِكَ أَنَّهَا كَلِمَةٌ اسْتِسْلَامٌ وَ تَفْوِضٌ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰی، وَ اعْتِرَافٌ بِالْإِذْعَانِ لَهُ، وَأَنَّهُ لَا صَانِعَ غَيْرُهُ، وَلَا رَادَّ لِأَمْرِهِ، وَأَنَّ الْعَبْدَ لَا يَمْلِكُ شَيْئًا مِّنَ الْأَمْرِ.

ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ: ”الْحَوْلُ“ الْحَرَكَةُ وَالْحِيلَةُ، أَيْ: لَا حَرَكَةَ وَلَا اسْتِطَاعَةَ وَلَا حِيلَةَ إِلَّا بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی.

وَقِيلَ مَعْنَاهُ: لَا حَوْلَ فِي دَفْعِ شَرٍّ، وَلَا قُوَّةَ فِي تَحْصِيلِ خَيْرٍ إِلَّا بِاللّٰهِ.

وَقِيلَ: لَا حَوْلَ عَنِ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِلَّا بِعِصْمَتِهِ، وَلَا قُوَّةَ عَلَى طَاعَتِهِ إِلَّا بِمَعُونَتِهِ، وَحُكِيَ هَذَا عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

وَكُلُّهُ مُتَقَارِبٌ. (شرح النووي على صحيح مسلم: ۲/۳۴۶) الخصاص الكبير باب رؤيا عبد المطلب: ۱/۶۸

”أَنْ لَا تَطْلُبَ الْقُوَّةَ وَالْقُوَّةَ إِلَّا مِنْ مَوْلَاكَ“^۱

کہ تم قوت اور روزی اپنے مولیٰ کے سوا کسی سے طلب مت کرو۔

یعنی کتنے بھی اسباب گرے پڑے نظر آئیں مگر اسی ایک مالک ”وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ سے اپنا تعلق جوڑے رکھو، اسی سے مانگتے رہو، ایک بار نہیں بار بار اسی سے مانگتے رہو، اس کے علاوہ کوئی درہی نہیں جہاں سے مانگا جاسکتا ہو، جہاں سے مسئلہ حل ہونے کی امید ہو، سب کے سب ضعیف (کمزور) ہیں، وہی ایک قوی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مانگا اور مسئلہ حل نہیں بھی ہوا تو مانگنے کا ثواب الگ ملے گا، مسئلہ حل نہ ہونے کے باوجود دل کو تسلی الگ ملے گی اور اس دعا پر آخرت میں اجر و ثواب الگ ملے گا، اس دعا کی برکت سے آنے والی مصیبت ٹل سکتی ہے، لیکن مزاروں پر جا کر مانگنے سے یا زندہ روحانی علاج کے دعویٰ کرنے والوں سے ہدایت یا قوت یا شفا کی بھیک مانگنے والوں کا مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر بھی آیا تو اور کئی مسائل پیدا ہو جائیں گے جو پریشان کریں گے اور شرک کے گناہ کی وجہ سے آخرت تو بگڑی اور مسائل کا حل پا کر بھی دنیا مزید پریشان سے پریشان ہوگی؛ کیوں کہ جس کے پاس حقیقی قوت ہے اس کے ڈر کو چھوڑ کر عاجز و مخلوق کے ڈر پر اپنی ناک رگڑتا ہے۔

مصائب سے نجات اور مقاصد کے حصول کا مجرب نسخہ

حضرت مجدد الف ثانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”دینی اور دنیاوی ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کلمہ کی کثرت بہت مجرب عمل ہے اور اس کثرت کی مقدار حضرت مجدد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ بتلائی ہے کہ روزانہ پانچ سو مرتبہ یہ کلمہ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ پڑھا کرے اور سو مرتبہ درود شریف اس کے اول و آخر میں پڑھ کر اپنے مقصد کے لئے دعا کیا کرے۔“^۲

واقِعْدُ مَلَبِسْ (۱۷): حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت عوف بن مالک رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو مصیبت سے نجات اور حصول مقصد کے لئے یہ تلقین فرمائی کہ کثرت کے ساتھ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ پڑھا کریں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت عوف اشجعی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لڑکے حضرت سالم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب کافروں کی قید میں تھے تو حضور صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ان کو کہلوادو کہ بکثرت ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ پڑھتا رہے۔

ایک دن اچانک بیٹھے بیٹھے ان کی بیڑیاں کھل گئیں اور یہ وہاں سے نکل بھاگے ان لوگوں کی ایک اونٹنی ہاتھ لگ گئی جس پر سوار ہوئے، راستے میں ان کے اونٹوں کے ریوڑ ملے انہیں اپنے ساتھ ہنکا لائے وہ لوگ پیچھے دوڑے لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ سیدھے اپنے گھر آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی، باپ نے آواز سن کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم

یہ تو سالم ہے۔

ماں نے کہا: ”ہائے وہ کہاں وہ تو قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا ہوگا۔“ اب دونوں ماں باپ اور خادم دروازے کی طرف دوڑے دروازہ کھولا دیکھا تو ان کے لڑکے حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور تمام انگنائی (آنگن) اونٹوں سے بھری پڑی ہے، پوچھا کہ یہ اونٹ کیسے ہیں؟

انہوں نے واقعہ بیان کیا تو فرمایا: ”اچھا ٹھہرو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت مسئلہ دریافت کر آؤں.....“ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ سب تمہارا مال ہے جو چاہو کرو۔“ ^۱

”المتین جلالہ“ اللہ تعالیٰ کا اسم اس لئے بھی ہے کہ وہ خود بخود قائم و دائم ہے، کسی دوسری طاقت کا محتاج نہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ ”المتین جلالہ“ ہے۔ ہر ایک استحکام و پائیداری اور شدت و قوت اس کے حکم سے ہے۔ ^۲

اللہ تعالیٰ قوی ہے..... اور تمام قوتیں اسی سے حاصل ہوتی ہیں..... اللہ تعالیٰ قوی ہے..... اسی نے جملہ مظاہر کو قوت ربانی سے ظہور بخشا ہے..... اللہ تعالیٰ قوی ہے..... اسی کا نام ضعیفوں کے لئے توانائی بخشنے والا ہے..... دل کو قوت ایمان بخشتا ہے..... روح کو قوت عرفان عطا کرتا ہے..... اس اسم سے تخلیق کرنے والے کو جملہ قوت ہائے ظاہری و باطنی کی درخواست اسی سے کرنی چاہئے۔ ^۳

اللہ تعالیٰ ”متین“ ہے اور متین کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات ایسی قوی ہے جسے اپنے افعال میں مشقت و کلفت اور تعب (تھکن) لاحق نہیں ہوتی۔ ”قوی“ اور ”متین“ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ قدرت میں بالغ و تام کو قوی اور قدرت میں مضبوط و شدید کو متین کہتے ہیں۔ ^۴

اس ”ذوالقوة المتین جلالہ“ نے کئی طرح کی قوتیں پیدا کی ہیں: بعض قوی ہیں مگر متین نہیں..... اور بعض متین ہیں مگر قوی نہیں۔

ہوا، پانی اور آگ قوی تو ہیں مگر متین نہیں، جو شخص چاہے ہوا کو ادھر سے ادھر کر دے، قید کر دے، روک دے۔ کسی ڈبہ سے باہر خارج کر دے، کسی کمرے میں بند کر دے اور کسی مکان سے بالکل خارج کر دے۔ اس کی رفتار کو تیز کر دے یا دھیمہ کر دے، اسے سرد یا گرم کر دے۔ ہوا قوی تو ہے مگر مضبوط نہیں۔ قوی ایسی کہ تناور درختوں کو اکھاڑ کر پھینک دے۔ بجلی کے بڑے بڑے لوہے کے کھمبوں اور تاروں کو تہ و بالا کر دے، مکانوں کی چھتیں اڑا کر لے جائے، سمندروں میں طوفان برپا کر دے اور بستیوں کی بستیاں اجاڑ کر رکھ دے۔

وہ شخص دھوکہ میں مبتلا ہے جو مخلوق کی قوت کو دیکھ کر اس کو حقیقی قوت والا سمجھے، مخلوق کی ساری کی ساری قوتیں،

^۱ شرح اسماءِ حسنی: ۱۱۹، (منصور پوری)

^۲ تفسیر ابن کثیر: ۱۳۵۳، الطلاق: ۲

^۳ شرح اسماءِ حسنی: ۱۱۹، (منصور پوری)

^۴ شرح اسماءِ حسنی: ۱۱۸، (منصور پوری)

سارے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور ایک چھوٹا سا تنکا اس ”الْقَوِيُّ الْمَتِينُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی نگاہ میں برابر ہے، وہ چاہے تو ابابیل کے منہ میں آئے ہوئے ننھے سے کنکر کو ایٹم بم کی قوت دے دے، اور وہ چاہے تو ایٹم بم کی قوت فیل کر دے۔

جس کو بھی دنیا میں قوت ملی ہے اسی ”الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے قوت دی ہے۔ حضرت داؤد عَلَيْهِ السَّلَام کے دست مبارک میں اس ”الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے ایسی قوت رکھ دی تھی کہ لوہا ان کے ہاتھوں میں موم ہو جاتا تھا اور وہ بڑی آسانی سے زرہیں بنا لیتے تھے کہ لوہے سے کوئی چیز بنانے میں ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی، جیسے کوئی اون سے سویٹر بن لیتا ہے، یا اس طرح جس طرح اونٹ اور بکری کے معدہ میں کانٹے پانی ہو جاتے ہیں اور بگلے کی چونچ میں مچھلی کے کانٹے اور سخت ترین ہڈیاں نرم ہو جاتی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالنَّارُ لَهُ الْهَدِيدُ﴾^۱

ترجمہ: ”اور نرم کر دیا ہم نے اس کے لئے لوہا۔“

یعنی لوہے کو آگ میں تپائے اور ہتھوڑی سے کوٹے بغیر اسے موم، گوندھے ہوئے آٹے اور گیلی مٹی کی طرح بنا دیا جس طرح چاہے موڑ لیتے، اور جو چاہتے بنا لیتے۔

”الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے مانگنے کے نبوی الفاظ

حضور ﷺ ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمایا کرتے تھے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي ضَعِيفٌ فَقْوِي رِضَاكَ ضَعْفِي..... وَخُذْ إِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِي.....
وَاجْعَلِ الْإِسْلَامَ مُنْتَهَى رِضَائِي..... اللَّهُمَّ إِنِّي ضَعِيفٌ فَقْوِي وَإِنِّي ذَلِيلٌ.....
فَاعِزِّي..... وَإِنِّي فَقِيرٌ فَارْزُقْنِي.“^۲

ترجمہ: ”یا اللہ! میں کمزور ہوں، اپنی مرضیات میں میرا ضعف اپنی قوت سے بدل دے اور مجھے پیشانی سے پکڑ کر خیر کی طرف لے جا اور اسلام کو میری پسند کا منتہی (مقصد) بنا دے، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے طاقت ور بنا دے، میں ذلیل ہوں مجھے عزت دے اور میں محتاج ہوں مجھے رزق عطا کر دے۔“

اس اسم مبارک سے اس طرح دعا مانگی جاتی ہے ”يَا ذَا الْقُوَّةِ الْمَتِينِ“

حضرت عامر بن عبد اللہ تمیمی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالَى جو ایک بڑے تابعی ہیں وہ ان الفاظ سے ”الْمَتِينُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

”إِلٰهِي لَقَدْ خَلَقْتَنِي بِأَمْرِكَ..... وَأَقَمْتَنِي فِي بَلَايَا هَذِهِ الدُّنْيَا بِمَشِيئَتِكَ..... ثُمَّ قُلْتَ لِي: اِسْتَمْسِكْ فَكَيْفَ اِسْتَمْسِكُ اِنْ لَمْ تُمْسِكْنِي بِلُطْفِكَ يَا قَوِيُّ يَا مَتِينُ.“

تَرْجَمًا: ”اے اللہ! تو نے اپنی قدرت سے مجھے پیدا کیا اور اپنی مرضی سے دنیا کی مصیبتوں میں رکھا اور پھر حکم دیا کہ میری مرضی پر جمے رہو۔ اے قوی و متین ذات میں تیرے فضل و کرم کے بغیر کیسے تیری مرضی پر جم سکتا ہوں۔“^۱

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر بھی ”القوی جَلَّ جَلَالُهُ“ کے تابع ہیں

وَاقِعًا مَلَائِكًا (۱۸): اللہ ربُّ العزت ”القوی جَلَّ جَلَالُهُ“ ہیں، اللہ ربُّ العزت ہی کے حکم سے فرشتے حرکت کرتے ہیں، بڑے سے بڑے فرشتے باوجود بڑی بڑی صفات اور قوت حاصل ہونے کے ایک پر مارنے کی جرأت نہیں کر سکتے، کتنا ہی بڑا پیغمبر ہو یا فرشتہ ہو وہ بھی عبدِ مامور ہے خود سے کچھ نہیں کر سکتا۔

ایک مرتبہ جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کئی روز تک نہ آئے۔ آپ ﷺ پریشان تھے۔ کفار نے کہنا شروع کیا کہ محمد ﷺ کو اس کے رب نے خفا ہو کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طعن سے آپ اور زیادہ دل گیر ہوئے۔ آخر جبریل تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اتنے روز تک نہ آنے کا سبب پوچھا اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا“^۲ (جتنا تم آتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟) تو جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے جواب میں فرمایا:

﴿وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ﴾^۳

ہمارا چڑھنا اترنا سب اس کے حکم و اذن کے تابع ہے۔

(یعنی میں فقط اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتا ہوں) وہ جس وقت اپنی حکمتِ کاملہ سے مناسب جانے ہم کو نیچے اترنے کا حکم دے۔ کیوں کہ ہر زمانہ (ماضی، مستقبل، حال) اور ہر مکان (آسمان زمین اور ان کے درمیان) کا علم اسی کو ہے اور وہی ہر چیز کا مالک و قابض ہے۔ وہ ہی جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے۔

مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلا لے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر کام بر محل اور بروقت ہے۔ بھول چوک یا نسیان و غفلت کی اس کی بارگاہ میں رسائی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کا جلد یا بدیر آنا بھی اس کی حکمت و مصلحت کے تابع ہے۔^۴

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾^۵

تَرْجَمًا: ”آپ کہہ دیجئے! تمہاری جان، موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین کر دیا گیا ہے، پھر تم سب اپنے

۱۔ تابعین کے واقعات: ۴۸/۱، مسند احمد: ۲۳۱/۱، زمر: ۲۰۴۴، مریم: ۶۴، تفسیر عثمانی: ۴۱۴، السجدة: ۱۱

پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

یعنی سابقہ تم کو اللہ تعالیٰ ہی سے آکر پڑے گا اور یہ موت کا فرشتہ تم پر متعین کر دیا گیا ہے، موت کا فرشتہ اپنی مرضی کا مالک نہیں۔ محض ایک درمیانی واسطہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا مقرر کیا ہوا ہے۔

اس میں ان مشرک جاہل قوموں کا رد آگیا جن کے ہاں موت کا دیوتا ایک مستقل و متصرف حاکم ہے۔ ایک حدیث میں مَلِكُ الْمَوْتِ خود رسول اللہ ﷺ سے کہتے ہیں:

”وَاللّٰهُ يَا مُحَمَّدُ لَوْ اَنِّيْ اَرَدْتُ اَنْ اَقْبِضَ رُوْحَ بَعُوْضَةٍ..... مَا قَدَّرْتُ عَلٰی ذٰلِكَ.....“

حَتّٰی يَكُوْنَ اللّٰهُ هُوَ الْاَمْرُ بِقَبْضِهَا^۱

ترجمہ: ”قسم ہے اللہ تعالیٰ کی اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا جب تک اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں سے اس کا حکم نہ ہو۔“

”الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قوت کن لوگوں کے ساتھ ہے

اللہ تعالیٰ قوی ہے، زور آور ہے، سورۃ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَإِعْلَبَنَّ اَنَا وَرَسُولِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾^۲

”اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بے شک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور غالب ہے۔“

یعنی لکھنے والا، سب پر غالب اور نہایت زور آور ہے، تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے.....؟

مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے یعنی اٹل اور ناقابل تغیر۔

اس لئے وہ جس کو چاہے غالب کر دے اس نے اپنے حکم ازلی میں یہ بات لکھ دی ہے کہ انبیاء اور رسول (عزت

والے) ہیں تو ان کے تابعین بھی (عزت والے) ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو اپنے نبی کی اتباع کرتے ہوئے

اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلیں گے اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ان سے بچتے رہیں گے، دین کو دنیا میں پھیلانے

کی فکر میں رہیں گے اور جہاد کرتے رہیں گے تو وہ ”الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قوت کو ساتھ پائیں گے، ”الْقَوِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ اپنی

قوت سے ان کو غالب کر دے گا اور سارا کا سارا باطل اپنے تمام اسباب کے ساتھ ضعیف و کمزور ہو جائے گا، صحابہ کرام

رَضَوُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْنَ دین کی دعوت لے کر اٹھے تو سب پر غالب آکر رہے جو طاقت ان سے ٹکرائی پاش ہو گئی۔

خليفة اول صدیق اکبر رَضَوُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مقابلے پر اندرونی فتنے اور بغاوتیں کھڑی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو

سب پر غالب فرمایا۔

اول: حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے پر دنیا کی سب سے بڑی طاقتیں قیصر و کسریٰ کی آگئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نام و نشان مٹا دیا اور پھر ان کے بعد کے خلفاء اور مسلمانوں میں جب تک ان احکامات کی پابندی رہی کہ مسلمانوں نے غیروں کے ساتھ خلط ملط اور گہری دوستی کے تعلقات قائم نہیں کئے وہ ہمیشہ مظفر و منصور (کامیاب) نظر آئے۔^۱

اسی طرح جو اس ”القوی جَلَّ جَلَالُهُ“ کے دین پھیلانے والے بندوں کے مقابلے میں آئے گا اور دعوت کا انکار کرے گا یا ان کو تکلیف پہنچائے گا تو وہ ”القوی جَلَّ جَلَالُهُ“ خود ہی اپنی قوت کا اظہار فرمائیں گے اور ان کے دشمن کو نیست و نابود فرما دیں گے۔

دوم: جن لوگوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں کو قتل کیا تو وہ کیسے عذابات میں گرفتار کر کے رسوا کئے گئے اس سے تاریخ لبریز ہے، حضرت یحییٰ، زکریا و شعیب علیہم السلام کے قاتلوں پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کو ذلیل و خوار کر کے قتل کیا۔

سوم: نمرود کو اللہ تعالیٰ نے کیسے عذاب میں پکڑا۔

چہارم: عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو مسلط کر دیا، جنہوں نے ان کو ذلیل و خوار کیا اور پھر قیامت سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ ان کو دشمنوں پر غالب فرمائیں گے۔

پنجم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں زیر کیا، ان کے سرکش سردار مارے گئے، کچھ قید کر کے لائے گئے، باقی ماندہ فتح مکہ میں گرفتار کر کے لائے گئے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر دیا۔ آپ کا کلمہ دنیا میں بلند ہوا اور وہی سب ادیان پر غالب آیا۔ پورے جزیرۃ العرب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں اسلام کی حکومت قائم ہو گئی۔^۲

ماڈی فتح اور ظاہری عزت و رفعت بھی آخر کار انہی کو حاصل ہوتی ہے جو حق کی دعوت لے کر اٹھتے ہیں اور اس ”القوی جَلَّ جَلَالُهُ“ کی معیت کو اپنے ساتھ لینے کی فکر کرتے ہیں جن صفات کو اپنانے سے اس ”القوی جَلَّ جَلَالُهُ“ کی معیت ساتھ ہوتی ہے ان صفات کو اپناتے ہیں۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے، ان کا علو اور عروج محض ہنڈیا کا جھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجام کار مومنین دُعاۃ (دین کی دعوت دینے والوں) کے مقابلے میں ان کو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے داعیوں کا انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتا۔

جو لوگ اس ”القوی جَلَّ جَلَالُهُ“ کی طرف دعوت دیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے میں اپنے

دن و رات کھپائیں ان کو کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلتِ عدد اور عدد (گنتی اور سامان) سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔
کہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اس ”القَوِيُّ جَلَّالَهُ“ نے جیسے انبیاء کرام عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اور صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کو غالب فرمایا، اسی طرح ہمیں بھی غالب فرمائے گا یا اہلِ باطل کو ہدایت دے گا یا ان کو نیست و نابود کر دے گا۔

علامہ طیبی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اس بات کو جان لو کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں اس کے کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے کو نافذ فرمانے میں کسی لشکر یا فوج کے محتاج نہیں، نہ وہ کسی کی مدد طلب کرتے ہیں۔ اگر وہ ارادہ فرمائیں کسی بندے یا قوم کو ہلاک کرنے کا تو ان کے اسبابِ حفاظت بھی ان کے لئے اسبابِ ہلاکت بن جاتے ہیں۔ شیخ ابد علی الدقاق رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”خَفُّ مَنْ لَا يَحْتَاجُ إِلَى عَوْنٍ عَلَيْكَ، بَلْ لَوْ شَاءَ إِتْلَافَكَ أَخْرَجَكَ عَلَى نَفْسِكَ، حَتَّى يَكُونَ هَلَاكُكَ عَلَى يَدِكَ“ كَمَا قَالَ الشَّاعِرُ:

إِلَى حَتْفِي مَشَى قَدَمِيَّ أَرَى قَدَمِيَّ أَرَأَقَ دَمِيَّ
تَرْجَمَكُ: ”اس ذات کو ناراض کرنے سے ڈرو کہ جو اگر تمہارے خلاف فیصلہ کرنا چاہے تو کسی کے مشورے یا مدد کا محتاج نہیں بل کہ وہ ایسا قوی ہے کہ تمہارے اسبابِ حفاظت ہی کو تمہارے لئے اسبابِ ہلاکت بنا دے، اگر تمہاری ہلاکت کا فیصلہ فرمائے تو تمہارے ہاتھوں ہی تمہیں ہلاک کر دے۔“
یعنی تمہاری ہی کلہاڑی تمہارے پاؤں پر پڑ جائے گی۔
جیسے شاعر کہتا ہے:

”میری موت ہی کی طرف میرے قدم بڑھے اور میرے قدموں ہی نے میرا خون کیا ہے۔“

”الْمَلِيحُ جَلَّالَهُ“ نے مخلوق کو بھی مختلف قوتیں دی ہیں

”الْمَلِيحُ جَلَّالَهُ“ نے کسی کو ایسی قوتِ حافظہ عطا کی ہے کہ وہ جو پڑھ لیتا ہے یا سن لیتا ہے عمر بھر کے لئے اس کی قوتِ حافظہ میں ضبط ہو جاتا ہے۔ کسی کو سونگھنے کی طاقت ایسی عطا کی ہے کہ وہ بہت دور پڑی ہوئی چیز کی خوشبو کو بھی محسوس کر لیتا ہے۔ جیسے چیونٹیاں اور مکوڑے وغیرہ، کتے کو ایسی قوت دی ہے کہ وہ مختلف خوشبوؤں کا ریکارڈ اپنے دماغ میں محفوظ رکھ سکتا ہے اور اگر کبھی کسی راہ پر چلا ہو تو برسوں کے بعد بھی سونگھ سونگھ کر اس راہ پر اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہے۔

شروعِ زمانہ میں اسلامی حکومتوں نے تو باقاعدہ کمپوٹروں سے نامہ رسانی کا کام لیا ہے اور کمپوٹروں کے لئے ایک باقاعدہ محکمہ تھا۔ جنگوں میں تو خاص طور سے کمپوٹروں سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ اور دوسرے پرندے اور شہد کی مکھیاں وغیرہ کھلی

فضا میں کیسے امتیاز کر لیتے ہیں، اس ”المثنیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ“ نے معمولی معمولی کیڑے، مکوڑوں کو بھی بڑی بڑی قوتیں عطا کی ہیں کہ بڑے سے بڑے انسان کو بے تاب کر دیتے ہیں اور قوت سے ہم کنار کر دیتے ہیں۔

اس قصہ سے ”المثنیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ“ پر اعتماد سیکھنا چاہئے

واقِعَةُ مَلِیْکَ (۱۹): ہندوستان کے بادشاہ عالمگیر **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** کے زمانے میں کسی ریاست کا ایک راجہ تھا، اس کا انتقال ہو گیا اس کے لڑکے کے جو چچا وغیرہ تھے وہ اس کی ریاست پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور اس کو محروم کرنا چاہتے تھے، وزیروں نے اس کے باپ کا نمک کھایا تھا، اس کو سکھایا کہ بیٹا دہلی چلو، ہم عالمگیر سے سفارش کر دیں گے۔ تم بچے ہو بادشاہ رحم کر دے گا اور تمہیں تمہارے باپ کی گدی دے دے گا اور دو وزیر اس کو راستہ بھر پڑھاتے رہے کہ بادشاہ یہ پوچھے تو یہ کہنا اور یہ پوچھے تو یہ کہنا۔ پھر جب دہلی کا قلعہ قریب آیا تو لڑکے نے کہا: آپ لوگوں نے جو پڑھایا ہے اگر بادشاہ نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا سوال کر لیا تو کیا جواب دوں گا؟

تب دونوں وزیر ہنسے اور کہا: یہ لڑکا بہت چالاک ہے یہ خود ہی جواب دے دے گا۔ اس کی رہبری کی ضرورت نہیں۔ عالمگیر **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** حوض پر نہا رہے تھے کہ یہ لڑکا پہنچا اور اس نے سلام کیا اور کہا: حضور! میں کچھ درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ درخواست سن کر عالمگیر **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا اور کہا: میں تجھ کو اس پانی میں ڈبو دوں؟

لڑکا زور سے قہقہہ لگا کر ہنسا تب عالمگیر **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** نے کہا: ایسے پاگل کو کیا ریاست ملے گی۔ تجھ کو تو کہنا چاہئے تھا کہ ہمیں نہ ڈبوئے، لیکن تو موقع خوف پر ہنس رہا ہے یہ تو پاگلوں کا کام ہے، تو کیا ریاست سنبھالے گا۔ اس نے کہا: حضور پہلے آپ مجھ سے سوال تو کر لیں کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں۔ پھر جو آپ کا فیصلہ ہو وہ کریں، فرمایا: اچھا بتاؤ کیوں ہنسے؟

اس نے کہا: حضور! آپ بادشاہ ہیں، بادشاہوں کا اقبال بہت بڑا ہوتا ہے۔ اگر میری انگلی آپ کے ہاتھ میں ہوتی تو میں نہیں ڈوب سکتا تھا چہ جائے کہ میرے دونوں بازو آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہیں۔ میں کیسے ڈوب سکوں گا۔ ہم ہر خوف، ہر پریشانی میں سوچیں کہ ہم ”المثنیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی نگرانی میں ہیں، ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں۔

مخلص و مؤمن بندوں کو چاہئے کہ وہ ”المثنیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ“ پر اعتماد رکھیں اور کامل بھروسہ اسی کی ذات پر رکھیں۔^۱

^۱ ماخوذ از استغفار کے ثمرات: مولانا حکیم اختر صاحب: ۲۲، ۲۳

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

- ۱ جو بندہ اللہ کی قوت و مضبوطی کو پہچان لیتا ہے تو وہ اپنی طاقت پر فخر کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ جس کے دل میں یہ بات اتر جائے کہ لوہا اس ذات کے حکم سے موم بنتا ہے تو ساری دنیا کا لوہا اور ساری دنیا کا اسلحہ اللہ تعالیٰ کی طاقت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، تو وہ شخص کسی کی طاقت سے متاثر، مرعوب اور خوف زدہ نہیں ہوگا۔
- ۲ جب بندہ یہ یقین پیدا کرے کہ طاقت و قوت والا صرف وہی اللہ ہے تو وہ یہ بھی سمجھے گا کہ عبادت، نیکی، شرک سے دوری بھی اسی ذات کی وجہ سے ہے۔ نفس اور شیطان کے شر سے بھی بچنے کی طاقت اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔
- ۳ وہ ذات اتنی بڑی طاقت و قوت والی ذات ہے کہ ساری دنیا کی طاقت اس کے سامنے مچھر کے پر کی حیثیت نہیں رکھتی، ساری دنیا کا علم چیریا کی چونچ میں سمانے والے پانی کے برابر نہیں۔



الْفَلَاہِیُّمُ جَلَّ جَلَالُهُ

(سرپرست و مددگار)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ **الْوَلِيُّ: النَّاصِرُ ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾**

وَهُوَ تَعَالَى وَلِيَّهُمْ بِأَن يَتَوَلَّى نَصْرَهُمْ وَإِرْشَادَهُمْ..... كَمَا يَتَوَلَّى ذَلِكَ مِنَ الصَّبِيِّ.....

وَلِيَّهُ، وَهُوَ يَتَوَلَّى يَوْمَ الْحِسَابِ ثَوَابَهُمْ وَجَزَاءَهُمْ.....

امام زجاج **رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى** فرماتے ہیں:

الْفَلَاہِیُّمُ کے معنی ”الناصر“، یعنی مددگار کے ہیں، **اللہ رب العزت** کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

”**اللہ تعالیٰ** ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے اور انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال کر لاتا ہے۔

یعنی **اللہ رب العزت** ہی مومنین کے ولی (دوست) ہیں اس طرح کہ **اللہ تعالیٰ** نے اپنے فضل و کرم سے مومنین کی

مدد، ان کی خیر خواہی، ان کی بھلائی، اور ان کی ساری ضرورتوں کے پورا کرنے کی ذمہ داری خود قبول فرمائی ہے، جیسا کہ

ایک ننھے بچے کی بعض ظاہری ضرورتوں کی ذمہ داری عارضی وقت کے لئے اس کا سرپرست قبول کرتا ہے، اسی طرح **اللہ**

تعالیٰ ہی قیامت کے دن اپنے بندوں کی جزا و سزا کے متولی و مددگار ہوں گے۔“

ولی کا ترجمہ کسی ایک لفظ سے مشکل ہے۔ رفیق، دوست، پشت پناہ، سرپرست، مددگار، محبت کرنے والا..... سب

کے مفہوم اس میں شامل ہیں۔ یعنی ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے دلی محبت اور خصوصی تعلق ہو۔

❷ **”مُحِبُّهُمْ وَمَتَوَلَّى أُمُورِهِمْ“** بندوں سے محبت کرنے والا اور ان کے امور کا نگران۔

❸ **”نَصِيرُهُمْ وَظَهِيرُهُمْ يَتَوَلَّى هُمْ بَعُونَهُ“** بندوں کا مددگار اور ان کو اپنی پناہ اور مدد میں لینے والا۔

❹ **”الْوَلِيُّ الْمُتَكَفِّلُ بِالْمَصَالِحِ“** بندوں کی بھلائی چاہنے والا..... اہل ایمان کے بگڑے کام بنانے والا.....

آڑے وقت ان کے کام آنے والا..... صرف اور صرف **اللہ تعالیٰ** ہی ہے نہ کہ کوئی بندہ..... یا کوئی دیوی..... دیوتا..... نہ

سیارے ستارے..... اور نہ ہی کوئی پیر فقیر۔^۱

۵ ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

”الْمُحِبُّ لِأَوْلِيَائِهِ..... النَّاصِرُ لَهُمْ عَلَى أَعْدَائِهِمْ..... مِنْ أَنْفُسِهِمْ..... وَأَهْوِيَّتِهِمْ..... وَمَا

يَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ غَيْرَ لِقَائِهِ“^۲

ترجمہ: ”ولی وہ ذات ہے جو اپنے دوستوں سے محبت کرے اور دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرے، (وہ دشمن) چاہے نفس کی شکل میں ہو یا (ناجائز) خواہشاتِ نفسانی کی شکل میں ہو یا وہ دشمن ہو جو آخرت کی تیاری کرنے میں مانع بنے۔“

امام قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”الْفَلَاہِیُّ“ اس مددگار کو کہتے ہیں جو شفقت اور محبت کرنے والا بھی ہو۔^۳ مددگار تو بہت ہوتے ہیں، ایسا مددگار جو ہر قسم کی..... ہر وقت..... ہر جگہ..... ہر موقع پر..... انفرادی، اجتماعی مدد کرے، اور اس مدد کے ساتھ محبت و شفقت بھی ہو وہ ذات اللہ جَلَّالَہٗ کی ہے جس کا ایک مبارک نام ”الْفَلَاہِیُّ“ ہے۔

ابن جریر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات کی کفایت فرمانے والے ہیں، تمہارے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ ربُّ العزت تمہارے رب ہیں..... تمہارے دوست ہیں..... تم سے قریب ہیں..... تمہارے معاملات سے بھی قریب ہیں..... اور تمہارے تمام حالات سے بھی باخبر ہیں..... تمہاری نگرانی فرماتے ہیں..... دشمنوں سے تمہاری حفاظت فرماتے ہیں..... کہ کہیں تمہارے دشمن تمہیں دین سے دور نہ کر دیں یا تمہیں نبی ﷺ کی اتباع سے روک نہ دیں۔“

اللہ ربُّ العزت کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

”یقیناً میرا کارساز اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر یہ کتاب نازل کی ہے اور وہ صالحین کی کارسازی کرتا ہی رہتا ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ مشرکین سے جو کہ بتوں کی عبادت کرتے

ہیں فرما دیجئے! ”بے شک میرا دوست..... میرا مددگار..... میرا معاون..... اور تم سے میری حفاظت کرنے والا..... میرا

پروردگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی اور وہ ہر اس بندے/بندی کا دوست ہے جس کی زندگی اللہ تبارک

و تعالیٰ کے احکامات اور حضور ﷺ کے طریقوں کے موافق ہو۔“^۴

۱ تفسیر ماجدی: ۱۰۸/۱، البقرة: ۲۵۷ ۲ مرقاة شرح المشكاة: ۹۲/۵ ۳ تفسیر قرطبی: ۴۳۵/۷، الاعراف: ۱۹۶ ۴ الاعراف: ۱۹۶

۵ وَقَالَ ابْنُ جَرِيرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَكُفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا﴾ (النساء: ۱۳۲) وَكَفَاكُمْ وَحَسْبُكُمْ بِاللَّهِ رَبُّكُمْ وَلِيًّا

يَلِيْكُمْ وَيَلِيْ أُمُورَكُمْ بِالْحَيَاةِ لَكُمْ، وَالْجِرَاسَةِ مِنْ أَنْ يَسْتَفِزَّكُمْ أَعْدَاؤُكُمْ عَنْ دِينِكُمْ، أَوْ يَصُدُّوكُمْ عَنِ اتِّبَاعِ نَبِيِّكُمْ.

(جامع البيان: ۷۵/۵)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

اَيُّ هُوَ وَلِيُّهُمْ بِسَبَبِ اَعْمَالِهِمُ الصَّالِحَةِ الَّتِي قَدَّمُوْهَا وَتَقَرَّبُوا بِهَا اِلَى رَبِّهِمْ.

ترجمہ: ”ان لوگوں کے واسطے سلامتی کا گھر ہے ان کے پروردگار کے پاس اور وہی ان کا دوست ہے بسبب اس کے کہ جو کچھ وہ (نیک اعمال) کرتے رہے ہیں۔“

یعنی اللہ ربُّ العزت ان کے دوست ہیں، ان کے کارساز ہیں ان کے نیک اعمال کی وجہ سے جنہیں وہ آگے بھیج چکے ہیں اور ان اعمال کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر چکے ہیں۔

سورہ انعام کی یہ آیت نمبر ۱۲۷ بڑی عجیب آیت ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مبارک تعلق کی وضاحت کرتی ہے۔

وَالْوَلِيُّ مَعْنَاهُ الْقَرِيبُ فَقَوْلُهُ ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ يَدُلُّ عَلَى قُرْبِهِمْ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى وَقَوْلُهُ ﴿هُوَ

وَلِيُّهُمْ﴾ يَدُلُّ عَلَى قُرْبِ اللَّهِ مِنْهُمْ وَلَا نَرَى فِي الْعَقْلِ دَرَجَةً لِلْعَبْدِ أَعْلَى مِنْ هَذِهِ الدَّرَجَةِ.

اللہ تعالیٰ کا اپنے صالح بندوں کے ساتھ جو یہ علاقہ قرب و ولایت ہے یہ ان بندوں کے حسن عمل کا نتیجہ ہے ﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ ولی کے معنی قریب کے ہیں اور مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے نیک اعمال کرنے والے بندوں کا انتہائی شرف و اعزاز ظاہر ہو رہا ہے کہ اللہ اُن سے نزدیک اور وہ اللہ سے نزدیک، یعنی اللہ تعالیٰ تو سب بندوں سے نزدیک و قریب ہے یہاں قرب بمعنی خصوصی تعلق بندوں کا اللہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے انعام ہے۔ ﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ سے بندوں کی قربت کا ترجمان ہے اور ﴿وَلِيُّهُمْ﴾ بندوں سے اللہ تعالیٰ کی قربت کا مظہر۔

﴿بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اس میں گویا یہ بتا دیا کہ یہ مرتبہ اور اعزاز کہ آخرت میں ان کے لئے سلامتی کا گھر..... اور اللہ تعالیٰ ان کا دوست اور کارساز بنا..... یہ ان کے نیک عملوں کی وجہ سے ہے ترکِ اعمال سے اس کے حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

یہ اسم مبارک قرآن پاک میں کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

وَقَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنَّ وَلِيََّ اللَّهُ الَّذِي نَزَلَ الْكِتَابُ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾ (الاعراف: ۱۹۶) يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرَهُ لِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِلْمُشْرِكِينَ مِنْ عَبْدَةِ الْأَوْثَانِ: إِنَّ وَلِيَّيَّ وَنَصِيرِي وَمُعِينِي وَظَهِيرِي عَلَيْكُمْ اللَّهُ الَّذِي نَزَلَ الْكِتَابَ عَلَيَّ بِالْحَقِّ، وَهُوَ يَتَوَلَّى مَنْ صَلَحَ عَمَلُهُ بِطَاعَتِهِ مِنْ خَلْقِهِ.“ (النهج الاسمى: ۴۵/۲)

۴۵ تفسیر ماجدی: ۱۰۰/۲

۴۶ النهج الاسمى: ۵۲/۲

۴۷ الانعام: ۱۲۷

۱ ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾^۱

۲ ﴿أَمَّا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَإِنَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ﴾^۲

۳ ﴿وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ﴾^۳

ابو مسلم خولانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ ”الْوَلِيُّ جَلَّالَهُ“ کی مدد

واقعة مذکورہ (۲۰): اللہ تعالیٰ جس کا ولی ہوا سے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ تو مشہور ہے کہ نمرود نے آپ کو آگ میں ڈال کر جلانا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایسا ہی نمونہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایک بزرگ حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے لئے ظاہر فرمایا، جس وقت یمن کے جھوٹے نبوت کا دعویٰ کرنے والے اسود غنسی نے انہیں بلا کر اپنی نبوت کا اقرار کروانا چاہا، لیکن انہوں نے آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اسود غنسی نے لکڑیاں جمع کر کے ایک زبردست آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو اس میں ڈال دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے حق میں بے ضرر بنا دیا، اور یہ اس سے صحیح سالم نکل آئے۔ لوگوں نے اسود غنسی کو مشورہ دیا کہ اب آپ ان کو مزید نہ چھیڑیں، البتہ اگر یہ آپ کے ملک میں رہے تو لوگوں میں آپ کے خلاف فساد مچائیں گے، اس لئے یہاں سے جلا وطن کر دیں چنانچہ اسود غنسی نے حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو جلا وطن کر دیا۔ یمن سے جلا وطن ہو کر انہوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا، جب یہ مدینہ طیبہ پہنچے تو آپ ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ خلیفہ بن گئے تھے۔ مسجد نبوی کے قریب پہنچ کر انہوں نے اپنی اونٹنی کو باندھا اور ایک ستون کی آڑ میں نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے انہیں دیکھا تو پوچھا: ”کہاں سے آئے ہو؟“ انہوں نے جواب دیا: ”یمن سے“

(چوں کہ اس واقعہ کی شہرت مدینہ تک پہنچ چکی تھی کہ اسود غنسی نے ایک مسلمان کو آگ میں ڈالا تھا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محفوظ رہا) اس لئے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان سے پوچھا: ”ہمارے اس دوست کا کیا قصہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے دشمن (اسود غنسی) نے آگ میں ڈالا مگر اسے نقصان نہیں پہنچا؟“

ابو مسلم خولانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے جواب دیا۔ ”وہ واقعہ عبداللہ بن ثوب کے ساتھ پیش آیا۔“^۴

۱ البقرة: ۲۵۷ ۲ الشوری: ۹ ۳ الشوری: ۲۸ ۴ عبداللہ بن ثوب ابو مسلم خولانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ہی کا نام تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”قسم کھا کر بتاؤ وہ شخص تم ہی تو نہیں ہو؟“
 ”ہاں وہ میں ہی ہوں“ ابو مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر ابو مسلم خولانی رحمہم اللہ تعالیٰ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے اور فرمایا:
 ”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امتِ محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھنے سے پہلے موت نہیں دی جس کے ساتھ بالکل ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ ہوا۔“

یہ ابو مسلم خولانی رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کا بڑا احترام فرماتے تھے، یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نرم و گرم نصیحتیں فرماتے رہتے تھے اور وہ ان کی بڑی قدر و انہماک کے ساتھ سنتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں سرکاری ملازمین کو دو یا تین مہینے تک تنخواہیں نہیں ملیں، اسی دوران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت ابو مسلم خولانی رحمہم اللہ تعالیٰ نے دورانِ خطبہ ہی کہا:

”اے معاویہ! یہ مال نہ تمہارا ہے نہ تمہارے باپ کا، نہ تمہاری ماں کا۔“

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا، اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا اور تھوڑی دیر بعد آکر کہا: ”لوگو! ابو مسلم نے کہا ہے کہ یہ مال نہ میرا ہے، نہ میرے باپ کا اور نہ میری ماں کا، ابو مسلم نے سچ کہا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے، اور شیطان آگ سے پیدا ہوا اور پانی آگ بجھاتا ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کر لے۔ اب تم لوگ اپنی اپنی تنخواہیں وصول کر لو، اللہ تعالیٰ برکت دے۔“

دعاؤں کو قبول کروانے کے لئے تین تدابیر

- ۱ پہلی تدبیر یہ ہے کہ ہم شرک سے بچیں اور لوگوں کو بچانے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کے غیر سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہ ہونے کا یقین دل و دماغ میں بٹھائیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھیں، اور کسی سے خوف نہ کھائیں۔
- ۲ چھوٹے بڑے ہر گناہ سے بچیں، گناہ کرتے ہوئے بندہ، بندی کبھی اللہ تعالیٰ کا دوست نہیں بن سکتا، حدیث میں آتا ہے ”إِنِّي الْمَحَارِمَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ“ گناہوں کو چھوڑ دو تم سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے، جو جتنا گناہوں سے بچے گا اتنا ہی وہ اس حدیث کے موافق عبادت گزار بن جائے گا، گناہ سے بچنے والے کی دعا بہت جلد قبول

ہوتی ہے، جو **الْوَلِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ** کو اپنا کارساز بنانا چاہے اور اس کی بات نہ مانے اس کی غلامی میں داخل نہ ہو تو کیسے وہ اپنا کارساز اللہ تعالیٰ کو بنا سکتا ہے۔ جب ہم غلام ہیں، عبد ہیں تو غلام کو اپنے مالک کی چاہت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔

جو غلام اپنی آنکھوں کی حفاظت نہ کر سکے، اپنی زبان کو غیبت و فضول گوئی سے نہ بچا سکے، جو باندی اپنے آپ کو بے پردگی سے نہ بچا سکے، وہ اپنے آپ کو بندہ اور بندی کی فہرست میں کیسے شامل کر سکتا ہے۔

۳ کسی پر ظلم کرنے سے بچے، کسی کو نہ ستائے، کسی کا دل نہ دکھائے، کسی کی آہ نہ لے، کسی کو کسی قسم کی بھی اذیت نہ دے، ہماری شریعت میں شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کسی کو تکلیف دینا ہے۔^۱

جو **الْوَلِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ** نبیوں اور ولیوں کی مدد کرتا رہا وہ اب بھی صالحین بندوں کی مدد اور کام بنانے پر اسی قدرت اور وعدوں کے ساتھ موجود ہے۔ ہم اسی کو کارساز اور ہمد اور دم ساز سمجھیں۔ ساری حاجات اسی **الْوَلِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ** کے سامنے پیش کریں۔

الْوَلِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ جب کسی کی مدد کا فیصلہ فرمالے تو خواہ کسی کے اپنے ہی اقرباء رشتہ دار یا جاہ و منصب والے اس کو ہلاک یا رسوا کرنے کا ارادہ کریں اور ہلاکت اور رسوائی کے سارے اسباب بھی اپنالیں تب بھی وہ **الْوَلِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ** اس کو عزت حفاظت اور نیک نامی کا تاج پہنا دیتا ہے۔

اس لئے ہمیں کبھی کسی مخلوق سے ڈرنا، گھبرانا نہیں چاہئے۔ اپنا ولی اسی **”وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“** کو بنانا چاہئے جس کا وہ ولی ہو اس کو مخلوق کی دھمکیوں سے پریشانی لاحق نہیں ہوتی وہ یقین رکھتا ہے کہ یہ دھمکیاں اصل **”مِنَ اللَّهِ“** اور میرے ولی کی مرضی کے بغیر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، لہذا کوئی انسان.....، جن، جادوگر.....، شیطان کا کوئی چیلہ.....، ہمارا بال بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر بیکا نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمیں بھی چاہئے کہ اس **الْوَلِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ** کی مدد ساتھ لینے کے لئے ان صفات سے متصف ہوں، جن پر اس کی مدد کے وعدے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا﴾^۲

ترجمہ: ”وہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے۔“

یعنی مسلمان ہمیشہ کامیاب رہتا ہے، اگر دنیا میں مسلمانوں کو وقتی ناکامی بھی ہو جائے تو انجام کار کامیابی ہوگی اور آخرت کی فلاح تو ظاہر ہی ہے، لہذا مسلمان ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔^۳

۱ حقوق العباد کے متعلق ان کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں: ① ”کسی کو تکلیف نہ دیجئے“ ② ”مظلوم کی آہ“ (مکتبہ بیت العلم ٹرسٹ اردو بازار کراچی) یہ دونوں کتابیں ان شاء اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنے یا کسی کو تکلیف دینے سے بچانے میں مددگار ثابت ہوں گی۔

۲ محمد: ۱۱ ۳ معارف القرآن: ۲۹/۸

چناں چہ جنگ اُحد میں کافروں کے نعروں کے جواب میں مسلمانوں نے جو نعرے بلند کئے، مثلاً کافروں کا یہ نعرہ ”اَعْلُ هُبْلُ اَعْلُ هُبْلُ“ (ہبل بت کی جے ہبل بت زندہ باد) کے جواب میں مسلمانوں نے: ”اللَّهُ اَعْلَىٰ وَاَجَلُّ“ کا نعرہ بلند کیا۔ اسی طرح ”لَنَا الْعِزَّةُ وَلَا عِزَّةَ لَكُمْ“ کے جواب میں مسلمانوں کا نعرہ تھا۔

”اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَىٰ لَكُمْ“..... اللہ ہمارا مددگار ہے تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے۔^۱
پریشانیوں،..... بے چینوں..... اُبھکن..... اور ٹینشن..... کے وقت سورہ ال عمران کی آیت ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾^۲ ”مومنوں کا ولی اور سہارا اللہ ہی ہے“ کا مراقبہ دل کی ڈھارس اور تسلی کا سبب بنتا ہے، اور ویسے بھی وقتاً فوقتاً تنہائی میں بیٹھ کر اس آیت کو اور سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۷ کو ترجمہ کے دھیان کے ساتھ آہستہ آہستہ بار بار پڑھیں دل کو عجیب سکون ملے گا۔

اسی طرح دعائے قنوت کا یہ جملہ ”تَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ“ بہت سکون کا ذریعہ ہے۔ یعنی ”اے اللہ! جن لوگوں کا تو سہارا اور ولی بنا ہے اس میں مجھے بھی شامل فرما دے یہ دعا قبول ہوگی تو بیڑہ پار ہے، جس کا سہارا اور کارساز اللہ بن جائے اُس کی طرف کوئی میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔“

فوائد ونصائح

۱ شیخ محمد الحمو د النجدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ رب العزت کے بندوں میں جو صفت ولایت پر قائم ہیں ان کی صفت یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی محبت رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے بغض رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے بغض و نفرت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے دوستی اور تعلق رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں اور ان لوگوں سے دشمنی رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی اطاعت گزاری میں لگے رہتے ہیں اور نافرمانی سے بچتے ہیں۔^۳

۲ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والوں کو لازم ہے کہ ہر آن، ہر گھڑی اور ہر لمحہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے زیر سرپرستی

۱ بخاری، المغازی، باب غزوة اُحد: ۵۷۹/۲ ۲ ال عمران: ۶۸

۳ وَمِنْ صِفَةِ الْوَلِيِّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ: أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُحِبُّ مَنْ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَيُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَيُؤَالِي مَنْ وَالَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَيُعَادِي مَنْ يُعَادِي اللَّهَ وَرَسُولَهُ، يَعْمَلُ بِطَاعَةِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَيَنْتَهِي عَنْ مَعْصِيَتِهِ: (النهج الاسمى: ۵۳/۲)

سمجھیں ہر خوشی، غمی میں اس بات کا خیال رکھے کہ اللہ میرے مددگار ہیں، اللہ مجھ سے محبت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز سمجھیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کو کامل صداقت کے ساتھ دل میں قائم کریں۔ اسے چھوڑ کر ادھر ادھر نہ بھٹکیں۔ سینہ میں دل ایک ہی ہوتا ہے۔ اس کو ایک ہی کی نذر کر دیں جو ”الْوَاحِدُ الصَّمَدُ“ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

۳۔ جس کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی وہ کبھی بھی قرآن کریم اور احادیث کا علم رکھنے والے حفاظ اور علماء کرام کی غیبت نہیں کرے گا۔ جن لوگوں نے اللہ کے کلام کو اپنے سینہ میں محفوظ کیا اس کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی اگر نفس و شیطان نے ان پر حملہ کیا پھر بھی ہمارے لئے غیبت کرنے کا جواز نہیں ہے اس لئے کہ اللہ ہمارا ولی ہے اور جو ولی کے دین کی حفاظت اور اشاعت کرنے والے ہیں ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اُن سے محبت رکھیں۔

اسلام پر ثابت قدمی کی دعا

اس اسم کے متعلق یہ دعا یاد رکھنی چاہئے:

”يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ ثَبِّتْنِي بِهِ حَتَّى الْقَاكَ.“^۱

ترجمہ: ”اے مالک اسلام کے اور اسلام والوں کے مجھے اسلام پر قائم رکھ،

یہاں تک کہ میں تیرے سامنے حاضر ہو جاؤں۔“

الحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ

(لا اُلقِ حمد و ستائش)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① الْحَمِيدُ: الَّذِي اسْتَوْجَبَ عَلَيْكُمْ أَيُّهَا الْخَلْقُ الْحَمْدَ بِصَنَائِعِهِ الْحَمِيدَةِ إِلَيْكُمْ، وَالْأَيُّهُ الْجَمِيلَةِ لَدَيْكُمْ، فَاسْتَدِيمُوا ذَلِكَ أَيُّهَا النَّاسُ بِاتِّقَانِهِ، وَالْمُسَارَعَةِ إِلَى طَاعَتِهِ فِيمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ وَيَنْهَاكُمْ عَنْهُ.^۱

”الحَمِيدُ“ سے مراد وہ ذات ہے کہ جس نے مخلوق پر اپنی تعریف کو واجب قرار دیا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس نے اپنی مخلوق پر خوب خوب انعامات کر رکھے ہیں اور احسان کا معاملہ فرمایا ہے۔ تو اس کی نافرمانی سے بچتے ہوئے اس کی تعریف میں مستقل لگے رہو اور اس کی فرماں برداری کی جانب دوڑ کر چلو یعنی جس کا حکم دیا گیا ہے اس کے پورا کرنے کی فکر کرو اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے اس سے رک جاؤ۔“

② الْحَمِيدُ هُوَ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُحْمَدَ، لِأَنَّهُ - جَلَّ ثَنَاؤُهُ - بَدَأَ فَأَوْجَدَ، ثُمَّ جَمَعَ بَيْنَ النِّعْمَتَيْنِ الْجَلِيلَتَيْنِ: الْحَيَاةِ وَالْعَقْلِ، وَوَالَى بَيْنَ مَنْحِهِ، وَتَابَعِ الْآءِ وَمِنْهُ، حَتَّى فَاتَتْ الْعُدَّ، وَإِنْ اسْتُفْرِغَ فِيهَا الْجُهْدُ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَسْتَحِقُّ الْحَمْدَ سِوَاهُ؟ بَلْ لَهُ الْحَمْدُ كُلُّهُ لَا لِغَيْرِهِ كَمَا أَنَّ الْمَنْ مِنْهُ لَا مِنْ غَيْرِهِ.^۲

”امام حلیمی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الحَمِيدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو تعریف کی مستحق ہے۔ اسی نے ساری انسانیت کو وجود بخشا پھر دو عظیم نعمتیں عطا فرمائیں۔ ① زندگی ② عقل..... اور اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بل کہ اس کی عطایا پے درپے جاری ہیں، اس کے احسانات و انعامات مسلسل جاری ہیں اور اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں، اگر کوئی ان نعمتوں کو شمار کرنے کے لئے اپنی ذاتی جدوجہد کو بروئے کار لاتے ہوئے بھی پوری کوشش کر لے تب بھی وہ ان نعمتوں کو شمار ہی نہیں کر سکتا۔

جو رب العزت ایسی کریم ذات ہو کہ جس کی نعمتوں کو گناہی نہ جاسکتا ہو، ہر گھڑی ہر انسان پر سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں کروڑوں نعمتوں کی بارشیں برسا رہی ہو، اس کے سوا تعریف کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے؟
لہذا تمام کی تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے نہیں، جس طرح کہ تمام احسانات اللہ رب العزت کی طرف سے ہیں غیر کی طرف سے کوئی ایک احسان بھی نہیں ہے۔“

۳ وَهُوَ (الْحَمِيدُ) أَيُّ: الْمَحْمُودُ فِي جَمِيعِ أَفْعَالِهِ وَأَقْوَالِهِ.....، وَشَرْعِهِ وَقَدَرِهِ.....، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ.....

وَلَا رَبَّ سِوَاهُ۔^۱

”امام ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْحَمْدُ جَلَّالًا“ کا معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنے تمام کاموں میں اور تمام باتوں میں اور اپنی شریعت اور تقدیر میں لائق تعریف و حمد ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی کوئی پروردگار ہے۔“

یعنی ہر ہر کام اس کا قابل تعریف ہے..... اس کا ہر قول لائق ستائش ہے..... اللہ کی طرف سے دیا ہوا ہر حکم حکمتوں پر مبنی ہے..... اللہ کا ہر فیصلہ اٹل اور انصاف والا ہے..... ہر مخلوق کو اس نے ٹھیک ٹھیک اندازہ سے پیدا کیا..... اور مقررہ وقت پر اس کو اپنے فیصلہ کے موافق موت دی، یہ سب امور قابل تعریف ہیں۔

۴ ”الْحَمِيدُ فِي ذَاتِهِ وَأَسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ، فَلَهُ مِنَ الْأَسْمَاءِ أَحْسَنُهَا، وَمِنَ الصِّفَاتِ أَكْمَلُهَا

وَأَحْسَنُهَا، فَإِنَّ أَفْعَالَهُ تَعَالَى دَائِرَةٌ بَيْنَ الْفَضْلِ وَالْعَدْلِ۔“^۲

”امام سعدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت اپنی ذات، اپنے اسماء، اپنی صفات اور اپنے تمام افعال میں لائق حمد و تعریف ہیں، اللہ رب العزت کے اسماء مبارکہ سب ناموں سے اچھے ہیں اور اسی طرح ”الْحَمْدُ جَلَّالًا“ کی صفات سب کی سب کامل اور خوب تر ہیں، اللہ رب العزت کے تمام کام احسان اور انصاف پر مبنی ہیں۔“
علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ”قصیدہ نونیہ“ میں فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ ”الْحَمْدُ جَلَّالًا“ ہیں یعنی تمام تعریفیں اسی کی طرف رجوع ہو کر جاتی ہیں، اس لئے کہ جتنے بھی محامد و محاسن بیان ہونے والے ہیں یا جو گزشتہ زمانوں میں بیان ہو چکے، یہ تمام محامد و محاسن وجود کائنات کو بھر دیں حتیٰ کہ ان کا شمار و اندازہ بھی ممکن نہ رہے تب بھی اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ان تمام تعریفات کے اہل ہیں اور ان ہی کے لائق یہ تعریفات ہیں، پاک ہے وہ ذات اور اسی کے لئے تمام تعریفات ہیں کیوں کہ تمام تعریفات احسان کرنے والے کے لئے ہوا کرتی ہیں۔“^۳

۱ تفسیر ابن کثیر: ۳۲۱/۱، البقرة: ۲۶۷ ۲ تیسر الکریم: ۶۹۹/۵، البقرة: ۲۶۷

۳ قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي نَوَائِظِهِ: ۱

پس ”الحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جس کی ایسی صفات اور اسباب حمد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ محمود ہے اور اگر کوئی اس کی تعریف نہ بھی کرے تو بھی وہ اپنی ذات میں حمید ہے اور محمود وہ ذات ہے جس کے ساتھ تعریف کرنے والوں کی تعریف کا تعلق ہو اور یہی فرق مجید اور مجد، کبیر اور مکبر، عظیم اور معظم میں ہے۔“^۱

قرآن کریم میں کئی جگہوں پر یہ اسم مبارک آیا ہے ان میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾

۲ ﴿رَحِمْتُ اللَّهَ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾

۳ ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾

الحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ کے بہترین بندے اس کی حمد و ثناء کرنے والے ہیں

واقعة مذکورہ (۲۱): حضرت عبداللہ بن ابی ہذیل کہتے ہیں:

بخت نصر نے دو شیر بھوکے رکھے، پھر انہیں ایک کنوئیں میں ڈالا، اور پھر حضرت دانیال عَلَيْهِ السَّلَام کو لایا، انہیں ان کے پاس پھینک دیا، اللہ کی قدرت وہ دونوں شیر ذرہ برابر ہیجان میں نہیں آئے حالاں کہ بھوکا ہونے کی وجہ سے انہیں غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی بوٹی بوٹی نوچ لینی چاہئے تھی۔ مگر جتنی دیر اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی دانیال وہاں ٹھہرے۔

پھر انسانوں کی طرح انہیں کھانے پینے کی اشتہاء ہوئی تو اللہ نے ارمیا ع نبی کو وحی کی حالاں کہ وہ وہاں سے بہت دور شام کے علاقہ میں تھے، کہ دانیال کے لئے کھانا، پینا تیار کرو۔ ارمیا نے عرض کیا:

”میرے پروردگار! میں شام کی سرزمین مقدس میں ہوں، دانیال سرزمین بابل میں ہیں، جو کہ عراق میں ہے، وہاں

مَلَأَ	الْوُجُودَ	جَمِيعَةً	وَنَظِيرَةً	مِنْ غَيْرِ مَا عَدَّ وَلَا حُسْبَانَ
هُوَ	أَهْلُهُ	سُبْحَانَهُ	وَبِحَمْدِهِ	كُلُّ الْمَحَامِدِ وَصَفُ ذِي الْإِحْسَانِ

(النونية: ۲/۲۱۵)

۱ ”فَالْحَمْدُ الَّذِي لَهُ مِنَ الصِّفَاتِ وَأَسْبَابِ الْحَمْدِ مَا يَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ مَحْمُودًا، وَإِنْ لَمْ يَحْمَدْهُ غَيْرُهُ فَهُوَ حَمِيدٌ فِي نَفْسِهِ وَالْمَحْمُودُ مَنْ تَعَلَّقَ بِهِ حَمْدُ الْحَامِدِينَ، وَهَكَذَا الْمَجِيدُ وَالْمُجَدُّ وَالْكَبِيرُ وَالْمُكَبَّرُ وَالْعَظِيمُ وَالْمُعَظَّمُ“ (النهج الأسْمَى:

۶۳/۲)

۲ البقرة: ۲۶۷ ۳ ہود: ۷۳ ۴ ابراہیم: ۸

۵ ارمیا بنی اسرائیل کے چار بڑے انبیاء میں سے ایک ہیں، انہوں نے یہود کی مملکت کے خاتمے سے پہلے نبوت کا اعلان کیا تھا اور اس وقت کے بادشاہوں کی ستم رانیوں کو برداشت کرتے رہے تھے۔

رسائی کیسے ہو؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے اسے تیار کریں، سواری کا بندوبست ہم خود کریں گے، جو تجھے اور تیار کھانے کو اٹھالے جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سواری کا انتظام کر دیا۔ اب وہ کنوئیں کے کنارے کہ جہاں اللہ کے نبی قید تھے، پہنچتے ہیں۔ کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکارتے ہیں اور مندرجہ ذیل مکالمہ ہوتا ہے:

دانیال: ”کون ہو؟“

ارمیا: ”میں ارمیا نبی ہوں۔“

دانیال: ”کس لئے تشریف لائے؟“

ارمیا: ”مجھے رب کائنات نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔“

دانیال: ”کیا رب ذوالجلال نے میرا ذکر کیا ہے؟“

ارمیا: ”ہاں۔“

(یہ سن کر) دانیال اس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریفات کے نعمات بلند کرنے لگے۔

۱ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَا يَنْسِي مَنْ ذَكَرَهُ.“

”تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو اس کو یاد کرتا ہے وہ اسے نہیں بھولتا۔“

۲ ”وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَا يُخَيِّبُ مَنْ رَجَاهُ.“

”تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو اس کے ساتھ امیدیں وابستہ کرتا ہے وہ اسے ناامداد و نا کام نہیں کرتا۔“

۳ ”وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ.“

”تمام تعریفات اس ذات کے لئے ہیں جو اس پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔“

۴ ”وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي مَنْ وَثَّقَ بِهِ لَمْ يَكِلْهُ إِلَىٰ غَيْرِهِ.“

”تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں کہ جو اس پر اعتماد کرتا ہے تو وہ اسے اپنے غیر کے سپرد نہیں کرتا۔“

۵ ”وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يَجْزِي بِالْإِحْسَانِ إِحْسَانًا وَبِالسَّيِّئَاتِ عُفْرَانًا.“

”تمام تعریفیں اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو احسان کا بدلہ احسان سے دیتا ہے اور گناہوں کے بدلہ میں مغفرت عطا

کرتا ہے۔“

۶ ”وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يَجْزِي بِالصَّبْرِ نَجَاتًا.“

”تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو صبر کے بدلہ میں نجات دیتا ہے۔“

۱ یہاں سے ”تو“ ”کلمات حمد“ ذکر کئے جاتے ہیں جس کو نمبر وار بیان کیا گیا ہے۔

۷ "وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي يَكْشِفُ ضُرَّنَا بَعْدَ كَرْبِنَا۔"

”تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں جو ہماری پریشانی کے بعد تکلیف کو دور کرتا ہے۔“

۸ "وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هُوَ يَفْقَتُنَا حِينَ تَسُوءُ ظَنُّنَا بِأَعْمَالِنَا۔"

”تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لئے ہیں کہ جب ہماری بد اعمالیوں کے ساتھ بدگمانیاں بڑھ جاتی ہیں تو ہمارا اس

وقت سہارا ہے۔“

۹ "وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هُوَ رَجَاءُ نَا حِينَ تَنْقَطِعُ الْحِيلُ مِنَّا۔"

”اور تمام تعریفات اس اللہ کے لئے ہیں جو ہماری آرزوؤں کا مرکز ہے اور ڈھارس اور تسلی کا سبب ہے اس وقت کہ

جب ہماری حیلہ سازیوں کے تمام ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے

حضرت مطرف بن عبد اللہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت عمران بن حصین رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مجھے

ارشاد فرمایا: ”آج میں تم سے ایسی حدیث بیان کرتا ہوں تاکہ آج کے بعد اللہ تعالیٰ تم کو اس حدیث کی وجہ سے نفع دیں:“

اعْلَمُ أَنَّ خَيْرَ عِبَادِ اللَّهِ - تَبَارَكَ وَتَعَالَى - يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْحَمَادُونَ۔^۱

ترجمہ: جان لو! کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہوں گے کہ جو بہت زیادہ اللہ رب العزت کی

حمد و ثناء بیان کرنے والے ہیں، یعنی جو اللہ تعالیٰ کی تعریف سے ہر وقت رطب اللسان رہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے انعامات پر حمد بیان کرنے والے بندوں کی فضیلت میں ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ

بندے پر جب بھی کوئی انعام فرمائیں تو بندہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے مگر بندے کو اس نعمت کے ملنے پر حمد و شکر کی توفیق ہونا اس

نعمت سے زیادہ بہتر ہے جو اس کو حاصل ہوئی ہے۔“^۲

یعنی اللہ تعالیٰ کا دل میں یہ ڈالنا کہ وہ انسان اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے یہ بذات خود بہت بڑی نعمت ہے اس نعمت

سے جو ملی ہے، اس لئے بھی کہ یہ نعمت تو کبھی نہ کبھی فنا ہو جائے گی، لیکن ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہنے کا ثواب ہمیشہ رہے گا۔

قرآن مجید میں اس اسم مبارک کو دیگر اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے، مثلاً حمید کو کہیں مجید کے

ساتھ، اور کہیں غنی کے ساتھ کہیں عزیز اور ولی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس طرح دو اسم مبارک کو ملانے سے معنی میں

مزید مراد کی وضاحت ہو جاتی ہے، غور سے پڑھنے والے کو معرفت الہی میں ترقی محسوس ہوتی ہے، ایمان اور توحید میں

۱ البدایۃ والنہایۃ: ۳۳/۲ ذکر دانیال علیہ السلام ۲ النہج الأسمی: ۶۰/۲

۳ وَقَالَ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي فَضْلِ الْحَمْدِ عَلَى النِّعَمِ: مَا أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَى عَبْدٍ نِعْمَةً فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، إِلَّا كَانَ الَّذِي

أَعْطَاهُ أَفْضَلَ مِمَّا أَخَذَ. (ابن ماجہ، الادب، باب فضل الحامدين، رقم: ۳۸۰۵)

زیادتی ہوتی ہے، تلاوت کے دوران معنی کا خیال رکھنے سے لذتِ مناجات کا لطف دو بالاً محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ﴿أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾^۱ کا معنی یہ ہوگا ”بے شک اللہ بے پروا اور خوبیوں والا ہے۔“ دوسری آیت: ﴿إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾^۲ کا معنی ”بے شک اللہ حمد و ثنا کے لائق اور بڑی شان والا ہے۔“ تیسری آیت: ﴿الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ﴾^۳ کا معنی ”تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو مومنین کی سرپرستی و نگرانی فرماتا ہے ان کی مدد اور ان کے حال کی رعایت فرماتے ہوئے ان سے محبت بھی فرماتا ہے اور انہیں اکرام و انعام سے بھی نوازتا ہے۔“

چوتھی آیت: ﴿الْعَزِيزُ الْحَمِيدُ﴾^۴ کا معنی یہ ہوگا کہ تمام ستائش اللہ رب العزت ہی کے لئے ہے۔ اس کے غلبہ، قوت و دبدبہ پر اور جو اس نے اپنے بندوں کو اپنے کرم سے اعزاز و شرف سے نوازا ہے پھر اپنے لشکر اور جماعت کی مدد و تائید فرمائی۔

اسی کے بارے میں علامہ ابو عبد اللہ ابن قیم الجوزی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ رب العزت کی صفات میں بعض وہ صفات بھی ہیں جو اکیلی اور الگ ذکر کی جاتی ہیں اور بعض صفات ایسی ہیں جو دوسری صفات کے ساتھ ملائی جاتی ہیں۔ اس وقت ایک اور معنی سمجھ میں آتا ہے جیسے: ”الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ“ ”الْعَفْوُ الْقَدِيرُ“ ”الْحَمِيدُ الْمَجِيدُ“ اسی طرح اور بھی بہت سی صفات قرآن مجید میں ملا کر ذکر کی گئی ہیں۔^۵

حمد کا حقیقی مستحق صرف الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ ہی ہے

ہم جس کی بھی تعریف کرتے ہیں دو وجوہ سے کیا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ایسی خوبی اور کمال رکھتا ہو جو اس تک ہی محدود ہو اور ہمیں اس کے فضل و کمال کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ ہمارا محسن ہو اور ہم اعترافِ نعمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اس کی خوبیاں بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف ان دونوں حیثیتوں سے ہے۔

یہ ہماری قدر شناسی کا تقاضہ بھی ہے اور احسان شناسی کا بھی کہ ہم اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوں اور بات صرف اتنی نہیں کہ تعریف اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے لئے ہے بل کہ صحیح یہ ہے کہ تعریف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ یہ بات کہہ کر ایک بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور وہ حقیقت ایسی ہے کہ جس کی پہلی ہی ضرب سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

دنیا میں جہاں، جس چیز، جس شکل میں بھی کوئی حسن کوئی خوبی، کوئی کمال ہے اس کا سرچشمہ ”الْحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہی

کی ذات ہے۔ کسی انسان،..... کسی فرشتے،..... کسی دیوتا،..... کسی ستارے،..... غرض کسی مخلوق کا کمال بھی ذاتی نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ بس اگر کوئی ذات ایسی ہے کہ ہم اس کے گرویدہ..... احسان مند..... شکر گزار..... نیاز مند بنیں تو وہ خالقِ کمال ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کیوں کہ اس جہانِ رنگ و بو میں جہاں ہزاروں حسین مناظر اور لاکھوں دل کش نظارے اور کروڑوں نفع بخش چیزیں انسان کے دامنِ دل کو ہر وقت اپنی طرف کھینچتی رہتی ہیں اور اپنی تعریف پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ذرا نظر کو گہرا کیا جائے تو ان سب چیزوں کے پردے میں ایک ہی دستِ قدرت کا فرمانظر آتا ہے اور دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں جیسے کسی نقش و نگار یا تصویر کی یا کسی صنعت کی تعریف کی جائے کہ یہ سب تعریفیں درحقیقت نقاش اور مصور کی یا صنایع کی ہوتی ہیں۔

حمد رابا تو نسبتے است دُرست برادر ہر کہ رفت بر در تست

حمد و ستائش کا پیارا جملہ

ماہنامہ البلاغ کا ابتدائی جملہ ہمیں بہت ہی پسند ہے، کیا پیارا جملہ ہے، آپ بھی اس کو یاد کر لیجئے اور خط و کتابت کے شروع میں مناسب سمجھیں تو اس کو لکھ لیا کریں۔

”حمد و ستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔“

”الحَمْدُ لِلَّهِ“ کی تعریف بیان کرنا ہی دراصل دعا مانگنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی خوب تعریف بیان کی جائے، اس کی خوب حمد و ثناء کی جائے جہاں بیٹھے وہاں اللہ تعالیٰ کی تعریف، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر و استحضار کر کے بیان کرے۔

انسان دو اجزاء سے مرکب ہے۔ ایک بدن دوسرے روح اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قدر و قیمت کے اعتبار سے روح اصل، اعلیٰ اور افضل ہے، بدن محض اس کے تابع اور ادنیٰ درجہ رکھتا ہے، اس ادنیٰ جز کے متعلق بدن انسان کی تحقیق کرنے والے اطباء اور اہل تشریح نے بتلایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً پانچ ہزار مصالح اور منافع رکھے ہیں۔ اس کے بدن میں تین سو سے زیادہ جوڑ ہیں۔ ہر ایک جوڑ کو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ نے ایسا مستحکم بنایا ہے کہ ہر وقت کی حرکت کے باوجود نہ وہ گھستا ہے، نہ اس کی مرمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عادتاً انسان کی عمر ساٹھ ستر سال ہوتی ہے، پوری عمر اس

کے یہ نرم و نازک اعضاء اور ان کے سب جوڑ اکثر اوقات اس طرح حرکت میں رہتے ہیں کہ فولاد بھی ہوتا تو گھس جائے مگر حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ﴾ ۱

تَرْجَمَہ: ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہم نے ہی اس کے جوڑ بند مضبوط کئے۔

اسی قدر قی مضبوطی کا نتیجہ ہے کہ عام عادت کے مطابق یہ نرم و نازک جوڑ ستر برس اور اس سے بھی زیادہ عرصہ تک کام دیتے ہیں۔ انسانی اعضاء میں سے صرف ایک آنکھ ہی کو لے لیجئے۔ اس میں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مظاہر موجود ہیں، انسان کو عمر بھر خرچ کر کے بھی ان کا پورا ادراک آسان نہیں۔

پھر اس آنکھ کے صرف ایک مرتبہ کے عمل کو دیکھ کر یہ حساب لگائیے کہ اس ایک منٹ کے عمل میں حق تعالیٰ کی کتنی نعمتیں کام کر رہی ہیں تو حیرت ہوتی ہے، کیوں کہ آنکھ اٹھی اور اس نے کسی چیز کو دیکھا، اس میں جس طرح آنکھ کی اندرونی طاقتوں نے عمل کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بیرونی مخلوقات کا بھی اس میں بڑا حصہ ہے، اگر آفتاب کی روشنی نہ ہو تو آنکھ کے اندر کی روشنی کام نہیں دے سکتی، پھر آفتاب کے لئے بھی ایک فضاء کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے دیکھنے اور آنکھ کو کام میں لانے کے لئے غذا، ہوا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نظر اٹھ کر جو کچھ دیکھتی ہے اس میں پورے عالم کی طاقتیں کام کرتی ہیں۔ یہ ایک مرتبہ کا عمل ہوا، پھر آنکھ دن میں کتنی مرتبہ دیکھتی اور سال میں کتنی مرتبہ، عمر میں کتنی مرتبہ یہ ایسا سلسلہ ہے جس کے اعداد و شمار انسانی طاقت سے خارج ہیں۔

اسی طرح کان، زبان، ہاتھ، پاؤں کے جتنے کام ہیں ان سب میں پورے عالم کی قوتیں شامل ہو کر کام پورا ہوتا ہے، یہ تو وہ نعمت ہے جو ہر زندہ انسان کو میسر ہے۔ اس میں بادشاہ و فقیر، امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہیں، اور اللہ جل شانہ کی بڑی بڑی نعمتیں سب ایسی ہی وقف عام ہیں کہ ہر فرد انسانی ان سے نفع اٹھاتا ہے، آسمان، زمین ان دونوں میں اور ان کے درمیان پیدا ہونے والی تمام کائنات، چاند، سورج، اور سیارے، ہوا، فضاء کا نفع ہر جاندار کو پہنچ رہا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں جو انسانوں میں بتقاضائے حکمت کم و بیش عطا ہوتی ہیں، مال اور دولت، عزت و جاہ، راحت اور آرام سب اسی قسم میں داخل ہیں، اگرچہ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ عام نعمتیں جو تمام انسانوں میں مساوی اور برابر طور پر مشترک ہیں جیسے آسمان، زمین اور ان کی تمام مخلوقات یہ نعمتیں بہ نسبت ان خاص نعمتوں یعنی مال، دولت وغیرہ کے زیادہ اہم اور اشرف ہیں، مگر بھولا بھالا انسان تمام افراد انسان میں عام ہونے کی بناء پر کبھی ان عظیم الشان نعمتوں کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا ہے کہ یہ کوئی نعمت ہے، صرف گرد و پیش کی معمولی چیزیں کھانے پینے، رہنے سہنے، کی خصوصی چیزوں ہی پر اس کی نظر رک جاتی ہے۔

بہر حال یہ ایک سرسری نمونہ ہے، ان نعمتوں کا جو ہر انسان پر ہر وقت مبذول ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا ہی چاہئے

کہ انسان اپنی مقدور بھران احسانات و انعامات کرنے والے کی حمد و ثناء کرے، اور کرتا رہے، اسی تقاضائے فطرت کی تلقین کے لئے قرآن کی سب سے پہلی سورت کا سب سے پہلا کلمہ ”الْحَمْدُ“ لایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو عبادت میں بڑا درجہ دیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا فرمائیں اور وہ اس پر ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے تو ایسا ہو گیا کہ گویا جو کچھ اس نے لیا ہے اس سے افضل چیز دے دی۔^۱

ایک دوسری حدیث میں ہے: ”اگر ساری دنیا کی نعمتیں کسی ایک شخص کو حاصل ہو جائیں اور وہ اس پر ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہہ لے تو یہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ ان ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے۔“^۲

امام قرطبی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ زبان سے کہنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ایک نعمت ہے اور یہ نعمت ساری دنیا کی نعمتوں سے افضل ہے۔^۳ اور حدیث صحیح میں ہے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سے میزانِ عمل کا آدھا پلہ بھر جاتا ہے۔^۴ حمد کی حقیقت حضرت شقیق بن ابراہیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی چیز عطا فرمائے تو:

- ۱ اول اس کے دینے والے کو پہچانو۔
- ۲ پھر جو کچھ اس نے دیا ہے اس پر راضی ہو جاؤ۔
- ۳ پھر جب تک تمہارے جسم میں اس کی عطا کی ہوئی قوت و طاقت موجود ہے اس کی نافرمانی کے قریب نہ جاؤ۔^۵

الحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ کی حمد و ثناء کے فضائل

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف کی ترغیب میں قرآن کریم کی تقریباً تیس آیات ہیں اور احادیث میں بھی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والوں کے فضائل خاص طور سے ذکر کئے گئے ہیں:

- ۱ ایک حدیث میں آیا ہے: ”جنت کی طرف سب سے پہلے وہ لوگ بلائے جائیں گے جو ہر حال میں راحت ہو یا تکلیف اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہوں۔“^۶
- ۲ ایک حدیث میں وارد ہے: ”حمد شکر کی اصل اور بنیاد ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔“^۷

- ۳ ایک حدیث میں ہے: ”اگر دنیا ساری کی ساری میری امت میں سے کسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے تو یہ کہنا ان سب سے افضل ہے۔“^۸

۱ ابن ماجہ، باب فضل الحامدین: ۲۷۰، رقم: ۳۸۰۵ ۲ الجامع الصغیر، حرف اللام: ۴۵۳/۲، رقم: ۷۳۹۸

۳ قرطبی: ۱/۱۲۳، الفاتحة: ۱ ۴ ترمذی، الدعوات، باب فی فضل الوضوء رقم: ۳۵۱۷ ۵ تفسیر قرطبی: ۱/۱۲۵، الفاتحة: ۱

۶ شعب الایمان: ۲۱۶/۶، رقم: ۴۰۶۳ ۷ شعب الایمان: ۲۱۶/۶، رقم: ۴۰۸۵ ۸ قرطبی: ۱/۱۲۳

۴ ایک حدیث میں آیا ہے: جب حق تعالیٰ شانہ کوئی نعمت کسی بندے کو عطا فرماتے ہیں اور وہ اس نعمت پر (اللہ تعالیٰ کی) حمد کرتا ہے تو وہ حمد بڑھ جاتی ہے خواہ نعمت کتنی ہی بڑی ہو۔^{۱۴}

ایک صحابی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضور ﷺ کی معیت میں نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے آہستہ سے ”الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ“ کہا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ دعا کس نے پڑھی؟ وہ صحابی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس سے ڈرے کہ شاید کوئی نامناسب بات ہو گئی ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”کچھ مضائقہ نہیں ہے، اس نے بُری بات نہیں کہی۔“ تب ان صحابی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا: ”یہ دعا میں نے پڑھی تھی۔“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تیرہ (13) فرشتوں کو دیکھا ہے کہ ہر ایک ان میں سے اس کی کوشش کرتا تھا کہ اس کلمہ کو سب سے پہلے وہ لے جائے۔“^{۱۵}

۵ یہ حدیث تو مشہور ہے کہ: ”جو (اہم اور ضروری) کام اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بغیر شروع کیا جائے گا اس میں برکت نہیں ہوگی۔“^{۱۶}

(اسی وجہ سے عام طور پر ہر کتاب اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ شروع کی جاتی ہے)۔

۶ ایک حدیث میں آیا ہے: ”جب کسی کا بچہ مرجاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے فرماتے ہیں: میرے بندے کے بچے کی روح نکال لی؟“

وہ عرض کرتے ہیں کہ ”نکال لی“۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: ”اس کے دل کے ٹکڑے کو لے لیا؟“

وہ عرض کرتے ہیں: ”بے شک لے لیا“۔ ارشاد ہوتا ہے: ”پھر میرے بندے نے کیا کہا؟“

عرض کرتے ہیں: ”تیری حمد کی اور ”إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ پڑھا۔“

ارشاد ہوتا ہے:

”إِنُّوَا لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ“ کہ (اچھا اس کے بدلے میں) جنت میں ایک گھر اس

کے لئے بنا دو اور اس کا نام ”بَيْتُ الْحَمْدِ“ (تعریف کا گھر) رکھو۔“^{۱۷}

اللہ تعالیٰ کس بندے سے بے حد راضی ہوتے ہیں؟

۷ ایک حدیث میں آیا ہے: ”حق تعالیٰ شانہ اس سے بے حد راضی ہوتے ہیں کہ بندہ کوئی لقمہ کھائے یا پانی کا گھونٹ پئے اور اس پر ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہے۔“^{۱۸}

۱۴ ابن ماجہ، الادب، باب فضل الحامدین: ۲۶۹ ۱۵ ابن ماجہ، الادب، باب فضل الحامدین: ۲۶۹

۱۶ ابن ماجہ، النکاح، باب خطبة النکاح: ۱۳۶ ۱۷ مسند احمد: ۵/۵۶۹، رقم: ۱۹۲۲۶

۱۸ مسلم، الذکر، باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الأکل والشرب: ۳۵۲/۲

اس لئے ہمیں ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف سکھائی گئی۔ صبح اٹھنے کے بعد جو دعا ہے وہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سے شروع ہوتی ہے۔ کھانے کے بعد کی جو دعا ہے وہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سے شروع ہوتی ہے۔ لباس پہننے کی دعا بھی ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ سے ہی شروع ہوتی ہے۔

۱۰ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي وَاتَّجَمَلُ بِهِ فِي حَيَاتِي.“^۱

ترجمہ: ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے کپڑے پہنائے۔ ان کپڑوں سے میں اپنا ستر چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں ان سے زینت حاصل کرتا ہوں۔“

”حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا روایت کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب کسی پسندیدہ چیز کو دیکھتے تو فرماتے:

۱۱ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَةُ.“

ترجمہ: ”تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جن کے فضل سے تمام نیک کام انجام پاتے ہیں۔“ اور جب کسی ناگوار چیز کو دیکھتے تو فرماتے:

۱۲ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ“^۲

ترجمہ: ”تمام تعریفیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔“

حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کلمہ شکر ہے اور جو بندہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: ”شَكَرَنِي عَبْدِي“ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا۔ اسی وجہ سے حمد کو افضل الدعاء فرمایا گیا ہے۔

”سب سے افضل ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے اور سب سے افضل دعا الْحَمْدُ لِلَّهِ ہے۔“^۳

کہتے ہیں حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام کا تکیہ کلام تھا بِسْمِ اللّٰهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ آپ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کیا کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح عَلَیْہِ السَّلَام کو ﴿عَبْدًا شَكُورًا﴾ کے اعزاز سے نوازا۔

”حمد“ دعا کی قبولیت کے لئے بہترین وسیلہ ہے

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ جو شکر و تعریف کا جامع کلمہ ہے اور ان معجزانہ اور بلیغ کلمات میں سے ہے جن کا کسی اور زبان میں صحیح ترجمہ بے حد مشکل بل کہ ناممکن ہے۔

حمد ہی وہ بہترین وسیلہ ہے جس کے ذریعہ ایک وفادار بندہ اپنی دعا و مناجات کا آغاز اور قیام و سجود (نماز) کا افتتاح

۱۔ ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۶/۲ ۲۔ ابن ماجہ، الادب، باب فضل الحمدین: ۲۷۰

۳۔ ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء ان دعوة المسلم مستجابة: ۱۷۴/۲

کر سکتا ہے۔

پھر نمازی یہ محسوس کرتا ہے کہ جس رب تعالیٰ کی وہ حمد و ثناء بیان کر رہا ہے اور جس کی عبادت میں مشغول ہے، وہ صرف کسی قبیلہ اور قوم، کسی خاندان اور برادری، اور کسی ملک و وطن کے رب نہیں، بل کہ **”رَبُّ الْعَالَمِينَ“** ہے۔

سورہ فاتحہ کی ابتداء **”الْحَمْدُ لِلَّهِ“** سے ہوئی ہے، اسی طرح سورہ انعام، سورہ کہف، سورہ سبا، سورہ فاطر کی ابتداء بھی **”الْحَمْدُ لِلَّهِ“** سے ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ہم بندوں سے اپنی ذات کی تعریف مختلف انداز سے اور مختلف عنوانات سے کروائی۔ مختلف جگہوں پر، مختلف نعمتوں کی یاد دہانی کرواتے ہوئے اپنی تعریف کرنے کا طریقہ سکھایا کہ بندہ جتنی تعریف کرے گا اتنی ہی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی اور محبت سے اطاعت اور اطاعت سے معرفت پیدا ہوگی۔ جنت والوں کے بارے میں قرآن کریم نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ﴾^{۱۷}

ترجمہ: ”اور کہیں گے اللہ تعالیٰ کا (لاکھ لاکھ) احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتا تو ہماری کبھی (یہاں تک) رسائی نہ ہوتی۔“^{۱۸}

حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي تَقُولُ وَخَيْرًا مِّمَّا تَقُولُ.“^{۱۹}

ترجمہ: ”اے اللہ! تیری تعریف ایسی ہے جیسی خود تو نے فرمائی اور اس سے بہتر ہے جو ہم تیری تعریف کریں۔“

”اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ شُكْرًا وَلَكَ الْمَنْ فَضْلًا.“^{۲۰}

”اے اللہ! تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں شکر کے ساتھ اور تیرے ہی لئے احسان ہے فضل کے ساتھ۔“

نیز آپ ﷺ جب سونے کے لئے بستر پر تشریف لاتے تب بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرماتے ہوئے یہ دعا

پڑھتے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَانِي وَأَوَانِي أَطْعَمَنِي وَسَقَانِي وَالَّذِي مَنَّ عَلَيَّ فَأَفْضَلَ..... وَالَّذِي أَعْطَانِي

فَأَجْزَلَ. اللَّهُمَّ رَبِّ كُلِّ حَالٍ. اللَّهُمَّ رَبِّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَوْلِيكَهُ وَالْهَ كُلِّ شَيْءٍ..... أَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ.“^{۲۱}

^{۱۷} ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲

^{۱۸} بیان القرآن: ۳۲۳

^{۱۹} الاغراف: ۴۳

^{۲۰} کنز العمال، کتاب الاذکار: ۸۰/۲، رقم: ۳۶۵۰

^{۲۱} ابوداؤد، الادب، باب ما يقول عند النوم: ۳۳۳/۲، رقم: ۵۰۵۸

تَرْجَمًا: ”تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جو میرے لئے کافی ہے، جس نے مجھے ٹھکانا دیا۔ مجھے کھلایا اور پلایا۔ جس نے میرے اوپر بہترین فضل فرمایا اور جس نے مجھے خوب دیا۔ ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اے اللہ! ہر چیز کے رب اور مالک اور ہر چیز کے مولیٰ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں جہنم سے۔“
اور (سنتوں اور نفلوں میں) یا اگر تنہا بغیر جماعت کے فرض پڑھ رہے ہوں تو قومہ میں (رکوع سے سیدھے کھڑے ہو کر) یہ بھی کہیں:

رکوع سے اٹھ کر الْحَمْدُ لِلَّهِ جَلَّ جَلَالُہ کی تعریف کرنا

ہم سب کو چاہئے کہ رکوع سے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی تعریف ان مسنون دعاؤں کے ذریعہ کریں:

۱۶ ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ“۔^{۱۶}

تَرْجَمًا: ”اے ہمارے پروردگار (میں تیری تعریف کرتا ہوں) اور تیرے ہی لئے بہت زیادہ، پاکیزہ، برکت والی تعریفیں ہیں۔“
یا یہ دعا پڑھیں:

۱۷ ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ..... مِلَأَ السَّمَوَاتِ..... وَمِلَأَ الْأَرْضِ..... وَمِلَأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ..... أَهْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ..... أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ..... وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ.....“

اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ..... وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ..... وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ“۔^{۱۷}

تَرْجَمًا: ”اے ہمارے رب! تیرے ہی لئے ہے تعریف آسمانوں کو بھرنے کے بقدر اور زمین کو بھر دینے کے بقدر اور اس کے بعد ہر اس چیز کے بھر دینے کے بقدر جو تو چاہے۔ اے حمد و ثناء اور عظمت و بزرگی کے مالک! جو کسی بندے نے (تیری شان میں) کہا (تو) اس سے زیادہ کا مستحق (ہے) اور ہم سب تو تیرے ہی بندے ہیں۔ جو تو عطا فرمائے اس کو کوئی منع کرنے والا نہیں اور جو تو منع کر دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور تیرے (قہر و غضب) سے کسی دولت مند کو اس کی دولت بچا نہیں سکتی۔“

حمد و ثناء کی دو مختصر، عمدہ اور نفیس دعائیں

سنن ابن ماجہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بارے میں ایک نہایت ہی عمدہ، نفیس اور مختصر دعا موجود ہے، جس کے بارے میں آتا ہے کہ اس دعا کو سن کر دو فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں: ”ہم اس کا اجر کیسے لکھیں گے؟“

۱۶ سنن نسائی، الافتتاح، باب ما يقول المأموم: ۱۶۲/۱

۱۷ مسلم، الصلاة، ما يقول اذا رفع رأسه من الركوع، رقم: ۴۷۷

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”جس طرح میرے بندے نے کہا ہے ویسا ہی لکھو، البتہ اس کا اجر و ثواب میں خود اپنے بندے کو اس وقت عطا کروں گا جب وہ میرے سامنے حاضر ہوگا۔“ دعا یہ ہے:

۱۸ ”يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ.“^۱

ترجمہ: ”اے میرے رب! تیرے ہی لئے تعریف ہے جو تیری ذات کی بزرگی اور تیری عظمت کی شان کے مناسب ہو۔“

۱۹ ”اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ..... وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ..... بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهُ..... إِلَيْكَ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ.....“

عَلَانِيَتُهُ وَسِرُّهُ..... فَاهْلٌ أَنْ تَحْمَدَ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي جَمِيعَ مَا مَضَى مِنْ

ذُنُوبِي..... وَاعْصِمْنِي فِيمَا بَقِيَ مِنْ عُمْرِي..... وَارْزُقْنِي عَمَلًا زَاكِيًّا تَرْضَى بِهِ عَنِّي.“^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! تمام تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں اور ساری بادشاہت آپ ہی کے لئے ہے، سارا خیر آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، سارے معاملات آپ ہی کی طرف لوٹتے ہیں، ظاہر بھی، پوشیدہ بھی، پس آپ ہی کی ذات حمد و ثنا کے لائق ہے۔ بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اے اللہ! میرے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیجئے اور میری باقی عمر میں میری حفاظت فرما اور ایسا پاکیزہ عمل نصیب فرما جس سے آپ راضی ہو جائیں۔“

اس دعا کے بارے میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: وہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایک آواز سنی کہ کوئی یہ دعا پڑھ رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ فرشتہ تھا، جو تمہارے پاس اپنے پروردگار کی حمد سکھانے آیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں ان کا کوئی انسان احاطہ نہیں کر سکتا، ہر انسان پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں متوجہ ہیں، لہذا ہر انسان کو اپنی مقدور بھران احسانات و انعامات دینے والے کی حمد و ثنا کرتے رہنا چاہئے اور بار بار ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ“ کہتے رہنا چاہئے۔

سورہ روم کی دو آیتیں جن میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو بیان فرمایا گیا ہے ان کے صبح و شام پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے:

﴿فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا

وَحِينَ تُظْهِرُونَ ۝﴾^۳

ترجمہ: ”پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔ تمام تعریفوں کے لائق آسمان و زمین میں صرف وہی ہے، تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی (اُس کی پاکیزگی بیان کرو)۔“

^۱ ابن ماجہ، الادب، باب فضل الحامدین: ۲۶۹ ^۲ مسند احمد، حذیفہ بن الیمان: ۳۹۶/۵، رقم: ۲۲۸۴۶ ^۳ الروم: ۱۷، ۱۸

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے۔ نماز میں تینوں قسم کی یاد جمع کر دی گئی اور اوقات فرض نماز کے یہ ہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے، یعنی صبح و شام (جس میں مغرب و عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دوپہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں۔ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب عالم اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے عالم اسباب میں شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو۔ (جیسا کہ ارض النجوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اسے اپنا معبود اکبر قرار دیا تھا۔

جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول: ﴿هَذَا رَبِّي هَذَا الْكَبَرُ﴾ میں اشارہ ہے۔ اس کے عجوبے چارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دوپہر ڈھلنے پر جب کہ اس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جب کہ اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آگیا اور غروب کے بعد جب اس کی نورانی شعاعوں کے اتصال سے اس کے پجاری محروم ہو گئے، پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہو گئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی افق پر باقی نہ رہے۔ ان اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں اور شروع صلوٰۃ ہی میں "اللہ اکبر" کہہ کر اس موحد اعظم (ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام) کی اقتداء کرتے رہیں جس نے ﴿هَذَا رَبِّي هَذَا الْكَبَرُ﴾ کے بعد فرمایا تھا:

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

شاید آیت ہذا میں ﴿وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ فرما کر یہ ہی یاد دلایا ہے کہ تسبیح و تنزیہ اور یاد کرنے کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبان حال و قال سے بیان کر رہی ہے۔ کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔

انسان اپنے آپ کو تعریف کے قابل اس طرح نہ سمجھے کہ کسی نے مذمت بیان کی تو ناراض ہو جائے بل کہ یہ سوچے کہ تعریف کے قابل تو صرف وہی ذات ہے۔ اپنے کسی عمل پر ناز نہ ہو بل کہ خوف ہو کہ پتہ نہیں کہ قبول بھی ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح کوئی تعریف کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھے اور اگر کوئی برائی کرے تو اپنے اعمال کی طرف متوجہ ہو جائے کہ ضرور مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں سے محبت ختم کر دی۔

۱۷۸: الانعام ۱۷۹: الانعام ۱۸۰: الروم ۱۸۱: تفسیر عثمانی: ۱۸۲

بے چینی دور کرنے کا بہترین نسخہ

موجودہ نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا ہے وہ اس طرح کہ ایک شخص کی تنخواہ بیس یوم میں ختم ہو جاتی ہے وہ ہر ملنے والے سے یہ کہتا پھرے کہ دس دن بڑے مشکل گزرتے ہیں، قرضوں کا بوجھ الگ ہے، مہنگائی الگ ہے تو اگلے ماہ ہو سکتا ہے ۱۹ دن میں تنخواہ ختم ہو جائے اور اس سے اگلے ماہ شاید اٹھارہ دن میں ختم ہو جائے۔

اس کے بجائے وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرے اس کا شکر ادا کرے کہ اللہ کا بہت شکر ہے **الْحَمْدُ لِلَّهِ** بیس دن بہت اچھی طرح گزر جاتے ہیں اللہ کی تعریف ہے کہ اس نے مجھے روزگار عطا فرمایا اللہ کی تعریف ہے کہ بیس دن تک تو قرضہ نہیں لینا پڑتا..... ان شاء اللہ تعالیٰ اس تعریف و شکر کرنے پر اگلے ماہ تنخواہ ۲۲ دن چلے گی اور اس سے اگلے ماہ ۲۴/۲۶/۲۸/۳۰ یا تو تنخواہ میں اضافہ ہو جائے یا کوئی اور ذریعہ۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت جتنی بڑھتی رہے گی اتنا ہی مسلمان کا دل اللہ تعالیٰ کے غیر سے خالی ہوتا جائے گا اور اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی شکایت لوگوں سے کرنا چھوڑ دے گا، اور اس کا دل صاف و شفاف ہوگا، اور اس کا دل اقرار و اعتراف کرے گا کہ اس ”**الْحَمْدُ لِلَّهِ جَلَّ جَلَالُهُ**“ ذات کی تعریف کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ جتنے لوگوں نے بھی آج تک اس کی ثناء و تعریف بیان کی ہے وہ ذات ان تعریف بیان کرنے والوں کی تعریف سے بہت بالاتر ہے (یعنی وہ ذات ان کی تعریف کی محتاج نہ تھی)، اسی کو فرمایا:

”آپ کی تعریف بیان کرنے والے آپ کی تعریف کا حق ادا نہ کر سکے اگرچہ انہوں نے بہت کوششیں کیں۔ اس لئے کہ آپ ان کی تعریفوں سے بہت ہی اونچے ہیں۔“
آپ ہی کے لئے تعریف ہے ایسی تعریف جس کی نہ کوئی ابتداء ہے نہ انتہاء اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جانتا ہے کہ اس کی تعریف کیسے کی جائے۔^۱

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ پڑھ کر الْحَمْدُ لِلَّهِ جَلَّ جَلَالُهُ کی تعریف کیجئے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ: سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةً مَرَّةً، وَإِذَا أَمْسَى كَذَلِكَ، لَمْ يُؤَافِ أَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ بِمِثْلِ مَا وَافَى." ^۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے صبح اور شام ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ سو مرتبہ پڑھا تو کوئی شخص قیامت کے دن اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا سوائے اس

^۱ ابوداؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول اذا اصبح: ۳۳۸/۲

^۲ مدارج السالکین: ۲/۲۶۳

شخص کے جو اس کے برابر یا اس سے زیادہ پڑھے۔“ ابو داؤد کی روایت میں یہ فضیلت ”سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ کے بارے میں آئی ہے۔

وَاقِعَةً مُبِينًا (۲۲): ایک مرتبہ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ ہوائی تخت پر تشریف لے جا رہے تھے پرندے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے اور جن و انس وغیرہ لشکر بھی قطار میں ادب سے کھڑے تھے، ایک عابد پر گزر ہوا جس نے حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کے اس عظیم الشان لشکر کی تعریف کی آپ نے ارشاد فرمایا: ”مؤمن کے اعمال نامہ میں ایک تسبیح سلیمان بن داؤد کے سارے ملک سے اچھی ہے“ کہ یہ بادشاہت ختم ہو جائے گی اور تسبیح باقی رہنے والی چیز ہے۔“

فوائد و نصائح

- ۱ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے: وہ اپنے عقائد و اخلاق اور اعمال و اقوال و عبادات سب کو قابل تعریف بنائے تاکہ کچھ حصہ صفت حمید کا اسے بھی نصیب ہو۔
- ۲ بندہ کو چاہئے تنگی و آسانی میں خوشی و غمی میں غرض ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف کرے کیوں کہ ”الحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے سوا کوئی تعریف کے لائق نہیں۔
- ۳ اسم مبارک ”الحَمْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے تحت جتنی بھی دعائیں مذکور ہیں ہمیں زبانی یاد کر لینی چاہئیں اور ان کو ہمیشہ پڑھتے رہنا چاہئے۔ تقریباً اس اسم کے تحت (۱۹) حمد کے کلمات مذکور ہوئے ہیں ان سب کو یاد کر لیں یہ نہ ہو سکے تو کم از کم دعا نمبر (۱۷) ضرور یاد کر لیں جو نماز میں رکوع کے بعد قومہ میں پڑھی جاتی ہے اس کے تین فائدے ہیں:
 - (الف) اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بھی ہوتی ہے۔
 - (ب) قومہ جو واجبات میں سے ہے صحیح طرح ادا ہو جاتا ہے۔
 - (ج) اطمینان والی نماز کی سعادت ملتی ہے۔

۱۔ مسلم، باب فضل التہلیل والتسبیح والدعاء: ۳۴۴/۲

۲۔ فضائل اعمال، فضائل ذکر، فصل دوم: ۱۷۳۔

المُحْصِي جَلَّ جَلَالُهُ

(اپنے علم اور شمار میں سب کچھ رکھنے والا)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱. **المُحْصِي "هُوَ الَّذِي أَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ بِعِلْمِهِ فَلَا يَفُوتُهُ مِنْهَا دَقِيقٌ وَلَا يُعْجِزُهُ جَلِيلٌ"** ^۱
 "المُحْصِي" وہ ذات ہے جس نے اپنے علم کے مطابق ہر چیز کا احصاء (شمار) کیا ہوا ہے، چھوٹی سے چھوٹی چیز اُس کے علم سے چھوٹ نہیں سکتی اور بڑی سے بڑی چیز اُسے علم میں لانے سے عاجز نہیں کر سکتی۔
۲. **المُحْصِي "الْعَالِمُ الَّذِي يُحْصِي الْمَعْلُومَاتِ"** ^۲
 "المُحْصِي" علم رکھنے والی وہ ذات ہے جو تمام معلومات کا احاطہ کرتی ہے۔
۳. **المُحْصِي "هُوَ الَّذِي بِالظَّاهِرِ بَصِيرٌ وَبِالسَّرَّائِرِ خَبِيرٌ"** ^۳
 "المُحْصِي" وہ ذات ہے جو تمام ظاہری چیزوں کو دیکھنے والی ہے اور تمام مخفی اشیاء پر بھی خبردار (واقف) ہے۔
۴. **المُحْصِي "هُوَ الَّذِي بِالظَّاهِرِ رَاقِبٌ أَنْفَاسِكَ، وَبِالْبَاطِنِ رَاعِي حَوَاسِكَ"** ^۴
 "المُحْصِي" وہ ذات ہے جو ظاہر میں آپ کے سانسوں کی نگہبانی اور باطن میں آپ کے حواس کی حفاظت فرماتا ہے۔

سورة الجن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

﴿وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ ^۵

ترجمہ: "اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات خاص ہے جس کے علم میں ہر چیز کے اعداد و شمار ہیں۔ پہاڑوں کے اندر جتنے ذرے ہیں ان کا بھی عدد معلوم ہے اور ساری دنیا کے دریاؤں میں جتنے قطرے ہیں ان کا شمار بھی اس کے علم میں ہے۔ بارش کے قطروں اور تمام دنیا کے درختوں کے پتوں کے اعداد و شمار کا بھی اسی کو علم ہے۔

^۱ شان الدعاء: ۷۹ ^۲ شرح الطیبی، باب اسماء اللہ: ۵/۵

^۳ شرح الاسماء الحسنی للرازی: ۳۰۴ ^۴ شرح الاسماء الحسنی للرازی: ۳۰۴ ^۵ الجن: ۲۸

واقِعاً مُبِیناً (۲۳): حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں حضور ﷺ ایک دیہاتی کے پاس سے گزرے وہ اپنی نماز میں دعا مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

”اے وہ ذات! جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں..... اور کسی کا خیال و گمان اس تک نہیں پہنچ سکتا..... نہ اوصاف بیان کرنے والے اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں..... نہ حوادثِ زمانہ اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں..... نہ اسے گردشِ زمانہ سے کوئی اندیشہ ہے، جو پہاڑوں کے وزن..... اور سمندروں کے پیمانے..... اور بارش کے قطروں کی تعداد..... اور درختوں کے پتوں کی تعداد..... کو جانتا ہے، اور ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن پر رات کی تاریکی چھاتی ہے..... اور جن پر دن روشنی ڈالتا ہے،..... اور نہ اس سے ایک آسمان دوسرے آسمان کو چھپا سکتا ہے..... اور نہ زمین دوسری زمین کو،..... اور نہ سمندر اس چیز کو چھپا سکتا ہے..... جو اس کہ تہہ میں ہیں اور نہ کوئی پہاڑ ان چیزوں کو چھپا سکتا ہے..... جو اس کی سخت چٹانوں میں ہیں..... تو میری عمر کے آخری حصے کو سب سے بہترین حصہ بنادے..... اور میرے آخری عمل کو سب سے بہترین عمل بنادے..... اور میرا بہترین دن وہ بنا جس دن میری تجھ سے ملاقات ہو۔“

تو آپ ﷺ نے ایک آدمی کے ذمہ لگایا کہ جب یہ دیہاتی نماز سے فارغ ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا، چنانچہ وہ نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ کے پاس ایک کان سے کچھ سونا ہدیہ آیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے وہ سونا اُسے ہدیہ میں دیا۔ اور پھر فرمایا:

”میں نے تمہیں سونا اس وجہ سے ہدیہ کیا ہے کہ تم نے عمدہ طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی ثناء بیان کی ہے۔“

اس دیہاتی نے ایسے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک الْخَصِيُّ کی جامع تشریح کرتے ہیں۔

اسی طرح بندوں کے اعمالِ خیر و شر کا بھی پورا حساب اور گنتی اس کے پاس محفوظ ہے، اس کا علم ان سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا﴾

ترجمہ: ”اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے لکھ کر۔“

”يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُونُ وَلَا تَخَالُطُهُ الظُّنُونُ وَلَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُونَ وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ وَلَا يَخْشَى الدَّوَابَّ نَعْلَمُ مَشَاقِيلَ الْجِبَالِ وَمَكَائِلَ الْبَعَارِ وَعَدَدَ قَطْرِ الْأَمْطَارِ وَعَدَدَ وَرَقِ الْأَشْجَارِ وَعَدَدَ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ وَلَا تُوَارِي مِنْهُ سَمَاءٌ سَمَاءً وَلَا أَرْضٌ أَرْضًا وَلَا بَحْرٌ مَافِي قَعْرِهِ وَلَا جَبَلٌ مَافِي وَغَدْرِهِ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِيْ أَخِرَهُ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِمَهُ وَخَيْرَ

آيَاتِي يَوْمَ الْقَالِكِ فِيهِ“ (المعجم الاوسط، من اسمه يعقوب: ۶/۴۷۳، رقم: ۹۴۴۸)

یعنی ہم نے (ان کے اعمال میں سے) ہر چیز کو (ان کے اعمال نامہ میں) لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔^۱
 جس کو یہ یقین ہو جائے کہ میری نگرانی کی جا رہی ہے، میرے ہر عمل کو محفوظ کیا جا رہا ہے، میری زبان سے نکلنے والے ہر بول کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے تو وہ شخص اپنے ہر عمل کا محاسبہ کرتا رہے گا، جہاں غلطی نظر آئی وہاں توبہ استغفار کرے گا، اس لئے کہ جب یہ بات دل کی گہرائیوں میں اتر جائے کہ **اللَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ** کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ ہر چیز کا شمار کرنے والا ہے، میرے ہر حال سے باخبر ہے تو انسان ہر وقت اپنے آپ کو آزمائش میں سمجھے گا۔
الْحُسَيْنِ جَلَّ جَلَالُهُ کا نظام شماریات کیسا عجیب و غریب ہے، آپ کو دنیا کے کسی کونے میں کوئی پانچ سو (۵۰۰) سال کا بوڑھا نہیں ملے گا کہ فرشتے بھول گئے ہوں اور کہیں کسی کونے میں ایک شخص رہ گیا ہو، نہیں بل کہ دنیا میں ہر آنے والا شخص جتنے سانس لے کر آتا ہے اُس سے ایک سانس نہ کم نہ زیادہ، یہ تو صرف **الْحُسَيْنِ جَلَّ جَلَالُهُ** کے شماریات کا نظام ہے۔

الْحُسَيْنِ جَلَّ جَلَالُهُ کی پکڑ کا خوف

واقعة ملبن (۲۴): امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** ہارون الرشید **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** کے زمانے میں پورے عالم اسلام کے قاضی القضاۃ تھے، ایک بار ان کے پاس خلیفہ ہارون الرشید **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** اور ایک نصرانی کا مقدمہ آیا، امام صاحب نے فیصلہ نصرانی کے حق میں کیا، اس طرح کے درخشاں واقعات تاریخ اسلام کے ورق ورق پر بکھرے پڑے ہیں، لوگ اس کو ”دور ملوکیت“ کہتے ہیں، وہ کس قدر مبارک ”دور ملوکیت“ تھا کہ ایک طاقت ور بادشاہ اور خلیفہ اپنی رعایا میں سے ایک غیر مسلم کے ساتھ عدالت کے کٹہرے میں فریق بن کر حاضر ہو، امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو فرمانے لگے:

”اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے زمانہ قضاء میں مقدمات کے فیصلے میں کسی بھی فریق کی جانب داری نہیں کی، حتیٰ کہ دل میں کسی ایک فریق کی طرف میلان بھی نہیں ہوا، سوائے نصرانی اور ہارون الرشید کے مقدمے کے کہ اس میں دل کا رجحان اور تمنا یہ تھی کہ حق ہارون الرشید **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** کے ساتھ ہو اور فیصلہ حق کے مطابق اسی کے حق میں ہو، لیکن فیصلہ دلائل سننے کے بعد ہارون الرشید **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** کے خلاف کیا۔“

یہ فرما کر امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** رونے لگے اور اس قدر روئے کہ دل بھر آیا۔^۲

فائدہ: اس سے امام ابو یوسف **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** کے تقویٰ کے بلند مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مقدمہ میں دل کا رجحان طبعی طور پر ایک فریق کی طرف تھا اور فیصلہ بھی اس کے خلاف ہوا، لیکن اس طبعی رجحان پر بھی انہیں خوف رہا کہ

^۱ معارف القرآن: ۸/۶۵۲، النبأ: ۲۹

^۲ الدر المختار: ۴/۳۱۳، والقضاء فی الاسلام لعارف النکدی: ۲۵

کہیں پکڑ نہ ہو جائے، ”اللہ اکبر!“ زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے!! ۱

فوائد و نصائح

۱ جس کو اس اسم کی معرفت حاصل ہوگئی، وہ اپنی زبان اور ہاتھ اور وقت کے استعمال میں بہت محتاط رہے گا کہ اللہ جل جلالہ ہر چیز کے شمار کرنے والے ہر زبان کا بول اور ہاتھ کا استعمال، اور جو عمر کے قیمتی سانس مجھے ملے ہیں وہ سب شمار ہوں گے۔

۲ اس لئے زبان سے غیبت نہ ہو بغیر تحقیق کہ کسی پر الزام نہ لگایا جائے، ایک کی بات سن کر دوسرے کے خلاف بدگمانی نہ اختیار کی جائے۔ ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمادیجئے آپ ﷺ نے چند وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ”اپنی زبان کو سوائے خیر کے ہر قسم کی بات سے محفوظ رکھو، اس سے تم شیطان پر قابو پا لو گے۔“ ۲

اسی طرح وقت کی حفاظت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقع عطا فرمایا ہے کوئی وقت اس کی یاد کے بغیر نہ گزر جائے۔

۳ کوئی برا خیال دل میں آئے تو فوراً سوچے کہ اگر میں یہ برائی کروں گا، کسی کو تکلیف دوں گا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تو شمار میں یہ بات آجائے گی اور پھر وہاں روزِ قیامت جواب دینا ہوگا۔

۱ کتابوں کی درس گاہ میں: ۵۷

۲ مجمع الزوائد، الوصایا، باب وصیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ۴/۲۷۹، رقم: ۷۱۱۱

المبنة جَلَّ جَلَالُهُ، المعيد جَلَّ جَلَالُهُ

(پہلی بار پیدا کرنے والا) (دوبارہ زندہ کرنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریضیں ذکر کی جاتی ہیں:

① (الْمُبْدِي) الْمُظْهِرُ لِلشَّيْءِ مِنَ الْعَدَمِ إِلَى الْوُجُودِ ۱۷

شیخ ابوالقاسم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”المبنة جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف ظاہر کرتی ہے۔

② (الْمُعِيدُ) الَّذِي يُعِيدُ الْخَلْقَ بَعْدَ الْحَيَاةِ إِلَى الْمَمَاتِ فِي الدُّنْيَا وَبَعْدَ الْمَمَاتِ إِلَى الْحَيَاةِ فِي

الْآخِرَةِ ۱۸

ملا علی قاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”المعید جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو دنیا میں مخلوقات کا حیات سے موت کی طرف اعادہ کرتی ہے اور آخرت میں حیات کی طرف اعادہ کرے گی۔

③ وَهُوَ الْمُعِيدُ لِلْمُحَدَّثَاتِ بَعْدَ إِنْْعَادَامِ جَوَاهِرِهَا وَأَعْرَاضِهَا ۱۹

علامہ طیبی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”المعید جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو تمام مخلوقات کو باوجود اس کے کہ ان کے جوہر اور عرض بھی ختم ہو چکے ہوں گے دوبارہ پیدا کر دیں گے۔

إِنْدَاء (پہلی مرتبہ وجود میں لانا) اور إِعَادَهُ (دوبارہ وجود میں لانا) یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں، ہر انسان خواہ مسلم ہو یا کافر یہ بات مانتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہے، یعنی وہ پہلے کچھ نہ تھا اور اب وہ ایک چلتا پھرتا انسان ہے اور یہ بات بھی مانتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اُسے ختم ہونا ہے، اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہنا۔

اسی طرح اُسے یہ بھی ماننا ہوگا کہ ایک دن مرنے کے بعد بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا، جس ذات نے اسے عدم سے وجود بخشا اور کچھ مدت بعد اس وجود کو وہ ذات ختم کر دے گی، بالکل اسی طرح ایک دن (روزِ قیامت) اُسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تاکہ اُسے اس دنیا میں کئے ہوئے عمل کا بدلہ مل سکے، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والے ہیں اور یہ دنیا

دارالعمل (عمل کرنے کی جگہ) ہے **دارالجزاء** (بدلہ دینے کی جگہ) نہیں، جزاء کے لئے اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔ اگر دنیا میں اچھا عمل کیا ہوگا تو اُس کا اچھا بدلہ ملے گا اور اگر اچھے اعمال نہیں کئے ہوں گے برے اعمال کئے ہوں گے تو ان کی سزا ملے گی۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایمان دار اور بے ایمان برابر ہو جائیں۔ مسلمان اور کافر برابر ہو جائیں۔ اچھے اعمال کرنے والے اور برے اعمال کرنے والے برابر ہو جائیں، بل کہ ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اُس کے اعمال کے مطابق معاملہ فرمائیں گے اور اس سزا و جزا کے لئے ایک دن کا ہونا ضروری تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمائیں گے، تاکہ ہر انسان کو اُس کے کئے کا بدلہ مل سکے۔

انسان خود سوچے کہ جب وہ کچھ نہیں تھا تو اس ”**المبتدئ جلالہ**“ نے اُسے پیدا کیا، وجود بخشا، بڑا کیا اور ایک دن وہ ذات اس انسان کو ضرور موت دے گی۔ اُس ذات کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا﴾

ترجمہ: ”کبھی گزرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا“
یعنی انسان پر زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی قابل تذکرہ نہ تھا۔

مطلب یہ کہ انسان نہ تھا بل کہ نطفہ تھا اور اس سے قبل غذا اور اس سے پہلے عناصر کا جزء تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسے امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اگر اس میں ذرا بھی شعور ہو اور کچھ بھی غور کرے تو اس کو اپنی حقیقت کے انکشاف کے ساتھ ساتھ اپنے پیدا کرنے والے اور بنانے والے کے وجود، علم اور قدرت پر مکمل ایمان و یقین کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔

اگر ایک ستر (۷۰) برس کا انسان اس کا مراقبہ کرے اور اس پر غور کرے کہ اب سے اکہتر (۷۱) برس پہلے اس کا کہیں نام و نشان نہیں تھا اور نہ اس کا کسی عنوان سے کوئی ذکر کر سکتا تھا۔

اس وقت کیا چیز اُس کی ایجاد و تخلیق کی داعی ہوئی اور کس محیر العقول قدرت نے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ذرات کو اس کے وجود میں سمو کر اس کو ایک ہی ہوشیار..... دانا..... سمیع و بصیر..... انسان بنا دیا؟

یقیناً وہی ”**المبتدئ جلالہ**“ کی ذات ہے جس نے اسے عدم سے وجود بخشا پھر ایک دن موت دینے کے بعد اسی انسان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا، وہ ذات جس طرح ”**المبتدئ جلالہ**“ ہے اسی طرح ”**المعید جلالہ**“ بھی ہے، وہ ذات دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی مرتبہ پیدا کیا اس وقت تو اس انسان کا کوئی نمونہ بھی نہ تھا۔ بغیر کسی نمونے کے پیدا کر کے بڑا کر دیا پھر اس انسان میں مختلف قسم کے مراتب بھی قائم کر دیئے۔ کسی کو

امیر بنا دیا کسی کو غریب..... کسی کو حاکم اور کسی کو ماتحت۔

ہر امیر سے فرمایا کہ غریبوں کا خیال رکھے اپنے مال میں سے اُن کا حق بھی ادا کرے۔ بالکل اسی طرح ہر حاکم کے لئے بھی قانون بنایا کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ رعایت والا معاملہ رکھے، نرمی اور سہولت والا برتاؤ کرے، جتنے کام کا بوجھ وہ برداشت کر سکتے ہیں اتنا ہی بوجھ اُن پر رکھیں، زیادہ نہ رکھیں ورنہ ایک دن حساب ضرور ہونا ہے اُس دن ”المُعْتَدُ جَلَّالًا“ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے اور انصاف کا ترازو قائم فرمائیں گے۔

چوں کہ اللہ تعالیٰ منصف اور عادل ذات ہیں تو انسانوں کو بھی عدل کا حکم دیا، اسی عدل و انصاف کے بدلے کے لئے قیامت قائم کی جائے گی۔

”المُعْتَدُ جَلَّالًا“ کی نشانیاں

واقِعَةُ مَلْبِسٍ (۲۵): قرآن مجید کے دوسرے پارے میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۴۳ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أَلْفُ الْوَفِّ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ﴾

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۱﴾

ترجمہ: ”کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مر جاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔“

علامہ ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

”یہ ایک قوم تھی اور ایک شہر میں رہتی تھی۔ بنی اسرائیل کے زمانے میں، ان کے وطن کی ہوا ان کے ناموافق ہو گئی اور ان کو سخت وباء سے دوچار ہونا پڑا۔ موت کے ڈر سے یہ لوگ اپنی بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ کسی صحراء کی طرف بھاگنے لگے، ایک وادی میں پہنچ گئے، جس میں ایک چٹیل میدان تھا، اُس میدان کے دونوں کنارے ان سے بھر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتے بھیجے، ایک فرشتہ وادی کی نچلی طرف اور دوسرا فرشتہ اوپر کی طرف کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے ایک چیخ ماری، ان کی چیخ سے سب لوگ یک لخت مر گئے، کافی عرصہ ان کی موت کو گزر گیا، ان کی اس جگہ پر دیواریں اور قبریں بن گئیں، ان کی لاشیں فناء ہو گئیں۔ ایک زمانے کے بعد بنی اسرائیل کے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا، جن کا نام حضرت حزقیل عَلَیْہِ السَّلَامُ بتایا گیا ہے۔

اُس نبی نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ان لوگوں کو اُس کے سامنے زندہ کر دے اللہ تعالیٰ نے اُس نبی کی دعا کو قبول

فرمایا اور ان سے فرمایا کہ یہ کہئے:

”أَيُّهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَجْتَمِعِي.“

ترجمہ: ”اے پرانی ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ہر جوڑ کی ہڈی اپنی جگہ جمع ہو جائے۔“

پس ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں جمع ہونے لگیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے پیغمبر! یوں کہہ:

”أَيُّهَا الْعِظَامُ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَكْتَسِي لَحْمًا وَعَصَبًا وَجِلْدًا.“

ترجمہ: ”اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ اپنا گوشت پہن لو اور پٹھے اور کھال درست کر لو۔“

وہ نبی دیکھ رہے تھے اور ہڈیاں گوشت پہن رہی تھیں۔ پھر حکم ہوا کہ اے پیغمبر! یوں کہہ:

”أَيُّهَا الْأَرْوَاحُ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَرْجِعَ كُلُّ رُوحٍ إِلَى الْجَسَدِ الَّذِي كَانَتْ تَعْمُرُهُ.“

ترجمہ: ”اے ارواح! تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ اپنے ان بدنوں میں لوٹ آؤ جن کی تعمیر و حیات تم سے

وابستہ تھی۔“

پس یہ کہنا ہی تھا کہ وہ سب کے سب زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، اللہ تعالیٰ نے

ان کو ایک لمبی مدت تک موت دینے کے بعد زندہ فرما دیا تھا۔

ان سب کی زبان پر یہ کلمہ تھا:

”سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ.“

ترجمہ: ”اے اللہ! آپ ہر عیب اور کمی سے پاک ہیں آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

منکرین قیامت پر حجت

یہ واقعہ دنیا کے فلاسفوں اور عقلاء کے لئے دعوتِ فکر اور منکرین قیامت پر دلیل قطعی ہونے کے ساتھ ساتھ اس ہدایت پر مشتمل ہے کہ موت کے خوف سے بھاگنا خواہ وہ جہاد سے بھاگنے کی صورت میں ہو یا کسی وباء، طاعون، مرض وغیرہ سے، اللہ تعالیٰ اور اس کی تقدیر پر ایمان رکھنے والوں کے لئے بالکل مناسب نہیں، جس کا یہ ایمان ہو کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے، اس سے ایک سیکنڈ نہ پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک سیکنڈ مؤخر ہو سکتی ہے، اس لئے یہ حرکت (بھاگنا) فضول بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بھی۔

”المائدة المعقودة جلد دوم“ تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ﴾^۱

ترجمہ: ”جیسے کہ ہم نے اول مرتبہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔“

علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”هَذَا كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ يَوْمَ يُعِيدُ اللَّهُ الْخَلَائِقَ خَلْقًا جَدِيدًا كَمَا بَدَأَهُمْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ إِعَادَتِهِمْ“

ترجمہ: ”یہ ضرور بہ ضرور ہوگا کہ ایک دن اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے جیسا کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا،

اور اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہیں۔“

اور یہ مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنا ضرور بہ ضرور ہوگا، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں سے ایک وعدہ ہے اور اللہ

تعالیٰ اپنے وعدے کو تبدیل یا اُس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾

ترجمہ: ”ہم اسے ضرور کر کے ہی رہیں گے۔“^۲

اسی آیت کے تحت امام بخاری رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ”إِنَّكُمْ مُحْشُورُونَ إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ عُرَاءَ غُرْلًا كَمَا

بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعَدَّا عَلَيْْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ“^۳

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رَضِيَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے خطبہ دیا

اور فرمایا: ”بے شک تم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جمع کئے جاؤ گے ننگے بدن اور بغیر ختنہ کئے ہوئے“ (جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان

ہے) ”جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، ہم اُسے ضرور کر کے

رہیں گے۔“

”المُعَيَّدُ جَلَّ جَلَالُهَا“ تمام مخلوقات کو دوبارہ پیدا کرنے کا وعدہ فرما رہے ہیں کہ مخلوقات کا اعادہ (دوبارہ پیدا کرنا)

ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے، لہذا مومن کے لئے

واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ”المُبَيَّنُ“ اور ”المُعَيَّدُ“ تسلیم کرے، حشرِ اجساد پر ایمان رکھے اور سمجھ لے کہ اس بارے میں

جس قدر شکوک و شبہات اور اعتراضات ہیں وہ سب انسانی علم و قدرت پر وارد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم کامل اور

قدرت تامہ ایسے اعتراضات کا محل نہیں بن سکتی، وہ ذات تمام عیوب سے پاک ہے۔

فوائد و نصائح

- ۱ اس دونوں اسموں سے تعلق پیدا کرنے والے کو ضروری ہے کہ دنیاوی زندگی کی قدر کرے اور آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کے لئے سرمایہ جمع کرے۔^۱
- ۲ موجودہ زندگی کے ہر ہر لمحے کو غنیمت سمجھے اور قیمتی بنانے کی کوشش کرے کہ یہ زندگی دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔
- ۳ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہ دعا مانگے کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جائے تو اس حال میں لوٹے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو۔ دنیا میں کسی کو اس کی ذات سے معمولی سی تکلیف بھی نہ پہنچے کیوں کہ جس کو ہم سے کوئی تکلیف پہنچی وہ بھی تو اسی اللہ جل جلالہ کی مخلوق ہے جب ”المبتدئ جل جلالہ“ دوبارہ وجود میں تمام انسانوں کو لائیں گے تو اس وقت شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

الْمُحْيِي جَلَّ جَلَالُهُ، الْمَيِّتِ جَلَّ جَلَالُهُ

(زندگی دینے والا) (موت دینے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "الْمُحْيِي: هُوَ الَّذِي يُحْيِي النُّطْفَةَ الْمَيِّتَةَ فَيُخْرِجُ مِنْهَا النَّسَمَةَ الْحَيَّةَ وَيُحْيِي الْأَجْسَامَ الْبَالِيَةَ

بِإِعَادَةِ الْأَرْوَاحِ إِلَيْهَا عِنْدَ الْبَعْثِ." ۱

ترجمہ: "الْمُحْيِي جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے جو مردہ نطفے کو زندہ کرتا ہے، پھر اس میں سے زندہ جان نکالتا ہے اور بوسیدہ جسموں کو ان کی ارواح دوبارہ لوٹا کر قیامت کے دن زندہ کرے گا۔

۲ "الْمُمِيتُ: هُوَ الَّذِي يُمِيتُ الْأَحْيَاءَ وَيُوْهِنُ بِالْمَوْتِ قُوَّةَ الْأَصْحَاءِ الْأَقْوِيَاءِ." ۲

ترجمہ: "الْمَيِّتِ جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے جو زندوں کو موت دیتا ہے اور موت کے ذریعے تندرست اور طاقتوروں کی قوت کو کمزور کرتا ہے۔

۳ "الْمُحْيِي، الْمُمِيتُ: أَيْ بِيَدِهِ الْخَلْقُ وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ، وَلَا يَحْيِي أَحَدٌ وَلَا يَمُوتُ أَحَدٌ إِلَّا

بِمَشِيئَتِهِ وَقَدَرِهِ. وَلَا يَزَادُ فِي عُمُرِ أَحَدٍ وَلَا يُنْقُصُ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا بِقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ." ۳

ترجمہ: علامہ ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "یعنی اسی کے ہاتھ میں پیدا کرنا ہے، اسی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے، کوئی زندہ نہیں رہتا اور نہ کوئی مرتا ہے مگر اسی کے ارادے اور مقرر کرنے سے، کسی کی عمر نہیں بڑھائی جاتی اور نہ کم کی جاتی ہے مگر اسی کے فیصلے اور مقرر کرنے سے۔"

جسے الْمُحْيِي جَلَّ جَلَالُهُ زندہ رکھے

واقِعَةُ مَبْنِي (۲۶): حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو اللہ تعالیٰ نے تمام تر فرعونی تدابیر کے سامنے زندہ رکھ کر دکھا دیا کہ موت کے ظاہری نقشوں میں زندگی عطا فرمانا اللہ جَلَّ جَلَالُهُ ہی کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱ شان الدعاء: ۷۹ ۲ شان الدعاء: ۸۰ ۳ تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۳۰، آل عمران: ۱۵۶

﴿إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۖ أَنْ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ ۚ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ

بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوِّي وَعَدُوُّ لَدَا ۖ وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةٌ مِّمَّنِي ۖ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۖ﴾

ترجمہ: ”جب حکم بھیجا ہم نے تیری ماں کو جو آگے سناتے ہیں کہ ڈال اس کو صندوق میں پھر اس کو ڈال دے دریا میں پھر دریا اس کو لے ڈالے کنارے پر اٹھالے اس کو ایک دشمن میرا اور اس کا اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پرورش پائے تو میری آنکھ کے سامنے۔“

فائدہ: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (جو اس وقت نوزائیدہ بچے تھے) صندوق میں رکھ کر صندوق کو دریا میں چھوڑ دے، دریا کو ہمارا حکم ہے کہ اسے بحفاظت تمام ایک خاص کنارہ پر لگائے گا جہاں سے اس کو وہ شخص اٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور بچے کا بھی، واقعہ یہ ہے کہ فرعون اس سال نجومیوں کے کہنے سے بنی اسرائیل کے بچوں کو چن چن کر قتل کر رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعون کے سپاہی خبر پائیں گے تو بچے کو مار ڈالیں گے اور والدین کو بھی ستائیں گے کہ ظاہر کیوں نہیں کیا۔ اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تدبیر الہام ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق نہر میں ڈال دیا۔

دریا کی ایک شاخ فرعون کے باغ میں گزرتی تھی اس میں سے ہو کر صندوق کنارے جا لگا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے (جو نہایت پاک باز اسرائیلی خاتون تھیں) بچے کو اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کیا کہ آؤ ہم تم اسے بیٹا بنالیں۔ فرعون کو بھی دیکھ کر محبت آئی۔ گو اس نے بیٹا بنانے سے انکار کیا (جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے) مگر آسیہ کی خاطر بیٹوں کی طرح پرورش کی اور اس طرح حق تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرت کا ظہور ہوا۔

یعنی ہم نے اپنی طرف سے اس وقت مخلوق کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ جو دیکھے محبت اور پیار کرے یا اپنی ایک خاص محبت تجھ پر ڈال دی کہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن گیا، پھر جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرے بندے بھی کرنے لگتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دینا اس غرض سے تھا کہ ہماری نگرانی و حفاظت میں تیری پرورش کی جائے ایسے سخت دشمن کے گھر میں تربیت پاتے ہوئے بھی کوئی تیرا بال بیکانہ کر سکے۔

المحیۃ، المہیبت جلالہ پر صحابہ کرام کا ایمان

واقعة مذکور (۲۷): حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الاصابہ“ میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں رومیوں سے جنگ کے دوران آپ چند مسلمانوں کے ساتھ گرفتار ہوئے، شاہ روم نے ان سے کہا: ”آپ نصرانی بن جائیں تو میں آپ کو اپنی حکومت

میں شریک کر لوں گا“ لیکن حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نصرانیت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: **”لَوْ اَعْطَيْتَنِي مَا تَمْلِكُ وَجَمِيعَ مَا مَلَكَتْهُ الْعَرَبُ عَلٰی اَنْ اَرْجِعَ عَنْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ طَرَفَةً عَيْنٍ مَا فَعَلْتُ“** ترجمہ: ”اگر تو صرف اپنی حکومت ہی نہیں بل کہ سارے عرب کی حکومت بھی مجھے دے دے کہ میں پلک جھپکنے کے برابر محمد ﷺ کے دین کو چھوڑ دوں۔ تو میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔“

جس کی وجہ سے شاہِ روم نے انہیں تختہ دار پر باندھ کر حکم دیا کہ ان پر تیر برسائے جائیں، لیکن جب دیکھا کہ آپ کے چہرے پر کسی قسم کے خوف کے آثار نہیں ہیں تو وہاں سے انہیں اتارا اور حکم دیا کہ دیگ میں پانی گرم کر کے کھولتے ہوئے پانی میں انہیں ڈال دیا جائے، اس میں ڈالنے کے لئے جب انہیں دیگ کے قریب لے جایا گیا تو رونے لگے، شاہِ روم نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے:

”تَمَنَيْتُ اَنْ لِّيْ مِائَةَ نَفْسٍ تُلْقٰی هَكَذَا فِی اللّٰهِ“

”رو اس لئے رہا ہوں کہ میری تمنا ہے کہ میری سو جانیں ہوں اور ہر جان قربانی کا اس طرح نذرانہ پیش کر کے اپنے رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہو۔“ شاہِ روم کو بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگا: تم میرے سر کو بوسہ دے دو، میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ فرمانے لگے: ”صرف مجھے نہیں، میرے ساتھیوں کو بھی“

شاہِ روم نے کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور شاہِ روم نے حسب وعدہ تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آکر حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سر کو بوسہ دیا۔^{۱۰}

زندگی اور موت المُنِيَّتُ جَلَّالًا کے ہاتھ میں ہے

واقِعَةُ مَنَابِت (۲۸): چوتھی صدی ہجری میں منصور نامی ایک شخص اندلس کا حکمران گزرا ہے، اس نے کسی جرم میں ایک آدمی کو گرفتار کر لیا، مجرم کی والدہ نے بیٹے کی رہائی کے لئے رحم کی اپیل کی جس سے منصور مزید بگڑ گیا اور قلم ہاتھ میں لے کر لکھنا چاہا..... **يُصَلِّبُ**..... ”اسے پھانسی دی جائے۔“ لیکن لکھا..... **يُطْلَقُ**..... ”اسے رہا کیا جائے۔“

وزیر نے رقعہ لے کر اس کی رہائی کا حکم جاری کیا، منصور نے پوچھا: کیا لکھا؟

کہنے لگا: ”فلاں کی رہائی کے لئے لکھا۔“ منصور بھڑک اٹھا..... **مَنْ اَمَرَ بِهَذَا؟**..... ”رہائی کا کس نے کہا ہے؟“

وزیر موصوف نے اس کو پرچی تھما دی جس پر ”اسے رہا کیا جائے۔“ لکھا تھا۔

کہنے لگا:..... **وَاللّٰهِ اَخْطَاْتُ لِيُصَلَّبَنَّ**..... ”اللہ کی قسم! یہ غلطی سے لکھ دیا ہے، اس کو پھانسی دینی ہے“ اور سابقہ

حکم مٹا کر لکھنا چاہا..... **يُضَلِّبُ**..... ”اسے پھانسی دی جائے۔“ لیکن لکھا..... **يُطْلَقُ**..... ”اسے رہا کیا جائے۔“

وزیر نے حکم کے مطابق رہائی کا حکم دیا، منصور نے پوچھا: ”کیا لکھا؟“

کہنے لگا: ”فلاں کی رہائی کے لئے لکھا“ منصور آگ بگولا ہوا، اسے پھانسی دینی ہے پھانسی..... **مَنْ أَمَرَ بِهَذَا.....؟**

”رہائی کا کس نے کہا ہے؟“

وزیر نے پھر اسی کا لکھا ہوا رقعہ سامنے کیا جس میں رہائی کے لئے لکھا تھا، کہنے لگا: ”یہ غلطی ہو گئی ہے۔“ لیکن تیسری

بار بھی اسی طرح ہوا، منصور کے قلم سے پھانسی کے بجائے اس کے لئے آزادی کا پروانہ جاری ہوا، جب تین بار اس طرح

ہوا تو تقدیر کے قاضی کے سامنے منصور کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا، کہنے لگا:

”نَعَمْ! يُطْلَقُ عَلَى رَغْمِي، فَمَنْ أَرَادَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ إِطْلَاقَهُ لَا أَقْدِرُ أَنَا عَلَى مَنَعِهِ“

”اسے میرے نہ چاہنے کے باوجود رہا کر دیا جائے“ اللہ تعالیٰ جس کو رہا کرنا چاہے، میں اسے نہیں روک سکتا

ہوں۔“ جسے **”الْمُحِبَّةُ وَالْمُنِيَّةُ“** رکھے اس کو کون فنا کر سکتا ہے! ^۱

حضرت ابراہیم **عَلَيْهِ السَّلَام** نے نمرود کو سمجھانے کے لئے یہی توحید کی دلیل سمجھائی کہ زندہ کرنے والا اور موت دینے

والا وہی اللہ تعالیٰ ہے جو میرا رب ہے۔ حضرت ابراہیم **عَلَيْهِ السَّلَام** نمرود کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا، نمرود نے دریافت

کیا تو فرمایا: ”میں اپنے رب تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔“ نمرود نے کہا: ”رب تو میں ہی ہوں۔“

ابراہیم **عَلَيْهِ السَّلَام** نے جواب دیا: ”میں حاکم کو رب نہیں کہتا، رب تعالیٰ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“

قرآن کریم نے سورہ بقرہ میں اس کو ذکر فرمایا:

﴿إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ ^۲

تَرْجَمَہ: ”جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“

نمرود نے دو قیدی منگوا کر بے قصور قیدی کو مار ڈالا اور قصور وار کو چھوڑ دیا اور کہا: دیکھا میں جس کو چاہوں مارتا ہوں

جسے چاہوں نہیں مارتا، اس پر حضرت ابراہیم **عَلَيْهِ السَّلَام** نے آفتاب کی دلیل پیش فرما کر اس مغرور احمق کو لا جواب کیا اور

اس کو ہدایت نہ ہوئی۔

امام ابن تیمیہ **رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں:

”فَهَذَا جَعَلَ نَفْسَهُ نِدًّا لِلَّهِ تَعَالٰی يُحْيِي وَيُمِيتُ بِزَعْمِهِ كَمَا يُحْيِي اللَّهُ وَيُمِيتُ“

تَرْجَمَہ: ”نمرود نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اسی

طرح اپنے باطل گمان کے موافق کہہ رہا ہے کہ میں بھی جس کو چاہوں مارنے کا حکم کر دوں اور جس کو چاہوں آزاد کر کے

زندہ کر دوں۔“

آگے فرماتے ہیں: ”جس طرح بعض مشرکین کی جماعتیں زندگی اور موت دینے میں کواکب اور ستاروں کو ”محبی“ اور ”ممیت“ سمجھتی ہیں۔ یہ سب شرک ہے۔ وہ ان ستاروں کو (نعوذ باللہ) اربابِ مدبرہ سمجھتے ہیں کہ یہ کواکب اس عالم کے لئے مدبر ہیں زندگی اور موت دینے میں وہ اس طرح حق تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔“

علامہ ابن قیم (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں: ”شرک کرنے والے لوگ مختلف وادیوں میں پریشان پھرتے رہتے ہیں۔“

”مِنْهُمْ مَنْ يَزْعُمُ أَنَّ مَعْبُودَهُ الْأَدْنَىٰ يَقْرِبُهُ إِلَى الْمَعْبُودِ الَّذِي هُوَ فَوْقَهُ وَالْفَوْقَانِي يَقْرِبُهُ إِلَى

مَنْ هُوَ فَوْقَهُ حَتَّىٰ تَقْرِبَهُ تِلْكَ الْأِلَٰهَةُ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ، فَتَارَةً تَكْثُرُ الْأِلَٰهَةُ وَالْوَسَائِطُ وَتَارَةً تُقَلُّ“

ترجمہ: ”ان میں سے بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا چھوٹا معبود قریب کر دیتا ہے اس معبود سے جو اس کے اوپر ہے اور پھر اوپر والا معبود اس سے قریب کرتا ہے جو اس سے اوپر ہے، یہاں تک کہ وہ تمام معبود اللہ تعالیٰ تک بندے کو پہنچا دیتے ہیں، تو کبھی تو یہ مشرکین کی جماعت اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بیچ میں بہت سے خداؤں کو واسطے بنا دیتے ہیں اور کبھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بیچ میں واسطے کم کر دیتے ہیں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔ آمین

موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے

واقِعَةُ مَلِكٍ (۲۹): کوفہ میں ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھوٹ پڑی قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک دوست اس وبا سے بچنے کی خاطر نجف چلا گیا۔

قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ایک خط لکھا:

”أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ الْمَوْضِعَ الَّذِي تَرَكْتَهُ لَا يَقْرِبُ حِمَامَكَ، وَلَا يَسْلُبُ مِنْكَ أَيْامَكَ، وَإِنَّ

الْمَوْضِعَ الَّذِي صِرْتَ إِلَيْهِ فِي قَبْضَةٍ مَنْ لَا يُعْجِزُهُ طَلَبٌ، وَلَا يَفُوتُهُ هَرَبٌ، وَإِنَّا وَإِيَّاكَ

لَعَلَىٰ بِسَاطِ مَلِكٍ وَاحِدٍ، وَإِنَّ النَّجْفَ مِنْ ذِي قُدْرَةٍ لَقَرِيبٌ“

ترجمہ: ”جس جگہ کو تم چھوڑ کر گئے ہو اس نے تیری موت کو قریب نہیں کر دینا تھا اور نہ تیری باقی زندگی کے دن چھین لینے تھے، جتنے سانس اس دنیا میں تم اپنی زندگی کے لائے ہو اتنے سانس پورے کر کے ہی تم کو جانا ہے اور جس جگہ تم نے جا کر پڑاؤ کیا ہے وہ جگہ بھی اس ذات کے قبضے میں ہے جسے کوئی طلب عاجز نہیں کر سکتی اور نہ ہی بھاگنے والا اس کے دائرہ اختیار سے باہر نکل سکتا ہے۔“

یاد رکھو! ہم اور آپ ایک ہی بادشاہ کے دسترخوان پر بیٹھے ہیں۔ بلاشبہ نجف قدرت والے اللہ رب العزت جل جلالہ کے بہت قریب ہے۔“

فَإِنَّكَ: مارنا اور زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ بہتیرے آدمی عمر بھر سفر کرتے اور لڑائیوں میں جاتے ہیں، مگر موت گھر میں بستر پر ہی آتی ہے اور کتنے ہی آدمی گھر کے کونے میں پڑے رہنے کے عادی ہوتے ہیں، لیکن اخیر میں اللہ تعالیٰ کوئی سبب کھڑا کر دیتے ہیں کہ وہ باہر نکلیں اور وہیں مریں یا مارے جائیں۔ بندہ کی روک تھام سے یہ چیزیں ٹلنے اور بدلنے والی نہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات، موت سے ڈرنے والوں کے لئے ایک سبق

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات کے وقت فرمایا: ”میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں، مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح (گھر میں) مر رہا ہوں۔“

”فَلَا نَامَتْ أُعَيْنُ الْجُبْنَاءِ“ (خدا کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں)۔^{۱۷}

حضرت قتیبہ باہلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ”المحیۃ، المہیۃ جل جلالہ“ پر یقین

وَاقْعَدُ مِنْ بَنٍ (۳۰): حضرت قتیبہ باہلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی دین کو پھیلاتے ہوئے ترک سے نکلے اور چین جانے کا ارادہ کیا تو ان کے کسی ساتھی نے مشورہ دیا:

”لَقَدْ أَوْغَلْتَ فِي بِلَادِ التُّرْكِ يَا قُتَيْبَةُ! وَالْحَوَادِثُ بَيْنَ أَجْنَحَةِ الدَّهْرِ تُقْبِلُ وَتَذْبِرُ“

ترجمہ: ”تم بہت پھر چکے اے قتیبہ! ترک کے ملک میں اسلام پھیل چکا، اب ہر طرف سازشیں ہو رہی ہیں تم اب آگے مت جاؤ، اب بیٹھ کر کہیں کام کرلو۔“

تو عجیب جواب دیا، اللہ کرے یہ جواب مسلمانوں کے دل میں اتر جائے اور دین پھیلانے کا جذبہ اسی طرح ہمیں بھی بے چین کر دے تاکہ دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بلند کرنے کے لئے ہم بھی نکلیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی اشاءتِ دین کے لئے قبول فرمائے۔ (آمین)

تو حضرت قتیبہ نے جواب دیا:

”بِنَقْتِي بِنَصْرِ اللَّهِ تَوَغَّلْتُ، وَإِذَا انْقَضَتِ الْمُدَّةُ لَمْ تَنْفَعِ الْعُدَّةُ“^{۱۸}

تَرْجَمَہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کے بھروسہ پر اور اس کی مدد پر یقین رکھتے ہوئے میں دین پھیلانے کے لئے نکلتا ہوں اور موت اور زندگی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی مدت پوری ہو جاتی ہے تو کوئی سبب وسیلہ انسان کو موت سے نہیں بچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کا جو وقت مقرر ہے وہ نہیں آیا تو کوئی بھی ہمیں موت نہیں دے سکتا، الْمُحِيطُ اور الْهِدْيَةُ صرف اور صرف اللہ جَلَّالَهُ ہے۔

الْمُحِيطُ اور الْهِدْيَةُ جَلَّالَهُ کی نشانی

وَاقِعَةٌ مِنْهُمْ (۳۱): ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أُولَٰئِمُتُؤْمِنٌ ۖ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۳۱﴾

تَرْجَمَہ: ”اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟“ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا: ”کیا تمہیں ایمان نہیں؟“ جواب دیا: ”ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی.....“ فرمایا: ”چار پرندے لو، پھر اُن کو ہلا لو اپنے ساتھ، پھر ان کے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر انہیں پکارو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے۔“ حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب ارشاد الہی چار جانور لائے ایک مور، ایک مرغ، ایک کوا، ایک کبوتر، چاروں کو اپنے ساتھ مانوس کیا تاکہ پہچان رہے اور بلانے سے آنے لگیں، پھر چاروں کو ذبح کیا پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے، دوسرے پہاڑ پر سب کے پر رکھے، تیسرے پر سب کے دھڑ رکھے، چوتھے پر پاؤں رکھے، پھر بیچ میں کھڑے ہو کر ایک کو پکارا اس کا سر اٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا پھر دھڑ ملا پھر پر لگے پھر پاؤں، وہ دوڑتا چلا آیا پھر اسی طرح چاروں آ گئے۔

دواؤں کو زندگی اور موت کا ذریعہ بنانے والا کون؟

وَاقِعَةٌ مِنْهُمْ (۳۲): حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ شام کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا، قلعہ کے لوگ محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ صلح ہو جائے، لہذا ان لوگوں نے قلعے کے سردار کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس صلح کی بات چیت کے لئے بھیجا، چنانچہ ان کا سردار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی شیشی ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے پوچھا: ”اس شیشی میں کیا ہے اور کیوں لے کر آئے ہو؟“

اس نے جواب دیا: ”اس شیشی میں زہر بھرا ہوا ہے اور یہ سوچ کر آیا ہوں کہ اگر آپ سے صلح کی بات چیت کامیاب ہوگئی تو ٹھیک اور اگر بات چیت ناکام ہوگئی اور صلح نہ ہو سکی تو ناکامی کا منہ لے کر اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا بل کہ یہ زہر پی کر خودکشی کر لوں گا۔“

تمام صحابہ کرام **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ** کا اصل کام تو لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہوتا تھا، اس لئے حضرت خالد بن ولید **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** نے سوچا کہ اس کو اس وقت دین کا دعوت دینے کا اچھا موقع ہے۔ چناں چہ انہوں نے اس سردار سے پوچھا: ”کیا تمہیں اس زہر پر اتنا بھروسہ ہے کہ جیسے ہی تم یہ زہر پیو گے نو فوراً موت واقع ہو جائے گی؟“

اس سردار نے جواب دیا: ”ہاں، مجھے اس پر بھروسہ ہے، اس لئے کہ یہ ایسا سخت زہر ہے کہ اس کے بارے میں معالجین کا کہنا ہے کہ آج تک کوئی شخص اس زہر کا ذائقہ نہیں بتا سکا، کیوں کہ جیسے ہی کوئی شخص یہ زہر کھاتا ہے تو فوراً اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، اس کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اس کا ذائقہ بتا سکے، اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس کو پی لوں گا تو فوراً مر جاؤں گا۔“

حضرت خالد بن ولید **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** نے اس سردار سے فرمایا: یہ زہر کی شیشی جس پر تمہیں اتنا یقین ہے ذرا مجھے دو۔ اس نے وہ شیشی آپ کو دے دی، آپ نے وہ شیشی اپنے ہاتھ میں لی اور پھر فرمایا: اس کائنات کی کسی چیز میں کوئی تاثیر نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر نہ پیدا فرمادیں، میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور یہ دعا پڑھ کر،

”بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ“
ترجمہ: ”اس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں، وہی سننے اور جاننے والا ہے۔“

اس زہر کو پیتا ہوں، آپ دیکھنا کہ مجھے موت آتی ہے یا نہیں؟۔

اس سردار نے کہا: جناب! یہ آپ اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں، یہ زہر تو اتنا سخت ہے کہ اگر انسان تھوڑا سا بھی منہ میں ڈال لے تو ختم ہو جاتا ہے اور آپ نے پوری شیشی پینے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت خالد بن ولید **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** نے فرمایا: ان شاء اللہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ چناں چہ دعا پڑھ کر زہر کی پوری شیشی پی گئے۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا تھا۔ اس سردار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** پوری شیشی پی گئے لیکن ان پر موت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے، وہ سردار یہ کرشمہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ چوں کہ حضرت خالد بن ولید **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** کا یقین اللہ تعالیٰ پر پختہ تھا کہ وہی ذات **محی** اور **ممیت** ہے اور بذاتِ خود اس زہر میں موت اور حیات دینے کی طاقت نہیں۔ اس لئے انہوں نے بغیر کسی تاثر کے زہر پی لیا۔^۱

موت و حیات کا مالک

واقعة ملہ بن ۳۳: موت و حیات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جب موت دینے کا ارادہ کر لے تو حیات کے جتنے بھی اسباب ہوں وہ ان ہی اسباب کو موت کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔

گوکرت (جگہ کا نام) کے قریب قومی شاہراہ پر کوئٹہ سے صادق آباد جانے والی مسافر کوچ کی چھت پر سوار چار مسافروں کو زہریلے سانپ نے ڈس لیا، جس کے باعث وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ تفصیلات کے مطابق مسافروں سے بھری ہوئی ایک کوچ کوئٹہ سے صادق آباد جا رہی تھی، گوکرت کے قریب کوئٹہ سی قومی شاہراہ پر ایک شاہین زہریلے سانپ کو اپنے پنجوں میں دبائے فضا میں اڑ رہا تھا کہ اچانک سانپ بس کی چھت پر آگرا اور یکے بعد دیگرے چھت پر سوار چار مسافروں کو ڈس لیا۔ مسافروں کی چیخ و پکار سن کر ڈرائیور نے گاڑی روکی جس کے بعد مسافروں نے سانپ کو ہلاک کر دیا۔^۱

آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

واقعة ملہ بن ۳۴: ماڑی پور روڈ کراچی پر مسافر بس سے ڈاکوؤں سے لٹنے کے خوف سے فرار ہونے والے شخص کو دوسری بس نے کچل دیا۔

یہ ۴۵ سالہ شخص بس میں ڈاکوؤں کی لوٹ مار کے دوران اپنی حفاظت کی غرض سے چلتی بس سے کود پڑا اچانک پیچھے سے آنے والی بس سے کچلا گیا اور اس طرح موت کے شکنجے میں جا پھنسا۔^۲ ایک معتمد شخص نے یہ عجیب واقعہ سنایا:

کراچی قائد آباد کے قریب ایک تین منزلہ عمارت کے بیرونی حصہ پر کام کرنے والا مزدور عمارت کی آخری منزل سے اچانک گرا، لیکن نیچے ریت کا ڈھیر موجود ہونے کی وجہ سے بچ گیا۔ محلے کے لوگوں نے اس مزدور سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں دوبارہ زندگی دی ہے اسی خوشی میں مٹھائی کھاؤ۔

مزدور جب مٹھائی لینے کے لئے روڈ پار کرنے لگا تو ایک بس کے ٹکر مارنے سے وہیں پر گر پڑا اور اس دنیا سے چل بسا۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کے واقعات قرآن کریم میں بیان فرماتے ہیں، یہ واقعات ہمارے لئے عبرت ہیں کہ ہم اپنا یقینِ کامل پیدا کریں کہ زندگی اور موت صرف اور صرف اسی ”مُحِبِّ اور مُمِیت جَلَّالًا“ کے ہاتھ میں ہے جب تک وہ ”المُحِبُّ جَلَّالًا“ زندہ رکھنے کا فیصلہ کر لے تو وہ زندہ رہے گا اور جب وہ ”المُحِبُّ جَلَّالًا“ موت دینے کا

فیصلہ کر لے تو موت آجائے گی۔

ایک چھوٹے سے کنکر میں موت کی تاثیر رکھنے والا

واقعة ملہین (۳۵): سورہ بروج کے شان نزول کے بارے میں ترمذی شریف میں ایک واقعہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: ملک یمن کا ایک کافر بادشاہ تھا جس کا نام یوسف ذونواس تھا، اس کا زمانہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے ستر سال پہلے کا تھا، اس کے پاس ایک کاہن تھا یا ساحر تھا، جب ساحر (جادوگر) کی موت کا وقت قریب ہوا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ایک ہوشیار ہونہار لڑکا مجھے دیا جائے تو میں اس کو اپنا علم سکھا دوں تاکہ میرے بعد یہ علم مٹ نہ جائے۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر اس کا علم سیکھتا تھا۔ راستہ میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اس وقت کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ لڑکا اس کے پاس بھی آنے جانے لگا اور خفیہ طور سے راہب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور اس کے فیض صحبت سے ولایت و کرامت کے درجہ کو پہنچا۔ ایک روز لڑکے نے دیکھا کہ کسی بڑے جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہے۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی:

اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر پتھر پھینکا جس سے اس جانور کا کام تمام ہو گیا۔ لوگوں میں شور ہوا کہ اس لڑکے کو عجیب علم آتا ہے کسی اندھے نے سن کر درخواست کی کہ میری آنکھیں اچھی کر دو۔ لڑکے نے کہا: اچھی کرنے والا میں نہیں وہ **"اللہ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ"** ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لے آئے تو میں دعا کروں، امید ہے وہ تجھ کو بینا کر دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

شدہ شدہ یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں، اس نے برہم ہو کر لڑکے کو مع راہب اور اندھے کے طلب کر لیا اور کچھ بحث و گفتگو کے بعد راہب اور اندھے کو قتل کر دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اونچے پہاڑ سے گرا کر ہلاک کر دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ جو لوگ اس کو لے گئے تھے، سب پہاڑ سے گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم چلا آیا۔ پھر بادشاہ نے دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا، وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا صاف بچ کر نکل آیا اور جو اسے لے گئے تھے وہ سب دریا میں ڈوب گئے۔

آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا: ”میں خود اپنے مرنے کی ترکیب بتلاتا ہوں۔ آپ سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کریں ان کے سامنے مجھ کو سولی پر لڑکائیں اور یہ لفظ کہہ کر مجھے تیر ماریں: **"بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِ"** (اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور لڑکا اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا۔“

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر یک لخت لوگوں کی زبان سے ایک نعرہ بلند ہوا: ”اَمْنَا بِرَبِّ الْغَلَامِ“ (ہم سب لڑکے کے رب پر ایمان لائے) لوگوں نے بادشاہ سے کہا: لیجئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہی پیش آئی پہلے تو کوئی اکا دکا مسلمان ہوتا تھا اب خلق کثیر نے اسلام قبول کر لیا۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کیا: جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا۔ آخر لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے، لیکن وہ اسلام سے نہیں ہٹتے تھے۔ ایک مسلمان عورت لائی گئی جس کے پاس دودھ پیتا بچہ تھا شاید بچہ کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی مگر بچے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آواز دی:

”اُمَاهُ اِصْبِرِيْ فَاِنَّكَ عَلٰی الْحَقِّ“^۱

تَرْجَمَہ: ”اماں جان! صبر کر یقیناً تو حق پر ہے۔“

فائدہ: معلوم ہوا کہ زندہ رکھنا اور موت دینا صرف اُسی ”الْمُحْجِيَةُ“ اور ”الْمُنِيَّةُ جَلَّالًا“ ہی کا کام ہے، بندہ اُس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا، لہذا اُسی ”الْمُحْجِيَةُ“ و ”الْمُنِيَّةُ جَلَّالًا“ ہی کی اطاعت اور فرمان برداری کرنی چاہئے۔

موت سے کوئی نہیں بچ سکتا

واقِعَةُ مُلْكِ بْنِ (۳۶): موت کا علاج بڑے بڑے سائنسدان اور فلسفی نہیں کر سکے۔ کہتے ہیں کہ افلاطون نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ موت کا علاج کر سکتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کو موت کا آخری وقت اور آخری لمحہ بتا دیا جائے۔ اس کی دعا قبول ہو گئی اور اس نے موت سے بچنے کا علاج اس طرح ڈھونڈا کہ طے شدہ وقت پر موت سے بچنے کے لئے اپنی شکل کی اٹھارہ مورتیاں بنائیں۔ ان تمام کو سلیقے سے کرسیوں پر رکھا، اور ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب ملک الموت آئے تو وہ دیکھ کر حیران ہوگا کہ یہاں تو بہت سے افلاطون موجود ہیں میں کس کی روح قبض کروں۔ فرشتے کو اسی الجھن میں دیر ہو جائے گی اور موت کا آخری مقررہ لمحہ گزر جائے گا۔ اس طرح وہ مرنے سے بچ جائے گا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر موت کا فرشتہ آیا اور دیکھ کر بولا: ”اے افلاطون! تو نے بڑا ہی کمال کر دکھایا ہے لیکن پھر بھی ایک فرق رہ گیا ہے۔“ اس پر افلاطون بول پڑا: ”وہ کون سا ہے؟“ فرشتے نے کہا: ”یہی فرق ہے کہ تو ناطق (بولنے والا) اور دیگر ناطق نہیں ہیں۔“ اس طرح یہ مدعی بھی اپنے دعویٰ میں ناکام رہا۔

خلاصہ یہ کہ موت سے کسی کو مفر نہیں، لہذا ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر کرنا چاہئے۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر سونے کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

”اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَى“

ترجمہ: ”اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔“

اور جب سو کر اٹھتے تو یوں فرماتے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ الدُّشُورُ“

ترجمہ: ”تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے ہمیں سلانے کے بعد جگایا اور اسی کی طرف (قیامت کے

دن) زندہ ہو کر جانا ہے۔“

فوائد و نصائح

۱ بندہ کا ان دونوں اسموں میں سے حصہ یہ ہے کہ اپنی زندگی اور موت کو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں سمجھے۔ بیماری، پریشانی میں شرکیہ تعویذ گنڈے، کاہنوں نجومیوں سے خبریں معلوم کروانا وغیرہ امور سے بچے، اس لئے کہ کوئی جن، کالاعلم، جادو، یہ مقررہ وقت سے پہلے مار نہیں سکتے، اور مقررہ وقت کے آنے پر شرکیہ تعویذ یا مزارات پر جا کر چادریں چڑھانا، یا غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا، یا پیر فقیر کے نام کی نیاز کرنا، وغیرہ زندگی میں اضافہ نہیں کر سکتے، پھر کتنی کم قسمتی کی بات ہوئی کہ زندگی کے اخیر لمحات میں غلط قسم کے عاملین، پروفیسر، جاہل پیر، اور مزارات پر جا کر شرک میں مبتلا ہو کر ان سے شفا اور زندگی کی بھیک مانگی جائے۔

۲ اس عارضی زندگی کو اللہ جل جلالہ کی رضا کی طلب میں خرچ کر کے آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کو سنوارے۔

۳ اللہ تعالیٰ سے موت بھی ایسے مانگے کے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو اور جب دنیا سے رخصت ہو تو ایمان کے ساتھ اور اعمال و اخلاق میں ترقی کے ساتھ دوسروں کے لئے بہترین نمونہ بن کر دنیا سے رخصت ہو۔

الحیۃ القیومہ جَلَّ جَلَالُہٗ

(ہمیشہ زندہ رہنے والا) (سب کو قائم رکھنے والا)

”الحیۃ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① ”(الْحَيُّ) فَإِنَّهُ يَعْنِي الَّذِي لَهُ الْحَيَاةُ الدَّائِمَةُ، وَالْبَقَاءُ الَّذِي لَا أَوَّلَ لَهُ يُحَدُّ، وَلَا آخِرَ لَهُ يُؤَمِّدُ إِذْ كَانَ كُلُّ مَا سِوَاهُ فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ حَيًّا فَلِحَيَاتِهِ أَوَّلٌ مَّحْدُودٌ، وَآخِرٌ مَّامُودٌ، يَنْقَطِعُ بِانْقِطَاعِ أَمَدِهَا، وَيَنْقَضِي بِانْقِضَاءِ غَايَتِهَا“

تَوَجِّهًا: ”امام طبری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الحیۃ جَلَّ جَلَالُہٗ“ رب تعالیٰ کا اسم مبارک ہے اور یہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جس کا وجود اور جس کی حیات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو اور اسے ایسی بقا حاصل ہو جس کی ابتداء کی کوئی حد ہی نہ ہو اور نہ ہی اس کی حیات کی کوئی انتہاء ہو، جب کہ اس کے سوا عالم میں جو کوئی بھی زندگی کی حامل ذات ہے اس کی ابتداء کی بھی حد ہے اور انتہاء بھی مقرر ہے، جب مدت حیات پوری ہو جائے گی تو وجود بھی ساتھ چھوڑ دے گا اور مدت کے ختم ہونے پر زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔“

② ”امام خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الحیۃ جَلَّ جَلَالُہٗ“ اللہ رب العزت کی صفت ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جو ہمیشہ سے موجود ہو اور ہمیشہ سے زندہ ہو زندگی اسے عدم کے بعد نہ ملی ہو (بل کہ ہمیشہ سے موجود ہو) اور نہ ہی زندگی کے بعد اس پر موت آسکتی ہو (بل کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہی رہے) جب کہ باقی تمام زندوں پر زندگی کی ابتداء سے پہلے عدم طاری ہوتا ہے کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا بل کہ زندگی کے بعد موت کا آنا لازمی ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾^۱ ”ہر چیز ختم ہوگی سوائے اُس کی ذات کے“^۲

۱۔ القصص: ۸۸

۲۔ ”(الْحَيُّ) مِنْ صِفَةِ اللَّهِ تَعَالٰی: هُوَ الَّذِي لَمْ يَزَلْ مَوْجُودًا وَبِالْحَيَاةِ مَوْصُوفًا، لَمْ تَحْدُثْ لَهُ الْحَيَاةُ بَعْدَ مَوْتٍ، وَلَا يَعْتَرِضُهُ الْمَوْتُ بَعْدَ الْحَيَاةِ، وَسَائِرُ الْأَحْيَاءِ يَعْتَوِرُهُمُ الْمَوْتُ أَوِ الْعَدَمُ فِي أَحَدِ طَرَفَيْ الْحَيَاةِ أَوْ فِيهِمَا مَعًا ﴿كُلُّ شَيْءٍ

هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (القصص: ۸۸، النهج الأسْمٰی: ۶۹/۲)

۳ " (الْحَيُّ): اُی الْحَيُّ فِی نَفْسِهِ الَّذِی لَا یَمُوتُ أَبَدًا" ۱۷

ترجمہ: "علامہ ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الْحَيُّ" کا معنی یہ ہے کہ "الحی القیوم جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اسے موت اور فنا نہیں۔"

"الْقَیُّوْمُ جَلَّ جَلَالُهُ" کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ قَالَ الْبِیْهَقِیُّ - رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی - : " (الْقَیُّوْمُ) هُوَ الْقَائِمُ الدَّائِمُ بِلَا زَوَالٍ" ۱۸

ترجمہ: "قیوم وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور کبھی بھی اس پر فنا طاری نہیں ہو سکتا۔"

۲ "هُوَ الْمُدَبِّرُ وَالْمُتَوَلَّى بِجَمِیعِ مَا یَجْرِی فِی الْعَالَمِ وَهُوَ عَلٰی هَذَا الْمَعْنٰی مِنْ صِفَاتِ

الْفِعْلِ" ۱۹

ترجمہ: "بعض حضرات نے فرمایا: "قیوم کے معنی یہ ہیں کہ جو عالم میں جاری تمام امور کا منتظم و نگران ہو۔"

اور اس معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ یہ صفت صفاتِ افعال میں سے ہے۔"

۳ " (الْقَیُّوْمُ) مِنْ قَامَ، اُی الْقَائِمُ بِتَدْبِیْرِ مَا خَلَقَ" ۲۰

ترجمہ: "امام قرطبی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی "الْقَیُّوْمُ" کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں: "الْقَیُّوْمُ" "قَامَ" سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو اپنی تمام مخلوق کے نظم و نسق کو چلانے والی ہے۔"

۴ "امام سعدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الحی القیوم جَلَّ جَلَالُهُ" ان دونوں اسماء کے معنی یہ ہیں:

مکمل طور پر حیات رکھنے والا اور بذاتِ خود قائم (اپنے قیام میں کسی کا بھی محتاج نہیں جب کہ باقی سب کے سب، ادنیٰ سے ادنیٰ تر وجود میں اس کے محتاج) آسمان و زمین والوں کو وجود بخشنے والا، ان کے رزق حتیٰ کہ تمام ضروریات کا انتظام کرنے والا۔ اس معنی کے اعتبار سے "الحی القیوم" تمام تر صفاتِ ذاتیہ کو جامع ہے اور "الْقَیُّوْمُ" تمام تر صفاتِ افعال کو یہ اسمِ مبارک شامل ہے۔" ۲۱

لفظِ حَی کے معنی اردو زبان میں ہیں "زندہ" یہ لفظ اسمائے الہیہ میں سے ہے، مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے، اور وہ موت سے بالاتر ہے۔" ۲۲

۱۷ تفسیر ابن کثیر: ۳۰۸/۱، البقرة: ۲۵۵ ۱۸ النهج الاسمی: ۷۵/۲ ۱۹ النهج الاسمی: ۷۵/۲ ۲۰ النهج الاسمی: ۷۶/۲

۲۱ قَالَ السَّعْدِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی: " (الْحَيُّ الْقَیُّوْمُ) کَامِلُ الْحَیَاةِ، وَالْقَائِمُ بِنَفْسِهِ، الْقَیُّوْمُ لِأَهْلِ السَّمَوٰتِ وَالْأَرْضِ، الْقَائِمُ بِتَدْبِیْرِہُمْ وَأَرْزَاقِہُمْ وَجَمِیعِ أَحْوَالِہُمْ، فَالْحَيُّ الْجَامِعُ لِصِفَاتِ الذَّاتِ، وَالْقَیُّوْمُ: الْجَامِعُ لِصِفَاتِ الْأَفْعَالِ " (تیسیر الکَرِیْمِ

الرحمن: ۳۰۳/۵)

۲۲ معارف القرآن: ۶۱۵/۱

اللہ تعالیٰ کو کسی وقت کسی سے بھی کسی قسم کا خطرہ نہیں

جو زندہ ہو اور موت سے بالاتر ہو اور نافرمانوں کو ان کے گناہوں پر پکڑے، اسے اس کا خدشہ تو ہوتا نہیں کہ پلٹ کر وہ اس ذات کا کچھ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی**، سورۃ الشمس (پ ۳۰) کی آخری آیت **﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا﴾** ”اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے۔“ کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ کے عذاب اور (نافرمانی کی بناء پر) کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھو کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحب قوت و شوکت بھی جب کوئی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے تو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے بقایا یا ان کے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بغاوت کرنے لگیں، غرض دنیا میں دوسروں کو مارنے والا خود بھی بے خطر نہیں رہتا، جو دوسروں پر حملہ کرتا ہے، اس کو اپنے پر حملے کا خطرہ بھی لازماً برداشت کرنا پڑتا ہے، بجز حق تعالیٰ شانہ کے کہ اس کو کسی وقت کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔^۱

یہ اسماء مبارکہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر آئے ہیں جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ **﴿اِنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾**^۲

۲ **﴿اَلَمْ یَرَ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾**^۳

۳ **﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْہُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾**^۴

پریشانی اور مشکل مراحل کی دعا

حضرت انس **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** سے روایت ہے کہ نبی کریم **ﷺ** بھی پریشانی، غم اور مشکل اوقات میں اکثر۔

”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ“^۵ کہہ کر الحاج وزاری سے دعا مانگا کرتے تھے۔

”کہ اے وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی اور جو خود بھی اپنی جامع صفات کے ساتھ قائم و دائم ہے

اور اسی کے حکم سے سارا نظام بھی قائم ہے، میں تیری رحمت کا فریادی ہوں، تو ہی مشکل حل فرما اور پریشانی دور فرما۔“

اس میں بھی غور طلب بات یہ ہے کہ شدید مشکل میں **”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ“** کی صفت کا تذکرہ کر کے دعا مانگی کہ اے

وہ ذات جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اور وہ ذات جو تغیر اور زوال سے پاک ہے، اور کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا،

^۱ معارف القرآن: ۷۵۳/۸ ^۲ البقرة: ۲۵۵ ^۳ ال عمران: ۲۰۱

^۴ طہ: ۱۱۱ ^۵ ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲

اور اے وہ ذات جو حیاتِ ذاتیہ کی مالک ہے، اس نے حیات (معاذ اللہ) کسی سے مستعار نہیں لی، نہ کبھی عدم اس کے سابق حال ہوا، نہ کبھی موت اس کے لاحق حال ہوگی، بل کہ کل کائنات کی حیات و بقاء اور زوال و موت اس کے قبضہ میں ہے پس ایسی عظمت والی اے ”حَیِّ وَ قَیُّوْمُ“ ذات! ہماری مدد فرما دشمن کے مقابلے میں بھی، نفس اور شیطان کے مقابلے میں بھی۔

ایسی ذات نے جو ”الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ“ ہے، جان داروں کو حیات بخشی اپنی خاص قدرتِ قاہرہ سے، ساری کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا غلام ہے۔ خود وہ کسی کا بھی محتاج نہیں، جس سے چاہے جو کام لے، ہر ایک کی زندگی عدم سے وجود بقاء استعمال نفع و نقصان تأثیر اور زوال اور موت اُسی کے امرِ مَحْن کی محتاج ہے۔ ایک پانی ہی کا عنصر لیجئے، اس سے ہر جان دار کو زندگی اور بقاء بخشی ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَیٍّ أَفَلَا یُؤْمِنُونَ﴾^۱

ترجمہ: ”اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے، پھر کیا یقین نہیں کرتے۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ”مراد یہ ہے کہ ہر جان دار کی تخلیق میں پانی کا دخل ضرور ہے اور جان دار اور ذی روح، اہل تحقیق کے نزدیک صرف انسان اور حیوانات ہی نہیں بل کہ نباتات و جمادات میں (بھی) روح اور حیات محققین کے نزدیک ثابت ہے، ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں، تحقیق یہی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی حیات و شعور بقدر ان کی حیثیت کے موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق اور ایجاد اور ارتقاء میں بڑا دخل ہے۔“^۲

خلاصہ یہ ہے: ”وہ ذات“ ”الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ“ اپنی قدرت سے جس شے کو بھرپور زندگی، یا زندگی کی کچھ رمق دیدے، وہ زندگی کی حامل کہلاتی ہے۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ انسانی آنکھ کو مکمل طور پر جس کی زندگی کا ادراک نہ ہو، وہ انسانوں یا حیوانات اور پرندوں اور حشرات الارض کی طرح باقاعدہ ذی روح اور جان دار نہیں کہلاتیں، نیز سب سے زیادہ کامل و مکمل حیات انسان کو عطاء فرمائی، جس میں یہ صلاحیت بھی رکھ دی کہ وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت ایک خاص حد تک حاصل کر سکے اور یہ معرفت ہی بناءِ تکلیف احکامِ شرعیہ ہے۔ (یعنی اللہ کی یہ پہچان جو انسان کے حصہ میں آئی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ احکامِ شرعیہ کا مکلف ہے اور دوسرے موجودات، جمادات، نباتات، حیوانات نہ اس طرح کے جان دار ہیں نہ ہی احکام کے مکلف ہیں)۔“

”الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ“ ذات نے ہی جس کو چاہا، جس درجہ کا چاہا شعور و حس اور حیات دی ہے۔ اور اسی حیات کا حکم واپس لے لینے کا نام فناء اور موت کا طاری ہو جانا ہے، اور پھر اس زندہ اور قائم کے حکم سے دوسرے عالم میں

منتقل کیا جانا اور اُسی کے سامنے حاضر ہونا اور ساری زندگی کے اعمال کا جواب و حساب دینا، ضرور واقع ہوگا۔ وہی زندہ اور قائم ہے، جو ہم سے بھی پہلے خود ہماری ہی ضروریات اور مصالح کو جانتا ہے، ہمارے نفع و نقصان کی چیزوں سے پورا باخبر ہے۔

﴿الَّا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ.....﴾

ترجمہ: ”بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا۔“

﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ﴾

ترجمہ: ”اور ہم نہیں ہیں خلق (مخلوقات) سے بے خبر۔“

جب ہم نہ تھے اور کچھ بھی نہ تھا وہ جب بھی تھا اور جب کچھ بھی نہ ہوگا تب بھی وہ ہوگا۔ اُسی ”الْحَيُّ الْقَيُّومُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے جو سارے عالموں کا رب ہے محبت کرنی ہے، وہی نفع رسانی کے ظاہری نقشوں میں حیات ڈالتا ہے، تب ہی وہ ہمیں فائدہ دے رہی ہیں۔ جو اس کے غیر سے محبت کرے گا اس کے غیر کے لئے استعمال ہوگا تو وہ ”الْحَيُّ الْقَيُّومُ جَلَّ جَلَالُهُ“ اس بات کا محتاج نہیں کہ پہلے اسباب غائب کرے، پھر ہمیں تنبیہ کرے بل کہ وہ ”الْحَيُّ الْقَيُّومُ جَلَّ جَلَالُهُ“ جو سب چیزوں سے فائدہ نکالنے پر قادر ہے۔

ان اسباب سے نفع کا حکم واپس لے لے گا وہ چیزیں جوں کی توں موجود ہوتے ہوئے مثلِ مردہ کے ہوں گی، کچھ کام نہ دیں گی، کیوں کہ وہ ”الْحَيُّ الْقَيُّومُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ان سے نفع نکلنے کا حکم ختم کر دے گا۔ نفع کے خزانے بند کر دے گا، ساری کائنات اس نافرمان انسان کے لئے مُردہ جسم کی طرح ہو جائے گی، کہ اپنی ذات سے موجود مگر بے روح کے جسم کی طرح فائدہ پہنچانے سے عاری ہوگی۔

ان دو اسماء کی مثال آسمانوں پر دو چمکتے میناروں کی طرح ہے

اور علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی قصیدہ نونیہ میں فرماتے ہیں:

الملك: ۱۴

المؤمنون: ۱۷

۵

هَذَا وَمِنْ أَوْصَافِهِ الْقَيُّومُ وَالْ	قَيُّومٌ فِي أَوْصَافِهِ أَمْرَانِ
إِحْدَاهُمَا الْقَيُّومُ قَامَ بِنَفْسِهِ	وَالْكُونُ قَامَ بِهِ هُمَا الْأَمْرَانِ
فَالْأَوَّلُ اسْتِغْنَاءٌ عَنْ غَيْرِهِ	وَالْفَقْرُ مِنْ كُلِّ إِلَيْهِ الثَّانِي
وَالْوَصْفُ بِالْقَيُّومِ دُوشَانٍ عَظِيمٍ	هَكَذَا مَوْصُوفُهُ أَيْضًا عَظِيمُ الشَّانِ
وَالْحَيُّ يَتْلُوهُ فَأَوْصَافُ الْكَمَالِ	هُمَا لِأَفْقَى سَمَانِيهَا قُطْبَانِ

”اللہ رب العزت کی صفات میں سے ”الحی القیوم جَلَّ جَلَالُهُ“ بھی ہے اور صفت قیومیت دو طرح سے ہے۔ ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بذات خود قائم ہیں۔ اور دوم یہ کہ ساری کی ساری کائنات بھی اللہ رب العزت کے قائم فرمانے کی وجہ سے موجود ہے اور یہ دونوں باتیں الگ الگ معنی رکھتی ہیں۔

پہلی بات کہ اللہ تعالیٰ بذات خود قائم ہیں یعنی وہ کسی بھی امر میں غیر کے محتاج نہیں بل کہ وہ ہر اعتبار سے مستغنی ہیں، اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر موجود شے، ہر ہر قدم پر اللہ رب العزت کی محتاج ہے۔ یہ اسم مبارک ”الحی القیوم جَلَّ جَلَالُهُ“ بڑی شان والا ہے اور جس ذات کا یہ نام ہے اس کی شان کا تو کہنا ہی کیا! اور صفت مبارکہ ”الحی القیوم جَلَّ جَلَالُهُ“ کے ساتھ ہی ہوتی ہے اور یہ تمام اسماء آسمان پر چمکتے تاروں کی طرح ہیں جن میں ان دو اسماء کی مثال دو میناروں کی سی ہے جو اس آسمان کے کناروں پر نصب ہیں، پس ”الحی القیوم جَلَّ جَلَالُهُ“ اور ”الحی القیوم جَلَّ جَلَالُهُ“ ایسے دو اسماء ہیں جو جدا نہیں ہوتے اور عموماً ایک ساتھ ہی بیان کئے جاتے ہیں۔“

لفظ قیوم قیام سے نکلا ہے، قیام کے معنی ہے کھڑا ہونا، قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں۔ قیوم اور قیام مبالغے کے صیغے کہلاتے ہیں، ان کے معنی ہیں وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾^۱

لفظ قیوم نے جب یہ بتلایا کہ اللہ جل شانہ سارے آسمانوں، زمینوں اور ان میں سمانے والی تمام کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہیں، اور ساری کائنات اسی کے سہارے قائم ہے، تو ایک انسان کا خیال اپنی عادت و فطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکن بھی ہوتی ہوگی، کچھ وقت آرام اور نیند کے لئے بھی ہونا چاہئے، اس دوسرے جملے میں محدود علم و بصیرت اور محدود قدرت رکھنے والے انسان کو اس پر متنبہ کر دیا کہ اللہ جل شانہ کو اپنے اوپر یا دوسری مخلوقات پر قیاس نہ کرے، اپنے جیسا نہ سمجھے، وہ مثل و مثال سے بالاتر ہے، اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے یہ سارے کام نہ کچھ مشکل ہیں، نہ اس کے لئے تھکن کا سبب ہیں، اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات..... اور تھکان و تعب..... اور اونگھ اور نیند..... سے بالاتر ہے۔^۲

سورہ آل عمران کی پہلی آیت ﴿الْمَلِكُ ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝﴾ میں توحید کی عقلی دلیل مذکور ہے، کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ اُن کے سوا کوئی معبود بنانے کے قابل نہیں، لفظ ﴿الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ سے توحید کی عقلی دلیل بیان

فَالْحَيُّ وَالْقَيُّومُ لَنْ تَتَخَلَّفَ الْ
أَوْصَافُ أَصْلًا عَنْهُمَا بَيَانِ

کی گئی ہے، جس کی تشریح یہ ہے کہ عبادت نام ہے اپنے آپ کو کسی کے سامنے انتہائی عاجز و ذلیل کر کے پیش کرنے کا، اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ جس کی عبادت کی جائے وہ عزت و جبروت کے انتہائی مقام کا مالک اور ہر اعتبار سے کامل ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز خود اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے، اپنے وجود اور اس کی بقاء میں دوسرے کی محتاج ہو، اس کا عزت و جبروت میں کیا مقام ہو سکتا ہے؟

اس لئے بالکل واضح ہو گیا کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، نہ خود اپنے وجود کی مالک ہیں اور نہ ہی اپنے وجود کو قائم رکھ سکتی ہیں، وہ خواہ پتھر کے تراشیدہ بت ہوں..... یا پانی اور درخت ہوں..... یا فرشتے اور پیغمبر ہوں..... ان میں کوئی بھی لائق عبادت نہیں، لائق عبادت وہی ذات ہو سکتی ہے جو ہمیشہ سے زندہ و موجود ہے اور ہمیشہ زندہ و قائم رہے گی، اور وہ صرف **الْحَيُّ الْقَيُّومُ** کی ذات ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

عیسائی حضرت عیسیٰ **عَلَيْهِ السَّلَام** کو **اللہ** یا **ابن اللہ** یا تین میں سے (یعنی تین خداؤں میں سے) ایک مانتے ہیں، گویا اس سورت مبارکہ میں ان کو کہا جا رہا ہے کہ جب عیسیٰ **عَلَيْهِ السَّلَام** بھی **اللہ** تعالیٰ کی مخلوق ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، اور ان کا زمانہ ولادت بھی کائنات پیدا کئے جانے سے بہت عرصہ بعد کا ہے تو پھر وہ **اللہ** یا **اللہ** کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہوتا تو انہیں مخلوق کے بجائے **الہ** کی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہئے تھا، نیز ان پر موت بھی نہیں آنی چاہئے، لیکن ایک وقت آئے گا کہ انہیں بھی موت آ جائے گی، اور عیسائیوں کے بقول موت ان پر آ چکی ہے جب کہ **اللہ** تو ایسی ذات ہے جس پر موت آ ہی نہیں سکتی۔

اسم اعظم

”**اللہ** **جَلَّ جَلَالُهُ**“ کے صفاتی ناموں میں ”**الحی القیوم** **جَلَّ جَلَالُهُ**“ کا مجموعہ بہت سے حضرات کے نزدیک اسم اعظم ہے، حضرت علی مرتضیٰ **رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** فرماتے ہیں: غزوہ بدر میں میں نے ایک وقت یہ چاہا کہ حضور **ﷺ** کو دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں، پہنچا تو دیکھا کہ آپ **ﷺ** سجدہ میں پڑے ہوئے بار بار ”**يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ، يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ**“ کہہ رہے ہیں۔

”**القیوم**“ حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی، کیوں کہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقاء میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ کسی دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہیں؟

اس لئے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں، جو لوگ عبد القیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں گناہ گار ہوتے ہیں۔ (اور جن کے سامنے یوں کہا جا رہا ہو اور وہ روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو یوں سننے والے بھی گناہ گار ہوتے ہیں)۔

اسم مبارک ”القیوم جل جلالہ“ سے حاصل ہونے والے ایمانی ثمرات

ان کو پڑھنے سے پہلے دعا کر لیجئے: ”اے اللہ! یہ ایمانی ثمرات ہم سب کو نصیب فرما۔“

۱ ”اللہ رب العزت نے اپنی صفت ”القیوم“ بیان فرمائی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے: اللہ جل جلالہ اپنے موجود ہونے اور ہمیشہ رہنے میں کبھی بھی غیر کا محتاج نہیں، وہ دوسروں کو تو کھلاتا ہے لیکن خود نہیں کھاتا، وہ غیر کا یا اپنی مخلوق کا کیسے محتاج ہو سکتا ہے حالاں کہ ساری کی ساری مخلوق اسی کے حکم سے قائم ہے، اسی ”الحی القیوم“ نے انہیں وجود بخشا ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہی کا وجود ”ذاتی“ ہے۔“

۲ ”یقیناً جو شخص اپنے رب کی اس صفت ”القیوم“ کو پہچان لیتا ہے، وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کا دل مخلوق سے بالکل ہی ہٹ کر خالق ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ دیگر ساری مخلوق اسی کی طرف محتاج ہے حتیٰ کہ اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں مرنے کے بعد زندہ ہونے میں اپنے دین و دنیا میں تمام چیزوں میں یہ سب اپنے پیدا کرنے والے کے محتاج ہیں لہذا مخلوق سے امید باندھنے کی کسی قسم کی توقع رکھنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔“

۳ ”اللہ رب العزت کی ذات ”قیوم“ ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گی اس کی ”قیومیت“ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اسے نیند نہیں آتی، نیند تو کجا اسے اونگھ بھی نہیں آتی۔ نیند یا اونگھ آنا تو مخلوق کی خاصیت ہے وہ اس سے بری ہے۔“

۴ ”اس اسم مبارک ”القیوم جل جلالہ“ کو قرآن مجید میں تین مقامات پر ”الحی القیوم“ کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا گیا ہے، ان دونوں اسماء کو ملا دینے سے یہ اسماء، تمام صفات کمال کے جامع بن گئے ہیں اور دونوں اسماء کا ملا دیا جانا اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام صفات باری تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم و دائم ہیں، اور ان میں کمی یا فنا کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں اسی لئے تو ایہ الکرسی قرآن مجید کی بڑی آیات میں سے ہے کیوں کہ اس میں ان دونوں صفات کا ذکر ہے۔“

حدیث شریف میں ارشاد مبارک ہے:

۱ ”وَصَفُ اللّٰهُ تَعَالٰی ذَکْرَهُ بِاَنَّهُ قَیُّوْمٌ بِنَفْسِهِ، لَا یَحْتَاجُ فِی قِیَامِهِ وَدَوَامِهِ اِلٰی اَحَدٍ، یُطْعَمُ وَلَا یُطْعَمُ، وَکَیْفَ یَحْتَاجُ اِلٰی غَیْرِہٖ اَوْ اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِہٖ، وَہُمْ اَنْفُسُہُمْ لَا قِیَامَ لَہُمْ اِلَّا بِاِقَامَةِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ لَہُمْ؟ فِقِیَامُہٗ تَعَالٰی بِذَاتِہٖ وَلَیْسَ ذٰلِکَ اِلَّا لَہٗ تَعَالٰی۔“

۲ ”وَلَا شَکَّ اَنَّ مَنْ عَرَفَ ہٰذِہٖ الصِّفَۃَ فِی رَبِّہٖ تَوَكَّلَ عَلَیْہِ، وَانْقَطَعَ قَلْبُہٗ عَنِ الْخَلْقِ اِلَیْہِ، وَذٰلِکَ اَنَّہُمْ مُّحْتَاجُونَ مُفْتَکِرُونَ مِثْلَہٗ اِلٰی خَالِقِہُمْ فِی قِیَامِہُمْ وَقُعُودِہُمْ، وَحَیَاتِہُمْ وَبَعْدَ مَمَاتِہُمْ، فِی دِیْنِہُمْ وَدُنْیَاہُمْ، فَکَیْفَ یَرْجُوہُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ؟“

۳ ”وَمِنْ کَمَالِ قَیُّوْمِیَّتِہٖ تَعَالٰی اَنَّهُ لَا یَنَامُ، اِذْ ہُوَ مُخْتَصٌّ بِعَدَمِ السَّیْنَةِ وَالتَّوْمِ دُونَ خَلْقِہٖ فَاِنَّہُمْ یَنَامُونَ“

۴ ”اِفْتَرَنَ ہٰذَا الْاِسْمُ بِالْحَیِّ فِی ثَلَاثَہٗ مَوَاضِعَ کَمَا سَبَقَ، وَ اِفْتَرَانُہٗ بِالْحَیِّ یَسْتَلْزِمُ صِفَاتِ الْکَمَالِ، وَیَدُلُّ عَلٰی بَقَائِہَا وَدَوَامِہَا، وَالتَّفَافُ النَّقْصِ وَالْعَدَمِ عَنْہَا اَزْلاً وَابْداً، وَلِہٰذَا کَانَ قَوْلُہٗ“ (اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ) (النهج الاسمی: ۲/۷۷، البقرة: ۲۵۵)

”عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مَعَكَ أَعْظَمُ؟“ قَالَ قُلْتُ: ”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ“ قَالَ: ”يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مَعَكَ أَعْظَمُ؟“ قَالَ قُلْتُ: ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ قَالَ: فَضَرَبَ عَلَى صَدْرِي وَقَالَ: ”لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ“^۱

ترجمہ: ”حضرت ابی بن کعب رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے ابو منذر! ”كتاب اللہ“ کی کون سی آیت عظمت میں سب سے بڑھ کر ہے؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے (پھر) فرمایا: اے ابو المنذر! کتاب اللہ کی کون سی آیت عظمت میں سب سے بڑھ کر ہے؟ میں نے کہا: ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ آپ ﷺ نے میرے سینے پر دست مبارک مارا اور فرمایا: اے ابو منذر! تجھے تیرا علم مبارک ہو۔“

”بہت سی احادیث مبارکہ ان دونوں اسماء کی عظمت پر شاہد ہیں اور ان دونوں اسماء کو ملا کر دعا کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے ان دونوں اسماء کو اسم اعظم قرار دیا ہے۔

حضرت انس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: ”میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اس نے یہ دعا مانگی (جسے حاشیہ میں نمایاں کیا گیا ہے):

اے اللہ! میں تجھ سے ان کلمات کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ تمام تعریفیں صرف تیرے ہی لئے ہیں..... معبود تیرے سوا کوئی نہیں..... پس تو ہے تیرا کوئی شریک نہیں..... تو بڑا مہربان بڑا دینے والا ہے..... آسمانوں اور زمین کا کسی نمونے کے بغیر بنانے والا ہے..... اے بزرگی اور بخشش والے..... اے سدا زندہ رہنے والے..... اور سب کی ہستی قائم رکھنے والے.....، تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ اس کے واسطے سے جب بھی دعا کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں اور جب بھی سوال کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرماتے ہیں۔“^۲

اسی طرح حضرت ابن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

۱۔ مسلم فضائل القرآن، باب فضل سورة الكهف و آية الكرسي: ۲۷۱/۱، رقم: ۲۵۸

۲۔ ”جَاءَ فِي السُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ مَا يَدُلُّ عَلَى عَظَمَةِ هَذَيْنِ الْأَسْمَاءَيْنِ، وَالِدُعَاءِ بِهِمَا مُجْتَمِعَيْنِ، حَتَّى قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ إِنَّهُمَا الْأَسْمُ الْأَعْظَمُ لِلرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى، كَمَا فِي حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّي فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ، بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”دَعَا اللَّهُ بِأَسْمِهِ الْأَعْظَمِ، الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، وَ إِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ“ (ابوداؤد: كتاب الصلوة، باب الدعاء: ۲۱۰/۱، التهج الاسمي: ۷۸/۲)

”جس شخص نے تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے اس کی مغفرت کر دی جائے گی اگرچہ وہ میدان جہاد سے بھاگا ہو۔“
کلمات یہ ہیں:

”اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔“^۱

ترجمہ: ”میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہیں، قائم رہنے والے ہیں، اور ان ہی کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔“

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اپنے بستر پر آکر یہ کلمات تین مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیں گے، اگرچہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں یا ریت کے ذرات کے برابر ہوں یا درخت کے پتوں کے برابر ہوں۔“ (وہ کلمات اوپر مذکور ہیں) ^۲

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشاد فرمایا: میری نصیحت غور سے سنو۔ تم صبح و شام کہا کرو:

”اے ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو قائم رکھنے والے! میں آپ کی رحمت کا واسطہ دے کر فریاد کرتا ہوں، کہ میرے سارے کام درست فرما دیجئے اور مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ فرمائیے۔“ (عربی میں دعائیچے حاشیہ میں خط کشیدہ کی گئی ہے) ^۳

فوائد و نصائح

بندے کا ان اسماء مبارکہ سے حصہ یہ ہے:

۱ اپنی زندگی ”الحیۃ القیومہ جل جلالہ“ کی اطاعت میں گزارے اور یہ یقین پیدا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں سب کو ایک دن ختم ہونا ہے۔

۲ گناہ گار گناہ سے بچنے میں مشقت اٹھا کر اگر ایک جان قربان کرتا ہے تو وہ ”الحیۃ القیومہ جل جلالہ“ اپنے نام پر

۱ ابوداؤد، الوتر، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۵۱۷

۲ ”مَنْ قَالَ حِينَ يَأْوِي إِلَى فِرَاشِهِ: ”اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ“ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ ذُنُوبَهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ، وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ، وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ عَدَدِ وَرَقِ الشَّجَرِ۔“ (مسند احمد: ۱۰/۳، رقم: ۱۰۶۹۰)

۳ ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَسْمَعِي مَا أَوْصِيكَ بِهِ أَنْ تَقُولِي إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتِ: ”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ، أَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ وَلَا تَكِلْنِيْ إِلَى نَفْسِيْ طَرَفَةَ عَيْنٍ۔“ (مستدرک للحاكم، كتاب الدعاء والتكبير: ۷۳۹/۱)

مر مٹنے والوں کو اس کے بدلے سو جان عطاء کرتا ہے۔ اگر اس ”الحیۃ القیومۃ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کے لئے عمل کیا جائے، دل کا ارمان گھونٹا جائے، تو وہ ذات اس عمل کو اور اس کے اجر کو بھی قائم رکھے گی۔ کیوں کہ وہ خود ”الحیۃ القیومۃ“ ہے تو خاص اس کی ذات کے لئے، اسی کی بتائی ہوئی شرائط کے ساتھ جو عمل کیا جائے گا اور عمل باقی رکھنے کی شرائط پر بھی عمل کیا جائے گا تو وہ عمل بھی باقی رہے گا۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعاؤں میں سے یہ ایک دعا ہے جسے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور مانگا کرتے تھے، ہمیں بھی چاہئے کہ اس دعا کو پابندی سے مانگا کریں:

”اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ أَمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنْبَتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي

أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْ تُضِلَّنِي، أَنْتَ الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجَنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوتُونَ“^۱

ترجمہ: ”اے اللہ! میں نے تیرے سامنے اپنی گردن جھکا دی، میں نے تجھ کو دل سے مانا، صرف تیری ہی ذات پر میں نے بھروسہ کیا، صرف تیری ہی طرف متوجہ ہوا اور جس سے جھگڑا کیا تیری ہی مدد سے کیا۔

اے اللہ! میں تیری عزت و غلبہ کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تو مجھے سیدھی راہ سے بھٹکا دے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا زندہ ہے کہ تجھ پر کبھی موت نہیں آ سکتی، جب کہ سارے کے سارے جن و انس مرجائیں گے۔“

علامہ ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا وظیفہ

۳ علامہ ابن تیمیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جو شخص چالیس مرتبہ ہر دن فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان

”يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ“

ترجمہ: ”اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے ہمیشہ قائم رہنے والے! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری رحمت کے

ذریعہ سے مدد چاہتا ہوں۔“

پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل کو زندہ فرمائیں گے اور وہ دل مردہ ہونے سے بچا رہے گا۔^۲

۴ جب اس کے دل و دماغ میں یہ بات واضح طور پر آگئی کہ ہر چیز کو زندگی دینے والا اور قائم رکھنے والا ”الحیۃ القیومۃ جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہی ہے تو مخلوق سے امیدوں کو ختم کر دے۔ اس لئے کہ ہماری ہر ضرورت ہر مصلحت اور ہمارے نفع و

نقصان سے اللہ تعالیٰ پورے پورے باخبر ہیں، اپنی ضرورتیں اور حاجتیں صرف اور صرف ”الحیۃ القیومۃ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کی

بارگاہ میں پیش کرنی چاہئے۔

۵ صرف اسی ذات کی اتباع کو لازم پکڑے اور اللہ کے غیر کی ماننے میں آخرت کا نقصان سمجھے۔

۶ اسی کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ ”الحی القیوم جل جلالہ“ کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورتیں اور حاجتیں مانگے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کیا خوب انداز میں اپنی حاجت ”الحی القیوم جل جلالہ“ کے سامنے پیش کر رہے

ہیں:

يَا مَنْ تَحَلُّ بِذِكْرِهِ
اے وہ ذات جس کے مبارک نام کی برکت سے
يَا مَنْ إِلَيْهِ الْمُشْتَكِي
اے وہ ذات جو ہم سب کی فریاد رس ہے
يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا
اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے مخلوق کو سنبھالنے والے
أَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَى الْعِبَا
آپ ہی بندوں کے نگران ہیں
أَنْتَ الْعَلِيمُ بِمَا بَلْبُ
آپ خوب جانتے ہیں ان چیزوں کو جس کو
أَنْتَ الْمُعِزُّ لِمَنْ أَطَا
آپ ہی فرماں برداروں کو عزت بخشتے ہیں
أَنْتَ الْمُنْزِعُ يَا بَدِيعَ الْخَلْقِ
اے مخلوق کو ابتداء پیدا کرنے والے
إِنِّي دَعَوْتُكَ وَالْهُمُومُ
میں نے آپ کو پکارا ہے ایسی حالت میں کہ

عَقْدُ النَّوَائِبِ وَالشَّدَائِدِ
مشکلات و مصائب سے نجات حاصل کی جاتی ہے
وَالْيَهْ أَمْرُ الْخَلْقِ عَائِدِ
جس کی طرف کل مخلوق کے امور لوٹتے ہیں
صَمَدُ تَنْزَعٍ عَنْ مُضَادِّ
اے اضداد سے پاک بے نیاز ذات
دِ وَأَنْتَ فِي الْمَلَكُوتِ وَاحِدِ
اور آپ ہی اپنی بادشاہی میں یکتا ہیں
تَ بِهِ وَأَنْتَ عَلَيْهِ شَاهِدِ
آپ نے بوسیدہ کر دیا اور آپ اس پر نگران ہیں
عَكَ وَالْمُذِلُّ لِكُلِّ جَا حِدِ
اور آپ ہی منکرین کو ذلیل فرماتے ہیں
عَنْ وَلَدٍ وَوَالِدِ
آپ کی ذات والد و ولد کے عیب سے پاک ہے
جِيُوشَهَا قَلْبِي تُطَارِدِ
غموں کے لشکر نے میرے قلب پر حملہ کر دیا ہے

(دیوان الامام الشافعی، يوم الدعاء: ۱۲۰)

الْوَلَدُ جَلَّالَهُ

(ہر چیز کو پانے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "الْوَّاحِدُ بِالْجِمِّ أَيُّ الَّذِي يَجِدُ كُلَّ مَا يُرِيدُهُ وَيَطْلُبُهُ وَلَا يَفُوتُهُ شَيْءٌ."

ترجمہ: "ملا علی قاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الْوَلَدُ" "جیم کے ساتھ" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جس شے کا بھی ارادہ اور طلب کرے، اُسے فوراً پالے اور کوئی چیز اُس ذات کی دست رس میں آئے بغیر رہ نہ سکے۔"

۲ "وَقِيلَ مَعْنَاهُ الْغَنِيُّ مَا خُوذُ مِنَ الْوُجْدِ قَالَ تَعَالَى: ﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ﴾"

ترجمہ: "ملا علی قاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ "الْوَلَدُ"، "الْغَنِيُّ" کے معنی میں ہے اور یہ ماخوذ ہے "وُجْد" سے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو۔"

عربی زبان میں واجد غنی کو کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ سب کچھ پاتا ہے مگر پانے کا مفہوم انسانوں کے اعتبار سے ایسا ہے کہ پہلے نہ تھا پھر پالیا یا گمشدہ چیز کو پالیا۔ مگر ذات باری تعالیٰ کو جو **وَاجِد** کہا جاتا ہے وہ اس اعتبار سے نہیں کہا جاتا۔ ذات باری تعالیٰ چوں کہ نفع و نقصان سے بالاتر ہے لہذا وہ ہمیشہ واجد ہی رہتا ہے۔ انسان و حیوان اور اس کی دیگر مخلوقات کبھی واجد اور کبھی غیر واجد بنتی رہتی ہیں۔^۴

اللہ تعالیٰ اس لئے **وَاجِد** ہے کہ جملہ موجودات پر اسے احاطہ حاصل ہے۔ وہ ذات **وَاجِد** ہے اور جملہ مطلوبات و کمالات ذاتیہ کا وجود اسے ہمیشہ سے حاصل ہے۔ اسم "الْوَلَدُ" "وُجْد" سے بھی بن سکتا ہے **وُجْد** کے معنی تو نگری و غنا ہیں۔

۴ شرح اسماء الحسنیٰ للأزہری: ۴۸۹

۵ الطلاق: ۶، مرقاة شرح مشکوٰۃ: ۹۵/۵

یہ اسم ”وجود“ سے بھی بن سکتا ہے، وجود کے معنی ”ہستی“ کے ہیں۔^۱
وہ ذات ”الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اب وجود باری تعالیٰ پر چند دلائل پیش خدمت ہیں:

”الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے وجود پر دلائل

۱ ”جسم انسانی کا عصبی نظام“

یوں تو کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ تعالیٰ کی موجودگی کی گواہی دے رہا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے وجود کی سب سے بڑی نشانی اور سب سے بڑی دلیل تو خود انسان ہے۔ اسی لئے قرآن میں کہا گیا: ﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾^۲
انسان کے عصبی نظام پر غور کیجئے کہ کس قدر دقیق اور مربوط ہے۔ جدید تحقیق بتلاتی ہے کہ انسان کے اندرونی مواصلاتی نظام کا مرکز اس کا بھیجا ہے، ہر بھیجے میں تقریباً ایک ہزار ملین عصبی خانے ہیں۔ ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم کے اندر پھیلے ہوئے ہیں، ان تاروں پر خبر وصول کرنے اور دوسرے اعضاء کو حکم بھیجنے کا ایک نظام تقریباً ۷۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاری رہتا ہے، ان ہی اعصاب کے ذریعے ہم چکھتے ہیں..... سنتے ہیں..... دیکھتے ہیں..... محسوس کرتے ہیں..... اور سارا عمل کرتے ہیں..... زبان میں تین ہزار ذائقے کے خانے ہیں، جن میں ہر ایک علیحدہ عصبی تار کے ذریعہ دماغ سے جڑا ہوا ہے۔ کان میں ایک لاکھ کی تعداد میں سماعتی خانے ہیں، ان خانوں سے ایک نہایت پیچیدہ عمل کے ذریعہ ہمارا دماغ سنتا ہے۔

ہر آنکھ میں ۳۰ ملین خانے ہوتے ہیں جو تصویری مجموعے دماغ کو بھیجتے ہیں۔ تمام جلد میں بھی حسیاتی ریشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اگر ایک گرم چیز جلد کے سامنے لائی جائے تو تقریباً تین ہزار گرم خانے اس کو محسوس کر کے فوراً دماغ کو اس کی خبر دیتے ہیں، اسی طرح جلد میں دو لاکھ پچاس ہزار خانے ایسے ہیں جو سرد چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔

کہاں تک بتایا جائے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنا منظم اور مربوط نظام کیا خود بخود اتفاقاً وجود میں آ گیا ہے؟
انسان کا خلیاتی اور اعصابی نظام چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ نہیں ایسا ہرگز نہیں بل کہ یہ تو کسی بہت ہی باریک بین اور لطیف و خیر صناع کی کاری گری ہے۔

۲ کائناتی نظام

سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ کائنات پانچ سو ملین (ایک ملین دس لاکھ کے برابر) کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ ساری کہکشاؤں مسلسل گردش کر رہی ہیں، چاند مسلسل

۱ شرح اسماءِ حسنی: ۲۱۸ (منصور پوری)

۲ الذریت: ۲۱

گھوم رہا ہے، زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے، سورج چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے، پھر سیاروں میں سے کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سیکنڈ ہے، کسی کی ۳۳ میل فی سیکنڈ، کسی کی ۸۴ میل فی سیکنڈ۔

اگر یہ سیارے آپس میں ٹکرا جائیں تو تمام نظامِ عالم زیرِ وزر ہو جائے، اگر ان سیاروں کی رفتار میں فرق آجائے تو ہمارے دن اور رات اور موسم تک بدل جائیں۔

ہم اپنی آنکھوں سے شب و روز دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شہر میں ہر روز گاڑیوں کے ٹکرانے سے سینکڑوں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، اس لئے نہیں کہ ان کے ڈرائیور نہیں ہوتے، بل کہ صرف اس لئے کہ ڈرائیوروں سے لمحہ بھر کی غفلت ہو جاتی ہے، اگر ایک ڈرائیور کی لمحہ بھر کی غفلت کی وجہ سے گاڑی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ کائنات میں رہنے کے باوجود آج تک لاکھوں کروڑوں سیارات کے مسلسل حرکت میں رہنے کے باوجود آج تک کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا، کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا! کیا یہ سب کچھ اتفاق کا نتیجہ ہے؟

نہیں، بل کہ یہ اس لئے ہے کہ اس وسیع نظام کو ایک ”حی و قیوم جَلَّالَهُ“ ذات سنبھالے ہوئے ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ

بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾

ترجمہ: ”یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا، بے شک وہ حلیم و غفور ہے۔“
یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کے ساتھ اس کی کمالِ مہربانی بھی ہے، کہ وہ آسمان و زمین کو تھامے ہوئے اور انہیں اپنی جگہ سے ہلنے اور ڈولنے نہیں دیتا ورنہ پلک جھپکنے میں دنیا کا نظام تباہ ہو جائے کیوں کہ اگر وہ انہیں تھامے نہ رکھے، اور انہیں اپنی جگہ سے پھیر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو ان کو تھام لے۔

۳ امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا مناظرہ

واقِعَةُ مَبْنِیْ (۳۷): دہریوں کی ایک جماعت نے امام صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو گھیرے میں لے لیا اور آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا: پہلے اس مسئلہ میں مجھ سے بحث کر لو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے، انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ چنانچہ مناظرہ کی تاریخ اور وقت طے ہو گیا، مگر ہوا یوں کہ آپ مجلسِ مناظرہ میں دیر سے پہنچے، انہوں نے اس پر بڑا شور و غوغا کیا۔

آپ نے فرمایا: پہلے میری بات سن لو شاید آپ مجھے اس تاخیر میں معذور سمجھیں۔
انہوں نے کہا: اچھا بتائیے۔

آپ نے فرمایا: ”آج تو عجیب و غریب صورت دیکھنے میں آئی، جب میں دریا کے کنارے پہنچا تو وہاں دور تک کشتی کا نام و نشان نہ تھا، حیران تھا کہ کس طرح دریا عبور کروں گا، اس اثناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت خود کٹ گیا اور اس کے تختے بن گئے، پھر بغیر کسی کاریگر اور بغیر کیلوں کے ان تختوں نے جڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ کشتی تیار ہو گئی، پھر وہ بغیر کسی ملاح کے پانی کے دوش پر اٹھکیلیاں کرتی میرے پاس آگئی، میں سوار ہو گیا تو وہ چلنے لگی یہاں تک کہ ساحل پر آ گئی۔“

دہریوں نے یہ واقعہ سنا تو اپنی بے ہنگم آوازوں سے آسمان سر پر اٹھالیا کہنے لگے: ”ایسا بھی بھلا کہیں ہو سکتا ہے کہ بغیر کاٹنے کے درخت کٹ جائے اور بغیر کاریگر کے کشتی تیار ہو جائے اور بغیر ملاح کے کشتی چلنے لگے۔“
امام صاحب **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے فرمایا: ”بد بختو! اگر ایک درخت بغیر کاٹنے والے کے نہیں کٹ سکتا،
تختے بغیر جوڑنے والے کے نہیں جڑ سکتے،
کشتی بغیر کاریگر کے تیار نہیں ہو سکتی،

ایک کشتی تیار ہو کر بھی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی،
تو کیا کائنات کا یہ سارا نظام، یہ شجر و حجر، یہ نہریں اور دریا، یہ شمس و قمر، یہ گل و گلزار، یہ حیوان اور انسان یہ ستاروں کے جھرمٹ اور کہکشاں یہ سب کچھ خود از خود وجود میں آگیا اور اتنا بڑا کارخانہ عالم خود بخود چل رہا ہے اسے کوئی چلانے والا نہیں؟.....“ ان دہریوں کی سمجھ میں بات آگئی اور انہوں نے تائب ہو کر ایمان قبول کر لیا۔^{۱۷}

۴۲ ایک دیہاتی کا حیران کن جواب

وَاقِعْدُ مَلِكٍ (۳۸): امام ابن کثیر **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے لکھا ہے کہ ایک ان پڑھ بدو سے ایک عقل کے مارے ہوئے نے جب اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل مانگی تو اس نے مظاہر فطرت سے استدلال کرتے ہوئے کہا:

”يَا سُبْحَانَ اللَّهِ! إِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيرِ وَإِنَّ أَثَرَ الْأَقْدَامِ لَتَدُلُّ عَلَى الْمَسِيرِ فَسَّمَاءُ ذَاتُ

أَبْرَاجٍ وَأَرْضُ ذَاتُ فِجَاجٍ وَالْبَحَارُ ذَاتُ أَمْوَاجٍ؟ أَلَا يَدُلُّ ذَلِكَ عَلَى وُجُودِ اللَّطِيفِ الْخَبِيرِ“^{۱۸}
ترجمہ: ”سبحان اللہ! حیرت ہے کہ اونٹ کی مینگنی تو اونٹ کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور قدموں کے نشان تو زمین پر

^{۱۷} حیات امام ابو حنیفہ: ۱۳۶- اللہ اہل الثناء والمجد: ۵۳۴

^{۱۸} تفسیر ابن کثیر: ۹۰/۱، سورة البقرة: ۲۲

دیکھ کر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی یہاں سے گزرا ہے، پھر یہ برجوں والا آسمان، یہ گھاٹیوں والی زمین، یہ موجیں مارتے ہوئے سمندر، ایک صانع، ایک ماہر کاری گر جو باریک ہیں اور خبردار ہے (جو بڑے علم والا اور قدرت والا ہے) کے وجود پر دلالت نہیں کر سکتے؟“

۵ شیخ سعدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی بصیرت

شیخ سعدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریت از معرفت کردگار

تَرْجَمَہ: سرسبز درختوں میں غور و فکر کیا جائے تو ان کا ایک ایک پتہ مالکِ حقیقی کی معرفت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔
آپ خود ہی غور فرمائیں:..... درختوں میں قد و قامت کی بلندی..... پھیلاؤ کی موزونیت..... شاخوں کی ترتیب..... پتوں کی سبزی..... پتوں پر خوب صورت کڑھائی..... مختلف رنگوں کی آمیزش..... پھر پتوں کی موزونیت کے ساتھ خوب صورتی سے کٹنگ..... پھر مختلف پتوں کی مختلف تاثیر..... کسی کو پانی میں پکایا جائے تو چائے بنا دے..... کسی کو پانی میں اُبالا جائے تو وہ جسم کی صفائی کے لئے استعمال ہو..... نیم کے پتے کی الگ تاثیر..... پان کی الگ تاثیر..... الگ ذائقہ..... الگ خوشبو..... پودینے کے الگ فوائد وغیرہ..... پھولوں کی رنگارنگی..... مختلف پھولوں کی مختلف خوشبو..... کانٹوں سے ان کی حفاظت اور سائے کا سکڑنا اور پھیلنا..... کسی دستِ صناع کا غماز نہیں.....؟

۶ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی باریک بینی

امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے بھی ایک سبز درخت کی عجوبہ کاریوں میں غور و فکر کیا اور خالق و مالک کو پہچان لیا، فرماتے ہیں:

میں نے توت کے درخت کو دیکھا، ایک ہی درخت ہے، جڑیں اور تنہ ایک ہے، موسم اور ہوا ایک ہے، زمین ایک ہے، پانی ایک ہے، شاخیں ایک ہیں اور پتے بھی ایک قسم کے ہیں، پتوں کی رنگت ایک ہے، شکل و صورت ایک ہے، ذائقہ سب کا ایک ہے، سب کا مادہ ایک ہے۔ اسے گائے بھی کھاتی ہے، بکریاں بھی کھاتی ہیں، ہرن بھی اسے چرتے ہیں، پرند اور کیڑے بھی اسے کھاتے ہیں۔

مگر جب اسے ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ریشم نکلتا ہے۔

اور جب شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد بنتا ہے۔

ہرن کھاتا ہے تو مشک پیدا ہوتا ہے۔

اور گائے بکریاں کھاتی ہیں تو مینگنیاں دیتی ہیں، تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف قسم کی

خاصیتیں، مختلف ثمرات اور نتائج پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ یہ وہی ذات ہے جس کو ہم اللہ تعالیٰ مانتے ہیں۔ یہ سب اسی کی کرشمہ سازی اور عجوبہ کاریاں ہیں۔^{۱۷}

اللَّهُ الْوَاحِدُ

فَيَا عَجَبِي كَيْفَ يُعْصَى الْإِلَهُ
سمجھ میں نہیں آتا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کیسے کی جاتی ہے؟
وَلِلَّهِ فِي كُلِّ تَحْرِيكَةٍ
حالات کہ ہر متحرک کی حرکت میں اور
وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ
اور ہر چیز میں اس کی ایسی نشانی موجود ہے
أَمْ كَيْفَ يَجْعَدُهُ الْجَاوِدُ
یا مگر اس کی ذات کا انکار کیونکر کر سکتا ہے؟
وَتَسْكِينُهُ أَبَدًا شَاهِدُ
ہر ساکن کے سکون میں وجود حق کی شہادت موجود ہے
تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدُ
جو اس کی یکتائی پر دلالت کر رہی ہے

تشریح: توحید تمام انبیاء کرام **عَلَيْهِمُ السَّلَام** کی تعلیمات کا خلاصہ اور آسمانی کتابوں کا بنیادی عقیدہ رہا ہے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" میں نفی اور اثبات کے ساتھ، اسی عقیدہ کا اقرار کروایا جاتا ہے، جس کو پڑھنے والا مؤمن، موحد اور نہ پڑھنے والا کافر، مشرک کہلاتا ہے، یہ وہ عقیدہ ہے جس کو قرآن کریم اور احادیث نبویہ نے مختلف دلائل اور مختلف شواہد سے جگہ جگہ ثابت کیا ہے، اور بے یقینی کو شرک سے تعبیر کیا ہے، قرآن کریم نے ایک جگہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے الہ نہ ہونے پر، ہر کس و ناکس کو سمجھ میں آنے والی، جامع دلیل دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾^{۱۸} آج تک عالم کے نظام میں فرق نہ آنا، اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کائنات کا نظام ایک "الْوَحْدُ جَلَّ جَلَالُهُ" چلا رہا ہے۔
امام شافعی **رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** مذکورہ اشعار میں توحید کے عظیم الشان و اہم عقیدہ کو سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں: آسمان وزمین کی ایک ایک چیز، سوچنے والے کے سامنے؛ اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرتی ہے۔

اردو کا ایک شاعر کہتا ہے:

ہسٹری کی کیا ضرورت دین کی تعلیم کو
انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیم کو
ماننے والے کے لئے دلیلیں ہزار ہیں اور نہ ماننے والا پھر بھی دور کی گمراہی میں مبتلا رہتا ہے۔^{۱۹}

۷ امام احمد **رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** کی دلیل

امام احمد **رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** نے فرمایا:

میں نے ایک روز بڑے غور و فکر سے دیکھا، میرے سامنے ایک محل ہے، مضبوط قلعہ ہے، جو چاروں طرف سے بند

ہے، جس کی دیواریں بڑی مضبوط ہیں، اس میں کوئی روشن دان نہیں، کوئی کھڑکی نہیں، کوئی دروازہ نہیں، رسد اور خوراک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہوا کے آنے جانے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں، محل کو باہر سے سفیدی کر دی گئی ہے، چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے رنگ کر دیا گیا ہے، سونے کی طرح دمک رہا ہے، اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف سے بند ہے۔ اچانک اس کی دیوار گر پڑتی ہے اور اس بند محل سے ایک جان دار آنکھوں والا، کانوں والا بولتا چلتا ہوا، خوب صورت شکل والا، پیاری بولی بولنے والا، چلتا پھرتا چوزہ نکل آتا ہے اور اسی لمحے وہ اپنے دشمن کو بھی پہچانتا ہے اور اپنے مہربان کو بھی پہچانتا ہے وہ دانہ چگنا بھی جان لیتا ہے اور پانی چوسنا بھی جان لیتا ہے۔

بتاؤ! اس محفوظ مکان میں اور بند محل میں اسے پیدا کرنے والا، اس کی ہڈیاں، اس کا جسم، اس کا گوشت، اس کی چونچ، اس کی ٹانگیں، اس کو بلی سے بچنے اور ماں کے دامن میں پناہ لینے کا شعور دینے والا کوئی ہے کہ نہیں؟ یقیناً ہے اور وہ ایسی ذات ہے جس کی قدرت غیر محدود ہے۔ جس کا ایک نام ”الْوَلَدُ جَلَّالًا“ ہے۔^۱

۸ وجود باری تعالیٰ برحق ہے، اس کا عجیب ایمانی واقعہ

وَأَقِمْ وَفَیْکَ (۳۹): ”الْوَلَدُ جَلَّالًا“ کے وجود سے کسی شخص کو انکار نہیں، لیکن ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسی ذہنیت کے مالک رہے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کیا۔

اور عقیدہ آخرت کا انکار کر بیٹھے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت مفتی عتیق الرحمن شہید **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** کے دوست کے ساتھ پیش آیا۔ جس کو انہوں نے روزنامہ اسلام کے کالم میں اس طرح تحریر کیا ہے:

”شیم واسطی مرحوم میرے بہت اچھے دوست تھے۔ ان کی زندگی میں عجیب انقلاب رونما ہوا تھا، ایک ایسا شخص جو مسجد و مدرسہ اور مولوی و ملا کے نام سے الرجک تھا، بل کہ نفرت کی حد تک بغض رکھتا تھا اچانک تبدیل ہوا۔ گھنی لمبی ڈاڑھی اور زلفوں کے ساتھ سر پر ٹوپی اور مسجد و مدرسہ کا شیدائی بل کہ ”مسجد کا کھونٹا“ بن گیا تھا۔ اس خوش گوار تبدیلی سے اپنے اور پرانے، سب حیران ہو کر رہ گئے۔

واسطی صاحب سے میری شناسائی اس تبدیلی کے بعد ہی ہوئی تھی۔ میں ان دنوں سٹڈو آدم میں رہائش پذیر تھا اور وہ حیدرآباد کے تبلیغی مرکز میں مقیم تھے۔ ایک تبلیغی اجتماع میں شرکت کے لئے وہ مجھے لینے کے لئے آئے ہوئے تھے اور بذریعہ کار ہمیں حیدرآباد پہنچنا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے سفر کی رفاقت کے دوران قرآنی تاثیر کا یہ واقعہ خود ان کی زبانی مجھے سننے کا موقع میسر آ گیا۔ میں نے واسطی صاحب سے کہا: آپ کی زندگی میں ”اسلامی انقلاب“ کس طرح رونما ہوا؟ وہ کہنے لگے: ”میں کمیونسٹ خیالات کا حامل تھا، مذہبی خیالات سے بیزار اور اللہ و رسول اور قیامت کے عقیدہ سے نفرت تھی۔ ہمارا

ایمان پیسہ تھا، کیوں کہ کمیونسٹوں کا کلمہ ”لَا إِلَهَ وَالْحَيَاةُ مَادَّةٌ“ ہے۔ یعنی کائنات میں اللہ کا کوئی وجود نہیں اور زندگی کا انحصار مادی وسائل پر ہے۔“ پاکستان میں کمیونسٹ مفادات کی نگرانی میرے سپرد تھی اور سوویت یونین کی طرف سے ”سرخوں“ کے نام لفافوں کی ترسیل میرے ہی توسط سے سرانجام پاتی تھی اور کمیونزم کی نشر و اشاعت کے لئے ہم نے پاکستان کسان پارٹی تشکیل دی ہوئی تھی جس کا بانی و چیئرمین میں تھا۔

جب صدر ضیاء الحق مرحوم نے مارشل لاء نافذ کیا تو سرخوں اور کامریڈوں کی شامت آگئی، چھاپے اور گرفتاریاں شروع ہو گئیں، مجھے بھی گرفتار کر لیا گیا۔ میں بہت خوف زدہ تھا اور ایجنسیوں کے طرز عمل اور دھمکیوں سے اس خوف میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ مجھے ذہنی اذیت پہنچائی جاتی اور ”سرخ استعمار“ کے مستقبل کے عزائم کے بارے میں پوچھا جاتا، مختلف حربے استعمال کرنے کے باوجود وہ لوگ مجھ سے ”کچھ“ اگلوانے میں ناکام رہے۔ مجھے ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ نہ جانے اب کیا ہوگا، مجھے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا اور روزمرہ کے تشدد نے مجھے اندر سے بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا اور میں بڑی حد تک اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ لوگ بھی تشدد سے تنگ آ چکے تھے۔

ایک دن کیا ہوا کہ فوج کی تحقیقاتی ٹیم اپنے سوالات کے تیر و نشتر سے مجھے چھلنی کر رہی تھی اور میں بھی اپنے لبوں پر مہر سکوت لگائے نہایت ناگواری مگر پوری کامیابی کے ساتھ ان کے سوالات کو ٹال رہا تھا کہ تحقیقاتی ٹیم کا ایک افسر تیزی سے اٹھا اور اس نے مجھے اٹھا کر قریب بچھی ہوئی لوہے کی چارپائی پر پوری قوت سے پٹخ دیا اور دھاڑتے ہوئے کہنے لگا: ”تمہارے عدم تعاون کا یہی طرز رہا تو ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“ وہ فوراً ہی کمرے کے اندر گیا اور کپڑے کی ایک چادر لا کر میری ٹانگوں پر لپیٹ کر اسے زور زور سے کسنے اور بل دینے لگا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے خدا یاد آنے لگا، میں نے دل ہی دل میں کہا: ”اے خدا! اگر تو واقعی موجود ہے تو اپنی قدرت دکھا کر مجھے بچالے“ میرے دل میں یہ خیال آنا ہی تھا کہ ٹانگوں سے لپٹی ہوئی چادر کے چیتھڑے اڑ گئے اور میرے پاؤں آزاد ہو گئے۔

یہ کہتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوئے، اپنی پر نیم آنکھیں دستی رومال سے پونچھیں اور پھر رندھی ہوئی آواز میں گویا ہوئے ”مفتی صاحب! میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا تھا، اللہ تعالیٰ کا باغی تھا، اس لئے یہ سمجھا کہ کپڑا بوسیدہ ہوگا فوجی جوان کا زور برداشت نہ کر سکا اور پھٹ گیا۔ شاید وہ فوجی بھی یہی سمجھا۔ وہ پھر اندر گیا اور سوت کا بٹا ہوا ایک موٹا رسالا کر پھر میری ٹانگوں میں بل دینے لگا مگر وہ مضبوط رسہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

اب تک ایک کمیونسٹ اور مسلمان دونوں یہی سمجھ رہے تھے کہ بوسیدگی کی وجہ سے کپڑا اور رسہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ پھر وہ اندر گیا اور شاید فوجی گاڑیوں کو کھینچنے کے لئے استعمال ہونے والی لوہے کی موٹی زنجیر لا کر میری ٹانگوں کو پوری قوت سے مارا۔
مراد شمیم واسطی مرحوم ہیں۔

سے باندھنے لگا۔ جب وہ زنجیر بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر آ رہی تو وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں ہانپتا ہوا ایک طرف سے کھڑا ہو گیا۔ ٹیم کے باقی ممبران بھی یہ منظر دیکھ رہے تھے اور میں دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیرت و استعجاب میں مبتلا تھا اور میری زبان پر بے اختیار کلمہ شہادت جاری ہو چکا تھا۔

یہاں پہنچ کر واسطی صاحب پھر ایک لمحہ کور کے، ہم دونوں آب دیدہ نگاہوں سے تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کو تکتے رہے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں، مگر الفاظ ان کا ساتھ نہیں دے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کپکپاتے ہونٹوں سے وہ پھر گویا ہوئے، کہنے لگے: ”اللہ تعالیٰ کی مدد دیکھ کر میرا نظریہ شکست کھا چکا تھا، میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ اللہ موجود ہے اور پوری کائنات پر اس کی گرفت مضبوط ہے، اس کے حکم کے بغیر پتہ بھی نہیں ہلتا، تب ہی تو کپڑا، رسہ اور پھر مضبوط زنجیر کی کڑیاں اس کے حکم سے ٹوٹ کر بکھر چکی تھیں، مجھ جیسے باغی اور مجرم کے دل میں پیدا ہونے والے جذبات و خیالات کو وہ جانتا ہے اور ایسا بردبار اور تحمل والا ہے اور گناہ گاروں سے بھی محبت کرنے والا ہے کہ میری خفیہ درخواست پر بھی اس نے فوراً مدد فرمائی اور مجھے ان کے مظالم سے نجات عطا فرما کر ایمان کی دولت سے نوازا۔ میرے دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی اور میں چارپائی پر پڑے پڑے اندر ہی اندر اپنے رب سے صلح کر چکا تھا، تحقیقاتی ٹیم کے تمام ممبر پریشان دکھائی دے رہے تھے، تھوڑی دیر تک وہ سر جوڑ کر کچھ مشورہ کرتے رہے اور پھر مجھے ایک کمرے میں دھکیل کر خاموشی سے سر جھکائے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، میرے جسم کا ہر رونگٹا امتنان و تشکر کے جذبات سے لبریز تھا اور ندامت کے آنسو میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور میری زبان پر بے اختیار یہ جملہ جاری ہو چکا تھا۔

”اللہ تو ہے، اللہ تو ہے۔“

کبھی میں اس جملے کی رٹ لگاتا اور کبھی کلمہ طیبہ اور شہادت کا ورد شروع کر دیتا۔

اس موقع پر مجھے مسجد کے اندر میاں جی سے بچپن میں کلمہ و نماز یاد کرنے کی اہمیت کا احساس ہوا اور جن لوگوں کو ہم بے چارے ”موزن یا امام“ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسلام کے ان خاموش سپاہیوں کی بے لوث خدمت پر بے اختیار سلام پیش کرنے کو جی چاہنے لگا۔ میں کھڑکی کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور ڈیوٹی پر موجود فوجی کی نظرات التفات کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے متوجہ ہونے پر میں نے درخواست کی کہ مجھے جائے نماز، لوٹا اور ترجمہ والا قرآن چاہئے وہ میرے مطالبے پر حیران تو ہوا، مگر اس نے جلد ہی میری مطلوبہ چیزیں مہیا کر دیں اور میں وضو کر کے اپنے رب کے حضور سر بسجود ہو گیا۔“

انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ”ہوش سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ ایمانی جذبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشانی جھکائی تھی، میں اس کا مزہ اور لطف بیان کرنے سے قاصر ہوں، نہ جانے کب تک سجدوں پر سجدے کرتا رہا اور ندامت کے آنسو بہاتا رہا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں نے تلاوت کلام پاک شروع کر دی، اب میرا یہ معمول بن چکا تھا،

دن بھر تلاوت اور نماز میں مشغول رہتا تھا، اب فوجی بھی میرا احترام کرنے لگے تھے اور تحقیقاتی مراحل بھی انتہائی مختصر اور رسمی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔

مگر چند ہی روز میں تحقیقاتی ٹیم کے ارکان تبدیل کر دیئے گئے اور تشدد و افیت کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ کسی سے گفتگو ملاقات کی اجازت نہیں تھی۔ میرے دل میں سوالات کا ایک طوفان برپا رہتا تھا، مگر کوئی جواب دینے والا نہیں تھا، میں بچپن میں سنا کرتا تھا کہ تلاوت قرآن کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی سے باتیں کرتا ہے، لہذا میں نے اللہ تعالیٰ ہی سے اپنے سوالات کے جوابات لینے کا فیصلہ کر لیا۔ واقعی قرآن کریم کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے میرا رابطہ استوار ہو گیا، میرے دل میں جو بھی سوال پیدا ہوتا تلاوت کے دوران کوئی نہ کوئی ایسی آیت سامنے آ جاتی جو میرے لئے تسلی اور اطمینان کا باعث بن جاتی۔“

میں نے کہا: ”واسطی صاحب ایک دو سوالات بتائیں، جن کا جواب آپ کو قرآن کریم سے ملا ہو۔“ کہنے لگے: ”ایک دن مجھے یہ بات شدت سے پریشان کر رہی تھی کہ میری پارٹی میرے لئے کیا کر رہی ہے، میری رہائی کے لئے ان کی کوئی کوشش میرے سامنے نہیں آئی تھی۔ میں جب تلاوت کلام پاک کے لئے بیٹھا تو قرآن کریم کی اس آیت نے میری پریشانی حل کر دی ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (ہر پارٹی کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے) میں سمجھ گیا کہ وہ اپنے آپ میں مگن ہیں اور انہیں میری کوئی فکر نہیں ہے۔ پھر مجھے یہ خیال ستانے لگا کہ معلوم نہیں میرے رشتہ دار کیا کر رہے ہیں۔

شاید ان ہی کی کوششوں سے مجھے رہائی مل جائے۔ دوران تلاوت ایک آیت سامنے آئی: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۖ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۖ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۖ﴾ جس کا مفہوم یہ تھا: ”جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، اولاد اور بیوی سے بھاگے گا، ہر ایک کے اپنے مسائل اسے دوسرے سے لاتعلق کر دیں گے۔“ میں سمجھ گیا کہ جب قیامت جیسے ہول ناک دن میں کوئی کام نہیں آئے گا تو دنیا میں ان سے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ عزیز واقارب اور رشتہ دار بھی کام نہیں آئیں گے۔ اس طرح بچپن کی سنی ہوئی بات عملی طور پر میرے سامنے آ گئی اور قرآن کریم پر اعتقاد روز بروز بڑھنے لگا۔ پھر تو معمول بن گیا جیسے ہی کوئی پریشانی یا گھبراہٹ ستاتی میں تلاوت شروع کر دیتا۔ قرآن کریم مجھے تسلی بھی دیتا اور رہنمائی بھی کرتا۔

میں نے پوچھا: اس زمانہ میں کون سا ترجمہ و تفسیر آپ کے مطالعہ میں تھا، کہنے لگے: ”یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک قیدی کی ہدایت کا ذریعہ وہ ترجمہ بنا جو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے ایک پابند سلاسل قیدی کے قلم سے لکھا گیا تھا، یعنی تفسیر عثمانی جس کا ترجمہ اور سورة النساء تک تفسیر اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود حسن نے برصغیر کی آزادی کی

تحریک چلانے کی پاداش میں کالے پانی کی سزا کے دوران تحریر کیا تھا، اور بعد میں حضرت کے نامور شاگرد اور قیام پاکستان کے صفِ اول کے قائد مولانا شبیر احمد عثمانی نے مکمل فرمایا تھا۔

تفسیر عثمانی میری محسن اور جیل کی تنہائیوں میں میری ساتھی رہی ہے، اس لئے میں اس کا مطالعہ بڑی پابندی سے کرتا ہوں اور اسے حرزِ جاں بنا کر رکھتا ہوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کر لیا تھا کہ رہائی کی صورت میں پوری زندگی خدمتِ قرآن میں گزار دوں گا، چنانچہ چند ماہ کے اندر اندر ہی فوجی حکام نے مجھے بری کر دیا اور رہائی ملتے ہی میں نے اپنے محلے کی مسجد میں بچوں کو تعلیم قرآن دینی شروع کر دی اور اسی انشاء میں تبلیغ والوں سے رابطہ ہو گیا اور اس طرح دعوت و تبلیغ کی عالمی محنت سے منسلک ہو کر دین اسلام اور قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت کو اپنا مقصد بنا کر زندگی گزار رہا ہوں۔

بعد میں ایک موقع پر میرا حیدرآباد کے سول اسپتال میں کسی مریض کی عیادت کے لئے جانا ہوا تو وارڈ کے اندر ایک بستر پر واسطی صاحب کو لیٹے ہوئے پایا، مرض نے انہیں بہت کمزور اور نحیف کر دیا تھا، ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آ رہے تھے، میں نے قریب جا کر خیریت دریافت کی کہنے لگے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ! میرے اللہ نے جس حال میں رکھا ہے اسی میں خوش ہوں۔“ توبہ نے ان کے گناہ یقیناً معاف کر دیئے ہوں گے اور یہ بیماری ان کے لئے رفعِ درجات کا باعث ہوگی، کچھ عرصہ بعد اخبار کے ذریعے ان کے انتقال کی خبر پڑھی، وہ بندہ خدا اپنے رب سے جا ملا۔“ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) ﷻ

فوائد و نصائح

بندہ کا اس اسم سے حصہ یہ ہے:

- ۱ باری تعالیٰ کی رضا کے لئے ہر وقت کوشاں رہے۔
- ۲ معمولی نیکی مثلاً راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کو بھی نہ چھوڑے کہ آخرت میں انشاء اللہ ”الْعَلَّامُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے ہاں اس کا اجر پائے گا۔
- ۳ روزِ جزا ہر عمل کو نیک ہو یا بد، چھوٹا ہو یا بڑا ”الْعَلَّامُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے ہاں پائے گا کیوں کہ وہ ہر چیز کو پانے والا ہے، اس لئے اپنے کسی بھی عمل کو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہ کرے ورنہ آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔

المجلد جلالہ

(بزرگی اور بڑائی والا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

”الْمَاجِدُ فِي اللُّغَةِ: كَثِيرُ الشَّرَفِ“^۱

ترجمہ: ”لغت میں ماجد انتہائی بزرگی و عظمت کو کہتے ہیں۔“

”المجلد جلالہ“ اور ”المجید جلالہ“ دونوں ”مجد“ سے ہیں۔ مجید میں مبالغہ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

”سُبْحَنَ الَّذِي تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهِ سُبْحَانَ الَّذِي لَبَسَ الْمَجْدَ وَتَكْرَّمَ بِهِ سُبْحَانَ الَّذِي لَا

يُنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلَّا لَهُ سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ ذِي

الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“^۲

ترجمہ: ”پاک ہے وہ ذات عزت جس کی چادر ہے اور عزت اس کا فرمان ہے، پاک ہے وہ ذات

بزرگی جس کا لباس ہے۔ پاکی ہے، پاک ہے وہ ذات کہ پاکیزگی صرف اسی کے لئے ہے، فضل اور نعمتیں عطا کرنے والی

ذات وہی ہے۔ پاکی ہے، شرف اور کرم والی ذات ہے، پاک ہے وہ ذات جو بڑے جلال و اکرام والی ہے۔“

مجید کا لفظ قرآن کریم میں چار جگہ آیا ہے۔ جن میں سے دو مقامات مندرجہ ذیل ہیں:

① ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْودُودُ ۝ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ۝﴾^۳

② ﴿إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾^۴

﴿حَمِيدٌ مَّجِيدٌ﴾ أي: مَحْمُودٌ مَاجِدٌ^۵

ابو عبیدہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: حَمِيدٌ مَّجِيدٌ یعنی وہ ذات جس کی تعریف کی گئی اور بزرگی والا ہے۔

^۱ النهج الاسمی: ۴۳۱/۱ ^۲ ترمذی، الدعوات، باب ماجاء ما يقول إذا قام من الليل الى الصلوة: ۱۷۹/۲

^۳ البروج: ۱۴، ۱۵ ^۴ ہود: ۷۳ ^۵ النهج الاسمی: ۴۳۲/۱

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی آیات مبارکہ میں اپنی بزرگی، بڑائی اور شان بیان کی ہے، بل کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بڑائی، بزرگی اور تعظیم سے بھرا ہوا ہے اور اسی طرح احادیث مبارکہ بھی، قرآن مجید کی اکثر آیات اور سورتیں اللہ تعالیٰ کی بزرگی و تعظیم پر مشتمل ہیں۔ جیسے کہ ایۃ الکرسی، سورۃ البقرۃ میں اور سورۃ الفاتحۃ اور سورۃ الاخلاص۔ اور سب سے بڑی چیز جس کے ذریعے سے بندہ اپنے رب کی تعظیم اور بزرگی بیان کرتا ہے وہ ہے قرآن مجید کی تلاوت دن میں اور رات میں (جب موقع ملے حافظ قرآن کو روزانہ تین پارے اور غیر حافظ کو ایک پارہ کم از کم تلاوت کرنا چاہئے) اللہ تعالیٰ کی بزرگی و ثناء کما حقہ کوئی بھی بھرپور طریقے سے نہیں کر سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف قرآن مجید میں کی ہے۔“

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

بندہ کا حصہ اس اسم سے یہ ہے:

- ۱ ہر وقت ”الْمَلَكُ جَلَّالًا“ کی بزرگی اور بڑائی بیان کرے۔
- ۲ باقی ہر شے کی بڑائی کو دل سے نکال دے اور جب کوئی چیز بڑائی والی لگے تو بھی یہ سوچے کہ اس کو یہ مرتبہ بھی تو ”الْمَلَكُ جَلَّالًا“ نے ہی دیا ہے۔
- ۳ اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھے، قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرے نمازیں نہ چھوڑے، شرک و بدعت سے دور رہے۔

”مَجَّدَ اللَّهُ تَعَالَى نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ الْعَزِيزِ فِي آيَاتٍ كَثِيرَةٍ بَلِ الْقُرْآنُ مَلِيٌّ بِتَمَجِيدِ اللَّهِ تَعَالَى وَتَعْظِيمِهِ وَكَذَا حَدِيثُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعْظَمُ آيَاتِ الْقُرْآنِ وَسُورِهِ هِيَ الَّتِي اخْتَوَتْ عَلَى ذَالِكَ كَأَيَّةِ الْكُرْسِيِّ فِي الْبَقَرَةِ وَسُورَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْإِخْلَاصِ.

وَمِنْ أَعْظَمِ مَا يُعْظَمُ بِهِ الْعَبْدُ رَبَّهُ وَيُمَجِّدُهُ هُوَ تِلَاوَةُ كِتَابِهِ آثَاءَ اللَّيْلِ وَأَطْرَافِ النَّهَارِ فَإِنَّهُ لَا أَحَدٌ يُحْصِي الثَّنَاءَ عَلَيْهِ وَالتَّمَجِيدَ لَهُ هُوَ كَمَا أَثْنَى عَلَى نَفْسِهِ. (النهج الأسْمَى: ۱/۴۳۴)

الْوَحْدُ جَلَّ جَلَالُهُ

(اکیلا، تن تنہا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "الْوَحْدُ هُوَ الْفَرْدُ الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَحْدَهُ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ آخَرٌ" ۱

”امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْوَحْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو ایک ہے اور ہمیشہ سے تنہا ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں۔“

۲ ”امام سعدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْوَحْدُ الْاَحَدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو اپنے تمام کمالات میں یکتا ہے، ان کمالات میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں، بندوں پر واجب ہے کہ اسے تمام کمالات میں منفرد مانیں، نیز عقیدۂ قولاً اور عملاً اسے ایک ہی سمجھیں، اور اس کی ذات کے حق میں کمال مطلق کا اعتراف کریں کہ وہ ذات ہر کمال کی جامع ہے، وحدانیت میں اسے منفرد تسلیم کریں اور ہر قسم کی عبادت اسی کے لئے خالص کریں۔“ ۲

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں کئی مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿وَالْهَكْمُ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ ۳

۲ ﴿وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ﴾ ۴

۳ ﴿يَصَاحِبِ السَّجْنَ عَارِبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ۵

اسی توحید کی دعوت کی خاطر انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ کو بھیجا گیا، ان پر کتابیں نازل کی گئیں اور اسی توحید کے فرق کی

۱ النهج الأسمی: ۸۷/۲

۲ ”الْوَحْدُ الْاَحَدُ“ وَهُوَ الَّذِي تَوَحَّدَ بِجَمِيعِ الْكَمَالَاتِ، بِحَيْثُ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا مُشَارِكٌ، وَيَجِبُ عَلَى الْعَبِيدِ تَوْحِيدُهُ عَقْدًا وَقَوْلًا وَعَمَلًا، بِأَنْ يَعْتَرِفُوا بِكَمَالِهِ الْمُطْلَقِ، وَتَفَرُّدِهِ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَيُفَرِّدُوهُ بِأَنْوَاعِ الْعِبَادَةِ. (تیسیر الکریم الرحمن: ۲۹۸/۵،

بحوالہ النهج الأسمی: ۸۹/۲)

۳ یوسف: ۳۹

۴ النساء: ۱۷۱

۵ البقرة: ۱۶۳

بنیاد پر لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے، مؤمنین اور نیک بخت، کفار اور بد بخت، کلمہ طیبہ کا بھی یہی مفہوم ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس کی جانب تمام انبیاء عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نے اپنی قوموں کو دعوت دی۔

(آپ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیات طیبہ کا مقصد بھی توحید باری تعالیٰ کی جانب دعوت کو عام کرنا تھا آپ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بھی اسی کی تعلیم و تلقین فرمائی)۔

چنانچہ آپ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے قاصد حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو اہل یمن کی جانب روانہ فرمایا اور ان کو سب سے پہلے توحید باری تعالیٰ کی دعوت دینے کا حکم فرمایا، جیسا کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی حدیث ہے کہ جب نبی اکرم صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت معاذ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یمن والوں کی جانب بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ”تم ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب میں سے ہیں، لہذا سب سے پہلی دعوت یہ ہونی چاہئے کہ تم انہیں اللہ رب العزت کی توحید کی جانب بلاؤ، پس جب وہ توحید باری تعالیٰ کو جان جائیں تو انہیں یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔“ ^۱

(اس حدیث سے توحید باری تعالیٰ کی اہمیت ثابت ہوتی ہے کہ یہ تمام نیک اعمال کے لئے اساس و بنیاد ہے، بلا توحید کوئی عمل عند اللہ مقبول نہیں اور شرک ”اَکْبَرُ الْکِبَاۓِرِ“ میں سے ہے)۔

”اللہ تعالیٰ ہی ”الْوَلَدُ“ اور ”الْاَخْدُ جَلَّالًا“ ہیں اس کو چھوڑ کر اپنی عبادت کا رخ کسی غیر کی جانب موڑ دینا قطعاً ناجائز ہے۔ وہی معبود برحق ہے، اس کے علاوہ جس کسی کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ باطل اور دھوکہ ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آقا اور مولیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کی جانب توجہ کریں، خواہ نماز ہو یا دعا ہو، قربانی ہو یا نذر ہو، توکل ہو یا امید و خوف ہو، خشوع ہو یا خضوع، تمام چیزوں کو اپنے رب تعالیٰ ہی کے لئے خالص کریں، اور اسی کی جانب متوجہ رہیں، بل کہ ایسے رہیں جیسا کہ ہمارے نبی صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہ کہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے:

^۱ وَهَذَا التَّوْحِيدُ هُوَ الَّذِي مِنْ أَجْلِهِ أُرْسِلَتِ الرُّسُلُ وَأُنزِلَتِ الْكُتُبُ، وَبِهِ افْتَرَقَ النَّاسُ إِلَى مُؤْمِنِينَ وَكُفَّارٍ، وَسُعْدَاءَ وَأَشْقِيَاءَ، وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، الَّذِي دَعَتِ الرُّسُلُ أَقْوَامَهَا إِلَيْهِ.

وَقَدْ أَمَرَ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولَهُ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ أَنْ يَبْدَأَ أَوَّلًا بِدَعْوَتِهِمْ إِلَى تَوْحِيدِ اللَّهِ تَعَالَى، كَمَا فِي حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: ”لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَاذًا إِلَى نَحْوِ أَهْلِ الْيَمَنِ قَالَ لَهُ: إِنَّكَ تَقْدُمُ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ أَنْ يُؤْحِدُوا اللَّهَ تَعَالَى، فَإِذَا عَرَفُوا ذَلِكَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ. (البخاری، التوحید، ماجاء فی دعاء النبی صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رقم: ۷۳۷۲، النهج

الأسمی: ۹/۲)

”آپ فرمادیتے تھے کہ یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے، جو سارے جہانوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے، اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔“

حدیث قدسی میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالاں کہ اسے اس کا کوئی حق نہیں تھا، اس نے مجھے گالی بھی دی حالاں کہ اسے اس کا بھی کوئی حق نہیں تھا، اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے ”مجھے دوبارہ کوئی نہیں پیدا کرے گا جیسا کہ پہلی مرتبہ مجھے پیدا کیا گیا۔“ حالاں کہ میرے لئے دوسری مرتبہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ (پہلی، دوسری، بل کہ ہر مرتبہ پیدا کرنا اسی طرح آسان ہے جیسا کہ پہلی مرتبہ) اس کے علاوہ ابن آدم کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: ”اللہ کا بیٹا ہے۔“ حالاں کہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ میں کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ ہی میری برابری کرنے والا کوئی ہے۔“

اس اسم مبارک سے ایمانی اثرات یہ حاصل ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہیں ”الْوَلَدُ“ اور ”الْأَحَدُ“ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات، صفات اور اس کے کاموں میں کوئی اس کا شریک نہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۱ میں ارشاد فرماتے ہیں: ”نہیں اس جیسا کوئی اور وہ سننے والا ہے اور دیکھنے والا ہے۔“ ایسے ہی سورہ مریم کی آیت نمبر ۶۵ میں ہے: ”کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ کوئی اور بھی ہے.....؟“ ایسے ہی سورہ اخلاص کی آیت نمبر ۴ میں ارشاد فرمایا: ”نہیں اس کے جوڑ کا کوئی.....“

ہمارے رب بزرگ و برتر کو اس کی مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دینا ہرگز جائز نہیں، اس لئے کہ اس نے خود اپنی تعریف بتائی ہے کہ وہ کسی بھی چیز کے مشابہ نہیں۔ جو کچھ بھی کسی انسان کے ذہن میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ برتر ہیں۔ تو وہ ایسا ”الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے جس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں (نہ ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں) اور نہ ہی اس کا کوئی مشابہ یا مثل ہے۔

اللَّهُ تَعَالَى هُوَ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِي لَا يَجُوزُ أَنْ تُصَرَفَ الْعِبَادَةُ لِغَيْرِهِ فَهُوَ الْمَعْبُودُ بِحَقِّ وَغَيْرُهُ يُعْبَدُ بِالْبَاطِلِ، فَلَا يَجُوزُ لِعَبِيدِهِ أَنْ يَتَوَجَّهُوا لِغَيْرِ سَيِّدِهِمْ بِعِبَادَةٍ مِنَ الْعِبَادَاتِ، صَلَاةً كَانَتْ أَوْ دُعَاءً أَوْ ذَبْحًا أَوْ نَذْرًا أَوْ تَوَكُّلاً أَوْ رَجَاءً أَوْ خَوْفًا أَوْ خُشُوعًا أَوْ خُضُوعًا، بَلْ يَكُونُوا كَمَا أَمَرَ نَبِيُّنَا أَنْ يَقُولَ: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۝ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳، النهج الأسْمَى: ۹۲/۲)

بخاری، تفسیر قل هو الله أحد، رقم: ۴۹۸۴

مِنْ أَذَارِ الْإِيمَانِ بِهَذَا الْإِسْمِ: اللَّهُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ هُوَ الْإِلَهُ "الْوَاحِدُ الْأَحَدُ" الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، فِي ذَاتِهِ وَلَا فِي صِفَاتِهِ وَلَا أَفْعَالِهِ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهُ:

ہر نبی نے اپنی قوم کو الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ کی توحید کا پیغام دیا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهُ وَاحِدٌ ۚ فَإِلَٰهِي فَارْهَبُونِ﴾^۱

ترجمہ: ”اور کہا ہے اللہ تعالیٰ نے مت پکڑو معبود دو، وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو۔“

یعنی جب تمام آسمانی و زمینی مخلوق ایک اللہ تعالیٰ کے سامنے بے اختیار سر بسجود اور عاجز و مقہور ہے، پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آگیا، جو سارے جہاں کا مالک و مطاع ہے، تنہا اُسی کی عبادت ہونی چاہئے اور اسی سے ڈرنا چاہئے۔^۲

جب کائنات کا خالق ایک ہے، اور وہی بلا شرکت غیر کے تمام کائنات کا نظم و نسق چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے، دو یا دو سے زیادہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ، معبود تو صرف وہی اکیلا ہے۔ پس تم سب صرف میرا ہی ڈر خوف رکھو۔

جتنی صفات اس سے پہلے گزریں، ان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ”عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ“ اور ”عَلِيمُ الْكُلِّ“ ہے سب کے ساتھ اور سب سے قریب ہے، قادرِ مطلق ہے، سب کا خالق اور رازق اور سب کا کارساز و پروردگار ہے، اور وہی اس ساری کائنات کا مالک و حاکم اور قیوم ہے، اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی نہیں جو بلا اس کے حکم یہاں کچھ کر سکے۔ ہر قسم کی عظمت و کبریائی اسی کے لئے ہے اور وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور ساتھ ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں، اس کو کسی کی پروا نہیں، اور وہ صاحبِ عدالت بھی ہے یعنی ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے، اور ان صفاتِ کمال سے موصوف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ہر اُس بات اور ہر اُس چیز سے بری بھی ہے جس میں نقص و عیب کا کوئی پہلو اور کوئی شبہ ہو اور جو اس کی شانِ قد و سیت کے خلاف ہو۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ (مریم: ۶۵)

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الإخلاص: ۴)

فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُشَبَّهَ رَبُّنَا تَعَالَى جَدُّهُ بِشَيْءٍ مِّنْ مَّخْلُوقَاتِهِ لِأَنَّهُ تَعَالَىٰ أَخْبَرَنَا عَنْ نَفْسِهِ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِنَفْسِهِ ۚ أَنَّهُ لَيْسَ مُشَابِهًا لِشَيْءٍ مِّنْهَا، فَكُلُّ مَا خَطَرَ بِبَالِكَ فَاللَّهُ بِخِلَافِ ذَلِكَ، فَهُوَ الْوَاحِدُ الَّذِي لَيْسَ لَهُ نِدٌّ وَلَا نَظِيرٌ، وَلَا شِبْهُ وَلَا مَثِيلٌ.

(النہج الأسمى: ۸۹/۲)

۲ تفسیر عثمانی: ۴۶۰/۱

۱ النحل: ۵۱

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾^۱

ترجمہ: ”اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ہوتے تو دونوں (زمین و آسمان) خراب ہو جاتے۔“
یعنی عالم کا جو نظام دکھائی دیتا ہے وہ سب درہم برہم ہو جاتا، طلوع و غروب، دن اور رات، گرمی اور سردی، بادلوں کا برسنا اور زمین سے پیداوار کا ہونا، وغیرہ وغیرہ یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ آسمان اور زمین اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔

چاند اور سورج اپنے اپنے وقت پر نکلتے اور ڈوبتے ہیں، دن رات آ جا رہے ہیں اور آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی حسب دستور جاری ہے۔ غرض یہ سارا کارخانہ عالم ایک ہی طریقہ اور ایک ہی وتیرہ پر چل رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام عالم کا مدبر اور متصرف صرف ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے، کسی دوسرے کے ارادہ اور تصرف کو ذرہ برابر اس میں دخل نہیں، پس اگر اللہ تعالیٰ کے سوا آسمان و زمین کی تخلیق اور تدبیر میں اگر کوئی اور شریک ہوتے تو باہمی اختلاف اور کشمکش کی وجہ سے آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا، کیوں کہ جس وقت حاکم متعدد ہوں تو لامحالہ رایوں میں تمناع اور تنازع یعنی باہم اختلاف پیش آئے گا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نظام مملکت تباہ اور خراب ہوگا۔

اسی طرح اگر عالم کے خالق اور مدبر دو خدا ہوتے تو آسمان و زمین کا تمام نظام درہم برہم ہو جاتا، لیکن آسمان و زمین کا قیام اور ان کا نظام اچھے اور عمدہ طریقے سے سب کے سامنے ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ دو اللہ (دو خدا) کا وجود باطل ہے، پس اگر ذرا بھی سمجھ ہے تو دنیا کے نظم و نسق کو دیکھ کر اس کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں۔

اگر آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا کئی خدا ہوتے تو جس طرح مختلف بادشاہوں کے ایوان میں تمناع اور تنازع یعنی باہم اختلاف اور نزاع ہوتا ہے اور ہر ایک اپنی رائے کا نفاذ چاہتا ہے تو اسی طرح ان چند خداؤں کی خدائی میں بھی ضرور اختلاف اور نزاع ہوتا۔

پس چند خداؤں کی موجودگی میں باہم اختلاف اور جنگ کا ہونا لازم ہے اور دو خداؤں کی جنگ کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جب دو خداؤں میں جنگ ہونے لگے اور خدائی میں رسہ کشی ہونے لگے تو لامحالہ آسمان و زمین تباہ و برباد ہو جائیں گے، اور اگر ایجاد عالم سے پہلے ہی دونوں خداؤں کے ارادوں میں اختلاف ہو جاتا کہ ایک خدا عالم پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا یہ چاہتا کہ پیدا نہ ہو تو پھر سرے سے عالم پیدا ہی نہ ہوتا، عالم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی دو خداؤں کے ارادوں میں ٹکراؤ اور رسہ کشی ہوتی، تو ایسی صورت میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آ سکتی اور اگر موجودہ چیز پر دو خدا زور آزمائی کرنے لگیں تو

اس کشمکش میں وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ کہ آسمان اور زمین تباہ اور برباد ہو جاتے یا سرے سے وجود ہی میں نہ آتے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آسمان و زمین دونوں موجود ہیں اور اپنے نظام پر قائم ہیں اور آسمان اور زمین کے نظام میں کوئی فساد اور خلل نظر نہیں آتا، آفتاب اور ماہتاب کا طلوع اور غروب، لیل و نہار کی آمد و رفت، آسمان سے بارشوں کا برسا اور زمین سے پھلوں اور غلوں کا پیدا ہونا، ابتداء و آفرینش سے بدستور ایک ہی طریقے پر جاری ہے اب تک اس میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوا کہ یہ کارخانہ عالم ایک ہی اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے کوئی دوسرا خدا نہیں جو تدبیر عالم میں اس کا شریک اور سہم ہو اور وہ صرف ایک ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کوئی ہستی ایسی ہے جس میں یہ ساری صفتیں اور سارے کمالات جمع ہیں، آپ سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ بس وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کی جائے اور محبت و عظمت کے ساتھ اُس کے ہر فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور اس کو اپنا مولا اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھ کر اس کے حکموں پر چلا جائے..... اسی سے آس لگائی جائے..... اپنی ضرورتوں کے لئے اسی سے دُعا کی جائے..... مصائب و مشکلات میں اسی سے مدد مانگی جائے..... اسی سے اُمید باندھی جائے..... اور اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ اسی کی رضا جوئی میں جیا جائے اور مرا جائے..... اسی کی حمد و ثنا اور اسی کی تسبیح و تقدیس کی جائے اور اسی کی یاد کو اپنا وظیفہ بنایا جائے، اور اسی کی طرف انسانوں کو دعوت دی جائے۔

قرآن کریم میں توحید کی تعلیم

قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اتنی وضاحت اور ایسی تفصیل سے دی گئی ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا ہے جو پوری طرح روشنی میں نہ آگیا ہو، کیوں کہ امتوں اور قوموں نے توحید ہی کے بارے میں ہمیشہ سخت ٹھوکریں کھائی ہیں، بل کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جتنی غلطیوں اور گمراہیوں میں قومیں توحید کے بارے میں مبتلا ہوئیں، اتنی کسی دوسرے مسئلہ میں گمراہ نہیں ہوئیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں اور مذاہب کے سب سچے داعیوں نے اپنی اپنی قوموں کو ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی تھی، بل کہ قرآن مجید کا تو بیان ہے کہ دُنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور ہادیوں نے توحید کا پیغام نہ پہنچایا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾

تَرْجَمَہ: ”اور بھیجا ہم نے ہر قوم میں اپنا پیغمبر (اس دعوت اور اس پیام کے ساتھ) کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو (جو سچا معبود ہے) اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔“

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾

تَرْجَمَہ: ”اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔“

تشریح: جس بات پر بہت سے انسان متفق ہوں، خصوصاً جب کہ وہ مختلف ملکوں کے باشندے اور مختلف زمانوں میں پیدا ہوئے ہوں، اور درمیان میں سینکڑوں، ہزاروں برس کا فاصلہ ہو، اور ایک کی بات دوسرے تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ بھی نہ ہو، اس کے باوجود جو اٹھتا ہو وہی ایک بات کہتا ہو جو پہلے لوگوں نے کہی تھی، اور سب کے سب ایک ہی بات اور ایک ہی عقیدہ کے پابند ہوں، تو فطرت اس کے قبول کرنے پر مجبور ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی توحید کا مضمون انسانوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام لے کر آئے اور ان کے بعد ان کی اولاد میں تو مسلسل اس بات کا چلنا کچھ بعید نہ تھا، لیکن زمانہ دراز گزر جانے اور اولادِ آدم علیہ السلام کے وہ تمام طریقے بدل جانے کے بعد پھر حضرت نوح علیہ السلام آتے ہیں، اسی چیز کی دعوت دیتے ہیں جس کی طرف آدم علیہ السلام نے لوگوں کو بلایا تھا، اُن کے زمانہ دراز گزرنے کے بعد حضرت ابراہیم، اسمعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام ملکِ عراق و شام میں پیدا ہوتے ہیں اور ٹھیک وہی دعوت لے کر اٹھتے ہیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہم السلام اور ان کے سلسلہ کے انبیاء آتے ہیں، اور سب کے سب وہی ایک کلمہ توحید بولتے ہیں، اور وہی دعوت دیتے ہیں، ان پر زمانہ دراز گزر جانے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی دعوت لے کر اٹھتے ہیں، اور آخر میں سید الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہی دعوت لے کر تشریف لاتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں الولاء جلالہ کی توحید کی تعلیم

موجودہ تورات میں ہے:

”تا کہ تو جان لے کہ خداوند ہی خدا ہے، اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔“

اور ”سن اے اسرائیل (علیہ السلام)! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے۔“

اور حضرت اشعیا علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے:

”میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، تاکہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں، میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔“^{۱۷}

اور حضرت مسیح عَلَيْهِ السَّلَام کا یہ قول موجودہ انجیلوں میں مذکور ہے:

”اے اسرائیل، سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔“^{۱۸}

منقول ہے کہ آپ عَلَيْهِ السَّلَام نے ایک مرتبہ مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

”اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد برحق کو اور یسوع مسیح کو، جسے تو نے بھیجا ہے، جانیں۔“^{۱۹}

الغرض یہ واقعہ ہے کہ ہر قوم میں آنے والے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ہادی نے ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اکثر قومیں کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہو گئیں اور اب بھی یہی ہے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہیں۔ قرآن کریم کا بیان ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾^{۲۰}

ترجمہ: ”اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ شرک میں بھی مبتلا ہیں۔“

حضرت مولانا علی میاں رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی دستور حیات میں لکھتے ہیں:

صاف ذہن، گہرائی اور حق کی تلاش کے جذبہ کے ساتھ قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانہ کے کفار اپنے معبودانِ باطل کو ”اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ“ کا بالکل ہم سرو مساوی اور ہم مرتبہ قرار نہیں دیتے تھے، بل کہ وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ مخلوق اور بندے ہیں، ان کا کبھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ان کے معبود اللہ تعالیٰ سے قدرت و طاقت میں کسی طرح کم نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ہی پلڑے میں ہیں، ان کا کفر و شرک صرف یہ تھا کہ وہ اپنے معبودانِ باطل کو پکارتے..... ان کی دُہائی دیتے..... ان پر نذریں چڑھاتے..... اور ان کے ناموں پر قربانیاں کرتے، اور ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارشی..... مشکل کشا اور کارساز..... سمجھتے تھے، اس لئے ہر وہ شخص جو کسی کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو کفار اپنے معبودانِ باطل کے ساتھ کرتے تھے، تو گو کہ وہ اس بات کا اقرار ہی ہوا کہ وہ ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اس میں اور زمانہ جاہلیت کے بڑے سے بڑے بت پرست میں بحیثیت مشرک ہونے کے کوئی فرق نہ ہوگا۔^{۲۱}

آگے چل کر لکھتے ہیں:

^{۱۷} یوحنا: ۱۷، ۳

^{۱۸} مرقس ۱۲، ۲۹ ومتی ۲۲، ۳۶

^{۱۹} یسعیاہ: ۴۵، ۶ و ۵

^{۲۰} دستور حیات: ۷۶

^{۲۱} یوسف: ۱۰۶

شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہم مرتبہ وہم سر قرار دیا جائے، بل کہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا وہ معاملہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بلند و بالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اور جس کو ”عبودیت“ بندگی کا شعار بنایا ہے، جیسے کہ کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا..... کسی کے نام پر قربانی کرنا..... یا نذریں ماننا..... مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا..... اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے..... اور اس کو کائنات میں متصرف سمجھنا..... یہ ساری وہ چیزیں ہیں، جن سے شرک لازم آتا ہے، اور انسان ان سے مشرک ہو جاتا ہے، خواہ اس کا یہ اعتقاد ہی کیوں نہ ہو کہ یہ انسان..... فرشتہ..... یا جن..... جس کے سامنے وہ سجدہ ریز ہو رہا ہے، یا جس کے نام پر قربانی کر رہا ہے، نذریں مان رہا ہے اور جس سے مدد مانگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے بہت کم مرتبہ اور پست مقام ہے، اور چاہے یہ ماننا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔

اور یہ اس کا بندہ اور مخلوق ہے، اس معاملہ میں انبیاء علیہم السلام، اولیاء، جن و شیاطین، بھوت پریت سب برابر ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ بھی جو یہ معاملہ کرے گا، وہ مشرک قرار دیا جائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان یہود و نصاریٰ کو جنہوں نے اپنے راہبوں، پادریوں اور پروتھوں کے بارے میں اس طرح مبالغہ و غلو کا طریقہ اختیار کیا، (جس طرح مشرکین نے اپنے معبودانِ باطل کے بارے میں)، انہیں صفات سے یاد کیا ہے جن صفات سے بت پرستوں اور مشرکوں کو یاد کیا ہے، اور ان غالی اور راہ حق سے ہٹے ہوئے لوگوں پر اسی طرح اپنے غضب و ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جس طرح غالی مشرکوں پر، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا

أَمْرُوهُ إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾^۱

ترجمہ: ”انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ (درویشوں) اور مریم کے بیٹے مسیح کو رب بنایا ہے حالاں کہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔“^۲

اس آیت مبارکہ کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ آیت سن کر عرض کیا کہ یہود و نصاریٰ نے تو اپنے علماء کی کبھی عبادت نہیں کی، پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انہوں نے ان کو رب بنا لیا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی، لیکن یہ بات تو ہے نا، کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دے دیا، اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا اس کو حرام ہی سمجھا، یہی ان کی عبادت کرنا

ہے۔“ ۱۰

حرام و حلال کرنے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، یہی حق اگر کوئی شخص کسی اور کے اندر تسلیم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنا لیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی شرک سے حفاظت فرمائے۔ (آمین)

بہر حال ہمیشہ سے شرک انسانوں کی بڑی خطرناک اور عام بیماری رہی ہے، اسی لئے قرآن مجید میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری ہدایت کی کتاب ہے اور جس کے بعد انسانوں کے لئے کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے۔ توحید کے مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ روشن اور واضح کیا گیا ہے، بل کہ ان تمام دروازوں کو بھی بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے جن سے پچھلی اُمتوں میں شرک آیا، یا اُس کے آنے کا امکان ہو سکتا تھا۔ قرآن مجید نے صرف یہ کہہ کر توحید کا درس ختم نہیں کر دیا کہ ”اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کی جائے۔“ بل کہ توحید فی الذات کے علاوہ اس نے ایک ایک خدائی صفت کا ذکر کر کے بتلایا کہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی ”وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ“ ہے۔ اسی طرح اپنے افعال و اختیارات میں بھی وہ ”وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ“ ہے اور پھر اپنے خدائی حقوق میں بھی وہ اسی طرح ”وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ“ ہے۔ اس نے توحید کے ان پہلوؤں کو اتنا واضح کیا کہ کسی قسم کے اعتقادی یا عملی، جلی یا خفی شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہم قرآن مجید کی دعوتِ توحید کے سلسلے کی چند آیات کو یہاں چند عنوانوں کے تحت ایک خاص ترتیب سے مرتب کر کے پیش کرتے ہیں۔

توحید کی ترغیب قرآن کریم میں

توحید کا ایک سادہ سا اجمالی اور جامع عنوان یہ ہے کہ ال یعنی معبود بس ایک ہے، صرف وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے۔ قرآن مجید میں موقع بموقع اس کو بیسیوں جگہ دہرایا گیا ہے اُن میں سے چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے:

۱ ”اور تم سب کا معبود بس ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑی رحمت والا نہایت مہربان ہے۔“ ۱۱

اور ایک موقع پر فرمایا:

۲ ”اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قابور کھنے والا (اور) حکمت والا ہے۔“ ۱۲

اور ایک موقع پر فرمایا:

۳ ”حق یہ ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے، وہ آسمان و زمین اور اُن کے درمیان کی ساری مخلوق کا اور مشرقوں کا پروردگار ہے۔“ ۱۳

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

- ۴ ”پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، لہذا اسی کی فرماں برداری کرو، اور اپنے کو اسی کے سامنے جھکا دو۔“
- ۵ ”اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔“

یعنی میری عبادت خالص اُس خداوند قدوس کے لئے ہے جس کے قبضہ میں تم سب کی جانیں ہیں کہ، جب تک چاہے انہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے، گویا موت و حیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اُسی کی ہو سکتی ہے نہ صرف یہ کہ جوارح سے اُس کی بندگی کی جائے، بل کہ ضروری ہے کہ دل میں اُس کی توحید و تفرید پر پورا یقین و ایمان ہو اور ظاہر و باطن میں اسی دینِ حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ عَلَيْهِ السَّلَام کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرکِ جلی و خفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔

جس طرح عبادت صرف اُسی کی کریں۔ استعانت (مدد) کے لئے بھی اُسی کو پکاریں، کیوں کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور بھلائی و برائی تنہا اُسی کے قبضہ میں ہے۔ مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع و نقصان کے مالک نہ ہوں، سخت بے موقع بات، بل کہ ظلمِ عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو اُن کی عظیم الشان شخصیت کا لحاظ کرتے ہوئے ظلمِ اعظم ہوگا۔

جب اُن چیزوں کو پکارنے سے منع کیا جن کے قبضہ میں تمہارا بھلا بُرا کچھ نہیں تو مناسب ہوا کہ اس کے بالمقابل مالکِ علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے، جو تکلیف و راحت اور بھلائی بُرائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار اور قبضہ رکھتا ہے، جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دنیا میں کوئی نہیں ہٹا سکتا اور جس پر فضل و رحمت فرمانا چاہے تو کسی کی طاقت نہیں کہ اُسے محروم کر سکے۔

یعنی جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ ہمیشہ سے مثلاً بت، یا فی الحال جو بزرگ مرچکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے یا انجام و مال کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکہ اللہ، جن کی بعض فرقے پرستش کرتے تھے، بل کہ جن و شیطان بھی جن کو بعض مسموخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے۔ پس جس چیز کا وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو اور وہ جب چاہے چھین لے، اُسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟

علاوہ ازیں بہت سے مشرکانہ الفاظ یا جملے ہم مسلمان بھی اپنی روزمرہ کی بول چال میں استعمال کرتے ہیں جن سے بچنا ضروری ہے۔

مثلاً ① اللہ تعالیٰ اور آپ کی پناہ ② مجھے تو صرف اللہ تعالیٰ اور آپ کا سہارا ہے ③ اللہ تعالیٰ اور آپ کے علاوہ میرا کوئی نہیں ④ میرے لئے اللہ تعالیٰ آسمان میں اور آپ زمین میں ہیں ⑤ اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ ہوتے تو میرا یہ کام نہ ہوتا، ان تمام جملوں میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو بھی اتنا ہی باختیار کر دیا جو کہ سراسر شرک ہے۔ اگر کبھی ایسے جملے بولنے کی نوبت آئے بھی تو لفظ اللہ تعالیٰ کے بعد لفظ ”پھر“ کا استعمال ضروری ہے۔ مثال کے طور پر میرا سہارا اللہ تعالیٰ پر ہے پھر آپ پر، بعض لوگوں کو بولتے سنا، میرے لئے اوپر اللہ تعالیٰ اور نیچے آپ ہیں، یہاں پر بھی لفظ ”پھر“ کا لگانا ضروری ہے، ورنہ دوسری ہستی کو اللہ تعالیٰ کے برابر گردانا لازم آئے گا جو شرک ہے۔

سورة الصَّفَّتِ کی آیت مذکورہ بالا میں غور کرنے کی بات ہے کہ صفت ”واحد“ کو بیان کرنے سے پہلے تین قسمیں کھائی ہیں۔ حق تعالیٰ کو تو کوئی ضرورت قسم کھانے کی نہ تھی مگر اس کو جو شفقت و رحمت اپنی مخلوق پر ہے وہ اس کی داعی ہوئی کہ کس طرح یہ لوگ حق قبول کر لیں اور شرک سے بچ جائیں تاکہ دنیا و آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔ یعنی جس طرح دنیا کے جھگڑے چکانے اور اختلافات مٹانے کا معروف طریقہ یہ ہے کہ دعویٰ پر شہادت پیش کی جائے، شہادت نہ ہو تو قسم کھائی جائے، اسی طرح حق تعالیٰ نے انسانوں کے اس مانوس طریقے کو اختیار فرمایا، کہیں تو شہادت کے الفاظ سے یہ عقیدہ سمجھایا گیا، جیسا کہ آیت میں ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾

تَرْجَمَہ: ”گواہی دی اللہ تعالیٰ نے کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔“

اور کہیں قسم کھا کر یہ عقیدہ سمجھایا گیا کہ قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لئے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت والوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں، جیسا کہ **سورة الصَّفَّتِ** میں ہے، اس لئے کہ تو حید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔

حضرت دانیال عَلَیْہِ السَّلَام کی قبر

اسی طرح سورہ کہف کی آیت نمبر ۲۱ میں بھی نیک اور صالح لوگوں کی قبروں کی پرستش کرنے اور ان قبروں کو مسجدوں کی طرح سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ باتیں جن سے شرک لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ“

تَرْجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔“

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں عراق میں حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر دریافت ہوئی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اسے چھپا کر عام قبروں جیسا کر دیا جائے تاکہ لوگوں کے علم میں نہ آئے کہ فلاں قبر فلاں پیغمبر کی ہے۔^۱

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ قرآن کریم اور احادیث کو چھوڑ کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معمولات کے خلاف کر کے شرک میں ہرگز مبتلا نہ ہو۔

فَوَائِدُ وَنَصَاحُ

- ۱۔ بندے کو چاہئے کہ صرف ”الْوَلَدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی وحدانیت پر یقین رکھے کہ وہ ہی اکیلا اور بے نیاز ہے۔
- ۲۔ تمام اشیاء میں اسی یکتا ذات کی توحید کو مد نظر رکھے کسی دوسری مخلوق کے سامنے نہ سر جھکائے نہ سجدہ کرے۔
- ۳۔ عقیدہ توحید کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے اور شرک سے ہمیشہ دور رہے۔

الْأَحَدُ جَلَّ جَلَالُهُ

(ایک اکیلا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

① "هُوَ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الَّذِي لَا نَظِيرَ لَهُ وَلَا وَزِيرَ وَلَا نَدِيدَ وَلَا شَبِيهَ وَلَا عَدِيلَ" ۱

تَرْجَمَہ: "امام ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ رب العزت وہ واحد یکتا ذات ہے، جس کا کوئی مثل نہیں

نہ اس کا کوئی وزیر ہے نہ ہی اس کا کوئی مشابہ ہے اور نہ ہی ہمسر۔"

"الْأَحَدُ جَلَّ جَلَالُهُ" اہل لغت کا بیان اس باب میں بالکل واضح اور صریح ہے کہ یہ اسم صرف ذاتِ حق کے ساتھ

مخصوص ہے اور صفتِ احدیت صرف اسی کے حق میں آ سکتی ہے۔ ۲

"الْأَحَدُ" سے مراد وہ ذات ہے کہ جس کی کوئی نظیر نہ ہو، نہ ذات کے اعتبار سے اور نہ صفات کے اعتبار سے، اس

لفظ کا اطلاق صرف ذاتِ باری تعالیٰ پر ہوتا ہے، کسی اور پر نہیں ہوتا۔

یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات اور دوسروں کے لئے نفی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

نیز یہ لفظ قرآن مجید میں بطور اسم پاک صرف ایک ہی جگہ استعمال ہوا ہے، یعنی ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ۳ یہ لفظ

بھی توحیدِ باری تعالیٰ پر ایک عجیب دلیل ہے کہ اس کا تکرار لفظی بھی نہیں ہوا۔

اور استعمال بھی نکرہ ہوا یعنی کہ اسم "أَحَدٌ" ایسی شان میں جلوہ گر ہے کہ تعریف کی ضرورت نہیں اور احدیت ایسے

کمال میں ہے کہ کسی زائد حرف کا استعمال بھی نہیں ہوا۔

ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ التحیات کے تشہد میں دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"أَحَدٌ أَحَدٌ" ایک انگلی سے، ایک انگلی سے۔ ۴

۱۔ تفسیر ابن کثیر: ۶۹۳/۳، الإخلاص: ۱

۲۔ تفسیر ماجدی: ۱۲۱۴/۲، الإخلاص: ۱

۳۔ ترمذی، الدعوات، باب ان اللہ حی کریم، رقم: ۳۵۵۷

یعنی جب مشارالیه (جس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے) ایک ہے، تو اشارہ بھی ایک انگلی سے ہونا چاہئے۔

اس لفظ ”أَحَدٌ“ کی تشریح ﴿لَمْ يَلِدْهُ وَلَمْ يُولَدْ﴾ سے کر دی۔ کہ اُس نے کسی کو نہیں جنا، لہذا یہودیوں کا حضرت عزیر عَلَيْهِ السَّلَام کو اور عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کا حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا اور مشرکین کا فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دینا سراسر غلط ہے۔

”الْأَخَذُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں

وہ اکیلا ہے، نہ اُس کا بیٹا ہے، نہ بیٹی اور نہ بیوی۔

قرآن مجید نے توحید کے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیا ہے کہ ہر مقصد کے لئے دعا اور مدد طلبی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ہو اور ہر عبادت صرف اسی کے لئے ہونی چاہئے، یہ اس لئے کہ شرک میں مبتلا ہونے والی دنیا کی قومیں اور اُمّتیں ”شُرک فی الدعا“ اور ”شُرک فی العبادۃ“ (یعنی دعا کے شرک اور عبادت کے شرک) ہی میں زیادہ تر مبتلا ہوئی ہیں اور ہمیشہ ناخدا شناس اور کم عقل انسانوں سے یہی شرک زیادہ ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اُن سے دُعائیں کیں، اپنی حاجتیں اور مُرادیں اُن سے مانگیں، انہیں راضی اور خوش کرنے کے لئے طرح طرح سے اُن کی عبادت اور پوجا کی، اُن کے آگے سجدے کئے، اُن کے نام کی خیرات کی اور اُن کے لئے نذریں اور منتیں مانیں، اور ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ بڑی مشرکانہ گمراہیوں میں آج بھی یہی گمراہی سب سے زیادہ عام ہے، حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والوں میں بھی ایک خاصی تعداد اس شرک میں مبتلا ہے۔

اللَّهُمَّ احْفَظْنَا يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ آمِينَ۔

شرک کی ابتداء

شرک کی ابتداء حضرت نوح عَلَيْهِ السَّلَام کی قوم سے ہوئی کہ حضرت نوح عَلَيْهِ السَّلَام کی قوم میں چند نیک اور صالح لوگ تھے جن کے نام یہ ہیں: ”وَدَّ“ ”سَوَاع“ ”يَغُوث“ ”يَعُوق“ ”نَسْر“ جب وہ مر گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جس مکان میں یہ لوگ رہا کرتے تھے اور اکثر بیٹھا کرتے تھے وہاں پر ایک ایک بت ان کے نام سے رکھ دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، لیکن جب تک یہ لوگ زندہ رہے بتوں کی عبادت کسی نے نہیں کی..... اور جب یہ مر گئے تو پھر علم جاتا رہا تو ان کے بعد والوں نے ان بتوں کی عبادت شروع کر دی۔^۱

اسی سلسلے میں حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ ”لات“ ایک شخص کا نام تھا جو حاجیوں کی خدمت کیا کرتا تھا اور ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو جس پتھر پر وہ بیٹھا کرتا تھا اس کو بت کی صورت بنا کر لوگ

^۱ بخاری، کتاب التفسیر، باب: ﴿وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ﴾، رقم: ۴۹۲۰، نوح: ۲۳

^۲ بخاری، کتاب التفسیر، باب: ﴿أَفْرَئَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى﴾، رقم: ۴۸۵۹

پوچھنے لگے اور اس کا نام ”لات“ رکھا۔^{۱۴}

بہر حال ”شُرک فی الدعا“ اور ”شُرک فی العبادۃ“ (یعنی دعا کا شرک اور عبادت کا شرک) چوں کہ سب سے بڑی مذہبی گمراہی ہے اور ناخدا شناس انسان زیادہ تر اسی میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لئے قرآن مجید نے توحید کے سلسلے میں توحید فی الدعا اور توحید فی العبادۃ پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، پہلے چند آیتیں توحید فی الدعا کے سلسلہ کی پڑھ لیجئے:

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾^{۱۵}

ترجمہ: ”حاجتوں اور ضرورتوں میں صرف اُسی اللہ تعالیٰ کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور اس کے سوا جن ہستیوں کو وہ مشرک پکارتے ہیں اور جن سے دُعائیں کرتے ہیں، وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتیں۔“

یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دور سے پانی کی طرف اپنی ہتھیلیاں پھیلا کر پانی سے کہے کہ تو میرے منہ تک آجا، ظاہر بات ہے کہ پانی ایک بے شعور بہنے والی چیز ہے، اسے معلوم ہی نہیں کہ ہتھیلیاں پھیلانے والے کی حاجت کیا ہے؟

اور نہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے، اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے ہاتھ یا منہ تک پہنچ جائے، اسی طرح یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا، جن کو پکارتے ہیں، انہیں نہ یہ معلوم ہے کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے، اور نہ ہی اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں سے دُعائیں کرنے والوں اور اپنی حاجتیں مانگنے والوں سے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے:

”اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو اور جن سے دُعائیں کرتے ہو اور مدد مانگتے ہو، وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور اپنی بھی مدد کرنے سے وہ عاجز اور بے بس ہیں (پس اُن سے مدد مانگنا تمہاری کیسی حماقت ہے)۔“

یعنی جو اپنی مدد کرنے پر قادر نہ ہوں، وہ بھلا دوسروں کی مدد کیا کریں گے؟

جو خود محتاج ہو دوسرے کا بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

سورہ اسراء کی آیت نمبر ۵۶ میں فرمایا جس کا ترجمہ ہے:

”اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم نے اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو معبود و کارساز سمجھ رکھا ہے، انہیں اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکار کر دیکھو، نہ وہ تمہاری تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں۔“

سورہ مؤمنون کی آیت نمبر ۱۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس کا ترجمہ ہے:

^{۱۴} شریعت یا جہالت: بت پرستی کیسے پھیلی ۶۵۶ ص ۱۴ الرعد: ۱۴

”اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے من گھڑت معبود کو پکارتا ہے، اُس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا حساب اس کے پروردگار کے حضور ہونا ہے، یقیناً کفر کرنے والے کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔“

اور سورہ شعراء کی آیت نمبر ۲۱۳ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

”مت پکارو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے فرضی اور من گھڑت معبود کو (اگر ایسا کرو گے) تو تم ہو جاؤ گے عذاب پانے والوں میں سے۔“

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے سورہ جن میں ارشاد فرمایا ہے:

”اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں، اسی سے دُعا کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔“^۱

یعنی جب سب آپ کی عداوت پر متحد ہو گئے اور تل گئے ہیں، تو آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی سے پناہ طلب کرتا ہوں اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔

سورہ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی وحدانیت کا اظہار کرتے ہوئے سورہ اخلاص میں فرماتے ہیں:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْهُ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝﴾

ترجمہ: ”آپ کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہی ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اُس نے کسی کو جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا، اور نہ ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔“

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”أَحَدٌ“ اور ”وَاحِدٌ“ ترجمہ تو دونوں کا ایک ہی کیا جاتا ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے لفظ ”أَحَدٌ“ کے معنی میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ ترکیب اور تجزیہ سے اور تعدد سے اور کسی چیز کی مشابہت اور مشاکلت سے پاک ہے، یعنی وہ کسی ایک یا متعدد مادوں سے نہیں بنا نہ اُس میں تعدد کا کوئی امکان ہے نہ کسی کے مشابہ ہے اس ایک مختصر جملے میں ذات و صفات کے سب مباحث آ گئے اور لفظ ”قُلْ“ میں نبوت و رسالت کا مسئلہ آ گیا، اس میں غور کرو تو یہ ایک مختصر جملہ اُن عظیم الشان مباحث کو حاوی ہے جو بڑی بڑی جلدوں میں لکھے جاتے ہیں۔

سورہ اخلاص میں مکمل توحید اور ہر طرح کے شرک کی نفی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے والے منکرین توحید کی دنیا میں مختلف اقسام ہوئی ہیں۔ سورہ اخلاص نے ہر طرح کے مشرکانہ خیالات کی نفی کر کے مکمل توحید کا سبق دیا

^۱ الجن: ۲۰، ماخوذ قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۶۶، ۶۷

ہے، کیوں کہ منکرینِ توحید میں ایک گروہ تو خود اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا منکر ہے، بعض وجود کے تو قائل ہیں مگر کمالی صفات کے منکر ہیں۔ بعض یہ سب کچھ مانتے ہیں مگر پھر عبادت میں غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

ان سب کے خیالاتِ باطلہ کا رد ”اللہ اَحَدٌ“ میں ہو گیا۔ بعض لوگ عبادت میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتے مگر حاجت روا اور کارساز اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں، ان کے خیال کا ابطال لفظ ”صَمَدٌ“ سے ہو گیا، بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے قائل ہیں، ان کا رد ”لَمْ یَلِدْ“ میں ہو گیا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔^۱

تپتے ہوئے صحرا میں اَحَدُ اَحَدُ کی صدا

واقِعَةُ مَلَبِک (۴۰): حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں جو مسجد نبوی کے ہمیشہ مؤذن رہے، شروع میں ایک کافر کے غلام تھے۔ اسلام لے آئے جس کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ اُمیہ بن خلف، جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا، ان کو سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر ان کے سینہ پر پتھر کی بڑی چٹان رکھ دیتا تھا تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں اور کہتا تھا کہ یا تو اس حال میں مرجائیں اور اگر زندگی چاہتے ہیں تو اسلام سے ہٹ جائیں، مگر وہ اس حالت میں بھی ”اَحَدُ اَحَدُ“ کہتے تھے یعنی معبود ایک ہی ہے۔ رات کو زنجیروں میں باندھ کر کوڑے لگائے جاتے اور اگلے دن ان زخموں کو گرم زمین پر ڈال کر اور زیادہ زخمی کیا جاتا، تاکہ بے قرار ہو کر اسلام سے پھر جائیں یا تڑپ تڑپ کر مرجائیں۔ عذاب دینے والے اُکتا جاتے، کبھی ابو جہل کا نمبر آتا، کبھی اُمیہ بن خلف کا، کبھی اوروں کا، اور ہر شخص اس بات کی کوشش کرتا کہ تکلیف دینے میں زور ختم کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حالت میں دیکھا تو اُن کو خرید کر آزاد فرمایا۔^۲

فَائِدَاتُ: چوں کہ عرب کے بت پرست اپنے بتوں کو بھی معبود کہتے تھے اس لئے اُن کے مقابلہ میں اسلام کی تعلیم توحید کی تھی، جس کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر ایک ہی ایک کا ورد تھا۔ یہ تعلق اور عشق کی بات ہے، ہم جھوٹی محبتوں میں دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہو جاتی ہے، اُس کا نام لینے میں لطف آتا ہے، بے فائدہ اس کو رٹا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا کیا کہنا جو دین اور دنیا میں دونوں جگہ کام آنے والی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر طرح سے ستایا جاتا تھا۔ سخت سے سخت تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مکہ کے لڑکوں کے حوالہ کر دیا جاتا کہ وہ اُن کو گلی کو چوں میں چکر دیتے پھریں اور یہ تھے کہ ”ایک ہی ایک ہے“ کی رٹ لگاتے تھے۔ اسی کا یہ صلہ ملا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں مؤذن بنے اور سفر و حضر میں ہمیشہ اذان کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کو خالی دیکھنا مشکل ہو گیا۔ اس لئے

ارادہ کیا کہ اپنی زندگی کے جتنے دن ہیں جہاد میں گزار دیں، اس لئے جہاد میں شرکت کی نیت سے چل دیئے۔ ایک عرصہ تک مدینہ منورہ لوٹ کر نہیں آئے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بلال یہ کیا ظلم ہے ہمارے پاس کبھی نہیں آتے، تو آنکھ کھلنے پر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ حضرت حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اذان کی فرمائش کی، لاڈلوں کی فرمائش ایسی نہیں تھی کہ انکار کی گنجائش ہوتی۔ اذان کہنا شروع کی اور مدینہ میں حضور ﷺ کے زمانے کی اذان کانوں میں پڑنے پر کہرام مچ گیا، عورتیں تک روتی ہوئی گھروں سے نکل پڑیں، چند روز قیام کے بعد واپس ہوئے اور ۲۰ھ کے قریب دمشق میں وصال ہوا۔

”الْاِحْسَانُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے ان الفاظ سے دُعا مانگئے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ارادہ کرتے کہ کسی مردے کو زندہ کروائیں تو دو رکعت نماز پڑھتے، پہلی رکعت میں ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ پڑھتے اور دوسری رکعت میں ”اَلَمْ تَنْزِيلُ“ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے، پھر یہ سات اسمائے باری تعالیٰ پڑھتے: ”يَا قَدِيمُ... يَا خَفِيُّ... يَا دَائِمُ... يَا قَرْدُ... يَا وَثَرُ... يَا أَحَدُ... يَا صَمَدُ“ اور اگر کوئی سخت پریشانی لاحق ہو جاتی تو یہ سات نام لے کر دعا کرتے: ”يَا حَيُّ... يَا قَيُّوْمُ... يَا اللَّهُ... يَا رَحْمَنُ... يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ... يَا نُورَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ يَا رَبِّ“۔ یہ زبردست اثر والے نام ہیں۔

بہر حال جتنی بھی مصیبتیں، بلائیں دور کرنے کی دعائیں ہیں ان میں توحید اصل ہے کہ توحید دنیاوی اور اخروی بلاؤں کے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔

”الْاِحْسَانُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا قرب حاصل کرنے کی ایک خاص دعا

”سُبْحَانَ الْأَبَدِيِّ الْأَبَدِ... سُبْحَانَ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ... سُبْحَانَ الْفَرْدِ الصَّمَدِ... سُبْحَانَ رَافِعِ السَّمَاءِ بِغَيْرِ عَمَدٍ... سُبْحَانَ مَنْ بَسَطَ الْأَرْضَ عَلَى مَاءٍ جَمَدٍ... سُبْحَانَ مَنْ خَلَقَ الْخَلْقَ فَأَحْصَاهُمْ عَدَدًا... سُبْحَانَ مَنْ قَسَمَ الرِّزْقَ فَلَمْ يَنْسَ أَحَدًا... سُبْحَانَ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا... سُبْحَانَ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ“۔

ترجمہ: ”(تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے...، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو ایک اور یکتا ہے...، (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جو تنہا اور بے نیاز ہے...، (تمام عیوب سے)“

پاک ہے وہ ذات جو آسمان کو بغیر ستون کے بلند کرنے والا ہے..... (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے بچھایا زمین کو برف کی طرح جسے ہوئے پانی پر..... (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو پیدا کیا، پس ان کی تعداد کو گن لیا..... (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے روزی تقسیم فرمائی، اور کسی کو نہ بھولا..... (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے نہ بیوی اپنائی نہ بچے..... (تمام عیوب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے نہ کسی کو جنا نہ وہ جنا گیا، اور نہیں ہے اس کا کوئی ہمسر۔^۱

صبح و شام یہ دعا سمجھ کر پڑھیں اور مندرجہ بالا دعا میں جن باتوں کی نفی کی گئی ہے ان سے اللہ کو پاک سمجھیں اور جن باتوں کو ثابت کیا گیا ہے ان کو دل سے مانیں، **ان شاء اللہ** قرب خداوندی حاصل ہوگا — اگر کوئی شخص عربی دعا نہ پڑھ سکتا ہو تو اردو ترجمہ پڑھے اور دعا میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان پر یقین و ایمان رکھے، جہاں بیٹھے ساتھیوں میں، دوستوں میں اس کا تذکرہ کرے، اس کی دعوت دے، یہی اسلام کی بنیادی تعلیم ہے، اور یہی توحید ہے۔

فوائد و نصائح

- ۱ اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والے کو چاہئے کہ ہر مشکل حاجت، مصیبت میں ”الْاِخْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کو پکارے اور اس اکیلے اللہ رب العزت کے حضور اپنی التجائیں پیش کرے۔
- ۲ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ایک اللہ سے ہونے کا یقین اور مخلوق سے اُس ”الْاِخْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے حکم کے بغیر کچھ نہ ہونے کا یقین اپنے دل میں بٹھا دے۔
- ۳ مسلمان اپنی زندگی کے ہر موڑ پر، خواہ بچپن ہو یا جوانی یا بڑھاپا کسی بھی موقع پر اُس ”الْاِخْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کو نہ بھولے، اپنی دعاؤں میں اُسی کو پکارے۔ اور ”الْاِخْدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا قرب حاصل کرنے کی دعا کو جو اس اسم میں ذکر کی گئی ہے روزانہ مانگے۔

الضمد جَلَّ جَلَالُهُ

(سب سے بے نیاز)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

علامہ آلوسی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس نام مبارک کے یہ معنی بتائے ہیں:

① ”الْمُسْتَغْنِي عَنْ كُلِّ أَحَدٍ..... وَالْمُحْتَاجُ إِلَيْهِ كُلِّ أَحَدٍ“^۱

ترجمہ: ”الضمد جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو سب سے مستغنی بے نیاز ہے (اس کو اپنے فیصلے نافذ کرنے میں کسی کی ضرورت نہیں پڑتی) اور سب کے سب اسی کے محتاج ہیں۔“

کیا پیاری تعریف ہے، کاش! ہم سب کے دلوں میں اتر جائے کہ سب کے سب اس کے محتاج ہیں، جبریل عَلَیْہِ السَّلَام سے لے کر ایک چیونٹی تک، بڑی سے بڑی مخلوق اور چھوٹی سے چھوٹی مخلوق سب ہی اس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔

② ”الصَّمَدُ“ هُوَ السَّيِّدُ الَّذِي يُصَمَدُ إِلَيْهِ فِي الْأُمُورِ، وَيُقَصَّدُ فِي الْحَوَائِجِ وَالنَّوَائِلِ“^۲

ترجمہ: ”امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الضمد جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جس سے تمام امور میں سہارا لیا جاتا ہے اور ضرورت و مصیبتوں میں اسی ذات کی طرف رخ کیا جاتا ہے۔“

امام ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے جو تعریف فرمائی ہے وہ تمام تعریفات کے لئے جامع ہے فرماتے ہیں:

③ ”هُوَ الَّذِي يُصَمَدُ إِلَيْهِ فِي الْحَوَائِجِ..... وَهُوَ الَّذِي قَدْ انْتَهَى سُودُّهُ..... وَهُوَ الصَّمَدُ الَّذِي

لَا جَوْفَ لَهُ..... وَلَا يَأْكُلُ وَلَا يَشْرَبُ..... وَهُوَ الْبَاقِي بَعْدَ خَلْقِهِ“^۳

ترجمہ: ”وہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے (یعنی سب اُس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں)، اور وہی ہے جس کی بزرگی اور فوقیت تمام کمالات اور خوبیوں میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ (یعنی اس پر سرداری ختم

^۱ شان الدعاء: ۸۵

^۲ روح المعانی: ۹۰/۱۵، الإخلاص: ۲

^۳ تفسیر ابن کثیر: ۶۹۳/۳، الإخلاص: ۲

ہو جائے) وہ ذات جس کا پیٹ نہیں ہے اور وہی ہے جو کھانے پینے سے بے نیاز ہے، اور وہی ہے جو مخلوق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی صفت صمدیت سے اُن جاہلوں پر رد ہوا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہوں۔
علامہ ابن قیم **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** نے قصیدۂ نونیہ میں فرمایا:

وَهُوَ الْإِلَهُ السَّيِّدُ الصَّمَدُ الَّذِي
حَمِدَتْ إِلَيْهِ الْخَلْقُ بِالْإِذْعَانِ
الْكَامِلُ الْأَوْصَافِ كَمَالُهُ مَا فِيهِ
مِنْ كُلِّ الْوُجُوهِ مِنْ نَقْصَانٍ
تَرْجَمَهُ: ”اللہ ربُّ العزت کی ذات معبود برحق ہے، سردار اور بے نیاز ہے، جس کی تعریف میں ساری کی ساری مخلوق یقین اور عزم کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ہر اعتبار سے وہ کامل اوصاف والی ذات ہے جس میں کسی بھی وجہ اور اعتبار سے کوئی نقصان اور کمی نہیں۔“

”الصَّمَدُ“ کا حقیقی معنی اللہ ربُّ العزت کی ذات کے حق میں یہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت کی ذاتِ عالی بذاتِ خود قائم و دائم ہے، غیر سے اسے کسی قسم کی کوئی مدد کی ضرورت نہیں، جب کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود میں اس کی محتاج ہے، یہ اللہ ربُّ العزت کی صفت ذاتی ہے اور اللہ ربُّ العزت کی ذات کے اعتبار سے یہ صفت غیر اضافی ہے اور مخلوق کی احتیاج کے اعتبار سے یہ صفت اضافی ہے کیوں کہ مخلوق اپنے وجود اور تمام معاملات میں اللہ ربُّ العزت کی محتاج ہے۔“

شیخ محمد حمود النجدی فرماتے ہیں: ”جب ہمارے رب تعالیٰ ایسی صفات والے ہیں تو بندوں پر ضروری ہے کہ اللہ ربُّ العزت کو چھوڑ کر کسی سے امید نہ رکھیں اور نہ کسی غیر کے پاس پناہ تلاش کریں اور اسی سے مانگیں، حاجت روا اور مشکل کشا اس کے سوا کسی کو نہ سمجھیں۔ کیوں کہ اللہ ربُّ العزت ہی سب سے بڑے ہیں، وہ ”الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہیں ان سے بڑا کوئی نہیں، زندگیوں کا بنانا اور بگاڑنا صرف اور صرف ”الصَّمَدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔“

۱۔ النونیۃ: ۲/۲۳۱، ۲۳۲، بحوالہ النهج الأسْمٰی: ۹۹/۲

۲۔ ”فَتَرْجِعُ حَقِيقَةُ الصَّمَدَانِيَّةِ فِي حَقِّهِ إِلَى قِيَامِهِ بِذَاتِهِ وَإِسْتِغْنَائِهِ عَنْ غَيْرِهِ، وَاحْتِيَاجِ كُلِّ شَيْءٍ إِلَيْهِ، فَهِيَ صِفَةٌ ذَاتِيَّةٌ لَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى، تَارَةً دُونَ إِضَافَةٍ إِذَا نُظِرَ إِلَى عَيْنِ ذَاتِهِ وَصَمَدَانِيَّتِهِ، وَتَارَةً بِإِضَافَةٍ إِذَا نُظِرَ إِلَى صَمَدِ الْخَلْقِ إِلَيْهِ وَقِيَامِهِمْ بِهِ وَاحْتِيَاجِهِمْ إِلَيْهِ فِي جَمِيعِ أُمُورِهِمْ“ (الكتاب الأسْمٰی: ۲۹۳، بحوالہ النهج الأسْمٰی: ۱۰۶/۲)

۳۔ قَالَ مُحَمَّدُ الْحَمُودُ النَّجْدِيُّ: ”وَإِذَا كَانَ رَبُّنَا كَذَلِكَ فَيَنْبَغِي عَلَى الْعِبَادِ أَنْ لَا يَلْجَأُوا إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يَطْلُبُوا إِلَّا مِنْهُ، فَهُوَ سُبْحَانَهُ السَّيِّدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَا شَيْءَ فَوْقَهُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.“ (النہج الاسْمٰی: ۱۰۶/۲)

امام قرطبی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ جان لے کہ صفتِ صمدیت اور صفتِ وحدانیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہے، سوا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی غیر کو مقصود نہ بنایا جائے اور اپنی ضروریات کو اسی کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔“ ۱

سورۃ اخلاص کی اہمیت و فضیلت

امام قرطبی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”یہ سورۃ مبارکہ (سورۃ اخلاص) اللہ تعالیٰ کے دو اسمائے مبارکہ پر مشتمل ہے جو کہ کمالات کی تمام صورتوں اور اقسام کو شامل ہیں، یہ دونوں اسمائے مبارکہ سورۃ اخلاص کے علاوہ دیگر سورتوں میں نہیں ہیں، اسماء یہ ہیں: ”الْاَحَدُ، الضَّمَدُ“ اس لئے کہ یہ دونوں اسماء اس ذاتِ مقدس کے ایک ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو تمام کمالات سے موصوف ہے۔

بیان اس کا یہ ہے ”الْاَحَدُ“ باری تعالیٰ کے اس وجود خاص کو بتلاتا ہے جس میں کوئی غیر اس کا شریک نہیں اور ”الضَّمَدُ“ تمام اوصافِ کمالیہ کے جامع ہونے کو بتلاتا ہے۔ اس لئے کہ تمام شان و شوکت اور سرداری کی انتہا اسی کی ذات پر ہوتی ہے، لہذا ہر قسم کی طلب اور چاہت اسی کی جانب سے پوری ہو سکتی ہے۔“ ۲

بعض حضرات فرماتے ہیں: ”قرآن مجید تین حصوں میں اتارا گیا ہے: ① ایک حصہ احکامات پر مشتمل ہے۔ ② ایک حصہ وعد و وعید پر۔ ③ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر مشتمل ہے، اور سورۃ اخلاص ایک حصہ پر مشتمل ہے جو کہ اسماء اور صفات سے متعلق ہے، اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ سورۃ اخلاص قرآن مجید کے ایک تہائی حصہ کے برابر ہے، اس تشریح پر صحیح مسلم کی ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

حضرت ابوالدرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا اور ﴿قُلْ هُوَ اللہُ اَحَدٌ﴾ کو اجزاء قرآن میں سے ایک حصہ بنایا ہے۔“ ۳

۱۔ قَالَ الْقُرْطُبِيُّ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی: ”فَيَجِبُ عَلَى كُلِّ مُكَلَّفٍ أَنْ يَعْلَمَ أَنْ لَا صَمْدَانِيَّةَ وَلَا وَحْدَانِيَّةَ إِلَّا لِلَّهِ وَحْدَهُ، فَلَا يُقْصَدُ غَيْرُهُ وَلَا يُلْجَأُ فِي حَوَائِجِهِ إِلَّا إِلَيْهِ“ (النهج الأسْمَى: ۱۰۶/۲)

۲۔ قَالَ الْقُرْطُبِيُّ: اِشْتَمَلَتْ هَذِهِ السُّورَةُ (اي الاخلاص) عَلَى اِسْمَيْنِ مِنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی، يَتَضَمَّنَانِ جَمِيعَ اَصْنَافِ الْكَمَالِ، لَمْ يَوْجَدَا فِي غَيْرِهَا مِنَ السُّورِ، وَهُمَا: ”الْاَحَدُ، الضَّمَدُ“ لِأَنَّهُمَا يَدْلَانِ عَلَى أَحَدِيَّةِ الذَّاتِ الْمُقَدَّسَةِ الْمُوصُوفَةِ بِجَمِيعِ أَوْصَافِ الْكَمَالِ، وَبَيَانُ ذَلِكَ أَنَّ ”الْاَحَدَ“ يُشْعِرُ بِوُجُودِهِ الْخَاصِ الَّذِي لَا يُشَارِكُهُ فِيهِ غَيْرُهُ، وَ”الضَّمَدُ“ يُشْعِرُ بِجَمِيعِ أَوْصَافِ الْكَمَالِ، لِأَنَّهُ الَّذِي اِنْتَهَى إِلَيْهِ سُودَدُهُ فَكَانَ مَرْجِعُ الطَّلَبِ مِنْهُ وَإِلَيْهِ“ (النهج الأسْمَى: ۱۰۷/۲)

۳۔ ”وَقِيلَ: إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ أَثْلَاثًا: ثُلُثٌ مِنْهُ أَحْكَامٌ، وَثُلُثٌ مِنْهُ وَعْدٌ وَوَعِيدٌ، وَثُلُثٌ مِنْهُ أَسْمَاءٌ وَصِفَاتٌ وَقَدْ جَمَعَتْ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ أَحَدَ الْأَثْلَاثِ وَهُوَ الْأَسْمَاءُ وَالصِّفَاتُ فَقِيلَ إِنَّهَا ثُلُثُ الْقُرْآنِ، وَدَلَّ عَلَى هَذَا التَّأْوِيلِ مَا فِي ”صَحِيحِ مُسْلِمٍ“ مِنْ

واقعة مبارکہ (۴۱): حضرت معاویہ ابن معاویہ لیشی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مدینہ میں ہوا، حضرت جبریل علیہ السلام ۷۰ ہزار فرشتوں کو لے کر مدینہ آئے، ان کے جنازہ کو لے کر تبوک روانہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جنازہ کی نماز تبوک میں پڑھی اور جنازہ واپس مدینہ لایا گیا اور تدفین بقیع میں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

”انہیں یہ اعزاز کیوں ملا؟“ فرمایا: ”یہ کثرت سے سورہ اخلاص پڑھا کرتے تھے، اس لئے یہ اعزاز ملا ہے۔“

اسم اعظم

اسم اعظم کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور سب سے عظیم نام، اسم اعظم وہ عظیم اور وہ بابرکت نام ہے جس کے وسیلے سے کی گئی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ ہر سوال قبول ہوتا ہے، ہر حاجت اور ضرورت پوری کر دی جاتی ہے۔ وہ دعائیں جن میں اسم اعظم موجود ہے ان میں ایک دعا یہ بھی ہے، جس میں اللہ جل جلالہ کے ”الصَّمد“ نام کا ذکر ہے جسے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ..... لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الَّذِي

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ..... وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ.“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (اس واسطے سے کہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا اکیلا اور بے نیاز ہے کہ سب کے سب تیرے محتاج اور تو سب سے مستغنی، جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور جس کا کوئی ہم سر نہیں۔“

تو ارشاد فرمایا: ”تم نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے دعا کی ہے جس کے ذریعہ کی جانے والی دعا قبول ہوتی ہے۔“

تشہد میں ”الصَّمدُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے طلبِ مغفرت

حضرت مجن بن الأدرع روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز ادا کرتے ہوئے تشہد میں یہ کہہ رہا ہے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ يَا اللَّهُ..... بِأَنَّكَ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ..... الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ.....

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ..... أَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.“

حدیثِ ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”إِنَّ اللَّهَ جَزَأَ الْقُرْآنَ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، فَجَعَلَ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ جُزْءًا مِنْ أَجْزَاءِ الْقُرْآنِ“ (الأسنی: ۲۹۳، بحوالہ النهج الأسمی: ۱۰۸/۲، مسلم: باب فضل قراءة قل هو الله: ۲۷/۱)

مسند احمد: ۶/۴۷۸، رقم: ۲۲۴۴۳

التفسير الكبير: ۱۶۰/۳۲، فضيلة سورة الاخلاص

تَرْجَمًا: ”اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اس واسطے سے کہ بے شک تو ایک ہے، بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہ جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور جس کا کوئی ہم سر نہیں کہ تو میرے گناہوں کو بخش دے، بے شک تو ہی بہت زیادہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”قَدْ غُفِرَ لَهُ قَدْ غُفِرَ لَهُ“^۱

تَرْجَمًا: ”یقیناً اس کی مغفرت کر دی گئی، یقیناً اس کی مغفرت کر دی گئی۔“

قرآن کو اپنے دل کا نور بنانے کے لئے دعائیں

اسم اعظم اور اسماءِ حسنی کے اس مبارک ذکر میں ہمیں وہ دعا بھی زبانی یاد کر لینی چاہئے اور اس دعا کو ہمیشہ پڑھنا چاہئے، جس کے بارے میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے:

”مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حُزْنٌ إِلَّا أَذْهَبَ اللَّهُ هَمَّهُ وَحُزْنَهُ وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَجًا“^۲

تَرْجَمًا: جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دور فرما کر ضرور بالضرور اس کو کشادگی فرما دے گا۔^۳

یعنی اس دعا سے ہر غم و ہم، کرب و پریشانی دور ہو جاتی ہے بل کہ رسول کریم ﷺ نے صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کو تلقین کی کہ وہ ان ساتھیوں کو بھی یہ دعا (حفظ کروائیں اور) بتائیں جو اس دعا کو نہیں جانتے۔ مسند احمد میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کسی کو کوئی غم یا فکر لاحق ہو اور وہ اس طرح دعا کرے:

”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ نَاصِیَّتِیْ بِیَدِیْكَ مَا ضِیْ

حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیْ قَضَائِكَ اَسْأَلُكَ بِکُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِیْتَ بِهِ نَفْسَکَ

اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِکَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِیْ کِتَابِکَ اَوْ اسْتَاثَرْتَ بِهِ فِیْ عِلْمِ

الْغَیْبِ عِنْدَکَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رِیْعَ قَلْبِیْ وَنُورَ صَدْرِیْ وَجَلَاءَ

حُزْنِیْ وَذَهَابَ هَمِّیْ.“^۴

^۱ معارف الحدیث: ۲۲۶/۵

^۲ مسند احمد: ۱/۶۴۶، رقم: ۳۷۰۴

^۳ مسند احمد: ۴/۳۳۸، رقم: ۱۸۴۹۵

^۴ اہل علم اور عربی جاننے والوں کو چاہئے کہ اس دعا کی تشریح کے لئے علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالَى کی کتاب ”الفوائد“ کا ضرور مطالعہ فرمائیں..... (مسند احمد: ۱/۴۵۲، رقم: ۴۳۰۶)

تَرْجَمًا: ”اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور بندی کا بیٹا..... میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے..... تیرا ہر حکم میرے لئے فیصلہ کن ہے..... تیرا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہے..... میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جسے تو نے خود اپنے لئے پسند کیا ہے..... یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے..... یا اپنی کتاب میں نازل کیا ہے..... یا اپنے علم غیب کے خزانے میں محفوظ کر رکھا ہے..... کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار..... میرے سینے کا نور..... اور میرے دکھوں اور غموں کو دور کرنے کا ذریعہ بنا دے۔“

اگر کوئی یہ دعا مانگے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس کے غم و فکر کو دور فرما دیتے ہیں اور اس کی جگہ کشادگی عطا فرماتے ہیں۔“ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: ”یا رسول اللہ! کیا ہم اسے سیکھ نہ لیں؟“ فرمایا: ”کیوں نہیں، ہر سننے والے کو چاہئے کہ یہ دعا سیکھ لے۔“

اس دعا کا ایک ایک جملہ شرک کی نفی کر رہا ہے اور انسان کی عاجزی اور بے کسی کو ظاہر کر رہا ہے۔ جب بندہ اپنے ہر کام میں ”الصَّلَاةُ جَلَّالًا“ کی طرف رجوع کرے گا، اسی سے مانگے گا اور اسی ذات کے فیصلوں پر راضی رہے گا اسی کے ناموں کا واسطہ دے گا، تو پھر اسے کسی اور کے در پہ ٹھوکریں کھانے کی ضرورت نہیں ہوگی، لہذا مندرجہ بالا دعا خود بھی سیکھیں اور دوسروں کو بھی ضرور سکھائیں۔

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

- ۱ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اپنی محتاجی کو ”الصَّلَاةُ جَلَّالًا“ کے سامنے پیش کرے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی ”الصَّلَاةُ جَلَّالًا“ سے ہی مانگیں۔
- ۲ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ضرورتوں کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقوں پر اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تو وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال و متاع کی محبت سے بے نیازی عطا کی ہے۔
- ۳ اس بے نیاز ذات ہی کی محبت اور بے نیازی کو لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کرے، دعوت دے، دعائیں کرے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو بے نیاز اور محتاج نہ ہو۔

الْفَتْحُ الْمُقْتَدِرُ جِلْدِ اَوَّل

(قدرت والا) (پوری قدرت والا)

ان اسماء کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① ”هُوَ الَّذِي لَهُ الْقُدْرَةُ الشَّامِلَةُ، وَالْقُدْرَةُ لَهُ صِفَةٌ قَائِمَةٌ بِذَاتِهِ“^۱

ترجمہ: ”امام بیہقی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت ہی کی قدرت، قدرتِ عامہ ہے جو اللہ ربُّ العزت کو ہر آن، ہر گھڑی، ہر لمحہ اور ہر موقعہ پر حاصل ہے اور یہ صفت اللہ ربُّ العزت کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔“

② ”امام زجاج رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت ”الْفَتْحُ الْمُقْتَدِرُ“ ہیں، یعنی جو چاہتے ہیں اس کو وجود بخشنے پر قدرت رکھتے ہیں، اللہ ربُّ العزت کو کوئی بھی چیز کسی بھی کام سے روک نہیں سکتی اور نہ ہی ان کا کوئی مطلوب فوت ہو سکتا ہے، یہ اللہ ربُّ العزت کی صفت کا مطلب ہوا۔ بندوں کو بھی قدرت حاصل ہوتی ہے، لیکن ان کی قدرت عارضی ہے، بندے کو جو قدرت اور طاقت حاصل ہے وہ اللہ ربُّ العزت ہی کی جانب سے عطا کردہ ہے اور یہ طاقت بندے کے پاس امانت ہے، اس طاقت میں کمی کمزوری بھی ہے، یعنی اس کی قدرت اس کے کسی کام نہیں آتی اور کبھی یہ قدرت کام بھی آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی حقیقی قدرت والے ہیں، اللہ تعالیٰ پر عجز (عاجز آنا) کبھی نہیں آ سکتا اور نہ ہی ان سے کوئی چیز فوت ہو سکتی ہے۔“^۲

③ علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اپنے رسالہ نونیہ میں فرماتے ہیں: ۳

وَهُوَ الْقَدِيرُ وَلَيْسَ يُعْجِزُهُ إِذَا مَا رَامَ شَيْئًا قَطُّ ذُو سُلْطَانٍ^۴

۱۔ الاعتقاد: ۶۳ بحوالہ النهج الاسمی: ۱۱۳/۲

۲۔ ”الْقَادِرُ“: اللہ الْقَادِرُ عَلَى مَا يَشَاءُ، لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَلَا يَفُوتُهُ مَطْلُوبٌ، وَالْقَادِرُ مَنَّا، وَإِنْ اسْتَحَقَّ هَذَا الْوُصْفَ. فَإِنَّ قُدْرَتَهُ مُسْتَعَارَةٌ، وَهِيَ عِنْدَهُ وَدِيعَةٌ مِّنَ اللَّهِ تَعَالٰی، وَيَجُوزُ عَلَيْهِ الْعَجْزُ فِي حَالٍ وَالْقُدْرَةُ فِي أُخْرَى. وَاللَّهُ تَعَالٰی هُوَ الْقَادِرُ، فَلَا يَتَطَرَّقُ عَلَيْهِ الْعَجْزُ، وَلَا يَفُوتُهُ شَيْءٌ“ (تفسير الأسماء: ۵۹ بحوالہ النهج الاسمی: ۱۱۲/۲)

۳۔ النونية: ۲۱۸/۲ بحوالہ النهج الاسمی: ۱۱۵/۲

”اللہ ربُّ العزت قدرت والے ہیں اور جب کسی مقصد کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو کوئی بھی سلطنت والا اس کو عاجز نہیں کر سکتا۔“

۴ ”امام سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْقَدِيرُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو کامل قدرت رکھنے والی ہو، جس نے اپنی قدرت سے تمام موجودات کو وجود بخشا..... اور اپنی قدرت سے ان کی تدبیر فرمائی..... اور اپنی ہی قدرت سے انہیں ٹھیک ٹھیک مضبوط بنایا۔

”الْقَدِيرُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ہی ہے جو اپنی قدرت سے انہیں زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے اور جزا و سزا کے لئے انہیں دوبارہ زندہ فرمائے گا، نیکو کار کو اس کی نیکی کا بدلہ عنایت فرمائے گا اور بدکار کو اس کی بدی کا۔

الْقَدِيرُ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ذات ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے: ”كُنْ“ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنی قدرت سے دلوں کو التنا پلٹتا ہے اور جس طرح اور جس رخ پر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔“ ۵

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں ۱۲ جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿قُلْ إِنْ أَرَادَ اللَّهُ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ۶

۲ ﴿أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَى أَنْ يُخْرِجَ الْمَوْتَى﴾ ۷

۳ ﴿إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ﴾ ۸

”الْقُدْرَةُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے

قرآن مجید خالق ہستی کے متعلق جو کچھ لوگوں کو بتلانا چاہتا ہے اور اس کی جن صفات سے انسانوں کو خاص طور سے روشناس کرانا چاہتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے کسی ارادے کو پورا کرنے میں وہ نہ کسی کی مدد کا محتاج ہے اور نہ اُسے آلات و اسباب کی ضرورت ہے، وہ صرف اپنی مشیت کے اشارہ سے اور صرف اپنے ارادہ اور فیصلہ ”كُنْ“ سے سب کچھ کر سکتا ہے۔

چنانچہ سورہ فاطر میں فرمایا:

”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا“ ۹

ترجمہ: ”اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اس کے بس سے باہر جاسکے، وہ سب کچھ جاننے

۱۰ ”الْقَدِيرُ“ کَامِلُ الْقُدْرَةِ، بِقُدْرَتِهِ أَوْجَدَ الْمَوْجُودَاتِ، وَبِقُدْرَتِهِ دَبَّرَهَا، وَبِقُدْرَتِهِ سَوَّاهَا وَأَحْكَمَهَا، وَبِقُدْرَتِهِ يُخَيِّ وَيُصَيِّتُ، وَيُبْعَثُ الْعِبَادَ لِلْجَزَاءِ، وَيَجَازِي الْمُحْسِنَ بِإِحْسَانِهِ، وَالْمُسِيءَ بِإِسَاءَتِهِ، الَّذِي إِذَا أَرَادَ شَيْئًا قَالَ لَهُ: كُنْ، فَيَكُونُ، وَبِقُدْرَتِهِ يُقَلِّبُ الْقُلُوبَ وَيُضَرِّفُهَا عَلَى مَا يَشَاءُ وَيُرِيدُ“ (تیسیر الکَرِیم: ۳۱/۵ بحوالہ النہج الاسمی: ۱۱۵/۲)

۵ فاطر: ۴۴

۶ الطارق: ۸

۷ القیمة: ۴۰

۸ الانعام: ۳۷

والا اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“

یعنی بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد و ثمود وغیرہ، یہ بیچارے تو چیز کیا ہیں خوب سمجھ لو کہ آسمان اور زمین کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتی، علم اس کا محیط اور قدرت اس کی کامل، پھر معاذ اللہ عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔^{۱۷}

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جن ڈاکٹروں اور طبیعوں کو جس مرض کے علاج میں مہارت اور عالمگیر شہرت حاصل تھی ان کا انتقال بھی اسی مرض میں ہوا۔ مثلاً ارسطو طالیس سل (تپ دق) کے مرض میں، افلاطون فالج سے، جالینوس اسہال سے، حکیم اجمل خان عارضۂ قلب سے رخصت ہوئے۔ یہ سب حضرات ان امراض کے کامل ماہر و مجتہد سمجھے جاتے تھے۔ انسان اپنے محدود مطالعے اور مشاہدے کے باعث بعض اوقات غلط فہمی میں پڑ کر اپنی خود مختاری اور اپنی قدرت کا اعلان کرتا ہے، اپنے لئے یقینی مستقبل کی بات کرتا ہے، مگر قدرت کی طرف سے موت کی صورت میں انسان کی سرتاپا عاجزی و بے اختیاری اور غیر یقینی مستقبل کا خاموش اعلان اسے عبدیت کا سبق یاد دلاتا رہتا ہے۔^{۱۸}

ایسی طاقت اور بخار وائرس

واقِعَةُ مَلَبِّنَ (۳۲): ”الْقُدْرَةُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے چین جیسے ترقی یافتہ ملک میں ایک چھوٹا سا بخار کا وائرس بھیج دیا تھا، جس کو (SARS) کہتے ہیں، اس وائرس نے سارے ماہرین طب کی عقلوں کو مبہوت کر دیا تھا، ان کے ایٹم بم، ان کی ساری مہارت لمحات میں ایک طرف ہو کر رہ گئی، چائنا کی سڑکیں دن کے اُجالے میں رات کے سنائے کا ثبوت دیتی تھیں، مساجد، چرچ، بازاروں کو بند کر دیا گیا تھا، ہر آدمی کسی دوسرے آدمی سے ملتے ہوئے ڈرتا تھا کہ مجھے وائرس نہ لگ جائے، اگر کسی کو بخار ہو گیا تو اس کے رشتہ دار، دوست احباب کوئی ملنے نہ جاتا تھا کہ کہیں ہمیں بھی نہ لگ جائے اور وہ بخار سے مرتے تو نہیں لیکن بخار کی ایسی دہشت سوار تھی کہ جس کو بخار آیا وہ بے چارہ اپنے آپ کو زندہ ہوتے ہوئے بھی مردوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا۔ انسان کو چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بندہ بنایا ہے تو بندہ ہی بن کر رہے، سراپا عجز ہے تو عاجزی کو ہی اپنا شیوہ بنا کر رکھے اور ”الْقُدْرَةُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت کے سامنے اپنی قدرت کو کالعدم سمجھے۔

”الْقُدْرَةُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت

واقِعَةُ مَلَبِّنَ (۳۳): ”الْقُدْرَةُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ایک ایسی قادر مطلق ذات ہے جو پانی جیسی محلول (ہر چیز میں حل ہونے والی) چیز میں ایسی طاقت ڈال دیتا ہے کہ وہ شہروں کے شہر اور ملکوں کے ملک کو پلک جھپکنے میں الٹ دیتا ہے۔ ابھی گزشتہ مہینوں مشرقی ایشیاء اور افریقہ کی ساحلی پٹی پر ایسا سیلاب آیا کہ اُس نے صرف دو تین دن میں شہروں اور

^{۱۷} تفسیر عثمانی: ۵۸۶، حاشیہ نمبر: ۵ ^{۱۸} ماخوذ از ماہنامہ ”الحیر“

ملکوں کا نقشہ الٹ دیا۔ اس سیلاب اور زلزلے کی طاقت دس ہزار ایٹم بموں سے بھی کئی گنا زیادہ تھی۔

اس سونامی سیلاب میں تقریباً دو لاکھ انسان ہلاک ہوئے۔ ان میں مغرب سے آئے ہوئے سیاحوں کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی، جو کرسس اور نئے سال کی خوشی منانے مغرب سے مشرق پہنچے تھے۔ کسی کی لاش بلے تلے دبی ہوئی ملی اور کسی کی لاش درختوں پر لٹکی ہوئی ملی، ہزاروں کی تعداد میں لاشیں اب بھی لاپتہ ہیں، مردوں کی تدفین ایک مسئلہ بن گئی۔ ایک ماہ تک اجتماعی تدفین کا سلسلہ چلتا رہا۔ بے شک یہ سب ”الْفَلَاحُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

جب مخلوقات میں سرکشی اور نافرمانی حد سے بڑھ جائے اور کھلے عام اللہ کے حدود کی پامالی ہونے لگے، تو وہ ”الْفَلَاحُ“ جو ابائیل جیسے پرندوں کے ذریعے ابرہہ کے لشکر کو ہلاک کروا سکتا ہے، تو وہی ذات سونامی جیسے سمندری طوفان کے ذریعے صرف تین دن میں لاکھوں انسانوں کو موت کی نیند بھی سلا سکتا ہے۔

کوئی کام اتفاق سے نہیں ہوتا

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرمایا کرتے تھے: آج کل کی دنیا جس کو ”اتفاق“ کا نام دیتی ہے کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہو گیا، یہ سب غلط ہے، اس لئے کہ اس کائنات میں کوئی کام اتفاقاً نہیں ہوتا، بل کہ اس کائنات کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت (مرضی) اور نظم کے ماتحت ہوتا ہے۔ جب کسی کام کی علت اور سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کام کن اسباب کی وجہ سے ہوا تو بس ہم کہہ دیتے ہیں کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہو گیا۔ ارے جو اس کائنات کا مالک اور خالق ہے وہی اس پورے نظام کو چلا رہا ہے اور ہر کام پورے مستحکم نظام کے تحت ہو رہا ہے، کوئی ذرہ اس کی مشیت کے بغیر بل نہیں سکتا، اس لئے سیدھی سی بات یہ ہے کہ دوا میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے دوا میں تاثیر پیدا فرمائی تو فائدہ ہو گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے تاثیر پیدا نہیں فرمائی، تو فائدہ نہیں ہوا۔ بس یہ سیدھی سی بات ہے ”اتفاق“ کا کیا مطلب ہے۔

وہ ”الْمَقْدِرُ جَلَّ جَلَالُهُ“ اپنی حکمت کے موافق جس حکم کو چاہے منسوخ کرے، جسے چاہے باقی رکھے، جس قوم کو چاہے مٹائے، جسے چاہے اُس کی جگہ جمادے۔ جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے، جن کی چاہے نہ بدلے، جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے، جو چاہے شرائط کے نہ پائے جانے کی بناء پر موقوف کر دے۔ غرض ہر قسم کی تبدیلی و تغیر، محو و اثبات، نسخ و احکام اُسی کے ہاتھ میں ہے۔

انسان خود اپنے اندرونی حالات میں غرر کرے، وہ کچھ نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا، پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی۔ یہ کچھ نہ کر سکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجے میں پہنچا دیا کہ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے، نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی، بالکل نکما ہو گیا نہ کوئی بات سمجھتا ہے، نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ علم و قدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔

اللہ کی قدرت اور بڑے سے بڑے انسان کی بے بسی

واقِعَةُ مَثَبِ بْنِ (۴۴): حضرت سعید بن مسیب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کسی مجلس میں بیٹھے فرما رہے تھے: ”میں نے چالیس (۴۰) سال اس طرح بسر کئے کہ اذان سے قبل مسجد میں موجود ہوتا تھا“ یہ کہہ کر وہ نماز کے ارادے سے اٹھے تو دیکھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے ہیں۔^۱

ایک مرتبہ امام قتادہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کہنے لگے: ”میں آج تک کوئی چیز نہیں بھولا۔“..... پھر غلام کو آواز لگائی ”ذرا میرے جوتے لے آنا“ غلام نے ادب سے پاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا: ”حضرت جوتے تو آپ پہنے ہوئے ہیں۔“^۲

بڑے سے بڑے انسان کی بے بسی بھی اس پر دلیل ہے کہ یہ انسان سراپا محتاج ہے، اپنے ہر ارادہ اور ہر کام میں وہ کسی کے حکم و ارادہ کے ماتحت ہے۔

فَائِدَةٌ: انسان کو دعویٰ نہیں کرنا چاہئے یعنی کسی بھی موقع پر بڑا بول نہیں بولنا چاہئے، کیوں کہ بڑا بول اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، بس یہ سمجھے جو کچھ ہے وہ اللہ کا فضل ہے اگر یہ فضل شامل حال نہ ہوتا تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

تنگ و تاریک کوٹھڑی اور نماز

واقِعَةُ مَثَبِ بْنِ (۴۵): عبدالرحمن بن ابی نعم بجلی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، زہد و عبادت میں بڑے مشہور تھے، ان کی خدا خونی اور فکرِ آخرت کا یہ عالم تھا کہ بکیر بن عامر کے بقول: ”اگر ان سے کہا جائے کہ موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے آیا ہے تو اس خبر سے ان کی حالت میں ذرا بھی فرق نہیں آئے گا۔“

ایک دن وعظ و نصیحت کی غرض سے وہ حجاج بن یوسف کے پاس گئے، حجاج کے ظلم سے کون ناواقف ہوگا، نصیحت فرمائی اور ظلم کے انجام کی طرف توجہ دلائی تو حجاج نے اس کا نقد صلہ دیا، حکم دیا کہ ”اے تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دو۔“ اس حالت میں پندرہ دن گزر گئے، جہاں نہ کھانا، نہ پینا، نہ روشنی اور نہ زندگی کا کوئی سلمان، حجاج نے کہا: ”اب اس

^۱ سیر اعلام النبلاء، فتادہ بن دعامہ بن قتادہ.....: ۹۷/۶

^۲ المستطرف فی کل فن مستطرف: ۷۳

کی لاش نکال کر دفن کر دو۔“ چناں چہ ان کی لاش نکالنے کے لئے حجاج کے کارندوں نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہیں کہ

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
حجاج کو ان کی یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انہیں آزاد کر دیا۔^۱

دعا کی قبولیت کے لئے چند کلمات

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ مسجد میں آرام کر رہا تھا اچانک غیب سے آواز آئی اے سعید یہ (مندرجہ ذیل) کلمات پڑھ کر تو جو دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ قبول کرے گا:

”اللَّهُمَّ إِنَّكَ مَلِيكٌ مُّقْتَدِرٌ مَا تَشَاءُ مِنْ أَمْرٍ يَكُونُ.“^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! بے شک آپ مالک اور قدرت والے ہیں، آپ جو بھی چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔“

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ان جملوں کے بعد میں نے جو دعا مانگی ہے وہ قبول ہوئی

ہے۔

اسی طرح تکلیف سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا واسطہ دے کر پناہ مانگنا بے حد مفید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں یہ کلمات آئے ہیں:

”أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا آجِدُ وَأَحَاطِرُ.“^۳

ترجمہ: ”میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور اس

سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے۔“

فوائد و نصائح

- ۱ بندے کو چاہئے وہ یہ عقیدہ رکھے کہ پوری کائنات کا نظام ”الْفَلَاحُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے قبضہ قدرت میں ہے۔
- ۲ کوئی بھی کام حتیٰ کہ درخت کا ایک پتہ بھی ”الْفَلَاحُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت کے بغیر نہیں بل سکتا۔
- ۳ بندہ اپنی زندگی میں آنے والی تمام خوشیوں اور پریشانیوں کو اسی ذات کی طرف سے سمجھتے ہوئے خوشی پر شکر اور پریشانی پر صبر کرے اور یقین رکھے کہ ساتوں آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب ”الْفَلَاحُ جَلَّ جَلَالُهُ“

۱۔ تہذیب التہذیب: ۶/۲۸۶، بحوالہ کتابوں کی درسگاہ میں: ۳۸

۲۔ روح المعانی: ۹۶/۱۴، القمر: ۵۵

۳۔ مسلم، السلام، باب استحباب وضع یدہ، رقم: ۲۲۰۲

کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جس طرح ایک انسان کی مٹھی میں کوئی چیز مکمل اس کی دسترس میں ہوتی ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی﴾ اسی طرح سب کچھ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، جو بھی حالات آتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے آتے ہیں۔

﴿۴﴾ ”وَمَنْ عَلِمَ أَنَّ مَوْلَاهُ قَدِيرٌ عَلَىٰ مَا يُرِيدُ يَقْطَعُ رَجَاءَهُ عَنِ الْأَغْيَارِ“

ترجمہ: ”اور جو اس بات پر یقین رکھے گا کہ اس کا مولیٰ قدیر ہے (یعنی اتنا طاقت ور ہے) کہ وہ جس چیز کا ارادہ فرمائے تو وہ اس پر قادر ہے تو اس کی اُمیدیں اللہ تعالیٰ کے غیر سے ہٹ جائیں گی۔“

المفتی الموحّد جلّ جلالہ

(پیچھے ہٹانے والا)

(آگے بڑھانے والا)

ان اسماء کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ قال الخطابی رحمہ اللہ تعالیٰ: "المُقدِّمُ" المُنَزَّلُ لِلْأَشْيَاءِ مَنَازِلَهَا، يُقَدِّمُ مَا شَاءَ مِنْهَا، وَيُؤَخِّرُ مَا شَاءَ، قَدَّمَ الْمُقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ. وَقَدَّمَ مَنْ أَحَبَّ مِنْ أَوْلِيَائِهِ عَلَى غَيْرِهِمْ مِنْ عِبِيدِهِ.

ترجمہ: "المفتی جلّ جلالہ" وہ ذات ہے جو تمام اشیاء کو اپنے مراتب و منازل پر اتارنے والا ہے۔ ان میں سے جسے چاہے مقدم کرے اور جسے چاہے مؤخر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش سے تقدیر کو مقدم کیا اور مقدم کیا جسے چاہا اپنے برگزیدہ بندوں میں سے دوسرے بندوں پر۔

۲ "اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہیں اپنی رحمت کی طرف اور توفیق کی طرف مقدم کرتے ہیں اور جسے چاہیں اپنی رحمت و توفیق سے مؤخر کرتے ہیں معصیت کی وجہ سے۔"

۳ قال الحلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ: الْمُقَدِّمُ جَلَّ جَلَالُهُ هُوَ الْمُعْطِي لِعَوَالِي الرُّتَبِ: وَالْمُؤَخِّرُ جَلَّ جَلَالُهُ هُوَ الدَّافِعُ عَنْ عَوَالِي الرُّتَبِ. فَقَرَّبَ أَنْبِيَآءَهُ بِتَقَرُّبِهِ وَهَدَايَتِهِ وَأَخْرَجَ أَعْدَاءَهُ بِإِبْعَادِهِ.

ترجمہ: "المفتی جلّ جلالہ" اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے ذریعے وہ اونچے مراتب عطا فرماتے ہیں "المؤخر جلّ جلالہ" اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اونچے اور اعلیٰ مراتب سے روکتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو قریب کیا ہدایت کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو ذلیل کیا اپنی رحمت و ہدایت سے دور کر کے۔

۴ النهج الأسمی: ۵۵/۳

۵ قال النووي رحمہ اللہ تعالیٰ: يُقَدِّمُ مَنْ شَاءَ مِنْ خَلْقِهِ إِلَى رَحْمَتِهِ بِتَوْفِيقِهِ وَيُؤَخِّرُ مَنْ يَشَاءُ عَنْ ذَلِكَ لِإِخْلَافِهِ.

۶ النهج الأسمی: ۵۹/۳

(النهج الاسمی: ۵۶/۳)

صحیح مسلم میں یہ دو نام دعا کے ذیل میں آئے ہیں:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ

أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ.“^۱

ترجمہ: ”اے اللہ! میری مغفرت فرما اُن گناہوں کی جو میں پہلے کر چکا ہوں، اور جن کو میں نے مؤخر کیا، اور جن کو میں نے اعلانیہ کیا اور جن کو میں نے چھپ کر کیا، اور جو میں نے زیادتیاں کی ہیں، اور وہ گناہ جن کو صرف آپ میرے بارے میں جانتے ہیں (کہ میں نے کئے ہیں) معاف فرما۔ بے شک آپ ہی مقدم ہیں اور آپ ہی مؤخر ہیں کوئی معبود نہیں آپ کے سوا۔“

تقدیم و تاخیر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہیں جو کہ تابع ہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت اور حکمت کے، اور یہ دونوں صفات ذاتیہ میں سے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہیں قریب کریں اور جسے چاہیں دور کریں، پس اللہ تعالیٰ نے جس کو مقدم کیا اور حق کے قریب کر دیا تو اُس شخص نے اعلیٰ مراتب حاصل کر لئے اور جسے حق سے دور کر دیا، پس اُسے لوٹا دیا پستی کی طرف۔

کبھی کبھی تقدیم و تاخیر سے مراد بعض موجودات کی بعض دیگر موجودات پر تقدیم و تاخیر تخلیق و پیدائش کے اعتبار سے ہے اور کبھی ان صفات سے مراد بعض موجودات کی دیگر بعض موجودات پر رتبہ اور شرف کے اعتبار سے تقدیم و تاخیر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کبھی کوئی چیز تخلیق اور شرف ہر دونوں اعتبار سے مقدم ہوتی ہے اور کبھی کوئی چیز تخلیق کے اعتبار سے تو مقدم ہوتی ہے، لیکن شرف کے اعتبار سے مؤخر ہوتی ہے، اور کبھی تخلیق کے اعتبار سے مؤخر لیکن شرف، عظمت اور مرتبہ کی وجہ سے مقدم ہوتی ہے جیسے کہ آں حضرت ﷺ تمام انبیاء سے آخر میں آئے لیکن مرتبہ میں سب سے اونچے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے کئی موجودات کے بعد پیدا فرمایا اور ان میں سے کئی پر فضیلت بخشی اور ابلیس (شیطان) کو کئی موجودات سے پہلے پیدا کیا اور ان تمام سے بدتر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾^۲

ترجمہ: ”وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جوابدہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جوابدہ ہیں۔“

”المفتی محمد امجد علی دہلوی“ کی شانِ تقدیم و تاخیر

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں مقدم کر کے رحمت کے قریب کر دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں مؤخر کر کے

رحمت سے دور کر دیتے ہیں، اُس کی تقدیم و تاخیر کی شان ہی نرالی ہے۔ پوری کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ اُس کے ”الْمُعْتَمِدُ“ اور ”الْمَوْخَرُ“ ہونے پر واضح ثبوت ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اپنے رسالے میں ایک عبرت انگیز واقعہ نقل کرتے ہیں جو ”الْمُعْتَمِدُ“ ”الْمَوْخَرُ“ کی شان بے نیازی کا ایک بہترین عملی نمونہ ہے۔ لیل و نہار کا انقلاب، دنیا کا عروج و زوال، قوموں کی ترقی و تنزلی، سلف و خلف کے واقعات ایک چشم بصیرت کے لئے ہزاروں عبرتیں اپنے دامن میں رکھتے ہیں اور باواز بلند کہہ رہے ہیں۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

الغرض تمام تاریخ عالم انہی عبرتوں کا آئینہ ہے جس کا ایک ورق ناظرین کرام کے سامنے کھولا جاتا ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے حضرت شیخ الہند رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے۔

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں سن لو ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

وَأَقْعَدُ مَنَابِقَ (۳۶): ذیل کا عبرت آموز واقعہ علامہ دمیری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی ”حیوة الحیوان“ مطبوعہ مصر سے نقل کیا جاتا ہے۔

سن ہجری کی دوسری صدی ختم ہونے کو ہے۔ آفتاب نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری۔ لوگوں میں امانت، دیانت اور دین و تقویٰ کا عنصر غالب ہے، اسلام کے ہونہار فرزند جن کے ہاتھ پر اس کا فروغ ہونے والا ہے۔ کچھ برسرِ پیکار ہیں اور کچھ تربیت پا رہے ہیں۔ ائمہ دین کا زمانہ ہے۔ ہر ایک شہر علماء دین و صلحاء متقین سے آباد نظر آتا ہے۔ خصوصاً مدینۃ الاسلام (بغداد) جو اس وقت مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہو کر گلزار بنا ہوا ہے۔ ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء و صلحاء کی مجلسیں، درس و تدریس کے حلقے، ذکر و تلاوت کی دل کش آوازیں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی دل جمعی کا ایک سامان ہے۔ فقہاء و محدثین اور عباد و زہاد کا ایک عجیب و غریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ ”ابو عبد اللہ اندلسی“ کے نام سے مشہور ہیں، جو اکثر اہل عراق کے پیر و مرشد اور استاذ و محدث ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا ایک عبرت ناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیہ ناظرین کرنا ہے:

یہ بزرگ علاوہ زاہد و عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث و تفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں اور قرآن شریف کو تمام روایات قرأت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا۔ تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آدمی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی بھی ہیں۔ حضرت شبلی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت امن و امان اور آرام و اطمینان کے ساتھ منزل بہ منزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا

کہ ہمارا گزر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے۔ بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی۔ ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران میں ہم چند مندروں اور گر جا گھروں پر پہنچے جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے راہبان اور پادریوں کا مجمع تھا جن میں سے ہر شخص

ہر کس بخیال خویش خطے وارو

کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ کوئی آفتاب کو پوجتا اور کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا اور کوئی صلیب کو اپنا قبلہ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔

آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارے پر ہم ایک کنویں پر پہنچے۔ جس پر چند نو جوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مرشد ابو عبد اللہ اندلسی کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی۔ جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہم جولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ ساتھ زیور اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس سے آنکھیں چار ہوتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی، چہرہ بدلنے لگا۔ اسی انتشار طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہم جولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: یہ کس کی لڑکی ہے؟

لڑکیاں: ”اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے۔“

شیخ: ”پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنویں سے خود ہی پانی بھرتی ہے، کیا وہ اس کے لئے کوئی ماما نو کر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے۔“

لڑکیاں: ”کیوں نہیں! مگر اس کا باپ ایک نہایت عقل مند اور سمجھ دار آدمی ہے۔“

اس کا مقصد یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاع حشم و خدم پر مغرور ہو کر کہیں اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے ہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔^۱

حضرت شبلی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس طرح گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں، البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت ان کے ساتھ ہے، لیکن سخت ضیق (تنگی) میں ہیں کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔“

حضرت شبلی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا:

”اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کی مسلسل خاموشی سے متعجب اور پریشان ہیں کچھ تو فرمائیے کیا حال ہے؟“

شیخ: (قوم کی طرف متوجہ ہو کر) میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو

سردار کا لڑکی کو باہر نکالنا اور کنویں پر بھیجنا اگرچہ بے شبہ مذموم و ناروا تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کا لڑکی کے اخلاق اور خاوند کی اطاعت کا خیال ضرور قابل داد ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس سے عبرت حاصل کریں اور میکہ کی بود و باش میں لڑکیوں کے اخلاق خراب نہ ہونے دیں اور ان کو سسرال کے آداب اور خاوند کی اطاعت کا سبق دیں۔ ۱۲

دیکھا ہے، اس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلط ہے، اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔

برخیزم ز سر کوئے تو تاجاں دارم در رسد کا ربحاں از سر جاں برخیزم

حضرت شبلی رحمہ اللہ: ”اے ہمارے سردار! آپ اہل عراق کے پیرومرشد، علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرہ آفاق ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے، بطفیل قرآن عزیز ہمیں اور ان سب کو رسوانہ کیجئے۔
شیخ: میرے عزیزو! میرا اور تمہارا نصیب، تقدیر خداوندی ہو چکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا اور ہدایت کی علامات اٹھالی گئیں۔ یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا: ”اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ہے۔“

حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے، لوگ ہمارے آنے کی خبر سن کر شیخ کی زیارت کے لئے شہر سے باہر آئے اور شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سب دریافت کیا، ہم نے سارا واقعہ بیان کیا۔ واقعہ سن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا، شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت تو اسی غم و حسرت میں اُسی وقت عالم آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑ گڑا کر بارگاہ الہی میں دُعائیں کرنے لگے: اے مقلب القلوب! شیخ کو ہدایت عطا فرما اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب ہم مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں، کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں، تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا:

گاؤں والے: ”وہ جنگل میں خنزیر (سور) چرا رہا ہے۔“

ہم: ”اللہ تعالیٰ کی پناہ یہ کیا ہوا؟“

گاؤں والے: ”اُس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔ اس کے باپ نے اس شرط پر قبول کر لیا اور وہ جنگل میں سور چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔“

ہم یہ سن کر ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈنے لگا بمشکل دل تھام کر اُس جنگل میں پہنچے جہاں وہ سور چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور گلے میں زنار باندھی ہوئی ہے اور اس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبے کے وقت سہارا لیا کرتے تھے، جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم

نے قریب پہنچ کر: ”السلام علیکم“ کہا۔

شیخ: ”(کسی قدر دبی زبان سے کہا:) وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ۔“

شبلی رحمہ اللہ: ”اے شیخ! اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟“

شیخ: ”میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں۔ میرے مولانا جس طرح چاہا مجھ میں تصرف کیا اور اس قدر تقرب کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا تھا۔ اے عزیزو! اللہ بے نیاز کے قہر سے ڈرو۔ اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا: اے میرے مولانا! میرا گمان تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازے سے نکال دے گا۔ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرنا (مدد طلب کرنا) اور رونا شروع کر دیا اور آواز دی کہ اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر (حدیث میں ہے) ”السَّعِيدُ مَنْ وَعَظَ بِنُصْرَتِهِ“ یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔“

شبلی رحمہ اللہ: ”(رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں) اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں۔ ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم سے یہ مصیبت دفع کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفع کرنے والا نہیں۔“

خزیر اُن کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہو گئے اور زمین پر مرغِ بمل کی طرح لوٹنا اور چلانا شروع کیا اور اس زور سے چیخے کہ ان کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اُٹھے۔ یہ میدان میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا۔ ادھر شیخ حسرت کے عالم میں زار و قطار رو رہے تھے۔

شبلی رحمہ اللہ: ”شیخ! آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟“

شیخ: ”اے عزیز! مجھے تمام قرآن میں دو آیتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔“

شبلی رحمہ اللہ: ”وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟“

شیخ: ایک تو یہ ہے:

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَالَهُ مِنْ مُكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾^۱

ترجمہ: ”اور جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے، اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

اور دوسری آیت یہ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾^۲

تَرْجَمَہ: ”جس نے ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔“

شبلی رحمہ اللہ: ”اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے زبانی یاد تھیں، اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟“

شیخ: ”صرف ایک حدیث یاد ہے

”مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ“

تَرْجَمَہ: ”جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر ڈالو۔“

شبلی رحمہ اللہ: ”ہم یہ حال دیکھ کر بھد حسرت و یاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا..... ابھی تین

منزل طے کر پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور باواز بلند

شہادتین: **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ** پڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ہماری مسرت کا

اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت، حسرت و یاس کا اندازہ ہو۔“

شیخ: (قریب پہنچ کر) ”مجھے ایک پاک کپڑا دو۔“

اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی۔ ہم منتظر ہیں کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں۔

تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

ہم: ”اس خدائے قدیر و علیم کا ہزار ہزار شکر جس نے آپ کو ہم سے ملایا۔ اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد

پھر درست فرما دیا۔ مگر ذرا بیان تو فرمائیے کہ اس انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟“

شیخ: ”میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے۔ میں نے گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی: ”خداوند! مجھے اس جنجال

سے نجات دے، میں تیرا خطا کار بندہ ہوں۔“ اس سمیع الدعاء نے باایں ہمہ میری آواز سن لی اور میرے سارے گناہ محو کر

دیئے۔“

ہم: ”شیخ! کیا آپ کے اس ابتلا (آزمائش) کا کوئی سبب تھا؟“

شیخ: ”ہاں جب ہم گاؤں میں اترے بت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو

غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مؤمن و موحد ہیں اور یہ کم بخت کیسے

جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی: ”یہ ایمان و توحید

کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں، بل کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں“ اور مجھے اسی وقت

یہ احساس ہوا کہ گویا کوئی چیز میرے قلب سے نکل کر اڑ گئی ہے جو درحقیقت ایمان تھا۔“

حضرت شبلی رحمہ اللہ: اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت

اور ان کے دوبارہ قبولِ اسلام سے خوشیاں منا رہے ہیں خانقاہیں اور حجرے کھول دیئے گئے۔ بادشاہ وقت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ ہدایا پیش کئے۔

شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہو گئے اور پھر وہی حدیث و تفسیر و عظم و تذکیر تعلیم و تربیت کا دور شروع ہو گیا۔ خداوندِ عالم نے شیخ کا بھولا ہوا علم پھر ان کو عطا فرما دیا، اب نسبتاً پہلے سے ہر علم و فن میں ترقی ہے، تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار اور اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی۔ ایک روز ہم صبح کی نماز پڑھ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

میں: ”آپ کون ہیں.....؟ کہاں سے آئے ہیں.....؟ اور کیا مقصود ہے.....؟“

آنے والا: ”اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو آپ فلاں گاؤں میں (اس گاؤں کا نام لے کر جس میں شیخ مبتلا ہوئے تھے) ملے تھے آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔“

سچ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے تو سارا جہاں اس کا ہو جاتا ہے۔

چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت

میں شیخ کے پاس گیا، واقعہ بیان کیا، شیخ سنتے ہی زرد ہو گئے اور خوف سے کانپنے لگے، اس کے بعد اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔

لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار و قطار رو رہی ہے۔ شدتِ گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتی کہ کچھ کلام کرے۔

شیخ: ”(لڑکی سے خطاب کر کے) تمہارا یہاں آنا کیسے ہوا؟ اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا؟“

لڑکی: ”اے میرے سردار! جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی۔ میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی، اس کو کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔ نہ بھوک رہی نہ پیاس، نیند تو کہاں آتی، میں رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی۔ اور اس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی۔ اسی غنودگی میں، میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔“

میں: ”(اسی خواب کے عالم میں اس شخص کو خطاب کر کے میں نے کہا) شیخ کا دین کیا ہے؟“

شخص: ”اس کا دین اسلام ہے۔“

میں: ”اسلام کیا چیز ہے؟“

شخص: ”اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے برحق

رسول و پیغمبر ہیں۔“

میں: ”تو اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں؟“

شخص: ”ذرا آنکھیں بند کر لو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔“

میں: ”بہت اچھا“ یہ کہا اور کھڑی ہو گئی۔ اور ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا۔

شخص: ”(میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر) لو بس آنکھیں کھول دو۔“ میں نے آنکھیں کھولیں اپنے آپ کو

دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی ہے) کے کنارے پایا اب میں متحیر ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہوں کہ میں چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

اس شخص نے آپ کے حجرے کی طرف اشارہ کر کے کہا: ”یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہاں چلی جاؤ۔ اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی خضر (علیہ السلام) آپ کو سلام کہتا ہے، میں اس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی اور اب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں مجھے مسلمان کر لیجئے۔“

شیخ نے اس کو مسلمان کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا، کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔ لڑکی عبادت میں مشغول ہو گئی اور زہد و عبادت میں اپنی اکثر اقران سے سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر اپنے مالک بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ آخر اسی میں مریض ہو گئی۔ اور مرض اتنا بڑھا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا، اور اب مسافر آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے، کیوں کہ جس وقت یہ اس حجرے میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ یہ شیخ کی زیارت کر سکی، جس سے آپ چند گھڑی کے مہمان کی حسرت و یاس کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اس وقت۔

تازی لب آرمند و چشیدن گلد آرمند

کا مصداق بنا ہوا ہے۔ آخر شیخ کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس ہو جائیں۔

یار راگر سر پر سیدن بیمار غمت گو بیا خوش کہ ہنوزش نفسے می آید

شیخ یہ سن کر فوراً تشریف لائے، جاں بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں، آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہوا ہے مگر ضعف سے بولنے کی اجازت نہیں لیکن اس کی زبان بے زبانی یہ کہہ رہی ہے:

دم آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر سدا پھر دیدہ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر لڑکھرائی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا: ”السلام علیکم۔“

شیخ: ”(شفقت آمیز آواز سے) تم گھبراؤ نہیں **إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى** عن قریب ہماری ملاقات جنت میں ہونے والی ہے۔ لڑکی شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متاثر ہو کر خاموش ہو گئی اور اب یہ خاموشی لمبی ہوئی کہ یہ مہر سکوت صبح قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی۔ اس پر کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ مسافر آخرت نے اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

شیخ اس کی وفات پر آب دیدہ ہیں۔ مگر ان کی حیات بھی دنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔ حضرت شبلی **رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى** کا بیان ہے: چند روز کے بعد ہی شیخ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد میں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے ایک پر فضا باغ میں مقیم ہیں اور ستر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے۔ جن میں پہلی عورت جس کے ساتھ نکاح ہوا یہی لڑکی ہے اور اب وہ دونوں ابدال آباد کے لئے جنت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش و خرم ہیں۔

﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

یہ پورا واقعہ ”**المفتی محمد امجد علی دہلوی**“ کی شانِ تقدیم و تاخیر پر ایک بین (واضح) ثبوت ہے، انسان کو **اللہ تعالیٰ** سے ہمیشہ ہدایت ہی کی دعا کرنی چاہئے کہ **اللہ تعالیٰ** ہمیں اپنے مقرب بندوں میں سے بنادیں۔

فوائد و نصائح

- ۱۔ بندے کو چاہئے کہ جو نیکی کی توفیق ملے اس کو محض ”**المفتی محمد امجد علی دہلوی**“ کا احسان سمجھے۔
- ۲۔ قربِ الہی اور گناہوں سے دوری حاصل کرنے کے لئے اُسی ”**المفتی محمد امجد علی دہلوی**“ کے در پر ہاتھ پھیلائے۔
- ۳۔ کبھی اپنے علم و عمل پر غرور نہ کرے کہ یہ **اللہ تعالیٰ** کی دین ہے۔
- ۴۔ یہ نہ سوچے کہ فلاں کی وجہ سے میں پیچھے رہ گیا، یا فلاں نے شکایت لگا دی تو میری ترقی رُک گئی، یا فلاں نے میری سفارش کر دی تو میری ترقی ہو گئی۔ یہ سب ظاہری چیزیں ہیں دل میں پختہ یقین رکھے کہ ”**المفتی محمد امجد علی دہلوی**“ صرف **اللہ تعالیٰ** ہی ہے، جس کو وہ ترقی دے اس کو کوئی پیچھے نہیں رکھ سکتا اور جس کو وہ پیچھے کر دے اس کو کوئی آگے نہیں کر سکتا، اس لئے اگر نیچے درجہ سے اوپر کا درجہ ملا تو **اللہ تعالیٰ** کا شکر ادا کرتا رہے اور عافیت مانگتا رہے اور اگر اوپر سے نیچے کا درجہ ملا تو استغفار اور توبہ کر کے حکیم جل جلالہ کہ فیصلہ پر راضی رہے۔ دل میں مخلوق کی طرف سے میل نہ لائے، مخلوق کی غیبتیں نہ کرے، حسد اور انتقام کی آگ نہ بھڑکائے، بل کہ یہ سوچے کہ یہ سب **اللہ** کی طرف سے ہے، اسی کا نام مقدم ہے اور موخر۔

الْأَوَّلُ جَلَّالُهُ الْآخِرُ جَلَّالُهُ

(سب سے پہلے) (سب کے بعد)

ان اسماء کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① "الْأَوَّلُ" هُوَ مُتَقَدِّمٌ لِلْحَوَادِثِ بِأَوْقَاتٍ لَا نِهَایَةَ لَهَا، فَلِأَشْيَاءٍ كُلِّهَا وَجَدَتْ بَعْدَهُ، وَقَدْ سَبَقَهَا كُلِّهَا، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ: "أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ"۔^۱

"اللہ ربُّ العزت عالم میں رونما ہونے والی اور وجود پانے والی ہر چیز سے پہلے ہی موجود ہیں (اور اللہ ربُّ العزت کا ان تمام واقعات و حوادث پر مقدم ہونا باعتبار زمانہ و وقت ایسا ہے کہ جس کی تحدید و انتہاء کوئی نہیں)۔ پس تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد وجود میں آئیں، جب کہ وہ ذات سب چیزوں سے سبقت لے گئی، تمام کی تمام اشیاء اللہ ربُّ العزت کے پیدا کرنے سے پیدا ہوئی ہیں۔

نبی ﷺ اپنی دعا میں یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

"أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ"

ترجمہ: اے اللہ! آپ ہی سب سے پہلے ہیں آپ سے پہلے کوئی بھی چیز نہیں تھی اور سب کے بعد بھی آپ ہی ہوں گے آپ کے بعد کوئی نہیں ہوگا۔

② "امام حلیمی رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فرماتے ہیں "الْأَوَّلُ جَلَّالُهُ" وہ ذات ہے جس سے پہلے کوئی نہیں اور "الْآخِرُ جَلَّالُهُ" وہ ذات ہے جس کے بعد کوئی نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ "پہلے" اور "بعد" انتہاء کے لئے استعمال کیا جاتا ہے "پہلے ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی ابتدا کی جانب سے ایک حد، اور "بعد میں ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کی انتہا کی جانب سے ایک حد، پس جب اللہ ربُّ العزت کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا، پس وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔"۔^۲

^۱ تفسیر الاسماء: ۵۹، ۶۰، بحوالہ النهج الاسمی: ۱۳۵/۲

^۲ "الْأَوَّلُ" الَّذِي لَا قَبْلَ لَهُ، وَالْآخِرُ هُوَ الَّذِي لَا بَعْدَ لَهُ، (وَهَذَا لِأَنَّ) "قَبْلُ وَبَعْدُ" نِهَایَتَانِ، فَقَبْلُ نِهَایَةُ الْمَوْجُودِ مِنْ قَبْلِ =

”پس اللہ تعالیٰ ہر چیز کے وجود سے اول ہیں۔ وہ اس وقت سے ہیں جب کہ کوئی چیز بھی نہ آئی تھی۔ جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھے جب کہ کچھ بھی نہ تھا اور ان کا عرش پانی پر تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھا اور آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔“

۳ ”الْآخِرُ“ هُوَ الْمُتَأَخِّرُ عَنِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا وَيَبْقَى بَعْدَهَا۔

امام زجاج رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”الْآخِرُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہر چیز کے لئے سرچشمہ قوت اللہ رب العزت کی ذات ہے تمام اشیاء ختم ہو جائیں گی لیکن ان کے بعد اللہ رب العزت کا وجود ہمیشہ رہے گا۔

۴ ”الْآخِرُ“ هُوَ الْبَاقِي بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ وَلَيْسَ مَعْنَى الْآخِرِ مَا لَهُ الْإِنْتِهَاءُ كَمَا لَيْسَ مَعْنَى

الْأَوَّلِ مَا لَهُ الْإِبْتِدَاءُ فَهُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَلَيْسَ لِكُونِهِ أَوَّلٌ وَلَا آخِرٌ۔

ترجمہ: ”امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”الْآخِرُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہے گی ”الْآخِرُ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی انتہا و اختتام مقرر ہو، جیسا کہ ”الْأَوَّلُ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کی کوئی ابتداء ہوئی ہو، پس معلوم ہوا کہ جب کوئی نہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا، کچھ نہ رہے گا اس وقت اور اس کے بعد بھی اللہ جَلَّ جَلَالُهُ موجود رہے گا۔“

”الْأَوَّلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات و کائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیوں کہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اس لئے وہ سب سے اول ہے۔

اور ”الْآخِرُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں کہ تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا۔

قرآن کریم کی سورہ حدید میں ان چاروں صفات کو ایک ہی آیت میں ذکر فرمایا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شہون و اِبتدائہ، و بَعْدُ غَايَتُهُ مِنْ قَبْلِ اِنْتِهَائِهِ، فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ اِبْتِدَاءٌ وَلَا اِنْتِهَاءٌ لَمْ يَكُنْ لِلْمَوْجُودِ قَبْلُ وَلَا بَعْدُ، فَكَانَ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ“ (النہج الاسمی: ۱۳۵/۲)

اللہ تعالیٰ ہُوَ الْأَوَّلُ الَّذِي لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ مِّنَ الْمَوْجُودَاتِ، فَهُوَ الْمُتَقَدِّمُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ، كَمَا جَاءَ ذَلِكَ فِي حَدِيثِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ غَيْرُهُ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلِّ شَيْءٍ، وَخَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ.“ (بخاری، کتاب بدء الخلق: ۴۵۳/۱)

صفات کا بڑی جامعیت کے ساتھ اور بڑا روح پرور بیان کیا گیا ہے۔ خوب غور سے ان آیات کی تلاوت کیجئے اور ان کا ترجمہ دھیان سے ہدایت کی نیت سے پڑھئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی معرفت کا ملہ نصیب فرمائے، یہ آیت بڑی اہم آیت ہے۔

حضور ﷺ رات کو سونے سے پہلے تسبیحات (جن سورتوں کے شروع میں **سَبَّحْ یَا سَبَّحْ** آیا ہے) پڑھا کرتے تھے، اور فرمایا: **”إِنَّ فِيْهِنَّ آيَةً أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ آيَةٍ“**
ترجمہ: ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔^۱

اس اسم مبارک کے ذریعے ادائیگی قرض کی دعا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم اپنے بستر پر (آرام کی غرض) سے جائیں تو یہ دعا پڑھیں:

”اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ..... فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى وَمُنْزِلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ..... أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ..... اللَّهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ..... وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ..... اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ.“^۲

ترجمہ: ”یا اللہ! آسمانوں کے رب، زمینوں کے رب اور عرش کے رب، ہمارے رب اور ہر چیز کے رب، اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے (درخت اگانے والے)، تورات اور انجیل اور قرآن شریف کے اتارنے والے، میں تیری پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کی برائی سے جو تیرے قبضہ میں ہے۔ اے اللہ! تو سب سے پہلے ہے تجھ سے پہلے کچھ نہ تھا اور آخر میں تو ہی رہے گا کہ تیرے بعد کوئی نہ رہے گا۔ تیرا نام ظاہر ہے تیرے اوپر کچھ نہیں اور تیرا نام ”باطن“ ہے تیرے نیچے کچھ نہیں، تو ہمارا قرض ادا فرما دے اور محتاجی سے ہم کو بے پرواہ کر دے۔“

اس دعا میں یہ چاروں صفات مذکور ہیں، ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ یہ دعا یاد کر لے اور رات کو لیٹتے ہوئے بھی مانگے اور رات آنکھ کھلے اس وقت بھی مانگے، جس پر قرض ہو یا روزی کی تنگی میں مبتلا ہو تو اس کے لئے یہ دعا **ان شاء اللہ تعالیٰ** نسخہ اکسیر ثابت ہوگی۔

^۱ وَالْآيَةُ الْمُشَارُ إِلَيْهَا فِي الْحَدِيثِ هِيَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

(الحديد: ۳) (تفسير ابن كثير: ۴/۴۲، فضائل سورة الحديد وفي "سنن أبي داود"، الأدب باب ما يقول عند النوم، رقم: ۵۰۵۷)

^۲ ترمذی، ابواب الدعوات: ۱۸۶/۲

فوائد و نصائح

- ۱ بندے کو چاہئے کہ سوتے وقت مذکورہ بالا دعا مانگ کر سوئے۔
- ۲ اور اس بات کا یقین کر لے کہ باقی ہر چیز فانی ہے۔ جیسے پیدا ہونے سے پہلے کچھ نہ تھا، ختم ہونے کے بعد بھی کچھ نہ ہوگا، کیوں کہ اول اور آخر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفات ہیں مخلوق میں کوئی بھی نہ اول ہو سکتا ہے نہ آخر۔
- ۳ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اکیلے پیدا کیا، ہمیں بھی چاہئے کہ اپنی تمام عبادات و معاملات کو **الاولیٰ الاخیر** جلالہ کے سپرد کریں۔ پھر جا کر صحیح طریقے سے توحید پر چلنے والے بنیں گے۔



الظَّاهِرُ جَلَّ جَلَالُهُ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهُ

(ظاہر) (اپنی ذات میں پوشیدہ)

”الظَّاهِرُ“ کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ ”ظاہر وہ ہے جو باطن کے خلاف ہو، جب کہ اللہ رب العزت ظاہر بھی ہیں اور باطن بھی ہیں، باطن اس لئے ہیں کہ اللہ رب العزت کا مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ دوسری اشیاء مخلوقہ کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اس کی ذات کا مشاہدہ ان فانی و حادث آنکھوں سے کیا جائے۔“

اللہ رب العزت ظاہر ہیں، یعنی اللہ رب العزت کی ذات ان صاف دلائل کی وجہ سے ظاہر ہے جو دلائل اللہ رب العزت کی ذات کی نشاندہی کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے احوال اس کی معرفت اور ذات سے آگاہی کا ذریعہ ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کا ظاہر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عقل و دلائل سے جانا جاتا ہے اور باطن ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ رب العزت کو دوسری دنیوی اشیاء کی طرح دیکھا نہیں جاسکتا، اس بات سے اللہ رب العزت کی شان بہت بلند ہے۔^۱

۲ ”هُوَ (الظَّاهِرُ) بِحُجَجِهِ الْبَاهِرَةِ، وَبَرَاهِينِهِ النَّيِّرَةِ، وَبِشَوَاهِدِ أَعْلَامِهِ الدَّالَّةِ عَلَى ثُبُوتِ رَبُّوبِيَّتِهِ،

وَصِحَّةِ وَحْدَانِيَّتِهِ“^۲

ترجمہ: ”امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ رب العزت کی ذات ظاہر ہے اپنے زبردست اور دو ٹوک دلائل کی وجہ سے، اور اس کی ذات پر جو دلائل قائم ہیں وہ انتہائی واضح اور روشن ہیں اور ایسے بہت سے شواہد اور نشانیاں ہیں جو اللہ رب العزت کی ربوبیت کو ثابت کرتی ہیں اور اس کی یکتائی کو بتلاتی ہیں۔“

۳ ”(الظَّاهِرُ) خِلَافُ الْبَاطِنِ، فَاللَّهُ ظَاهِرٌ وَبَاطِنٌ، هُوَ بَاطِنٌ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُشَاهَدٍ كَمَا تُشَاهَدُ الْأَشْيَاءُ الْمَخْلُوقَةُ، عَزَّ عَنْ ذَلِكَ وَعَلَا، وَهُوَ ظَاهِرٌ بِالدَّلَائِلِ الدَّالَّةِ عَلَيْهِ وَأَفْعَالِهِ الْمُؤَدِّيَةِ إِلَى الْعِلْمِ بِهِ وَمَعْرِفَتِهِ، فَهُوَ ظَاهِرٌ مُدْرِكٌ بِالْعُقُولِ وَالْأَنْبِلِ، وَبَاطِنٌ غَيْرُ مُشَاهَدٍ كَسَائِرِ الْأَشْيَاءِ الْمُشَاهَدَةِ فِي الدُّنْيَا عَزَّ وَجَلَّ عَنْ ذَلِكَ وَتَعَالَى عُلُوًّا كَبِيرًا.“ (النهج الأسمى: ۱۴۲/۲)

النهج الأسمى: ۱۴۳/۲

۳ "وَقَالَ الْحَلِیْمِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: (الظَّاهِرُ) وَمَعْنَاهُ: الْبَادِیُّ بِأَفْعَالِهِ، وَهُوَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ بِهَذِهِ

الصِّفَةِ، فَلَا یُمْکِنُ مَعَهَا أَنْ یُجْعَدَ وَجُودُهُ وَیُنْكَرَ ثُبُوتُهُ۔" ۱

"امام حلیمی رَحِمَهُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں "الظُّهُنُّ" کے معنی یہ ہیں کہ وہ ذات جو اپنے افعال کی وجہ سے ظاہر ہے، اس اسم مبارک کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اس طور پر تعریف کی جاتی ہے کہ اس صفت "الظُّهُنُّ" کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے وجود کے انکار کی کوئی امکانی صورت باقی نہیں رہتی کیوں کہ اسی کی قدرتِ کاملہ سارے عالم میں کار فرما ہے، ہر چیز اس کے وجود پر کھلی دلیل ہے، ہر چیز جو اپنی ذات میں ظاہر ہے دراصل وہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا مظہر ہے۔"

"الظُّهُنُّ" کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "امام خطابی رَحِمَهُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الظُّهُنُّ جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے جو مخلوق کی نگاہوں سے چھپی ہوئی ہے، اور اس کی کیفیت کے بارے میں وہم بھی نہیں کیا جاسکتا، "الظُّهُنُّ" کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ ذات دیکھنے والوں کی آنکھوں سے پردے میں ہے، اور سوچ و فکر کرنے والوں کی بصیرت میں جلوہ گر ہے، ایک معنی "الظُّهُنُّ" کا یہ بھی کیا جاتا ہے کہ "الظُّهُنُّ جَلَّ جَلَالُهُ" تمام ظاہری امور کا جاننے والا ہے، اسی طرح تمام پس پردہ ہونے والے امور اور غیبی احوال سے بھی واقف ہے۔" ۲

۲ "الْبَاطِنُ) وَهُوَ الَّذِي لَا يُحَسُّ، وَإِنَّمَا يُدْرَكُ بِأَثَارِهِ وَأَفْعَالِهِ" ۳

ترجمہ: "امام حلیمی رَحِمَهُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الظُّهُنُّ جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے جسے محسوس نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس کے وجود کا ادراک اس کے افعال اور اس کی نشانیوں سے حاصل ہوتا ہے۔"

اس اسم میں ایمان کے آثار یہ ہیں:

"اللہ و تبارک و تعالیٰ کا معاملہ غیب میں ہے، وہ مخلوق سے حجاب میں ہیں، دنیا میں تو انہیں کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا، ہم اس کے علم میں سے کسی چیز کو بھی نہیں جان سکتے سوائے اس کے کہ وہ اپنے علم سے ہمیں کچھ عطا کرنا چاہیں، جیسا کہ اس نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں بیان فرمایا، یا جو رسول کریم ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے، اللہ رب العزت اس سبب کے باوجود بھی اپنی مخلوق کے لئے ظاہر ہیں، اپنے افعال کی وجہ سے اور ان نشانیوں اور آیات کی وجہ سے جو پڑھی جاتی

۱ المنہاج: ۱/۸۵، بحوالہ النهج الاسمی: ۲/۱۴۳

۲ "قال الخطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى: (الْبَاطِنُ) هُوَ الْمُحْتَجِبُ عَنْ أَبْصَارِ الْخَلْقِ، وَهُوَ الَّذِي لَا يَسْتَوَلِي عَلَيْهِ تَوَهُّمُ الْكَفِيفَةِ، وَقَدْ يَكُونُ مَعْنَى الظُّهُورِ وَالْبُطُونِ احْتِجَابُهُ عَنْ أَبْصَارِ النَّاطِرِينَ، وَتَجَلِّيهِ لِبَصَائِرِ الْمُتَفَكِّرِينَ. وَيَكُونُ مَعْنَاهُ: الْعَالِمُ بِمَا ظَهَرَ مِنَ الْأُمُورِ، وَالْمُطَّلِعُ عَلَى مَا بَطَنَ مِنَ الْغُيُوبِ." (شان الدعاء: ۸۸، بحوالہ النهج الاسمی: ۲/۱۵۴)

۳ المنہاج: ۱/۱۹۶، بحوالہ النهج الاسمی: ۲/۱۵۴

ہیں یا پھر دیکھی جاتی ہیں، جو شخص آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب میں غور و فکر اور سوچ بچار کرتا ہے تو اسے اس بات کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے کہ ان سب چیزوں کا کوئی نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نظام چلانے والا ہے۔“

سورۃ ال عمران میں اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے جس کا ترجمہ ہے:

”بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں، اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں، ان لوگوں کے لئے بڑے بڑے دلائل ہیں، جو اہل عقل و دانش ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور و فکر کیا کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان چیزوں کو عبث اور بے کار نہیں بنایا ہے، تو ہر عیب سے پاک ہے سو تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا لے۔“ ۱

قرآن کریم میں یہ اسمائے مبارکہ ایک مرتبہ مذکور ہوئے ہیں۔

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ۲

سورۃ حدید کی آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

”اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتی ہیں (یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہیں) وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑا زبردست اور صاحب حکمت ہے، اسی کی بادشاہت اور فرماں روائی ہے، آسمانوں میں اور زمین میں، وہی (جسے چاہتا ہے) جلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی موت و حیات کا سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اول ہے، وہی آخر ہے (یعنی وہ اس وقت بھی موجود تھا جب کہ اس کے سوا کوئی موجود نہ تھا اور سب کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ موجود رہنے والا ہے) وہی ظاہر ہے، وہی باطن (یعنی ظاہر ایسا کہ ہر معمولی عقل والا اس کو جانتا ہے اور اس کی خدائی کا یقین رکھتا ہے، اور مخفی ایسا کہ کوئی آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، وہی ہے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں (چھ دوروں میں) بنایا، پھر وہ اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا، جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے، اور جو اس میں سے نکلتا ہے، وہ اس سب کو جانتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور

۱ اللہ تَبَارَكَ وَتَعَالَى اَعْظَمُ الْغَيْبِ، مُحْتَجِبٌ عَنِ الْخَلْقِ، لَا يَرَاهُ أَحَدٌ فِي الدُّنْيَا، وَلَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ فِي الْآخِرَةِ وَلَا نُحِيطُ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ لَنَا أَنْ نَعْلَمَهُ عَنْهُ، مِمَّا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ، أَوْ مَا وَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَهُوَ سُبْحَانَهُ مَعَ ذَلِكَ ظَاهِرٌ لِّخَلْقِهِ بِأَفْعَالِهِ وَآيَاتِهِ الْمَتْلُوَّةِ وَالْعَيَانِيَةِ، فَمَنْ تَأَمَّلَ وَتَفَكَّرَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهَا،

عَلِمَ عِلْمَ الْيَقِينِ أَنَّ لَهُ خَالِقًا مُدَبِّرًا ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ الَّذِينَ

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۰﴾ (ال عمران: ۱۹۰، ۱۹۱، النهج الأسْمَى: ۲/۱۵۴، ۱۵۵)

۲ الحدید: ۳

جو کچھ اُس کی طرف چڑھتا ہے وہ اس سب کا بھی علم رکھتا ہے اور تم جہاں بھی ہو، وہ (ہر جگہ اور ہر حال میں) تمہارے ساتھ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اُن سب کو خوب دیکھتا ہے۔“

یعنی زمین میں بارش کے جو قطرے اور غلہ جات و میوہ جات کے جو بیج داخل ہوتے ہیں، ان کی کمیت اور کیفیت کو وہ جانتا ہے جو درخت، چاہے وہ پھلوں کے ہوں یا غلوں کے یا زینت و آرائش یا خوشبو والے پھولوں کے بوٹے ہوں، یہ جتنے بھی اور جیسے بھی باہر نکلتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ یعنی تم خشکی میں ہو یا تری میں..... رات ہو یا دن..... گھروں میں ہو یا صحراؤں میں..... ہر جگہ ہر وقت..... وہ اپنے علم و بصر کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ایک ایک عمل کو دیکھتا ہے، تمہاری ایک ایک بات کو جانتا ہے اور سنتا ہے۔^{۱۷}

شیخ عبدالصمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جس طرح ہم مخفی اور پوشیدہ چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے اسی طرح ہم ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے جو بہت ہی زیادہ روشن ہوں اور ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیں، چوں کہ سورج بہت زیادہ روشن ہے اور اجلِ بدیہیات سے ہے، لہذا ہماری مادی اور عقلی بصارت و بصیرت اس کی روشنی سے چکا چوند ہو جاتی ہے اور بعض ضعیف البصر (کمزور بینائی والے) باوجود اس کے ظاہر ہونے کے اسے نہیں دیکھ سکتے۔

وہ رازق ہے اور اس کی رزاقیت ظاہر ہے..... وہ خالق ہے اور اس کی خالقیت واضح ہے..... وہ رحمان و رحیم ہے اور اس کی صفتِ رحمت ظاہر ہے..... وہ قدیر ہے اور اس کی قدرت نمایاں ہے..... وہ مالک ہے اس کی ملکیت سب پر ظاہر ہے..... وہ علیم ہے اور اس کا علم سب کو معلوم ہے..... وہ لطیف ہے اور اس کی لطافت کو ہر شخص پہچان سکتا ہے..... وہ جبار و قہار ہے اور اس کا جبر و قہر خوب عیاں ہے..... وہ بدیع ہے اور اس کا ابداع و قدرت آشکارا ہے..... وہ سمیع و بصیر ہے وہ ”فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ“ ہے اور اس کی فاعلیت و ارادت کے نظارے چشمِ بینا نے دیکھے ہیں..... وہ محی ہے اور اس کی احیاء کے کرشمے ہر آن بے شمار دنیا میں ہوتے رہتے ہیں..... وہ ممیت ہے اور اس کی اِماتت سے انکار کی گنجائش نہیں..... وہ مُحْصِی شمار کنندہ ہے اور اس کی شمار میں کبھی غلطی نہیں ہوتی، کبھی بھول نہیں ہوتی..... وہ عظیم ہے اور اس کی عظمت ثابت ہے..... وہ جلیل ہے اور اس کی جلالت و منزلت کامل و اتم ہے..... وہ کریم ہے اور اس کی کرامت واضح ہے..... وہ عزیز ہے اور اس کا غلبہ ہر شے پر ہے..... وہ رب ہے اور اس کی ربوبیت کی گواہی ہر شے دے رہی ہے۔ الغرض کہاں تک شمار کرائیں وہ اپنے صفات سے ظاہر و باہر ہے۔^{۱۸}

^{۱۷} از حواشی تفسیر مولانا محمد جونا گڑھی: ۱۵۳۲

^{۱۸} شرح اسماء الحسنی (الازہری): ۲۵۱

وساوسِ شیطانیہ سے ”الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی پناہ مانگئے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اگر کبھی تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ اور دینِ حق کے معاملے میں شیطان کوئی وسوسہ ڈالے تو یہ آیت آہستہ سے پڑھ لیا کرو:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾^۱

اس آیت کی تفسیر اور اوّل و آخر، ظاہر و باطن کے معنی میں حضرات مفسرین کے دس سے زیادہ اقوال منقول ہیں، جن میں کوئی تعارض (تضاد) نہیں، سب ہی کی گنجائش ہے، لفظِ اوّل کے معنی تو تقریباً متعین ہیں، یعنی وجود کے اعتبار سے تمام موجودات و کائنات سے مقدم اور پہلا ہے، کیوں کہ ساری موجودات اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں، اس لئے وہ سب سے اوّل ہے، اور آخر کے معنی بعض حضرات نے یہ کئے ہیں کہ تمام موجودات کے فناء ہونے کے بعد بھی وہ باقی رہے گا، جیسا کہ آیت: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾^۲ میں اس کی تصریح ہے اور فنا سے مراد عام ہے خواہ فنا و عدم ممکن ہو اور وہ اپنی ذات میں عدم کے خطرہ سے خالی نہ ہو، اس کو موجود ہونے کے وقت بھی فانی کہہ سکتے ہیں، اس کی مثال جنت و دوزخ اور ان میں داخل ہونے والے اچھے برے انسان ہیں کہ ان کا وجود فنا نہیں ہوگا مگر باوجود حقیقتاً فنا نہ ہونے کے امکان و احتمال فناء سے پھر بھی خالی نہیں، صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے جس پر کسی حیثیت اور کسی مفہوم سے نہ پہلے کبھی عدم طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی اس کا امکان ہے، اس لئے اس کو سب سے آخر کہہ سکتے ہیں۔

اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حق تعالیٰ کو ”آخر“ باعتبار معرفت کے کہا گیا ہے کہ سب سے آخر معرفت اس کی ہے، انسان علم و معرفت میں ترقی کرتا رہتا ہے مگر یہ سب درجات جو اس کو حاصل ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں ہیں اس کی انتہا اور آخری حد حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔^۳

اور ”الْبَاطِنُ“ سے مراد وہ ذات جو اپنے ظہور میں ساری چیزوں سے فائق اور برتر ہو، اور ظہور چوں کہ وجود کی فرع ہے، تو جب حق تعالیٰ کا وجود سب موجودات پر فائق اور مقدم ہے، لہذا اس کا ظہور بھی سب پر فائق اور مقدم ہے کہ اس سے زیادہ اس عالم میں کوئی چیز ظاہر نہیں کہ اس کی حکمت و قدرت کے مظاہر دنیا کے ہر ذرّہ میں نمایاں ہیں۔

اور ”الْبَاطِنُ“ اپنی ذات کی حقیقت کے اعتبار سے ہے کہ اس کی حقیقت تک کسی عقل و خیال کی رسائی نہیں ہو سکتی۔^۴

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے۔ یعنی انسان اپنی معرفت بدیہیہ سے اسے پا سکتا ہے اور ہر ایک موجود شے ہستی باری تعالیٰ پر

۱۔ القصص: ۸۸

۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۴۳، الحديد: ۳

۳۔ معارف القرآن: ۸/۲۹۲، الحديد: ۳

۴۔ روح المعانی: ۱۴/۱۶۶، الحديد: ۳

بہترین دلیل فطرتِ انسانی بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ باطن ہے: یعنی حقیقتِ عرفان کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے: اپنی آیات سے اور باطن ہے اپنی ذات سے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور سب پر محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے: ہدایت وجود اور شدت ظہور، بذریعہ دلالت مصنوع پر صانع اسی کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور جملہ ممکنات کا افتقار و احتیاج اس کی طرف ہے۔

اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اور اس کی آیات، آفاقِ عالم میں روشن و تاباں ہیں۔

فَوَائِدُ وَنَصَائِحُ

۱ بندے کو چاہئے کہ ”الظُّهُرُ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی جتنی نعمتیں اس کے سامنے ظاہر ہوتی جائیں وہ اتنا ہی شکر اور بندگی کا اظہار کرنے میں اپنی زندگی کو گزارنے کی کوشش کرے۔

۲ اپنے ظاہر اور باطن دونوں کو سنت کے مطابق بنائے۔

۳ ”الظُّهُرُ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی نعمتوں کا تذکرہ ہر وقت کرتا رہے۔

۴ یہ عقیدہ رکھے کہ ”الظُّهُرُ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ تمام اشیاء کے باطن کو جانتے ہیں جس طرح ان کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ زمین و آسمان کی کوئی چیز ”الظُّهُرُ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے پوشیدہ (چھپی ہوئی) نہیں ہے۔ کوئی عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس سے پوشیدہ نہیں۔

۵ اپنے باطن میں ہر وقت ”الظُّهُرُ الْبَاطِنُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی یاد کو بسائے رکھے۔ اور اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے ایسا بنائے کہ اس کی یاد کے سوا کسی کی یاد نہ آئے، اس سے مانگے بغیر چین نہ آئے، اپنی ظاہری اور باطنی ضرورتوں کو صرف اسی سے مانگے، اللہ کے سوا کسی کے پاس کبھی بھی اپنی کوئی حاجت، ضرورت نہ لے کر جائے بزرگ یوں دعا مانگتے تھے:

”اے اللہ! ہر نعمت کو جمالِ آمینہ یار بنادے“ یعنی ہر نعمت میں اللہ نظر آئے، ہر نعمت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اضافہ ہو، ہر نعمت میں اس کا ظہور دل کی آنکھوں سے واضح نظر آئے۔

۶ دل میں آنے والے خیالات و سوچ کا علم اللہ تعالیٰ کو تو ہے، اس لئے کسی کے متعلق دل میں غلط خیال بھی نہ لائے۔

۷ جو اس نام سے تعلق پیدا کرنا چاہے وہ حضرت انس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جو نصیحت آپ ﷺ نے فرمائی اس پر عمل کرے:

”يَا بُنَيَّ إِنَّ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فافْعَلْ“^۱

ترجمہ: ”اے میرے بیٹے! اگر تو اس طرح صبح شام کر سکتا ہے کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کوئی میل نہ ہو.....

تو ضرور یہ کر۔“

لہذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے ذرہ برابر بھی کوئی بات دل میں نہ رکھے، جب بھی کوئی خیال اس طرح کا آئے کہ فلاں نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا، تو فوراً اپنے آپ سے کہے کہ یہ ضرور شیطان نے خیال ڈالا ہے اور شیطان کے خیالات کی میں پروا نہیں کرتا تو ان شاء اللہ کسی کی بھی برائی کبھی دل میں نہیں آئے گی۔



الوالیٰ جَلَّ جَلَالُهُ

(ہر چیز کا نگران و ذمہ دار)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

الْوَالِیُّ: هُوَ الْمَالِكُ لِلْأَشْيَاءِ وَالْمُتَوَلِّیُّ لَهَا.

ترجمہ: ”الوالیٰ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ہے جو تمام اشیاء کا مالک اور ان کا نگران ہے۔^۱

یہ اسم مبارک قرآن شریف میں صرف ایک جگہ آیا ہے:

﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ قَالَ﴾^۲

ترجمہ: ”اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ مصیبت کا ارادہ فرماتے ہیں تو کوئی اس کو دور نہیں کر سکتا اور اللہ تعالیٰ

کے سوا ان کا کوئی والی (کارساز) نہیں ہوتا۔“

زمین و آسمان اور اس کے درمیان چلنے والا سارا نظام اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، اور اس کی نگرانی اور

حفاظت اُسی کے ذمہ ہے۔

وہ ایسا والی ہے کہ کوئی پتا بھی اُس کے حکم و اشارے کے بغیر نہیں ہل سکتا، وہ ایسا ذمہ دار ہے کہ حساب و کتاب، سزا و

جزا کا ذمہ اُسی کے سپرد ہے۔

ایسا والی ہے جو دن کو رات میں اور رات کو دن میں بدلتا ہے، اُس کے نظام میں کبھی بھی گڑبڑ نہیں ہوتی۔

جو شخص اس ”الوالیٰ جَلَّ جَلَالُهُ“ پر بھروسہ کرے تو وہ ذات اُس کی تمام مجبوریاں اور پریشانیاں حل فرما دیتی ہے۔

جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا

واقِعَةُ مُبِیِّنٌ (۴۷): حضرت زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک لڑائی میں شریک تھے، ایک دن اپنے بیٹے عبد اللہ کو وصیت فرمائی کہ

میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا۔ تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا، یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید

ہو گئے، صاحب زادے نے جب قرضہ کا حساب کیا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور یہ قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دہا بہت مشہور تھے۔ لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے یہ فرما دیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں، یہ رقم قرض ہے، جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا، یہ کہہ کر اس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی:

”يَا بُنَيَّ اِنْ عَجَزْتَ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ مَوْلَايَ“

”اے بیٹے! جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔“ عبداللہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا، میں نے پوچھا: آپ کے مولیٰ کون؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ، چنانچہ حضرت عبداللہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے تمام قرضہ ادا کر دیا، کہتے ہیں کہ جب کوئی وقت پیش آتی میں کہتا: ”يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ اقْضِ عَنْهُ دَيْنَهُ فَيَقْضِيَهُ.“

اے زُبیر کے مولیٰ! زُبیر کا فلاں قرضہ ادا کروا دیجئے، اس دعا کے بعد اللہ تعالیٰ قرض ادا کرنے کی صورت پیدا فرما دیتے۔ حضرت عبداللہ بن زُبیر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں: میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کہا: میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم لکھے ہیں۔ کہنے لگے: جب چاہو لے لو۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں دوبارہ گیا، میں نے کہا: وہ تو تمہارے اُن کے ذمہ ہیں، کہنے لگے: میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا: میں معاف نہیں کراتا، کہنے لگے: جب تمہیں سہولت ہو دے دینا۔ میں نے کہا: اس کے بدلے میں زمین لے لو، غنیمت کے مال میں بہت سی زمین آئی ہوئی ہے۔

عبداللہ بن جعفر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: اچھا، میں نے ایک زمین ان کو دے دی، جو معمولی حیثیت کی تھی۔ پانی وغیرہ اس میں نہیں تھا۔ انہوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا: اس زمین میں مصلیٰ بچھا دے، اُس نے مصلیٰ بچھا دیا۔ دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا: اس جگہ کو کھودو۔ اس نے کھودنا شروع کیا، ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا۔^۱

”الْوَالِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے ہاں دیر تو ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں

وَاقِعَةٌ مِّنْ بَنِي ۙ (۳۸): ایک آدمی کسی امیر کے پاس اپنی ضرورت کے سلسلے میں آیا، دیکھا کہ وہ امیر سجدہ میں پڑا اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے، کہنے لگا: ”یہ خود دوسرے کا محتاج ہے، پھر میں اس کا محتاج کیوں بنوں؟“

میں اپنی حاجت اس ذات کے سامنے کیوں پیش نہ کر دوں جہاں مصلحتاً دیر تو ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں۔“ امیر نے اس شخص کی یہ بات سن لی، اسے بلا کر دس ہزار کی خطیر رقم دی اور کہا: ”یہ رقم تجھے اسی ذات نے دی ہے

^۱ بخاری، الجہاد، بَابُ بَرَكَةِ الْغَازِي فِي مَالِهِ حَيًّا وَمَيِّتًا: ۴۱/۱

جس سے میں سجدے کی حالت میں مانگ رہا تھا اور جس کی طرف تو نے رجوع کیا۔“

”الوہی جلالہ“ سے محبت کا انداز

واقِعَةُ مَلِئِكٍ (۴۹): حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، خدام نے ایک دن خلوت میں قہقہہ کی آواز سنی، انہیں تعجب ہوا کہ آپ تو سخت علیل ہیں آخر تنہائی میں ایسی کون سی بات آپ نے دیکھی جس پر آپ کو ہنسی آرہی ہے؟ کچھ دنوں بعد افاقہ ہوا، مزاج بھی ٹھیک تھا، خدام نے دریافت کیا: ”حضرت فلاں دن کیا معاملہ پیش آیا تھا جس پر آپ بیماری کے باوجود ہنس رہے تھے؟“ فرمایا: ”اس وقت مرض میں ایسی لذت آئی کہ بے اختیار ہنسی آگئی۔“

”اللہ اکبر!“ بیماری اور لذت! ہمارے لئے یہ کیسی تعجب انگیز بات ہے، مگر جو محبت گزیدہ اور عشق چشیدہ لوگ ہیں ان کو واقعی زخموں میں بھی لذت محسوس ہوتی ہے، ان کو کانٹوں کی چھین میں پھولوں کی نزاکت کا مزہ آتا ہے۔

واقِعَةُ مَلِئِكٍ (۵۰): دین پور کے حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** دردِ گردہ میں مبتلا تھے۔ یہ درد کبھی کبھی اس شدت سے اٹھتا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ! دیکھنے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا تھا، بیماری کا علاج کروانا اگرچہ توکل کے خلاف نہیں ہے، لیکن حافظ صاحب پر تفویض (اللہ کے سپرد کرنا) و توکل اور راضی بہ رضا رہنے کا ایسا غلبہ تھا کہ جب بھی درد کا دورہ پڑتا حجرہ مبارک میں ٹھنڈی ریت ڈلوا کر اندر سے دروازہ بند کر لیتے اور گھنٹوں ریت پر لوٹ پوٹ ہوتے رہتے بل کہ یوں کہنا چاہئے کہ درد و الم سے لطف اندوز ہوتے رہتے اور زبان پر یہ شعر جاری رہتا

لطف تجن دم بدم قہر تجن گاہ گاہ
ایں وی تجن واہ واہ تے اوں وی تجن واہ واہ

یعنی محبوب حقیقی کی جانب سے لطف و کرم تو ہر دم رہتا ہے مگر اس کی جانب سے درد و الم کبھی کبھار ہوتا ہے، مگر ہم ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور واہ واہ کہتے ہیں۔

بیماری اور تکلیف پر شکوہ کرنا ہمارے بزرگوں کا شیوہ نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ غم اور پریشانی کی وجہ سے دل میں عاجزی اور رقت (نرمی) پیدا ہوتی ہے، اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوتی، اسی لئے تو فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

ترجمہ: ”بے شک اللہ صبر والوں کا ساتھ دیتا ہے۔“

انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام و راحت (نعمت) یا تکلیف و پریشانی۔ نعمت میں شکر الہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے۔ حدیث میں ہے ”مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا

۱۔ اللقط فی حکایات الصالحین لابن الجوزی، احکامیہ: ۵۰۷

۲۔ البقرة: ۱۵۳، (ندائے منبر و محراب: ۱/۲۸۳)

شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے۔ دونوں ہی حالتیں اس کے لئے خیر ہیں۔^۱

صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک محرمات اور معاصی کے ترک اور اس سے بچنے پر، اور لذتوں کے قربان اور عارضی فائدوں کے نقصان پر صبر۔ دوسرا احکام الہیہ کے بجالانے میں جو مشقتیں اور تکلیفیں آئیں، انہیں صبر و ضبط سے برداشت کرنا۔ بعض لوگوں نے اس کو اس طرح سے تعبیر کیا ہے: اللہ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنا، چاہے وہ نفس و بدن پر کتنی ہی گراں ہوں اور اللہ کی ناپسندیدہ باتوں سے بچنا، چاہے خواہشات و لذات اس کو اس کی طرف کتنا ہی کھینچیں۔

”الْوَالِيَّ جَلَّالًا“ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی دعا

”اَللّٰهُمَّ اَرْضِنِيْ بِقَضَائِكَ.....وَبَارِكْ لِيْ فِيمَا قَدَّرَلِيْ.....حَتّٰى لَا اُحِبَّ تَعْجِيْلَ

مَا اَخَّرْتَ.....وَلَا تاَخِيْرَ مَا عَجَّلْتَ.....“

ترجمہ: ”اے اللہ اپنے فیصلے پر مجھ کو راضی کر دے اور جو میرے لئے مقدر ہو چکا ہے اسی میں مجھے برکت عطا فرما تاکہ جو چیز تو نے موخر فرمادی ہے اُس کی جلدی نہ کروں اور جس چیز کو تو نے فی الحال مقدر کر دیا ہے، اس کی تاخیر کی تمنا نہ کروں۔“

امانت کا نگران

واقِعَةُ مَلِكٍ (۵۱): حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا، اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا، دونوں کے درمیان اس قدر مشابہت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیران ہو گئے، فرمایا: ”میں نے باپ بیٹے میں اس طرح کی مشابہت نہیں دیکھی“ آنے والے شخص نے کہا: ”امیر المؤمنین! میرے اس بیٹے کی پیدائش کا بڑا عجیب قصہ ہے، اس کی پیدائش سے پہلے جب میری بیوی امید سے تھی تو مجھے ایک جہادی معرکہ میں جانا پڑا بیوی بولی: ”آپ مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟“ میں نے کہا:

”اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ مَا فِيْ بَطْنِكَ“ (آپ کے پیٹ میں جو کچھ ہے، میں اسے اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھ کر جا رہا ہوں) یہ کہہ کر میں جہادی مہم میں نکل پڑا، ایک عرصہ کے بعد واپس ہوا تو یہ دردناک خبر ملی کہ میری بیوی انتقال کر چکی ہے اور جنت البقیع میں دفن کی گئی ہے، میں اس کی قبر پر گیا، دعا کی اور آنسوؤں سے دل کا غم ہلکا کیا، رات کو مجھے اس کی قبر سے آگ کی روشنی بلند ہوتی ہوئی محسوس ہوئی، میں نے رشتے داروں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا:

”رات کو اس قبر سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیتے ہیں.....“ میری بیوی ایک پاک باز اور بڑی نیک

۱۔ مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب المومن امرہ کلہ خیر، رقم: ۲۹۹۹

۲۔ الحزب الاعظم: ۸۵ المنزل الرابع

خاتون تھی، میں اسی وقت اس کی قبر پر گیا تو وہاں یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ قبر کھلی ہوئی ہے، میری بیوی اس میں بیٹھی ہے، بچہ اس کے پاس بل کھا رہا تھا، اور یہ آواز سنائی دے رہی ہے: ”اے اپنی امانت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والے!..... اپنی امانت لے لے، اگر تم اس بچے کی ماں کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے جاتے تو واللہ! آج اسے بھی پاتے۔“..... میں نے قبر سے بچہ اٹھایا اور قبر اپنی اصلی حالت پر آگئی، امیر المؤمنین! یہ وہی بچہ ہے۔“

”الْوَالِیُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے انتہائی رغبت و شوق سے دعا مانگیں

بعض لوگ دعائیں پڑھتے ہیں، دعائیں مانگتے نہیں۔ دعائیں پڑھنے میں اور دعائیں مانگنے میں فرق ہے۔ دعائیں پڑھنا تو یہ ہوا کہ انسان رٹی رٹائی دعائیں اس طرح پڑھے کہ خود کو بھی پتہ نہ چلے کہ کیا مانگ رہا ہوں، دعا مانگنے کے بعد یہ بھی یاد نہ ہو کہ کون کون سی دعائیں مانگی ہیں۔ البتہ دعا مانگنا یہ ہوتا ہے کہ انسان اس قدر بھکاری اور محتاج ہو کر دعا مانگے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک سراپا سوال بن جائے۔

اگر کسی فقیر کو دیکھیں تو اس نے کپڑے پیوند لگے پہنے ہوتے ہیں تاکہ اس کو دیکھ کر لوگوں کو ترس آئے۔ پھر وہ ہاتھ پھیلاتا ہے تو بھرائی ہوئی آواز نکالتا ہے۔ اس کے کپڑوں سے سوال..... ہاتھوں سے سوال..... آواز سے سوال..... نگاہوں سے سوال..... غرض ہر چیز سے سوال ٹپکتا ہے بل کہ وہ سراپا سوال بن جاتا ہے۔ پھر لوگ اس کو پیسے دیئے بغیر آگے نہیں جاتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس فقیر نے ایک روپے کا سوال کرنا ہو وہ ایسی لجاجت سے سوال کرے، تو جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کو مانگنا ہو اس کو کتنی عاجزی اور رغبت و شوق سے سوال کرنا چاہئے۔ ہر ہر زاویے سے سوالی بننا ہوگا ہر لمحے اپنے ظاہر و باطن کی نگرانی کرنی ہوگی کہ کہیں کوئی گناہ نہ ہو جائے کہ سوال رد ہو جائے۔

نظر بد دور کرنے کے لئے ”الْوَالِیُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے دعا مانگیں

واقِعَةُ مِنْ بَنِی (۵۲): ایک مرتبہ جبریل عَلَیْہِ السَّلَام حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ اس وقت غم زدہ تھے۔ سبب پوچھا تو فرمایا: ”حسن اور حسین (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) کو نظر لگ گئی ہے۔“ جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے فرمایا: ”یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے۔“ آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ حضور ﷺ نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ فرمایا یوں کہئے:

”اَللّٰهُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِيْمِ..... وَالْمَنْ الْقَدِيْمِ..... ذَا الْوَجْهِ الْكَرِيْمِ..... وَلِيَّ الْكَلِمَاتِ التَّامَّاتِ

وَالدَّعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ..... عَافِ الْحَسْنَ وَالْحُسَيْنَ مِنْ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْيُنِ الْاِنْسِ“

ترجمہ: ”اے اللہ! بڑی بادشاہت اور ازل سے احسان کرنے والے، شرافت و بزرگی والے تمام کلمات اور مقبول

دعاؤں کے مالک حسن اور حسین کو جنات سے اور انسانوں کی نظر بد سے محفوظ فرما۔“

حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی، وہیں دونوں بچے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے، حضور ﷺ نے فرمایا: لوگو! اپنی جانوں کو، اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی پناہ کے ساتھ پناہ دیا کرو، اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔^۱

وضاحت: جب یہ دعا اپنے لئے مانگنی ہو تو یوں مانگیں ”عَافِنِي مِنَ اَنْفُسِ الْجِنِّ وَاَعْيُنِ الْاِنْسِ“ اور کسی اور بیمار کے لئے مانگنی ہو تو ”الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ“ کی جگہ اس کا نام لیں۔

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

- ۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ ”الْوَالِيَّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کو ہی اپنا مددگار اور کارساز سمجھے۔
- ۲ اپنی زندگی کو ”الْوَالِيَّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی نگرانی میں سمجھے، ملازم ہے تو وقت کی پابندی میں ”الْوَالِيَّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے بارے میں یقین کرے کہ وہ نگرانی کر رہا ہے، کام کرنے میں سستی نہ کرے، وعدہ خلافی نہ کرے۔
- ۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دونوں دعاؤں کو یاد کرے اور اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔
- ۴ جو ”الْوَالِيَّ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے تعلق پیدا کرنا چاہے وہ اپنی تمام ضروریات میں سہارا اور تکیہ صرف الوالی پر لگائے، اپنی امیدوں کی آس کسی اور پر نہ رکھے، کسی سے کچھ بھی نفع کی امید نہ رکھے، غلام کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ آقا کا ہوتا ہے۔

”الْوَالِيَّ جَلَّ جَلَالُهُ“ جس کا مولیٰ ہو اور پھر غلاموں کے ہاتھوں میں سونے چاندی کے ٹکڑوں کو دیکھ کر للچائی ہوئی نگاہیں ان پر ڈالیں، یا ان کے ہاتھوں سے کوئی چیز نہ ملے تو شکایت کرتا پھرے، ان سے منہ موڑ لیں یہ کتنی کم قسمتی کی بات ہے، غلام مملوک کے پاس جو چیزیں نظر آتی ہیں وہ حقیقت میں ان کی نہیں ہیں۔

جس کا ”الْوَالِيَّ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے تعلق بن جائے گا وہ کبھی ان چیزوں پر للچائی ہوئی نگاہ نہیں رکھے گا، ان کے ہاتھوں سے ملنے اور نہ ملنے پر راضی یا ناراض نہ ہوگا۔ یقین رکھے گا کہ ”الْوَالِيَّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے خزانے میں اس سے لاکھوں درجہ بہتر چیزیں ہیں، اسی سے مدد مانگے گا، اسی پر اپنا سہارا رکھے گا یا اسی کو سہارا بنائے گا۔

اللہ کرے! ہم سب اپنا والی..... دل سے اللہ کو بنالیں۔

الْمُتَعَالَى جَلَّ جَلَالُهُ

(برتر)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ ﴿الْمُتَعَالَى جَلَّ جَلَالُهُ﴾: هُوَ الْمُتَنَزِّهٌ عَنْ صِفَاتِ الْمَخْلُوقِينَ تَعَالَى أَنْ يُوصَفَ بِهَا. ۱
ترجمہ: ”الْمُتَعَالَى جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو مخلوق کی صفات سے پاک اور بلند ہے اور وہ اس بات سے بلند و بالا ہے کہ اُسے مخلوقات کی صفات سے موصوف کیا جائے۔“

۲ ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالَى﴾ ۲
ترجمہ: ”وہ ہر چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا اور عالی مرتبت ہے۔“
قرآن کریم میں اس قسم کے الفاظ بکثرت آئے ہیں۔ ”عَلَى“ ”عُلُوُّ“ ”تَعَالَى“ وغیرہ۔ جس کے معنی بلند ہونا ”بلند مرتبت ہونا“ کے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ﴾ ۳

ترجمہ: ”وہ پاک اور برتر ہے اُن سے جو وہ کہتے ہیں۔“

یعنی برتر ہے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے، جنات سے جنہیں اس نے پیدا کیا، اور بیٹوں اور بیٹیوں سے۔
اس کی ذات ہر شریک، ہر برائی، ہر احتیاج و نقص اور ہر شے سے برتر ہے۔ جس کی ذات برتر ہے اس کی صفات بھی برتر ہیں۔ وہ ہر عمدہ صفت والا ہے۔

”علو“ کی دو قسمیں ہیں: ایک علو ذاتی، دوسری علو صفاتی۔

انسان اپنی ذات کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ ہر انسان خواہ وہ کوئی بھی ہو، نباتات و حیوانات اور جمادات سے افضل ہے۔ ہمیں بفضلہ تعالیٰ ”علو ذاتی“ حاصل ہے، ”علو صفاتی“ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

زندگی میں انسان کو قدم قدم پر دوسروں سے واسطہ پیش آتا ہے، بعض تعلقات دائمی نوعیت کے ہوتے ہیں، جیسے رشتہ دار، بعض دائمی نہ سہی لیکن لمبی مدت کے لئے ہوتے ہیں جیسے پڑوسی، اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ صرف چند گھنٹوں یا اس سے بھی کم مدت کے لئے کسی کا ساتھ ہو جاتا ہے، جیسے ہم سفر جو کسی بس، ریل یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔

قرآن کریم نے نہایت باریک بینی سے ان تینوں قسم کے تعلقات کے کچھ حقوق رکھے ہیں، اور ان حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی ہے، پہلی دو قسموں یعنی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کو لوگ پھر بھی کچھ نہ کچھ اہمیت دیتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ بدسلوکی کے نتیجے میں انسان بدنام ہو جاتا ہے، اور چوں کہ یہ تعلقات دیر پا قسم کے ہیں اس لئے یہ بدنامی بھی دیر پا ہو جاتی ہے۔

لیکن تیسری قسم، یعنی وہ لوگ جو مختصر وقفے کے لئے ساتھ ہو گئے ہوں، بہت کم انسان ان کے حقوق کا خیال رکھنے پر آمادہ ہوتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ عموماً اجنبی ہوتے ہیں، اور تھوڑی دیر کے بعد جب جدا ہوتے ہیں تو بعض اوقات تمام عمر ان سے کوئی واسطہ پیش نہیں آتا، اس لئے ان کے ساتھ اگر کوئی بداخلاقی یا بدسلوکی ہو جائے تو اس کی وجہ سے کسی دیر پا بدنامی کا اندیشہ نہیں ہوتا، لوگ عموماً یہ سوچتے ہیں کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس شخص پر میرے بارے میں کوئی غلط تاثر قائم ہو بھی گیا تو کیا ہوا؟

بعد میں اس سے ویسے بھی ملنا نہیں ہے، اس لئے اس تاثر سے میری زندگی پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔ چناں چہ بسوں، ریلوں دوسری عوامی سواریوں، اور اب تو ہوائی جہازوں میں بھی دھکا پیل اور نفسا نفسی کا جو عالم نظر آتا ہے، کہ ہر شخص دوسرے کو کہنی مار کر آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا ہے، وہ درحقیقت اسی ذہنیت کا شاخسانہ ہے۔

اسی لئے قرآن کریم نے جہاں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی، وہاں تھوڑی دیر کے ساتھیوں کے حقوق ادا کرنے کو بھی بطور خاص ذکر فرمایا، تھوڑی دیر کے ساتھی کے لئے قرآن کریم نے ﴿الصَّاحِبِ بِالْجَنبِ﴾ کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کا اردو ترجمہ ”ہم پہلو“ کے لفظ سے کیا جاسکتا ہے، اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو مختصر مدت کے لئے کسی کے ساتھ ہو گیا ہو، خواہ کسی سفر میں، یا کسی عمومی مجلس میں، بس یا ریل میں سفر کرتے ہوئے جو شخص ہمارے قریب بیٹھا ہے، وہ ہمارا ”صَاحِبُ بِالْجَنبِ“ ہے، کسی دعوت جلسے یا اجتماع عام میں جو شخص ہمارے پہلو میں ہے، وہ ہمارا ”صَاحِبُ بِالْجَنبِ“ ہے، اور قرآن کریم نے خاص طور پر اس کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اس لئے فرمائی ہے کہ انسان کی شرافت اور خوش اخلاقی کا اصل امتحان ایسے ہی مواقع پر ہوتا ہے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بظاہر مہذب اور شائستہ لوگوں کو دیکھا کہ اپنے روزمرہ کے حالات میں وہ بظاہر بڑے خوش اخلاق اور شائستہ نظر آتے ہیں، لیکن

جب کبھی سفر کی نوبت آئی تو ان کی ساری تہذیب اور خوش اخلاقی دھری کی دھری رہ گئی، اور انہوں نے اپنے ہم سفرؤں کے ساتھ پرلے درجے کی خود غرضی اور سنگ دلی کا برتاؤ شروع کر دیا۔^۱

بات دراصل یہ ہے کہ خوش اخلاقی کا جو برتاؤ صرف بدنامی کے خوف سے کیا جائے، وہ خوش اخلاقی ہی کہاں ہے؟ وہ تو ایک دکھاوا ہے، چناں چہ جب بدنامی کا خوف ٹلے گا، انسان کی بداخلاق اصلیت ظاہر ہو جائے گی، خوش اخلاقی تو ایک اندرونی صفت کا نام ہے جو نیک نامی اور بدنامی سے بے نیاز ہو کر کوئی اچھا عمل اس لئے کرتی ہے کہ وہ اچھا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوش نودی کا سبب ہے، جب یہ صفت کسی شخص کو حاصل ہو جائے تو اس کا رویہ ہر جگہ اس صفت کے مطابق ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس جگہ بھی جہاں اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو، وہ اپنی پاکیزہ فطرت کے تحت وہی طرزِ عمل اختیار کرتا ہے جو اسے کرنا چاہئے، اور یہ حقیقت اس کے سامنے رہتی ہے کہ کوئی اور دیکھے یا نہ دیکھے، وہ ضرور دیکھ رہا ہے جس کے دیکھنے پر جنت اور جہنم کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اسلام نے ”صَاحِبُ الْجَنَبِ“ یعنی تھوڑی دیر کے ساتھی کے حقوق کی جس باریک بینی سے دیکھ بھال کی ہے، اس کا اندازہ چند مثالوں سے لگائیے:

- ۱ جمعہ کے دن جب مسجد میں لوگ خطبے اور نماز کے لئے جمع ہوں تو نووارد کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اجتماع کے آخری حصے میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے، لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کو سختی سے منع فرمایا گیا ہے، آپ ﷺ نے اس عمل پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔^۲
- ۲ جمعہ کے دن نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر مسجد میں جانے کی ترغیب دی گئی ہے، تاکہ اس بڑے اجتماع میں ہر شخص دوسرے کے لئے تکلیف کے بجائے فرحت اور راحت کا سبب بنے۔^۳
- ۳ جب چند افراد ساتھ بیٹھ کر کوئی چیز کھا رہے ہوں تو حکم یہ ہے کہ دوسروں کا خیال رکھ کر کھاؤ، حدیث میں ہے کہ جب دوسرے لوگ ایک ایک کھجور لے کر کھا رہے ہوں تو تم دو دو کھجوریں مت لو، اس میں یہ اصول بتا دیا گیا ہے کہ صرف اپنی اپنی فکر کرنا اور جو ہاتھ لگے لے اڑنا، ایک مؤمن کا شیوہ نہیں، یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ کچھ اور لوگ بھی تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہیں، تمہارا حصہ پوری طرح ناپ تول کر نہ سہی، لیکن دوسروں کے ساتھ کسی توازن ہی میں ہونا چاہئے، (آج کل کی دعوتوں میں بعض مرتبہ جو چھینا جھپٹی نظر آتی ہے، اور جس طرح بعض لوگ یک بارگی ضرورت سے زیادہ چیزیں اپنے برتن میں انڈیل لیتے ہیں وہ ان احکام کی صریح خلاف ورزی ہے)۔

^۱ معارف القرآن: ۴۱۳/۲

^۲ ابوداؤد، الجمعة، باب تخطی رقاب الناس: ۵۹/۱

^۳ ابن ماجہ، الجمعة، باب فی الزینة يوم الجمعة: ۷۸/۱

^۴ ترمذی، الأظعمة، باب ماجاء فی کراهية القران بین التمرتين: رقم: ۱۸۱۴

یہ چند مثالیں میں نے صرف یہ بتانے کے لئے دی ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں ”صاحبِ بالجَنب“ یا تھوڑی دیر کے ساتھی کی کتنی اہمیت ہے، اس اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے معاشرے کے چند جزوی مسائل پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

جہاں بہت سے لوگوں کو باری باری کوئی کام انجام دینا ہو، وہاں فطری طریقہ یہی ہے کہ آنے والوں کی ترتیب سے ایک قطار بنالی جائے، اور ہر شخص نمبر وار اپنا کام انجام دیتا رہے، اس طرح سب کا فائدہ ہے، اور سب کا کام آسانی سے ہو جاتا ہے، ایسے موقع پر (کسی معقول عذر کے بغیر) لائن توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، یا اس کے لئے دھینگا مشتی کرنا دوسروں کی شدید حق تلفی ہے، جو بد اخلاقی اور ناشائستگی ہونے کے علاوہ گناہ بھی ہے۔

افسوس ہے کہ آج غیر مسلم قومیں اس بات کا لحاظ رکھتی ہیں، بل کہ ان کا مزاج ہی یہ بن چکا ہے کہ جہاں دو آدمی جمع ہوں گے فوراً آگے پیچھے ہو کر قطار بنالیں گے، لیکن ہم جو ”صاحبِ بالجَنب“ کے بارے میں قرآن و سنت کی مذکورہ ہدایات کی روشنی رکھتے ہیں، لائن توڑ کر آگے بڑھنے کو بہادری اور جی داری کا ایک ہنر سمجھتے ہیں، اور یہ خیال تو شاید ہی کسی کو آیا ہوگا کہ میں کسی گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں۔

بس یاریل میں ہر شخص نشست کا اتنا حصہ استعمال کرنے کا حق دار ہے جتنا ایک مسافر کے لئے گاڑی والوں کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اس میں ہمارے یہاں دو طرح کی شدید بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔

❶ پہلی بے اعتدالی تو یہ ہے کہ جن گاڑیوں میں بکنگ نہیں ہوتی، ان میں جو شخص پہلے پہنچ گیا وہ بیک وقت کئی کئی نشستوں کی جگہ گھیر کر اس پر قبضہ جما لیتا ہے اور دوسرے مسافر کھڑے کھڑے سفر کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اب یہ کتنی بے انصافی کی بات ہے کہ آپ ایک ٹکٹ لے کر آرام سے لیٹے ہیں، اور دوسرا شخص اتنی ہی رقم کا ٹکٹ لے کر بیٹھنے سے بھی محروم ہے۔ میں نے اپنے بعض بزرگ علماء کے بارے میں تو یہاں تک سنا ہے کہ اگر گاڑی بالکل خالی پڑی ہوتی، اور دوسرے مسافر نہ ہوتے تب بھی وہ اپنی نشست سے زیادہ جگہ استعمال نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں نے ایک نشست کا کرایہ دیا ہے، میں ایک ہی نشست کے استعمال کا حق دار ہوں، اس سے زیادہ کا نہیں۔ یقیناً یہ احتیاط و تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے، لیکن چوں کہ گاڑی والوں کی طرف سے ایسے مواقع پر خالی جگہوں کے استعمال کی عموماً اجازت ہوتی ہے، اس لئے اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا، مگر جہاں دوسرے مسافر کھڑے ہونے پر مجبور ہوں، وہاں زائد جگہ گھیرنے کا کوئی جواز نہیں۔

❷ دوسری بے اعتدالی اس کے برعکس یہ ہوتی ہے کہ جو سیٹ چار آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے مخصوص ہے اس میں پانچواں آدمی زبردستی اپنے آپ کو ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے، اور پہلے سے بیٹھے ہوئے آدمیوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ سمٹ کر اسے ضرور جگہ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ پہلے سے جائز اور بجا طور پر اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ تنگی اور

دشواری کے ساتھ اپنا سفر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، ایسے میں اگر وہ لوگ خود ایثار سے کام لیں، اور نووارد کو جگہ دے دیں تو بے شک یہ ان کی اعلیٰ طرفی ہے، اور باعثِ ثواب ہے، لیکن کسی نووارد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انہیں اس اعلیٰ طرفی پر مجبور کرے۔

چوں کہ ہم نے دین کو صرف نماز روزے ہی کی حد تک محدود کر لیا ہے، اس لئے اس قسم کی حرکتیں کرتے وقت یہ خیال بھی دل میں نہیں آتا کہ ہم کسی گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں، حالاں کہ جس عمل سے بھی کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہو، یا اسے بے جا تکلیف پہنچتی ہو، وہ حرام ہے، ایسا حرام کہ اس کا گناہ صرف توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا جب تک خود وہ شخص معاف نہ کرے جس کی حق تلفی کی گئی ہے۔

دیکھنے میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، لیکن درحقیقت انہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے افراد اور قوموں کا مزاج بگڑتا ہے، اور جب کسی معاشرے کا مزاج بگڑ جائے تو وہی کچھ ہوتا ہے جس کا رونا آج ہم سب رو رہے ہیں، پھر فائدہ کسی کا نہیں ہوتا، نقصان سب کا ہوتا ہے، راحت کسی کو نصیب نہیں ہوتی، تکلیف میں سب مبتلا رہتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر ہم اپنی روزہ مرہ کی زندگی میں یہ سوچ لیں کہ جس شخص کے ساتھ ہمیں کچھ دیر کی رفاقت میسر آئی ہے، اس کو آرام پہنچانے کی خاطر اگر ہم خود تھوڑی سی تکلیف اٹھالیں تو یہ تکلیف تو زیادہ سے زیادہ چند گھنٹوں کی ہے، جو بہت جلد ختم ہو جائے گی، لیکن ہمارے ایثار کا نقش ہمارے ساتھی کے دل سے جلدی نہیں مٹے گا، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، اور ہماری یہ تھوڑی سی محنت ان شاء اللہ وہاں جا کر کیش ہوگی، جہاں روپے پیسے کا کیش بے کار ہو چکا ہوگا، تو رفتہ رفتہ ہمارے معاشرے کا مزاج بھی بدل سکتا ہے، اور ہم ایک دوسرے کے لئے سراپا رحمت بن سکتے ہیں۔

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

اس اسم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے:

❶ کہ ”الْمُتَعَلِّقُ جَلَّ جَلَالُهُ“ تمام مخلوقات سے بلند و برتر ہیں، ان کی شانِ عظمت و بلندی والی ہے۔

”الْمُتَعَلِّقُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی بڑائی اور عظمت کا جتنا دل میں دھیان جمے گا اتنی ہی بڑی سے بڑی مخلوق چھوٹی نظر آئے گی، جو شخص یہ چاہے کہ اس نام مبارک سے تعلق پیدا ہو جائے وہ اپنی زبان پر بڑے سے بڑے ملک اور بڑے بڑے مال داروں کا تذکرہ نہ لائے، اخبار پڑھ کر ہرگز زبان پر مخلوق کی برتری و عظمت کا ذکر نہ لائے، کہ اخبار میں فلاں ملک نے یہ بیان دیا ہے میں یہ کروں گا، بل کہ ہر وقت دل و زبان پر یہی ہو کہ حقیقی عظمت، بلندی و برتری صرف ”الْمُتَعَلِّقُ“

جَلَّالًا“ کے لئے ہے۔

۲ اسی طرح اس اسم سے تعلق پیدا کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ ”میں“، ”میری کمپنی“، ”میرا محلہ“، ”میرا خاندان“، ”میری اولاد نے یوں کیا“، ”ہم نے یوں کیا.....“ وغیرہ کے تذکرہ سے بچے، بل کہ اگر کوئی اللہ کی نعمت اپنے یا اپنے خاندان پر بیان کرنا ہی ہو تو یوں کہے: ”اللہ کی دی ہوئی توفیق سے اللہ نے ہم سے یہ نیکی کا کام لیا۔“ تواضع کے الفاظ زبان پر ہوں، دل میں یہ دھیان جمائے کہ ”الْعَظِيمُ“ اور ”الْمُنْعَلُ“ صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔^{۱۷}

حضرت شیخ الحدیث رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا واقعہ

وَاقِعَةٌ مِنْ بَيْنِ (۵۳): جب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کسی مرکز میں تشریف لے جاتے تو وہاں بعد عصر مصافحہ کا اہتمام ہوتا، تو ایک مرتبہ مولانا احسان الحق سے فرمایا: مصافحہ کے وقت اللہ کی دی ہوئی توفیق سے یہ دعا مانگتا ہوں: ”الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَظْهَرَ الْجَمِيْلَ وَسَتَرَ عَلَي الْقَبِيْحِ“^{۱۸} تَرْجَمَہ: ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میری اچھائی کو ظاہر کیا اور برائی کی پردہ پوشی کی۔“ جس کو ”الْمُنْعَلُ جَلَّالًا“ کی جتنی معرفت حاصل ہوگی، اس کے بول تواضع والے ہوں گے، وہ اپنی ماضی کو یاد رکھے گا۔

۳ اگر عبادت تھوڑی زیادہ کر لی یا نوافل زیادہ ادا کر لئے تو پھر بھی عاجزی کو بڑھائے، یہ نہ سوچے کہ مجھے دوسرے لوگوں پر برتری حاصل ہے، کیوں کہ حقیقی برتری و بلندی کا مستحق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو ہم کبھی بھی کسی چیز میں برتری حاصل نہیں کر سکتے، خواہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہی کیوں نہ ہمارے ساتھ ہو۔

۱۷ شرح اسماء حُسنی (علامہ عبدالصمد): ۳۸۸

۱۸ مستدرک حاکم، کتاب الدعاء: ۷۳۸/۱، رقم: ۲۰۵۰

الکتاب جلالہ

(نہایت احسان کرنے والا، اپنے بندوں پر مہربان)

اس اسم کے تحت چار تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ قال ابن جریر - رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی - ﴿اِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ﴾ یعنی: اللَّطِيفُ بِعِبَادِهِ۔^۱

﴿اِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ﴾ میں ”الْبَرُّ“ کا مطلب یہ ہے ”وہ ذات جو اپنے بندوں پر مہربان ہے۔“

۲ ”وَاللّٰهُ تَعَالٰی بَرٌّ بِخَلْقِهِ فِي مَعْنٰی: اَنَّهُ يُحْسِنُ اِلَيْهِمْ، وَيُصْلِحُ اَحْوَالَهُمْ۔“^۲

ترجمہ: ”امام زجاج رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے ”بَرٌّ“ یعنی مہربان ہیں اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر احسان فرماتے ہیں اور ان کے احوال درست فرماتے ہیں۔“

۳ ”امام حلیمی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْکِتَابُ جَلَّالٌ“ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر مہربان ہے، اللہ تعالیٰ

اپنے بندوں کے لئے آسانی کا معاملہ چاہتے ہیں تنگی نہیں چاہتے، اور ان کے بہت سے گناہوں کو اپنے فضل سے معاف فرما دیتے ہیں، اور ہر ہر خطا پر پکڑ نہیں فرماتے، اور ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کے برابر بدلہ عنایت فرماتے ہیں، جب کہ بدی پر اس ایک ہی بدی کی بقدر پکڑ فرماتے ہیں، اور نیکی کے ارادے پر بھی نیکی لکھی جاتی ہے جب کہ بدی کے ارادے پر کچھ بھی نہیں لکھا جاتا۔“^۳

۴ امام قرطبی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”یہ صفت اللہ رب العزت کے اوصافِ فعل میں سے ہے، دنیا میں تو تمام بندے اس صفت کے حصار میں ہیں جب کہ آخرت میں مخصوص بندوں پر (عمومی طور پر جو فلاحِ آخرت سے ہمکنار ہوں گے) اس صفت کا ظہور ہوگا، دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جس پر من جانب اللہ فضل و احسان نہ ہو، جیسا کہ ارشاد

۱ الطور: ۲۸ ۲ جامع البیان ۱۸/۲۷، بحوالہ، النهج الأسمی: ۱۷۲/۲ ۳ تفسیر الاسماء: ۶۱

۴ ”(الْبَرُّ) مَعْنَاهُ الرَّفِیقُ بِعِبَادِهِ، يُرِيدُ بِهِمُ الْیُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِهِمُ الْعُسْرَ، وَيَعْفُو عَنْ کَثِیْرٍ مِّنْ سَیِّئَاتِهِمْ، وَلَا یُوَاخِذُهُمْ بِجَمِیْعِ جَنَایَاتِهِمْ، وَيُجْزِيهِمْ بِالْحَسَنَةِ عَشْرَ اَمْثَالِهَا، وَلَا يُجْزِيهِمْ بِالسَّیِّئَةِ اِلَّا مِثْلَهَا، وَيَكْتُبُ لَهُمُ الْهَمَّ بِالْحَسَنَةِ، وَلَا يَكْتُبُ عَلَيْهِمُ الْهَمَّ بِالسَّیِّئَةِ“ (المنہاج: ۲۰۴/۱ بحوالہ مذکورہ)

باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾

ترجمہ: ”اور اس نے تم کو اپنی تمام ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں۔“
 ظاہری نعمتوں سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا ادراک عقل و حواس وغیرہ سے ممکن ہو، اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جن کا ادراک و احساس انسان کو نہیں۔ یہ دونوں قسم کی نعمتیں اتنی ہیں کہ انسان ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا۔
 یہ تو دنیا کا معاملہ تھا، جب کہ آخرت میں فضلِ الہی سے وہی فائدہ اٹھا سکے گا جسے اللہ رب العزت اپنا پڑوس نصیب فرمائیں گے اور خصوصی انوارات کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے، نہ کہ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کے سبب آگ میں داخل فرمائیں گے۔“

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں صرف ایک مقام پر آیا ہے:

﴿إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ﴾

ترجمہ: ”ہم اس سے پہلے ہی اس کی عبادت کیا کرتے تھے، بے شک وہ محسن اور مہربان ہے۔“
 یعنی صرف اسی ایک کی عبادت کرتے تھے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ اسی سے عذابِ جہنم سے بچنے کے لئے دعا کرتے تھے۔

اس آیت میں ایک لفظ ”بَرُّ“ آیا ہے اور ”بَرُّ“ اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں سے ہے، جو کہ بہت زیادہ خیرات و احسان کرنے کا نام ہے۔ یہ احسان و عطا اُس کے وصف ”بَرُّ“ سے صادر ہوتے ہیں۔ تو ”بَرُّ“ کی اس وقت دو اقسام ہوئیں۔ وصفی اور فعلی، لہذا وہ احسان کرنے والا محسن ہے، خوبیوں والا مولیٰ ہے اور ہمیشہ احسان کرنے والا ہے۔“

احسان کرنے والا اور دینے والا صرف ”الْبَرُّ جَلَّالًا“ ہی ہے

واقِعَةُ مَبْنِی (۵۴): حضرت حکیم بن حزام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مال طلب کیا، آپ ﷺ نے مجھے عطا فرما دیا، میں نے پھر مانگا: آپ ﷺ نے پھر عطا فرما دیا، پھر آپ ﷺ

لہ لقمان: ۲۰ ۲۱ کتاب الاسنی: ۳۴۵، کذا فی النهج الأسمی: ۱۷۳/۲ ۲۲ الطور: ۲۸

وَالْبَرُّ	فِي	أَوْصَافِهِ	سُبْحَانَهُ	هُوَ	كَثْرَةُ	الْخَيْرَاتِ	وَالْإِحْسَانِ
صَدَرَتْ	عَنِ	الْبَرِّ	الَّذِي	هُوَ	وَصْفُهُ	حَبِيبٌ	نَوْعَانِ
وَصَفٌ	وَفِعْلٌ	فَهُوَ	بَرٌّ	مُحْسِنٌ	مَوْلَى	الْجَمِيلِ	وَدَائِمِ
							الْإِحْسَانِ

(النونية لابن قيم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی: ۲/۲۳۴)

نے مجھے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا:

”اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص اور طمع کے سیرچشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی، اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی، اور اس کا حال **جوع البقر** کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے“ (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے، اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے، لہذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے)۔ حضرت حکیم بن حزام **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** فرماتے ہیں: (حضور **ﷺ** کی یہ نصیحت سن کر) میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لوں گا۔^۱

فائدہ: اس حدیث شریف کے بارے میں صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت حکیم بن حزام **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** نے آپ **ﷺ** کی خدمت میں جو عہد کیا تھا، اس کو پھر ایسا نبھایا کہ حضور **ﷺ** کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیے جاتے تھے) ان کو بھی بلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا، لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔ حضرت عثمان اور حضرت معاویہ **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** کے زمانہ خلافت و امارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہ **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** کے دورِ امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔^۲

محسن کے احسان کا ہمیشہ شکر ادا کرنا چاہئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾^۳

ترجمہ: ”بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔“

اس سورہ مبارکہ (جس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد میں استعمال ہونے والے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے) میں مجاہدین کے گھوڑوں کی وفاداری، فرض شناسی، اور راہِ دین میں پھرتی کی تعریف کی گئی ہے۔

یعنی جہاد کرنے والے سواروں کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں سرفروشی و جانبازی بتلاتی ہے کہ وفادار اور شکر گزار بندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا وہ پرلے درجہ کا ناشکرا اور نالائق

^۱ مسلم: باب إِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى ۳۳۲/۱

^۲ بخاری، باب الاستعفاف عن المسئله: ۱۹۹/۱، معارف الحديث: ۲۹۶/۲

^۳ العنیدت: ۶

ہے، بل کہ غور کرو تو خود گھوڑا زبانِ حال سے شہادت دے رہا ہے کہ جو لوگ مالکِ حقیقی کی دی ہوئی روزی کھاتے اور اس کی بے شمار نعمتوں سے شب و روز فائدہ اٹھاتے ہیں، پھر اس کے باوجود اس کی فرماں برداری نہیں کرتے، وہ جانوروں سے زیادہ ذلیل و حقیر ہیں۔

ایک شائستہ گھوڑے کو مالک گھاس کے تنکے اور تھوڑا سادانہ کھلاتا ہے، وہ اتنی سی تربیت پر اپنے مالک کی وفاداری میں جان لڑا دیتا ہے، جدھر سوار اشارہ کرتا ہے ادھر چلتا ہے، دوڑتا..... اور ہانپتا ہوا..... ٹاپٹاپ مارتا..... اور غبار اڑاتا ہوا..... گھمسان کے معرکوں میں بے تکلف گھس جاتا ہے۔ گولیوں کی بارش میں، تلواروں اور سنگینوں کے سامنے، نیزوں اور تیروں سے اپنے سینہ کو چھلنی کرتے ہیں مگر سینہ نہیں پھیرتے بل کہ بسا اوقات وفادار گھوڑا سوار کو بچانے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔

کیا انسان نے ایسے گھوڑوں سے کچھ سبق سیکھا کہ اس کا بھی کوئی پالنے والا مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ بے شک انسان بڑا ناشکرا اور نالائق ہے کہ ایک گھوڑے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھلا سکتا۔^{۱۰}

نیکی میں درجہ کمال حاصل کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝۱۰﴾

ترجمہ: ”ہرگز نہ حاصل کر سکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی پیاری چیز میں سے کچھ، اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔“

اس آیت میں مؤمنین کو صدقہ مقبولہ اور اس کے آداب بتلائے گئے ہیں، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اعمال ”بِرّ“ میں افضل ترین ”بِرّ“ یہ ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کی جائے، آیت مذکورہ میں ارشاد ہے کہ تم ہرگز ”بِرّ“ کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو، تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کی مکمل ادائیگی اور اس سے پوری سبکدوشی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اپنی محبوب اور پیاری چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کریں، اسی مکمل ادائیگی کا ”خیرِ کامل“ یا نیکی میں کمال یا ثوابِ عظیم سے ترجمہ کیا گیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ ابرار کی صف میں داخل ہونا اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کی جائیں۔

صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) جو قرآنی احکام کے اولین مخاطب اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بلا واسطہ شاگرد اور

احکام قرآنی کی تعمیل کے عاشق تھے، اس آیت کے نازل ہونے پر ہر ایک نے اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی، اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے آں حضرت ﷺ کے سامنے درخواستیں ہونے لگیں۔

واقعة مہربک (۵۵): انصارِ مدینہ میں سب سے زیادہ مال دار حضرت ابوطحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰات والتسلیمات کے بالکل مقابل اور متصل ان کا باغ تھا، جس میں ایک کنواں ”بیرحاء“ کے نام سے موسوم تھا، اب اس باغ کی جگہ تو باب مجیدی کے سامنے اصطفا منزل کے نام سے ایک عمارت بنی ہوئی ہے، جس میں زائرینِ مدینہ قیام کرتے ہیں، مگر اس کے شمال مشرق کے گوشے میں یہ ”بیرحاء“ اسی نام سے اب تک موجود ہے۔

رسول کریم ﷺ کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور ”بیرحاء“ کا پانی پیتے تھے، آپ ﷺ کو اس کنویں کا پانی پسند تھا، حضرت ابوطحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ باغ بڑا قیمتی اور زرخیز اور ان کو اپنی جائداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت کے نازل ہونے پر وہ حضرت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میرے تمام اموال میں ”بیرحاء“ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو صرف فرمادیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو عظیم الشان منافع کا باغ ہے، میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ اس کو آپ اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیں، حضرت ابوطحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم ﷺ کے اس مشورہ کو قبول فرما کر اپنے اقرباء اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم فرمادیا۔^{۱۷}

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیرات صرف وہ نہیں جو عام فقراء اور مساکین پر صرف کی جائے، اپنے اہل و عیال اور عزیز و رشتہ داروں کو دینا بھی بڑی خیرات اور موجبِ ثواب ہے۔

واقعة مہربک (۵۶): حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا ایک گھوڑا لئے ہوئے حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا: مجھے اپنی املاک میں یہ سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمالیا، لیکن ان سے لے کر ان ہی کے صاحبزادے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا، زید بن حارثہ اس پر کچھ دل گیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر میں واپس آگیا، لیکن رسول کریم ﷺ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ صدقہ قبول کر لیا ہے۔^{۱۸}

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک کنیز سب سے زیادہ محبوب تھی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو لوجہ اللہ تعالیٰ (اللہ کی رضا کے لئے) آزاد کر دیا۔^{۱۹}

^{۱۷} مسلم، الزکوٰۃ، فضل النّفقة والصدقة علی الاقربین: ۳۲۳/۱

^{۱۸} تفسیر مظہری عربی: ۸۹/۲، ال عمران: ۹۲ ^{۱۹} ایضاً

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک کنیز تھی جس سے وہ محبت کرتے تھے، اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے آزاد کر دیا۔

الغرض آیت مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ حق اللہ کی مکمل ادائیگی اور خیرِ کامل اور نیکی کا کمال جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ آدمی اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے۔^۱

”الْأَبْنَاءُ جَلَّالًا“ سے محبت کرنے کی عظیم مثال

واقعة مذبذب (۵۷): حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بیماری کی حالت میں مچھلی کھانے کا دل چاہا، میں نے مدینہ میں مچھلی تلاش کی لیکن مجھے نہ ملی، کچھ عرصے بعد میں نے مچھلی خریدی اور پکا کر روٹی پر رکھ کر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے رکھ دی، اسی وقت ایک سائل نے صدا لگائی، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ”یہ روٹی مچھلی سمیت سائل کو دے دو۔“ میں نے وہ مچھلی دے دی۔ پھر میں نے سائل سے کہا: ایسا کرو کہ یہ مچھلی تم مجھے ڈیڑھ درہم میں فروخت کر دو، وہ راضی ہو گیا ڈیڑھ درہم لے کر اس نے مچھلی ہمارے حوالے کر دی۔

میں نے وہ مچھلی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس رکھی ہی تھی کہ وہ سائل دوبارہ صدا لگانے لگا، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: یہ مچھلی روٹی اسے دے دو، اور وہ درہم بھی اس سے واپس مت لینا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: ”أَيُّمَا رَجُلٍ إِشْتَبَى شَهْوَةً فَرَدَّ شَهْوَتَهُ وَآثَرَ غَيْرَهُ عَلَى نَفْسِهِ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ“ ترجمہ: جس کسی کی کوئی چاہت ہو اور وہ اپنی چاہت کو دوسرے کے لئے قربان کر دے، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔^۲

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکی

واقعة مذبذب (۵۸): حضرت ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتے ہیں، حالاں کہ وہ قرض سے مستغنی ہیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے تم کو جنت میں داخل کر دیں، ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا: اللہ کے رسول ہاتھ بڑھائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا.....

^۱ حلیۃ الأولیاء: ۱/۳۷۱، شرح اسماء اللہ الحسنی للرازی: ۳۳۶

^۲ معارف القرآن: ۱۰۶/۲

ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہنا شروع کیا:

میں کھجور کے دو باغوں کا مالک ہوں، اس کے سوا میری ملکیت میں کچھ نہیں، میں اپنے یہ دونوں باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ایک اللہ تعالیٰ کے راستے میں وقف کر دو اور دوسرا اپنے اہل و عیال کی معاشی ضرورت کے لئے باقی رکھو۔ ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: آپ گواہ رہئے، ان دونوں میں سے بہترین باغ جس میں کھجور کے چھ سو درخت ہیں، اس کو میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے میں جنت عطا فرمائیں گے۔

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر آئے اور بیوی کو اس کی اطلاع دے دی، ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے باغ کے باہر سے آواز لگائی:

”أُخْرِجِي فَقَدْ أَقْرَضْتُهُ رَبِّي“ کہ اب اس باغ کو چھوڑ دو، اپنے بچوں کے ساتھ باہر آ جاؤ کہ یہ باغ میں نے اپنے رب کو قرض دے دیا، آخرت میں ہمیں اس کا اجر ملے گا، بیوی نے جب یہ سنا تو فرمایا:

”رُبِّحْ بَيْعُكَ! بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيمَا اشْتَرَيْتَ“ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سودے میں نفع عطا فرمائے اور برکت دے اور اس کو قبول بھی فرمائے، جو آپ نے خریدا۔ تو وہ بھی حضرت ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بہترین سودے پر بہت خوش ہوئیں۔^۱

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”كَمْ مِّنْ عِدْقٍ رَدَّاحٍ وَدَارٍ فَيَاحٍ لِأَبِي الدَّحْدَاحِ فِي الْجَنَّةِ“^۲

ترجمہ: ”کس قدر کھجوروں سے لبریز بے شمار درخت اور کشادہ محلات ابوالدحداح کے لئے جنت میں تیار ہیں۔“

”الابن جلالہ“ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کرنا

پھوڑے پھنسیوں کا ایک عجیب علاج:

واقِعْدُ مَلَبِ بْنِ (۵۹): حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بڑے درجے کے علماء میں سے ہیں، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا: میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا نکلا ہوا ہے جس سے مسلسل خون رِس رہا ہے، ہر طرح کا علاج کراچکا ہوں، بہت سے اطباء سے رجوع کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

”إِذْهَبْ فَانْظُرْ مَوْضِعًا يَحْتَاجُ النَّاسُ الْمَاءَ فَاحْفَرِ هُنَاكَ بِنْرًا فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ تَتَّبَعَ هُنَاكَ عَيْنٌ

وَيُمْسِكَ عَنكَ الدَّمُ“

ترجمہ: ”جاؤ! کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں پانی کی قلت ہو اور لوگ پانی کے ضرورت مند ہوں، وہاں جا کر ایک کنواں کھودو، مجھے امید ہے کہ وہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری ہوگا تو تمہارا خون رک جائے گا۔“

اس شخص نے ان کے کہنے پر عمل کیا تو تندرست ہو گیا۔ یہ واقعہ علامہ منذری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے امام بیہقی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اسے نقل کرنے کے بعد علامہ منذری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اسی جیسا ایک واقعہ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ حاکم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا بھی ہے، ان کے چہرے پر پھنسیاں نکل آئی تھیں، بہت علاج کروایا، مگر پھنسیاں ختم نہیں ہوئیں۔ تقریباً سال بھر اس تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد وہ جمعہ کے دن امام ابو عثمان صابونی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی مجلس میں پہنچے اور ان سے دعا کی درخواست کی، امام صابونی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے ان کے لئے دعا کی، حاضرین نے آمین کہی۔

اگلے جمعہ کو ایک عورت نے امام صابونی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی مجلس میں ایک پرچہ بھجوایا، اس میں لکھا تھا کہ پچھلے جمعہ کو شیخ ابو عبد اللہ حاکم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی دعائے صحت کے بعد میں گھر گئی، وہاں جا کر بھی میں نے ان کی صحت کے لئے بہت دعا کی، اسی رات مجھے خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ابو عبد اللہ سے کہو کہ وہ مسلمانوں کے لئے وسعت کے ساتھ پانی پہنچانے کا انتظام کریں۔

شیخ حاکم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سبیل بنادی، جس سے لوگ خوب پانی پیتے تھے، اس واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا ہوگا کہ شیخ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی پر شفا کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ پھنسیاں ختم ہو گئیں اور چہرہ پہلے کی طرح صاف اور خوب صورت ہو گیا، اس کے بعد وہ کئی سال زندہ رہے۔^۱

ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی:

واقعة مبین (۶۰): ایک مرتبہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خرید لانے کا حکم دیا۔ وہ تین سو درہم میں گھوڑا خرید لایا اور گھوڑے کے مالک کو رقم دلوانے کے لئے ساتھ لے آیا، حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طے شدہ دام بھی بتلائے گئے اور گھوڑا بھی پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اندازہ لگایا کہ گھوڑے کی قیمت تین سو درہم سے کہیں زائد ہے۔ چنانچہ آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا:

آپ کا یہ گھوڑا تین سو درہم سے زائد قیمت کا ہے۔ کیا آپ چار سو درہم میں فروخت کریں گے.....؟

^۱ الترغیب والترہیب: ۵۳/۲، ۵۴، فصل فی الصدقة والحث علیہا

اس نے جواب دیا: جیسے آپ کی مرضی، پھر فرمایا: آپ کے گھوڑے کی قیمت چار سو درہم سے بھی زائد ہے، کیا آپ پانچ سو میں بیچیں گے؟

اس نے کہا: میں راضی ہوں۔ اسی طرح حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے کی قیمت میں سو سو درہم کی زیادتی کرتے چلے گئے، بالآخر آٹھ سو درہم میں گھوڑا خرید لیا اور رقم مالک کے حوالے کر دی۔ آپ سے سوال کیا گیا: جب مالک تین سو درہم پر راضی تھا تو آپ نے اسے آٹھ سو درہم دے کر اتنا نقصان کیوں مول لیا؟

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: گھوڑے کے مالک کو قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو پوری قیمت ادا کی ہے، کیوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ”النَّصْحُ لِكُلِّ مُسْلِمٍ“ کا وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، میں نے اس وعدہ کا ایفاء کیا ہے۔^۱

فائدہ: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ ”النبی جلالہ“ اُس سے راضی ہوں اور ”النبی جلالہ“ سے اس کا تعلق اچھا رہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کی مخلوق کو نقصان نہ پہنچائے..... کسی کو دھوکہ نہ دے..... کسی کے ساتھ بے وفائی نہ کرے..... ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی والا معاملہ کرے،..... تو ”النبی جلالہ“ بھی اس کے ساتھ بھلائی والا معاملہ کریں گے، لوگوں کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرنا ہے۔

فوائد و نصائح

۱۔ بندے کا اس اسم سے حصہ یہ ہے: وہ ”النبی جلالہ“ کے احسان کو پہچانے کہ اس ذات نے اس کے عذر کو قبول کیا، اس کی برائیوں کو چھپایا اور نیکی کی توفیق بخشی اور دل کو اعمال میں لگایا۔

۲۔ انسان کو چاہئے کہ ”النبی جلالہ“ کے فضل اور مغفرت کو سامنے رکھے اور ہمیشہ اس کا شکریہ ادا کرتا رہے۔ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو نصیحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی وہ یاد رکھے کہ سوائے ”النبی جلالہ“ کے مال کسی سے نہ مانگے، لوگوں سے مانگنے اور سوال کرنے کی عادت نہ بنائے۔

۳۔ لوگوں کے ساتھ نیکی کا معاملہ کرے، اپنے آپ سے پوچھے..... کیا آپ نے انسانوں کی بھلائی کے لئے کوئی کام کئے ہیں.....؟

ابھی تک نہیں تو آج سے نیت کر لیجئے کہ انسانوں اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے کچھ نہ کچھ کروں گا، آسان بھلائی کا کام یہ ہے کہ کم از کم چار کافروں پر ایسی محنت کریں کہ وہ مسلمان ہو جائیں جہنم کی آگ سے بچ جائیں، محلے کے لوگوں

۱۔ حاشیہ نووی شرح مسلم: باب أن الدین النصیحة: ۵۵/۱

اور رشتہ داروں پر ایسی محنت کریں کہ وہ نمازی بن جائیں۔ کہیں مسجد بنانے کی نیت کریں، کہیں کنواں بنانے کی فکر کریں، کہیں پانی کا کولر لگوا دیں؛ تاکہ لوگ ٹھنڈا پانی پی سکیں، کوئی یتیم بچوں کے لئے مدرسہ، اسلامک اسکول کھولنے کی نیت کریں، کوئی اچھی کتاب مسجد اور لائبریری میں وقف کر دیں، یہی کتاب ”اَسْمَاءُ حُسْنٰی“ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں، رشتہ داروں کے گھر جائیں تو یہ ہدیہ لے کر جائیں۔



التَّوَابُ جَلَّ جَلَالُهُ

(توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① ”(التَّوَابُ): هُوَ الَّذِي يَتُوبُ عَلَى عَبْدِهِ وَيَقْبَلُ تَوْبَتَهُ كُلَّمَا تَكَرَّرَتِ التَّوْبَةُ تَكَرَّرَ الْقَبُولُ وَمَعْنَى

التَّوْبَةُ: عَوْدُ الْعَبْدِ إِلَى الطَّاعَةِ بَعْدَ الْمَعْصِيَةِ“^۱

امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”التَّوَابُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو بندے کو توبہ کرنے کی توفیق دیتی ہے اور توبہ قبول بھی فرماتی ہے، جتنی مرتبہ توبہ کی جائے اتنی ہی اللہ رب العزت کی جانب سے قبولیت عطا کی جاتی ہے، کیوں کہ توبہ کا مطلب ہے: ”بندہ نافرمانی کے بعد دوبارہ اطاعت پر لوٹ آئے۔“

② ”(التَّوَابُ) وَهُوَ الْمُعِيدُ إِلَى عَبْدِهِ فَضْلَ رَحْمَتِهِ إِذَا هُوَ رَجَعَ إِلَى طَاعَتِهِ، وَنَدِمَ عَلَى مَعْصِيَتِهِ،

وَلَا يُحِيطُ بِمَا قَدَّمَ مِنْ خَيْرٍ، وَلَا يَمْنَعُهُ مَا وَعَدَ الْمُطِيعِينَ مِنَ الْإِحْسَانِ“^۲

”امام حلیمی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ جَلَّ جَلَالُهُ تَوَاب ہے یعنی وہ اپنے فضل کو بندہ پر لوٹا دیتے ہیں جب کہ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جانب لوٹ آتا ہے اور اپنے گناہ پر نادم ہو چکا ہوتا ہے، اور رب کریم اس کی سابقہ خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں اور اس کی گزشتہ نیکیاں اسی طرح برقرار رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نیکو کاروں پر احسان کرنے کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ وعدے بھی اس بندے کے حق میں پورے کئے جائیں گے۔“

③ ”المقصد الاسمی میں ہے ”التَّوَابُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ہے جو بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ اس کی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں اور جو ان کو طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا ہے اور ڈرا دھمکا کر اپنی راہ پر لاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں اور توبہ کرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول فرما لیتے

ہیں۔“

۴ ”علامہ ابن قیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”التَّوَابُ“ اللہ رب العزت کے اوصاف میں سے ہے اور یہ دو معانی پر مشتمل ہے، ایک یہ کہ اللہ رب العزت کی جانب سے بندوں کو توبہ کے لئے اذن عام ہے اور دوسرا معنی یہ کہ جو کوئی بھی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو محض اپنے احسان کی بناء پر قبول فرماتے ہیں۔“

۵ ”قلشی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ”تَوَاب“ رکھا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے دل میں توبہ کا جذبہ پیدا فرماتے ہیں، اس کے بعد بندوں کو اسباب توبہ بھی مہیا فرماتے ہیں، اور پھر ناپسندیدہ راہ سے انہیں ہٹا کر پسندیدہ راہ پر چلاتے ہیں۔“

اسی طرح اللہ جَلَّالَهُ رَجوع کرنے والے بندے کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو توبہ کی توفیق عنایت فرماتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد مبارک کا ترجمہ ہے:

”پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آئندہ بھی توبہ کر سکیں۔“

اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول بھی فرماتے ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

”جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے۔“

اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ”تَوَاب“ رکھا ہے۔

۱ ”(التَّوَابُ) هُوَ الَّذِي يَرْجِعُ إِلَى تَيْسِيرِ أَسْبَابِ التَّوْبَةِ لِعِبَادِهِ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى، بِمَا يُظْهِرُ لَهُمْ مِنْ آيَاتِهِ، وَيَسُوقُ إِلَيْهِمْ مِنْ تَنْبِيهَاتِهِ، وَيُطْلِعُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ تَخْوِيفَاتِهِ وَتَحْذِيرَاتِهِ، حَتَّى إِذَا أَطْلَعُوا بِتَعْرِيفِهِ عَلَى غَوَائِلِ الذُّنُوبِ، اسْتَشْعَرُوا الْخَوْفَ بِتَخْوِيفِهِ فَرَجَعُوا إِلَى التَّوْبَةِ، فَرَجَعَ إِلَيْهِمْ فَضْلُ اللَّهِ تَعَالَى بِالْقَبُولِ.“ (المقصد الاسنى: ۸۸)

۲ وقال ابن القيم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی:

وَكَذَلِكَ التَّوَابُ مِنْ أَوْصَافِهِ وَالتَّوَابُ فِي أَوْصَافِهِ تَوَعَانِ
إِذَنْ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ وَقَبُولُ لَهَا بَعْدَ الْمَتَابِ بِمَنَّةِ الْمَنَّانِ

(التوبة: ۲/۲۳)

۳ سَمَّى اللّٰهُ سُبْحَانَهُ نَفْسَهُ تَوَّابًا لِأَنَّهُ خَالِقُ التَّوْبَةِ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ، وَمُيسِّرُ أَسْبَابِهَا لَهُمْ، وَالرَّاجِعُ بِهِمْ مِنَ الطَّرِيقِ الَّتِي يَكُورُ إِلَى الطَّرِيقِ الَّتِي يَرْضَى.

وَسَمَّى نَفْسَهُ أَيْضًا (تَوَّابًا) لِقَبُولِهِ تَوْبَةَ مَنْ يَرْجِعُ إِلَيْهِ.

وَمِنْ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا﴾ (التوبة: ۱۱۸)

وَمِنْ الْقِسْمِ الثَّانِي قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ﴾ (المائدة: ۳۹)

فِيهِذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ سَمَّى نَفْسَهُ تَوَّابًا. (الكتاب الاسنى: ۳۷۷)

یہ اسم مبارک قرآن کریم میں دس مقامات پر آیا ہے، جن میں سے تین آیات درج ذیل ہیں:

۱ ﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾^۱

۲ ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ﴾^۲

۳ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾^۳

توبہ کی حقیقت

توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ اس کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے تین شرائط ہیں:

۱ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کر دے۔

۲ ماضی میں جو گناہ ہوئے ہیں ان پر نادم ہو۔ حدیث میں آتا ہے: ”النَّدَمُ تَوْبَةٌ“^۴ یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔

۳ آئندہ گناہوں کو ترک کرنے کا پختہ عزم کر لے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے، تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثاء موجود ہیں تو ان کو لوٹائے، اگر ورثاء بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے، بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے، مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہے، برا بھلا کہا ہے، یا اس کی غیبت کی ہے تو اسے جس طرح ممکن ہو راضی کر کے اس سے معافی حاصل کرے۔^۵

اور یہ تو ہر قسم کی توبہ کے لئے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو اور شریعت میں اصل مطلوب تو یہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے، لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اس گناہ کی حد تک تو معافی ہو جائے گی، دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔

لہذا جب ہم توبہ کی حقیقت بتلا چکے کہ بری حالت کا ترک کرنا، گزشتہ پر ندامت کا اظہار کرنا، آئندہ برے فعل کے

۱ البقرة: ۳۷ ۲ النور: ۱۰ ۳ النصر: ۳ ۴ ابن ماجہ، الزهد، باب ذکر التوبة: ۳۱۳

۵ اس کے لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ کتاب ”طریقہ وصیت“ پسند فرمودہ مفتی محمود اشرف صاحب استاذ حدیث جامعہ دارالعلوم کراچی کا مطالعہ کریں۔ اس میں تفصیل کے ساتھ اللہ جل جلالہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کی تلافی اور تدارک کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہ کتاب ”بیت العلم ٹرسٹ“ کراچی نے شائع کی ہے اس کی ورک بک ”وصیت لکھئے“ بھی شائع ہو چکی ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ (The will) کے نام سے زمزم پبلشرز نے شائع کیا ہے۔ تمام معیاری کتب خانوں سے مل سکتی ہے۔

نہ کرنے پر پختہ عزم کرنا، سابقہ کوتاہیوں کا تدارک کرنا ہے، تو پھر ایسی توبہ کی قبولیت سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے۔
کے پہلو میں درد مند اور رحم آمیز دل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ﴾^۱

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔“

بعض روایات میں ہے کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو جائے، تو صرف یہی نہیں کہ اس پر پکڑ نہ ہوگی، بل کہ اس کو فرشتوں کے لکھے ہوئے نامہ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے، تاکہ اس کی رسوائی بھی نہ ہو۔

جب کسی انسان نے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق توبہ کر لی تو وہ ہر طرح کا گناہ کر چکنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ بن جائے گا اور اگر پھر کبھی اس سے گناہ ہو جائے تو پھر فوراً توبہ کرے، بارگاہِ غفور و کریم سے ہر مرتبہ توبہ قبول کرنے کی امید رکھے۔^۲

اسی لئے ہمارے خواجہ عزیز الحسن مجذوب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں۔

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو آدمی مایوس ہو جاتا ہے کہ میری توبہ بے کار گئی، نہیں ہرگز نہیں بے کار نہیں گئی پھر توبہ کر لو، ان سے ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جوڑ لو فرماتے ہیں۔

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

کوشش تو کیجئے کہ نہ ٹوٹے، گناہ سے بچنے میں جان کی بازی لگا دیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر توبہ کیجئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کا گڑگڑانا..... ندامت کے آنسو بہانا..... اور معافی مانگنا..... بہت پسند ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

”مَنْ عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوعٌ وَإِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ثُمَّ

يُصِيبُ شَيْئًا مِنْ حُرُوجِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ“^۳

۱۔

۲۔ البقرة: ۲۲۲

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اس درگہ ما درگہ نومیدی نیست

۳۔ ابن ماجہ، الزہد، الحزن والبعاء، رقم: ۴۱۹۷

تَرْجَمَ: حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”کوئی مؤمن بندہ ایسا نہیں ہے جس کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت سے آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر اس کے چہرے کو جہنم کی حرارت پہنچے (نہیں ایسا نہیں ہے) مگر اس چہرے پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔“

جو سچے دل سے توبہ کرتا ہے اور پختہ عزم کرتا ہے کہ اے اللہ! میں آئندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا، جان دے دوں گا مگر آپ کو ناراض نہ کروں گا، لیکن باوجود پوری کوشش کے پھر اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہے، پھر یہ ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے، گڑ گڑاتا ہے، عاجزی کرتا ہے، اور آئندہ گناہ کا عزم نہیں رکھتا، حدیث پاک میں ہے: ایسا شخص گناہ پر اصرار کرنے والوں میں نہیں ہے، چاہے دن میں ستر بار اس کی توبہ ٹوٹ جاتی ہو، لہذا توبہ کرنے والے کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔

”التَّوَابُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا در ہر وقت کھلا ہے

واقِعَةُ مِثْبَيْنَ ۶۱: حضرت ابوسعید خدری رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا تھا، پھر وہ اپنے متعلق سوال کرنے کے لئے نکلا اور ایک راہب (عیسائی پادری) کے پاس آیا اور اس سے دریافت کرتے ہوئے کہا:

”کیا میری توبہ قبول ہونا ممکن ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں (تو نے اتنے قتل کئے ہیں تیرے لئے مغفرت کہاں؟) اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔

وہ لوگوں سے پوچھتا رہا، کسی نے اسے کہا: فلاں فلاں بستی میں جاؤ (جب وہاں جانے لگا تو راہ میں) اسے موت آگئی، اس نے اپنے سینہ کا رخ اس بستی کی طرف کر لیا (جس کی طرف جا رہا تھا) اب رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے مابین اس کے متعلق جھگڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے (اُس بستی کی) زمین کو حکم دیا کہ ذرا قریب ہو جائے اور اس بستی کی زمین کو (جہاں سے نکل چکا تھا) حکم دیا کہ دور ہو جائے اور فرشتوں سے فرمایا:

دونوں بستیوں کے درمیان فاصلہ کی پیمائش کرو (جب پیمائش کی گئی) تو اس بستی سے (جہاں جا رہا تھا) بالشت بھر قریب نکلا۔ چنانچہ اس کی مغفرت کر دی گئی۔

عذاب کے فرشتے کہہ رہے تھے کہ اسے ہم لے جائیں گے کیوں کہ اس بستی تک نہیں پہنچا جب کہ رحمت والے فرشتے کہتے تھے کہ یہ تو اس طرف چل دیا تھا موت تو اس کے اختیار میں نہیں تھی، لہذا اسے ہم لے جائیں گے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا فرشتہ بھیجا اُس نے کہا:

”قَيْسُوا بَيْنَهُمَا“ دونوں بستیوں کے فاصلوں کی پیمائش کر لو اور ادھر صالحین کی بستی کو حکم دیا: ”تَقَرَّبِي“ تو تھوڑی

سی قریب ہو جا کہ تجھ پر اہل تقرب رہتے ہیں، اور گناہوں والی بستی کو فرمایا "تَبَاعَدِي" تو دور ہو جا کہ تجھ پر اہل تباہی رہتے ہیں۔ (یعنی جو مجھ سے دُور ہیں)۔^۱

یہ فضل بصورتِ عدل ہے، یعنی فرشتوں سے تو پیمائش کر رہے ہیں اور کام خود بنا رہے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظام تھا ورنہ وہ بستی دُور تھی۔

اگر بار بار توبہ ٹوٹ جاتی ہے تو بھی مایوس نہ ہوں آپ بار بار توبہ کیجئے۔ توبہ کی قبولیت کے لئے اتنا کافی ہے کہ اس گناہ سے الگ ہو جائے، دل میں ندامت ہو اور پختہ عزم ہو کہ آئندہ ہرگز گناہ نہ کروں گا، یعنی پھر گناہ کرنے کا دل میں ارادہ نہ ہو تو ایسی توبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔

لہذا ہرگز مایوس نہ ہوں، خطا ہو جائے رونا و گڑ گڑانا شروع کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جو معاف کرے گا۔ ان کے در کے علاوہ اور کون سادر ہے جہاں ہم جائیں، لہذا عمر بھر کوشش میں لگے رہنا ہے۔
یعنی اس "التَّوْبَاتُ الْحُسْنَى جَلَّالًا" نے بندہ کو نوازنے کا ارادہ فرما لیا تو اس کو اپنی رحمت کے حاصل کرنے کا ڈھنگ بھی سکھلا دیا۔^۲

بعض علماء سے پوچھا گیا: جس شخص سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے وہ کیا کرے؟
تو فرمایا: وہی کام کرے جو اس کے پہلے والدین آدم عَلَيْهِ السَّلَام و حوا عَلَيْهَا السَّلَام نے کیا، کہ اپنے کئے پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کے عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے لئے عرض کیا:

① ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾^۳

ترجمہ: ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اگر آپ معاف نہ کریں اور ہم پر رحم نہ کریں تو ہم سخت خسارے والوں میں داخل ہو جائیں گے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام نے عرض کیا:

② ﴿رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ﴾^۴

۱۔ مرقاة شرح مشکاة: ۱۲۸/۵

۲۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ

اگر کافر و گہرو بت پرستی باز آ

اے درگہ ما، درگہ نومیدی نیست

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

ترجمہ: تم جو کچھ بھی ہو اس سے باز آ جاؤ، خواہ کافر، آتش پرست یا بت پرست ہو، یہ ہماری بارگاہ نامیدی کی بارگاہ نہیں ہے، سو بار بھی توبہ توڑ دی ہو تو پھر بھی باز آ جاؤ۔

تَرْجَمَہ: ”اے میرے پالنے والے! میں نے اپنی جان پر ظلم کر لیا ہے، تو آپ ہی میری مغفرت فرمائیے۔“
حضرت یونس علیہ السلام سے جب لغزش ہو گئی تو عرض کیا:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾^۱

تَرْجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، آپ ہر برائی سے پاک ہیں، میں ظلم کرنے والوں میں داخل ہو گیا ہوں“ (مطلب یہ ہے کہ مجھ پر رحم فرمائیے)۔“^۲

پادری، پیر و مرشد، فقیر و مجاور کسی کے گناہ معاف نہیں کر سکتے

توبہ قبول کرنے اور گناہ معاف کرنے کا اختیار سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں، یہود و نصاریٰ اس قاعدہ سے غفلت کی بناء پر سخت فتنہ میں مبتلا ہو گئے، کہ پادریوں اور پنڈتوں کے پاس جاتے، اور اُن کو کچھ ہدیہ دے کر اپنے گناہ معاف کرا لیتے، اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی معاف ہو گیا۔

آج بھی بہت سے ناواقف مسلمان اس طرح سے غلط اور خام عقیدے رکھتے ہیں، جو سراسر غلط ہیں، کوئی عالم یا مرشد پیر، فقیر، مجاور، کسی کے گناہ کو معاف نہیں کر سکتا، زیادہ سے زیادہ دعا کر سکتا ہے۔ معاف تو صرف ”التَّوَابُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہی کر سکتا ہے۔

دلیل نمبر ۱: جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾^۳

تَرْجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ (سب) جانتا ہے۔“

دلیل نمبر ۲: ﴿غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾^۴

”وہ گناہوں کا ڈھانک دینے والا ہے، اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے۔“

قرآن مجید میں دس مقامات پر اسم ”التَّوَابُ“ آیا ہے، سورۃ نور میں: ﴿وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ﴾^۵ ہے، باقی آٹھ مقامات پر ”تَوَّابٌ رَحِيمٌ“ ہے اور ایک جگہ صرف ”تَوَّابًا“ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول فرمانا رحم کی وجہ سے ہے اور رحم الہی ہی اللہ تعالیٰ کا حکیم ہونا ظاہر کر رہا ہے۔

۱ تفسیر قرطبی: ۲۶۹/۱، البقرة: ۳۷

۲ الانبیاء: ۸۷

۳ النور: ۱۰

۴ المؤمن: ۳

۵ شوری: ۲۵

اللہ تعالیٰ کا سراپا رحمت، سراپا رحم ہونا مسلم ہے، لہذا اس کا توبہ پذیر ہونا بھی ضروری ہوا "التَّوَابُ" جو اسم پاک ہے اس کے معنی خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں۔

گناہ چھوڑنے کا آسان نسخہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾^۱

ترجمہ: "مگر جو توبہ کریں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں۔"

ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ سے معاف کروانے کے لئے توبہ کرے، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ"^۲

ترجمہ: "آدم (علیہ السلام) کی تمام اولاد خطا کار ہے، مگر بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔"

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: (جو بلاشبہ صادق و صدیق ہیں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: "جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا الذُّنُوبَ مِنْهُمْ وَمِنْ يَغْفِرُ

الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾^۳

ترجمہ: "اور وہ بندے (جن کا حال یہ ہے) کہ جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے، یا کوئی برا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو جلد ہی انہیں اللہ تعالیٰ یاد آ جاتا ہے، اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے: اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور یقینی طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما دے گا۔

^۱ الفرقان: ۷۰ ترمذی، صفة القيامة، باب في استعظام المؤمن، رقم: ۲۴۹۹

^۲ ترمذی، الصلاة، ماجاء في الصلوة عند التوبة: ۹۲/۱

^۳ آل عمران: ۱۳۵

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا ایک وعظ ”ملت ابراہیم“ کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ اس میں کم ہمتوں کے لئے ایک طریقہ علاج تجویز فرمایا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اگر اس پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد زندگی میں انقلاب آجائے گا اور گناہ چھوٹنے لگیں گے اور سچی توبہ کی توفیق نصیب ہوگی۔

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو:

”اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں، میں فرماں برداری کا ارادہ کرتا ہوں، مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا، اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہو سکتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی، آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔“

اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں، سخت گنہگار ہوں، میں تو عاجز ہو رہا ہوں، آپ ہی میری مدد فرمائیے، میرا قلب ضعیف ہے، گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں، آپ ہی قوت دیجئے۔ میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں، آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے، اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کئے ہیں انہیں اپنی رحمت سے معاف فرمائیے۔“

اسی طرح روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اور اپنی اصلاح کی دعا، اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد ان شاء اللہ تعالیٰ غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت قوی ہو جائے گی، شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا، دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاوے گا کہ جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔^۱

توبہ کے فوائد

ہر انسان سے غلطی سرزد ہوتی ہے، لیکن جیسے ہی غلطی سرزد ہو تو اس کو توبہ کرنی چاہئے اور توبہ کے یہ نتائج ہوں گے:

- ۱ انسان بہترین اعمال میں ترقی کرے گا۔
 - ۲ محاسن اخلاق میں برابر بڑھتا رہے گا۔
 - ۳ اس کا مستقبل اس کے ماضی سے زیادہ شان دار ہوگا۔
 - ۴ وہ تدارکِ مافات کے اصول پر تھوڑی عمر میں اعمالِ خیر کا دافر حصہ جمع کر لے گا۔
- یہ تمام برکات توبہ سے حاصل ہوں گی۔^۲

بے چینی و پریشانی سے نجات کا مستند علاج

واقعتاً میں نے (۶۳): حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خدمت میں ایک شخص نے آکر قحطِ سالی کی شکایت کی، تو

۱ تفصیل کے لئے دیکھئے ”مستند مجموعہ وظائف“ مطبوعہ بیت العلم ٹرسٹ: ۱۸۳ ۲ شرح اسماء حسنی: ۱۴۶ (منصور پوری)

انہوں نے اس سے فرمایا: ”استغفار کرو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔

دوسرے شخص نے غربت و افلاس کی شکایت کی تو اس سے فرمایا: ”استغفار کرو۔“

تیسرا ایک آدمی آیا، اس نے زینہ اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی، فرمایا: ”استغفار کرو۔“

چوتھے شخص نے آکر اپنے باغ کے خشک ہو جانے کا ذکر کیا تو آپ نے اس سے بھی فرمایا: ”استغفار کرو۔“

ان سے پوچھا گیا: آپ کے پاس چار آدمی الگ الگ شکایت لے کر آئے اور آپ نے سب کو استغفار کا حکم دیا،

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”میں نے اپنی طرف سے تو کوئی بات نہیں بتلائی، خود اللہ تعالیٰ نے سورہ

نوح میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ

وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَرًا ۝﴾

ترجمہ: ”اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب کرو، بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، آسمان سے تم پر موسلا دھار

بارش برسائے گا، تمہارے اموال اور بیٹوں میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لئے باغ اور نہریں بنائے گا۔“

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے (۱) موسلا دھار بارش (۲) مال (۳) اولاد میں اضافہ

(۴) اور باغات و نہروں کی فراوانی..... کی نعمتوں کو استغفار کے نتیجے کے طور پر ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

استغفار کی کثرت ان نعمتوں کی وصول یابی کا سبب بنتی ہے، حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اسی لئے مختلف

شکایتوں والے چاروں اشخاص کو استغفار کا حکم دیا۔

امام قرطبی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے ان آیات کے تحت لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استسقاء یعنی بارش

طلب کرنے کے لئے شہر سے نکلے اور نماز استسقاء ادا کرنے کی بجائے صرف استغفار پڑھ کر واپس آئے اور بارش ہو گئی،

لوگوں نے پوچھا: ”آپ نے بارش کے لئے دعا نہیں کی، (صرف استغفار کیا تھا)۔“

آپ نے فرمایا: ”میں نے تو زبردست موسلا دھار برسنے والے بادلوں کو مانگا تھا“ اور پھر یہ آیت پڑھی:

﴿اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝﴾

سحری کے وقت گناہوں کی معافی مانگنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دو آیتوں میں سحری کے وقت استغفار کی فضیلت بتلائی ہے۔

﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (یعنی مومنین متقین سحر کے وقت اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں)

۱۔ نوح: ۱۰، ۱۱، ۱۲ ۲۔ تفسیر قرطبی: ۲۲۲/۹، نوح: ۱۰ تا ۱۲ ۳۔ قرطبی: ۲۲۱/۹، نوح: ۱۰ تا ۱۲ ۴۔ الذریت: ۱۸

اسحار، سحر کی جمع ہے، رات کے آخری چھٹے حصے کو سحر کہا جاتا ہے، اس آخری حصہ شب میں استغفار کرنے کی فضیلت اس آیت میں بھی ہے اور دوسری آیت ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾^{۱۷} (اور پچھلی رات کو بخشش مانگنے والے ہیں) جو طمانیت و اجابت کا وقت ہوتا ہے، اس وقت اُٹھ کر اپنے رب سے گناہ اور تقصیرات معاف کراتے ہیں۔ صحاح حدیث کی سب کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں، (جو ان کی شان کے مناسب ہے، اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں) اور اعلان فرماتے ہیں: ہے کوئی توبہ کرنے والا جس کی میں توبہ قبول کروں، ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔^{۱۸}

یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس استغفار سحری میں ان متقین کا بیان ہو رہا ہے جن کا حال اس سے پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، بہت کم سوتے ہیں، ان حالات میں استغفار کرنے کا بظاہر کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا، کیوں کہ طلب مغفرت تو گناہ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں نے ساری رات عبادت میں گزار دی وہ آخر میں استغفار کس گناہ سے کرتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو چوں کہ حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو پہچانتے ہیں اور اپنی ساری عبادت کو اس کے شایان شان نہیں دیکھتے، اس لئے اپنی اس تقصیر و کوتاہی سے استغفار کرتے ہیں۔^{۱۹} بندے کو چاہئے کہ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے مغفرت طلب کرتا رہے:

”اللَّهُمَّ لَا بَرَاءَةَ لِي مِنْ ذَنْبٍ فَاعْتَذِرْ وَلَا قُوَّةَ لِي فَانْتَصِرْ..... وَلَكِنِّي مُذْنِبٌ وَمُسْتَغْفِرٌ“
ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے گناہوں سے چھٹکارا نہیں تو میرا عذر قبول فرما اور میری کوئی طاقت نہیں تو میری مدد فرما۔“

۱۷۔ آل عمران: ۱۷۔ ۱۸۔ ابن کثیر: ۳/۳۸۳، آل عمران: ۱۷۔

۱۹۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول استغفار کی ستر دعائیں مع ستر درود شریف تہجد کے وقت مانگنے کے لئے (خصوصاً رمضان المبارک کی راتوں میں اور ذی الحجہ کی دس راتوں میں) بہت ہی مفید ہے، یہ ستر استغفار ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”إرشاد السَّارِ إِلَى مَنْاسِكَ مَلَا عَلِي الْقَادِي“ کے اخیر میں ہے، بندہ نے ان دعاؤں کا اردو ترجمہ استغفار کی ستر دعائیں مع ستر درود شریف کے نام سے چھاپ دیا ہے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ (SEVENTY DUAS OF ISTIGHFAR) کے نام سے چھپ چکا ہے اور کتاب مستند مجموعہ وظائف جو بیت العلم ٹرسٹ اردو بازار کراچی سے شائع ہوئی ہے اس میں بھی موجود ہے، آپ ضرور اس کو مانگیں ان شاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا اور اعتکاف..... سفر حج و عمرہ میں..... یا جماعت کے سفر میں..... خصوصاً تہجد کے وقت..... ان استغفارات کے ذریعہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی لذت آپ خود بھی محسوس فرمائیں گے۔ اسی طرح مصیبتوں اور پریشانیوں میں ان استغفارات کے ذریعہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر بلاؤں اور ناگہانی آفتوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔ بے چینی، بے قراری، الجھن، ٹینشن دور کرنے کے لئے بھی یہ استغفارات نہایت ہی مفید ہیں۔ ہر بھائی/بہن سے ان استغفارات کو پڑھ کر گناہوں کی معافی مانگنے کی سفارش کی جاتی ہے یہ کتاب ہر معیاری کتابوں کی دکان سے مل سکتی ہے، ورنہ ہم سے براہ راست طلب فرمائیں۔

۲۰۔ تفسیر مظہری: ۸۲/۹، آل عمران: ۱۷۔

البتہ میں گناہ گار ہوں، مغفرت کا طلب گار ہوں۔“ ۱

فوائد و نصائح

۱ بندے کو چاہئے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے: ”التَّوَابُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے پاس جو تائب ہو کر جاتا ہے اسے وہ کبھی بھی ذلیل نہیں فرماتے، اس گناہ گار کی تمام خطاؤں کو معاف فرماتے ہیں اور سچی توبہ کرنے والوں کو ایسا پاک کرتے ہیں گویا ابھی دنیا میں جنم لیا ہو۔

۲ ”التَّوَابُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ اپنے بندے پر رحم فرماتے ہیں اور اس کی توبہ قبول کرتے ہیں حتیٰ کہ غضب کے وقت بھی، اس لئے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

۳ توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ: اللہ رب العزت کے سامنے اپنے گناہوں پر نادم ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو۔ اپنے گناہوں پر جواز پیش نہ کرے بل کہ، یوں کہے:

”اے اللہ! نہ تو میرے پاس گناہوں کا کوئی عذر ہے اور نہ گناہوں سے انکار ہے اور نہ ہی میرے پاس کوئی طاقت ہے کہ گناہوں کی سزا سے بچ سکوں، ہاں اعتراف و اقرار ہے کہ میں گناہ گار ہوں اور معافی اور بخشش کا طالب ہوں..... اے اللہ! اے کریم! مجھے معاف کر دے۔“

یہ یقین بھی رکھے کہ توبہ کا قبول کرنے والا ”التَّوَابُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے علاوہ کوئی نہیں، نہ کوئی پیر، نہ کوئی ولی، نہ کوئی پیغمبر اور نہ ہی کوئی بزرگ، لہذا اسی کے در پر جائے۔

الْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُهُ

(بدلہ لینے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① "الْمُنْتَقِمُ أَيُّ الْمُعَاقِبِ لِلْعُصَاةِ عَلَى مَكْرُوهَاتِ أَعْمَالِهِمْ" ۱

ترجمہ: "الْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ذات ہے جو اپنے نافرمان بندوں کو ان کے ناپسندیدہ افعال پر سزا دے۔"

② "الْمُنْتَقِمُ: هُوَ الَّذِي يُبَالِغُ فِي الْعُقُوبَةِ لِمَنْ شَاءَ." ۲

ترجمہ: "الْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ذات ہے جو کسی سے انتقام لینا چاہے تو انتہائی سخت گرفت فرماتا ہے۔"

"اللَّهُ رَبُّ الْعِزَّتِ کی شانِ انتقام یہ ہے کہ وہ اپنے نافرمان بندوں کو ان کے ناپسندیدہ کاموں پر سزا دیتے ہیں۔" یہ وصف اللہ ربُّ العزت کے حق میں صفتِ حمیدہ ہے۔ بندوں کے حق میں صفتِ انتقام اس صورت میں قابلِ ستائش ہے جب کہ ان کا انتقام اللہ ربُّ العزت کی رضا جوئی کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے دشمنوں سے ہو اور انسان کا حقیقی دشمن اس کا نفس ہے۔ یہی سب سے زیادہ قابلِ مواخذہ ہے، لہذا جب بھی نفس سرکشی کرے، اسے سزا دینی چاہئے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے خلاف عمل کیا جائے۔

"الْمُنْتَقِمُ جَلَّ جَلَالُهُ" ظالم سے دنیا ہی میں انتقام لے لیتے ہیں

دنیا میں ایسے ایسے عجیب و غریب واقعات انتقامِ خداوندی کے ہوئے ہیں کہ دل لرز جاتا ہے، فرعون پانی میں غرق ہوا، قارون زمین میں دھنسیا گیا، نمرود مچھر کے کاٹنے سے مرا، کسریٰ کو اس کے بیٹے شیروہ نے قتل کیا، ہلاکو خان پاگل ہو کر مرا، ہٹلر کا برا انجام ہوا، ایران کے پرانے اور نئے بادشاہ کا انجام سب کے سامنے ہے۔ عموماً ہر بستی، ہر شہر، ہر قریہ اور ہر دور میں ظلم کرنے والوں کے ایسے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں جو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے کافی ہوتے ہیں، اور اندھے لوگ انہیں اتفاقات سمجھتے ہیں۔

واقعة نمبر ۶۳: مشہور مصنف مولوی محمد یحییٰ تنہا، بڑے ہی متقی پرہیزگار آدمی تھے، انہوں نے اور ان کے دوست نے مل کر ایک کوٹھی الاٹ کرائی، وہ دوست نیچے رہا اور مولوی صاحب کو اوپر کا حصہ دے دیا، کچھ دنوں کے بعد اس دوست کا انتقال ہو گیا اور اس کا ایک بیٹا جو شرابی تھا اس بات کے درپے ہو گیا کہ ان مولوی صاحب کو اوپر کے حصہ سے نکال دے، لہذا زبردستی ان کا سامان پھینک کر اوپر کے کچھ حصہ پر قابض ہو گیا، مولوی صاحب نے مقدمہ دائر کر دیا تو مقدمہ اور اپیل ہر جگہ سے ہار گئے کیوں کہ فریق ثانی مجسٹریٹوں کو رشوت و شراب پہنچا دیتا تھا۔

پھر دو خطرناک کتے اس نے ان کے زینے کے ادھر ادھر بندھوا دیئے، غرض بری طرح ان کو تنگ کیا، مولوی صاحب اور ان کے بیٹے بڑے ہی شریف تھے سب کچھ جھیلے رہے، اچانک اس کا جوان بھائی اپنے ٹرک کے الٹ جانے سے دب کر مر گیا، تب مولوی صاحب کی جان چھوٹی، اس کی ماں، بہنوں اور بیوی نے کہا کہ یہ ان کا صبر ہم پر پڑا ہے کہ ہم نے انہیں رات دن طرح طرح سے ستایا اور دوست احباب کا آنا جانا تک بند کر دیا۔

والدین کی ناقدری، نافرمانی پر دنیا ہی میں ”الْمُنْتَفِعُ جَلَّالًا“ کی پکڑ

واقعة نمبر ۶۴: سیالکوٹ کے ایک مالی کا بیٹا بڑھتے بڑھتے آگرہ کالج کا پرنسپل ہو گیا، میٹرک وغیرہ پاس کرنے کے بعد ماں باپ کو پتہ نہ چلا کہ کہاں گیا۔ باؤں میں لندن سے پی ایچ ڈی کر کے آیا اور بڑی جگہ شادی کی۔

ماں باپ تو ٹوہ میں رہتے ہی تھے پتہ چلا کہ وہ بڑا آدمی ہے اور آگرہ میں پرنسپل ہے، وہ بصد اشتیاق اس کی کوٹھی پر پہنچ گئے، تو اس نے انہیں اپنے چپڑاسی کی کوٹھڑی میں ٹھہرایا اور پھر نکال دیا۔

آگرہ کے ایک بڑے مال دار گھرانے کے لیکچرار سے ناچاتی ہو گئی، تو اس لیکچرار نے آگرہ کے قصابوں سے اس کے ہاتھ پاؤں تڑوا دیئے، گورنمنٹ نے بڑے علاج معالجے کرائے مگر آرام نہ آیا، انڈیا کا یہ مشہور ماہر نباتات آگرہ کی سڑکوں پر بھیک مانگتا پھرا کرتا تھا، شاید مہتہ اس کا نام تھا۔

”الْمُنْتَفِعُ جَلَّالًا“ کی قدرت کا کرشمہ

واقعة نمبر ۶۵: ابھی چند سال ہوئے ملک کا ایک مشہور ماہر دماغ سرجن کا بیٹا اس سرجن صاحب سے ملنے ہسپتال آ رہا تھا کہ ایکسیڈنٹ ہوا اور سر پھٹ گیا، لوگ اسے ہسپتال لے گئے۔

ہسپتال کے عملے نے کہا: ”ڈاکٹر صاحب! دماغی آپریشن کا کیس آیا ہے چل کر آپریشن کر دیجئے۔“ کہنے لگا: ”فیس کون دے گا؟“ عملے نے کہا: ”یہ تو ایک حادثہ کا شکار ہے لوگ پہنچا گئے ہیں وارث معلوم نہیں کون ہیں؟“

اس نے انکار کر دیا..... اور مزے سے اپنے کمرے میں بیٹھا رہا جب وہ مر گیا تو پتا چلا کہ اس کا اپنا ہی بیٹا تھا۔ اللہ

تعالیٰ نے اس سے انتقام لے لیا کہ فیس کو اہمیت دی انسانی جان کو نہیں، دولت مقصد بنایا، انسانی خدمت نہیں۔

یہ جو آثارِ قدیمہ والے مختلف ممالک میں ہزاروں سال پہلے کے بڑے بڑے شہر کھود کر نکالتے ہیں یہ عبرت گاہیں انتقامِ الہی کے نمونے ہیں۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو یہ حالات سنا کر تنبیہ کی ہے سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

”اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا۔“^{۱۷}

سورہ فجر میں ارشاد فرمایا:

”کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ نے عاد کے ساتھ کیسا کیا، ارم کے ساتھ کیا کیا جنہوں نے بڑے بڑے ستونوں والے محلات اور باغات بنائے تھے کہ ان جیسی عمارتیں کہیں بھی نہ تھیں اور شمود کو جنہوں نے وادی میں پہاڑوں کی چٹانیں کھود کر محلات بنائے تھے، اور فرعون کو جو بڑے بڑے ستونوں والا تھا، جنہوں نے بڑی سرکشی کی تھی اور فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔“^{۱۸}

اگر وہ ”المنہج جلالہ“ نہ ہوتا تو دنیا بالکل بے لگام ہو جاتی، انتقام میں یہی حکمت ہے۔

ہم نے دیکھے ہیں زمانے میں بہت سے انقلاب اہل دولت سے کہو اتنا نہ اترایا کریں نہ جا اس کے تحمل پر کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا^{۱۹}

قدرت کا انتقام

واقِعَةُ مُنَبِّئٍ (۶۶): ایک بزرگ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ طواف کر رہا تھا، کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا جس کے کاندھے پر ایک بچہ بہت کم سن بیٹھا ہے اور وہ یہ ندا کر رہی ہے، اے کریم! اے کریم! تیرا گزرا ہوا زمانہ (یعنی کیسا موجب شکر ہے) میں نے پوچھا: وہ کیا چیز ہے جو تیرے اور مولیٰ کے درمیان گزری، کہنے لگی: میں ایک مرتبہ کشتی پر سوار تھی اور تاجروں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ تھی، طوفانی ہوا ایسے زور سے آئی کہ وہ کشتی غرق ہو گئی اور سب کے سب ہلاک ہو گئے میں اور یہ بچہ ایک تختہ پر رہ گئے اور ایک حبشی آدمی دوسرے تختہ پر، ہم تین کے سوا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا۔ جب صبح کا چاندنا ہوا تو اس حبشی نے مجھے دیکھا اور پانی کو ہٹاتا ہوا میرے تختہ کے پاس پہنچ گیا اور جب اس کا تختہ میرے تختہ کے ساتھ مل گیا تو وہ بھی میرے تختہ پر آ گیا اور مجھ سے بری بات کی خواہش کرنے لگا۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ سے ڈر! ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں، اس سے خلاصی اس کی بندگی سے بھی مشکل ہو رہی ہے

چہ جائے کہ گناہ ایسی حالت میں کریں۔

۱۷ اعراف: ۴ ۱۸ الفجر: ۶ تا ۱۳ ۱۹ شرح اسماء الحسنی (الازہری): ۴۶۵، ۴۶۶

کہنے لگا: ان باتوں کو چھوڑ، اللہ تعالیٰ کی قسم یہ کام ہو کر رہے گا، یہ بچہ میری گود میں سو رہا تھا میں نے چپکے سے ایک چٹکی اس کے بھری جس سے یہ ایک دم رونے لگا، میں نے اس سے کہا: اچھا ذرا ٹھہر جا! میں اس بچہ کو سلا دوں پھر جو مقدر میں ہوگا ہو جائے گا۔

اس حبشی نے اس بچہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس کو سمندر میں پھینک دیا میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ”يَا مَنْ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ حُلْ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا الزَّانِجِي إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“
”اے وہ پاک ذات! جو آدمی کے اور اس کے دلی ارادہ میں بھی حائل ہو جاتی ہے میرے اور اس حبشی کے درمیان تو ہی اپنی طاقت اور قدرت سے جدائی کر، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی قسم! ان الفاظ کو پورا بھی نہ کرنے پائی تھی کہ سمندر سے ایک بہت بڑے جانور نے منہ کھولے ہوئے سر نکالا اور اس حبشی کا ایک لقمہ بنا کر سمندر میں گھس گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی طاقت اور قدرت سے اس حبشی سے بچایا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، پاک ہے، اس کی بڑی شان ہے، اس کے بعد سمندر کی موجیں مجھے تھپیڑتی رہیں یہاں تک کہ وہ تختہ ایک جزیرہ کے کنارہ سے لگ گیا، میں وہاں اتر پڑی اور یہ سوچتی رہی کہ یہاں گھاس کھاتی رہوں گی، پانی پیتی رہوں گی جب تک اللہ تعالیٰ کوئی سہولت کی صورت پیدا کرے اسی کی مدد سے کوئی صورت ہو سکتی ہے۔

چار دن مجھے اس جزیرہ میں گزر گئے، پانچویں دن مجھے ایک بڑی کشتی سمندر میں چلتی ہوئی نظر آئی میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر اس کشتی کی طرف اشارہ کیا اور کپڑا جو میرے اوپر تھا اس کو خوب ہلایا، اس میں سے تین آدمی ایک چھوٹی سی ناؤ پر بیٹھ کر میرے پاس آئے، میں ان کے ساتھ اس ناؤ پر بیٹھ کر اس کشتی پر پہنچی تو میرا یہ بچہ جس کو حبشی نے سمندر میں پھینک دیا تھا ان میں سے ایک آدمی کے پاس تھا، میں اس کو دیکھ کر اس پر گر پڑی، میں نے اس کو چوما گلے سے لگایا اور کہا: یہ میرا بچہ ہے میرا جگر پارہ ہے، وہ کشتی والے کہنے لگے:

تو پاگل ہے تیری عقل ماری گئی ہے، میں نے کہا: نہ میں پاگل، نہ میری عقل ماری گئی، میرا عجیب قصہ ہے۔
پھر میں نے ان کو اپنا واقعہ سنایا، یہ ماجرا سن کر سب نے حیرت سے سر جھکا لیا اور کہنے لگے: تو نے بڑی حیرت کی بات سنائی اور اب ہم تجھے ایسی ہی بات سنائیں جس سے تجھے تعجب ہوگا، ہم اس کشتی میں بڑے لطف سے چل رہے تھے، ہوا موافق تھی اتنے میں ایک جانور سمندر کے پانی کے اوپر آیا اس کی پشت پر یہ بچہ تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک غیبی آواز ہم نے سنی:

”اگر اس بچہ کو اس جانور کی پشت پر سے اٹھا کر اپنے ساتھ نہ لیا تو تمہاری کشتی ڈوب دی جائے گی“
ہم میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس بچہ کو اس جانور کی پشت پر سے اٹھا لیا اور وہ جانور پھر پانی کے اندر چلا گیا۔
تیرا واقعہ اور یہ واقعہ دونوں بڑی حیرت کے ہیں اور اب ہم سب عہد کرتے ہیں کہ آج کے بعد سے اللہ تعالیٰ ہمیں

کبھی کسی گناہ پر نہ دیکھے گا۔

اس کے بعد ان سب نے توبہ کی، وہ پاک ذات کتنی مہربان ہے بندوں کے احوال کی خبر رکھنے والی ہے، بہترین احسانات کرنے والی ہے، وہ پاک ذات مصیبت زدوں کی مصیبت کے وقت مدد کو پہنچنے والی ہے۔^{۱۵}

آہ جاتی ہے فلک پہ رحم لانے کے لئے

واقِعَةُ مَلِكٍ (۶۷): حافظ ابن کثیر **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے اپنی تفسیر میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ دمشق میں ایک آدمی اپنا گدھا سواری کے لئے اجرت پر دے کر گزر بسر کرتا تھا، ایک دن ایک شخص نے آکر کہا: فلاں جگہ جانا ہے، مجھے لے چلو، اس نے اس شخص کو بٹھا کر چلنا شروع کیا تو وہ ایک ویران راستہ سے جانے کے لئے کہنے لگا، گدھے کے مالک نے کہا: کہ یہ راستہ مجھے نہیں معلوم، وہ شخص کہنے لگا: ”مجھے معلوم ہے، یہ راستہ قریب پڑتا ہے۔“

جب اس راستے سے کچھ آگے بڑھے تو ایک خطرناک وادی آئی، وہ شخص گدھے سے اترا اور خنجر نکال کر سواری کے مالک کو اس نے قتل کرنے کا ارادہ کیا، اس بے چارے نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا: گدھا اور اس پر جو کچھ ہے سب لے لو مجھے چھوڑ دو لیکن وہ نہیں مانا، کہا کہ وہ تو لینا ہی ہے مگر تم کو بھی قتل کروں گا، اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی، ڈاکو نے کہا: ”جلدی پڑھو۔“

سواری کے مالک کا بیان ہے کہ میں نماز کے لئے کھڑا ہوا تو خوف کی وجہ سے جو کچھ تھا سب بھول گیا، قرآن کا ایک حرف بھی حافظہ میں نہیں رہا، اچانک میری زبان پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت جاری فرمائی:

﴿اَمِّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَيُخْرِجُ السُّوْءَ﴾^{۱۶}

ترجمہ: ”کون ہے جو پریشان حال لوگوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔“

اتنے میں ایک شہسوار آیا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا، نیزہ اس نے ڈاکو کے سینے میں دے مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، میں نے شہسوار سے اس کا تعارف پوچھا تو وہ کہنے لگا:

”میں اسی ذات کا بندہ ہوں جو پریشان حال کی دعا سنتی اور مصیبت دور کرتی ہے۔“^{۱۷}

^{۱۵} موت کا منظر: دوسرا حصہ ۱۵۷

انسان پر دنیا میں کوئی نہ کوئی مصیبت اور پریشانی ضرور آتی ہے، لیکن انسان کو اس پر صبر کرنا چاہئے، پریشانی کے بعد راحت ضرور آتی ہے، اسی موضوع پر بیت العلم ٹرسٹ کے مولانا خلیل صاحب نے الفرج بعد الشدة کا اردو ترجمہ ”پریشانی کے بعد راحت“ کے نام سے کیا ہے مستند واقعات و قصص پر مبنی ایک نادر کتاب شائع کی ہے اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح ”پریشان ہونا چھوڑ دیجئے“ بندہ کی کتاب ہے یہ بھی اس موضوع پر الحمد للہ کافی تسلی و تشفی کا ذریعہ ہے جو مکتبہ دارالہدیٰ کراچی سے یا کسی بھی مستند کتب خانہ سے مل سکتی ہے۔

^{۱۶} النمل: ۶۲ ^{۱۷} تفسیر ابن کثیر: ۶۷۷/۲، النمل: ۶۲

واقعاً اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا جلد قبول فرماتے ہیں، مصیبت زدہ اور مظلوم کی آہ جب بلند ہوتی ہے تو اس کی قبولیت میں دیر نہیں لگتی۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لئے

الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ مَظْلُوموں کو حق دلوانے والے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے ایک گورنر کو خط لکھا:

”أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ أَمَكَّنَكَ الْقُدْرَةُ مِنْ ظُلْمِ الْعِبَادِ، فَإِذَا هَمَمْتَ بِظُلْمِ أَحَدٍ فَادْكُرْ قُدْرَةَ اللَّهِ

عَلَيْكَ وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَا تَأْتِي إِلَى النَّاسِ شَيْئًا إِلَّا كَانَ زَائِلًا عَنْهُمْ بَاقِيًا عَلَيْكَ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ

تَعَالَى اخَذَ لِلْمَظْلُومِينَ مِنَ الظَّالِمِينَ وَالسَّلَامُ“

ترجمہ: ”حمد و صلوة کے بعد! تمہیں بندوں پر ظلم کرنے کی قدرت حاصل ہو گئی ہے، لیکن جب بھی کسی شخص پر ظلم کرنے کا ارادہ کرو تو یہ سوچ لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر کتنی قدرت حاصل ہے! اور یاد رکھو کہ تم عام لوگوں پر جو آفت بھی مسلط کرو گے وہ ان سے تو ایک نہ ایک دن ٹل جائے گی لیکن تمہارے اعمال نامے میں ہمیشہ باقی رہے گی اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے مظلوموں کا حق لے کر رہے گا۔ والسلام۔“

اللہ ربُّ العزت نے دنیا کو عمل کی جگہ اور آخرت کو بدلہ کی جگہ بنایا ہے لیکن مشاہدہ ہے کہ اعمالِ بد کی نحوست انسان کو اس دنیا میں بھی دیکھنی پڑتی ہے، اس قہار و غالب ”الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی شانِ انتقامی بھی بڑی عجیب ہے، انتقام لینے پر آئے تو انسان کے وہم و گمان سے بھی ہٹ کر اس کی پکڑ ہے۔ انسان کی حفاظت کے اسباب ہی اس کی پکڑ کے اسباب بن جاتے ہیں، اس کے اپنے ہی غیر بن جاتے ہیں۔ اس کے چوکیدار، ملازم، خدام ہی اس کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتے ہیں، لہذا ہمیں ظلم سے بہت ہی بچنا چاہئے کہ کسی پر ہماری طرف سے ظلم نہ ہو۔

”الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ انتقام لینے پر آئے تو کنکر کو بم بنا دے

”الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ مکر و تدبیر سے کہیں تیز اور سریع الاثر ہے، وہ مجرم کی باگ اتنی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ مجرم کو نشہ

۱۰ احیاء العلوم للغزالی، بحث توبہ: ۵۰/۴

۱۱ ظالم کو ظلم سے بچانے اور مظلوم کو تسلی دینے کے لئے بیت العلم ٹرسٹ نے ”مظلوم کی آہ“ کے نام سے ایک عبرت آموز کتاب شائع کی ہے جو مظلوموں کے ساتھ پیش آئے ہوئے عجیب و غریب اور مستند واقعات پر مشتمل ہے۔ ہر شخص سے اس کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے کہ یہ کتاب ”الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت سمجھنے میں مدد دے گی، اسی طرح غیر ارادی طور پر بھی جو کسی پر ظلم ہو جاتا ہے، اس سے بچنے میں مدد کرے گی، اسی طرح ظلم ہونے کے بعد معافی مانگنے کی جرأت پیدا کرے گی۔

غفلت میں چور ہو کر سزا کا تصور تک نہیں آتا، جب بدبختی کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو اچانک پکڑ کر کام تمام کر دیتا ہے، لہذا عاقل کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نرمی، بردباری، اور خوش کن حالات کو دیکھ کر یہ نہ بھولے کہ جب وہ ذات مجرموں سے بدلہ لینے کا ارادہ فرمालے تو وہ کسی سبب کی محتاج نہیں، ان کے اپنے ہی اسبابِ حفاظت اسبابِ ہلاکت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے بے شمار واقعات بیان ہوئے ہیں۔ کہ ”المنہج جلد اول“ نے جب انتقام کا ارادہ فرمایا تو اسبابِ حفاظت کو ہی اسبابِ ہلاکت میں تبدیل کر دیا اور بہت بڑی بڑی فوجوں کو اپنی مخلوق میں سے چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کے ذریعے ہلاک کر دیا۔

واقعتا منہج (۶۸): امامِ حدیث و تاریخ ابنِ کثیر **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** نے اس طرح نقل فرمایا ہے: یمن پر ملوک حمیر کا قبضہ تھا یہ لوگ مشرک تھے ان کا آخری بادشاہ ذونواس ہے، جس نے اس زمانے کے اہل حق یعنی نصاریٰ پر شدید مظالم کئے، اسی نے ایک لمبی چوڑی خندق کھدوا کر اُس کو آگ سے بھرا اور جتنے نصرانی بت پرستی کے خلاف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے تھے سب کو اس آگ کی خندق میں ڈال کر جلا دیا۔ جن کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔ یہی وہ خندق کا واقعہ ہے جس کا ذکر **اصحابُ الاُخدود** کے نام سے سورہ بروج میں آیا ہے۔

ان میں دو آدمی کسی طرح اس کی گرفت سے نکل بھاگے اور انہوں نے قیصر ملک شام کے بادشاہ سے جا کر فریاد کی کہ ذونواس ملک حمیر نے نصاریٰ پر ظلم کیا ہے، آپ ان کا انتقام لیں۔ قیصر ملک شام نے بادشاہ حبشہ کو خط لکھا یہ بھی نصرانی تھا۔ اور یمن سے قریب تھا کہ آپ اس ظالم سے ظلم کا انتقام لو، اُس نے اپنا عظیم لشکر دو کمانڈروں (امیر) ارباط اور ابرہہ کی قیادت میں یمن کے بادشاہ کے مقابلے پر بھیج دیا۔ لشکر اُس کے ملک پر ٹوٹ پڑا اور پورے یمن کو قوم حمیر کے قبضہ سے آزاد کرایا۔ ملک حمیر ذونواس بھاگ نکلا اور دریا میں غرق ہو کر مر گیا۔

اس طرح ارباط و ابرہہ کے ذریعہ یمن پر بادشاہ حبشہ کا قبضہ ہو گیا۔ پھر ارباط اور ابرہہ میں باہمی جنگ کی وجہ سے ارباط قتل ہو گیا۔

ابرہہ غالب آ گیا اور یہی بادشاہ حبشہ نجاشی کی طرف سے ملک یمن کا حاکم (گورنر) مقرر ہو گیا۔ اس نے یمن پر قبضہ کرنے کے بعد ارادہ کیا کہ یمن میں ایک ایسا شان دار کنیہ (عبادت خانہ) بنائے جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ یمن کے عرب لوگ جو حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، یہ لوگ اس کنیہ کی عظمت و شوکت سے مرعوب ہو کر کعبہ کے بجائے اس کنیہ میں جانے لگیں گے۔ اس خیال سے اُس نے بہت بڑا عالی شان کنیہ اتنا اونچا تعمیر کیا کہ اُس کی بلندی پر نیچے کھڑا ہوا آدمی نظر نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور اُس کو سونے چاندی اور جواہرات سے مزین کیا اور پوری مملکت میں اعلان کر دیا کہ اب یمن سے کوئی کعبہ کو حج کے لئے نہ جائے اس کنیہ میں عبادت کرے۔

عرب میں اگرچہ بُت پرستی غالب آگئی تھی مگر دین ابراہیم اور کعبہ کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں پیوست تھی، اس لئے عدنان اور قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے رات کے وقت کنیہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا اور بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے مسافر قبیلہ نے کنیہ کے قریب اپنی ضروریات کے لئے آگ جلائی اس کی آگ کنیہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچ گیا۔

ابرہہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور بتلایا گیا کہ کسی قریشی نے یہ کام کیا ہے تو اُس نے قسم کھائی کہ میں ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رہوں گا۔ ابرہہ نے اس کی تیاری کی اور اپنے بادشاہ نجاشی سے اجازت مانگی اس نے اپنا خاص ہاتھی کہ جس کا نام ”محمود“ تھا ابرہہ کے لئے بھیج دیا کہ وہ اس پر سوار ہو کر کعبہ پر حملہ کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ سب سے بڑا عظیم الشان ہاتھی تھا جس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی اور اُس کے ساتھ آٹھ ہاتھی دوسرے بھی اس لشکر کے لئے بادشاہ حبشہ نے بھیج دیئے تھے۔ ہاتھیوں کی یہ تعداد بھیجنے کا منشاء یہ تھا کہ بیت اللہ کعبہ کے ڈھانے میں ہاتھیوں سے کام لیا جائے۔ تجویز یہ تھی کہ بیت اللہ کے ستونوں میں لوہے کی مضبوط اور طویل زنجیریں باندھ کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں کے گلے میں باندھیں اور ان کو ہنکا دیں تو سارا بیت اللہ (معاذ اللہ) فوراً ہی زمین پر آگرے گا۔

عرب میں جب اس حملے کی خبر پھیلی تو سارا عرب مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا، یمن کے عربوں میں ایک شخص ذونفر نامی تھا، اُس نے عربوں کی قیادت اختیار کی اور عرب لوگ اس کے گرد جمع ہو کر مقابلہ کے لئے تیار ہوئے، اور ابرہہ کے خلاف جنگ کی، مگر اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور تھا کہ ابرہہ کی شکست اور اُس کی رسوائی نمایاں ہو کر دُنیا کے سامنے آئے۔ اس لئے یہ عرب مقابلے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ابرہہ نے اُن کو شکست دے دی اور ذونفر کو قید کر لیا اور آگے روانہ ہو گیا، اس کے بعد جب وہ قبیلہ خثعم کے مقام پر پہنچا تو اس قبیلہ کے سردار نفیل بن حبیب نے پورے قبیلہ کے ساتھ ابرہہ کا مقابلہ کیا مگر ابرہہ کے لشکر نے اُن کو بھی شکست دے دی اور نفیل بن حبیب کو بھی قید کر لیا اور اُن کے قتل کا ارادہ کیا مگر پھر یہ سمجھ کر اُن کو زندہ رکھا کہ اُن سے ہم راستوں کا پتہ معلوم کر لیں گے، اس کے بعد جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو طائف کے باشندے، قبیلہ ثقیف پچھلے قبائل کی جنگ اور ابرہہ کی فتح کے واقعات سن چکے تھے، انھوں نے اپنی خیر منانے کا فیصلہ کیا کہ طائف میں جو ہم نے ایک عظیم الشان بُت خانہ لات کے نام سے بنا رکھا ہے یہ اُس کو نہ چھیڑے تو ہم اس کا مقابلہ نہ کریں، انھوں نے ابرہہ سے مل کر یہ بھی طے کر لیا کہ ہم تمہاری امداد اور رہنمائی کے لئے اپنا ایک سردار ابورغال تمہارے ساتھ بھیج دیتے ہیں۔

ابرہہ اس پر راضی ہو کر ابورغال کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام مغمس پر پہنچ گیا جہاں قریش مکہ کے اونٹ چر رہے تھے، ابرہہ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر حملہ کر کے اونٹ اپنے قبضے میں کر لئے جن میں دوسو اونٹ

رسول اللہ ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔ ابرہہ نے یہاں پہنچ کر اپنا ایک سفیر حناطہ حمیری کو شہر مکہ میں بھیجا کہ وہ قریش کے سرداروں کے پاس جا کر اطلاع کر دے کہ ہم تم سے جنگ کے لئے نہیں آئے، ہمارا مقصد کعبہ کو ڈھانا ہے اگر تم نے اس میں رکاوٹ نہ ڈالی تو تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ حناطہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو سب نے اُس کو عبدالمطلب کا پتہ دیا کہ وہ قریش کے سب سے بڑے سردار ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے گفتگو کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا۔

ابن اسحق کی روایت کے مطابق عبدالمطلب نے یہ جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، نہ ہمارے پاس اتنی طاقت ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکیں۔ البتہ میں یہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کے خلیل (دوست) ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے جنگ کا ارادہ ہے تو جو چاہے کرے، پھر دیکھے کہ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ حناطہ نے عبدالمطلب سے کہا: آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ابرہہ سے ملاتا ہوں۔

ابرہہ نے جب عبدالمطلب کو دیکھا کہ بڑے وجیہ آدمی ہیں تو ان کو دیکھ کر اپنے تخت سے نیچے اتر کر بیٹھ گیا اور عبدالمطلب کو اپنے برابر بٹھایا، اور اپنے ترجمان سے کہا: عبدالمطلب سے پوچھئے کہ وہ کس غرض سے آئے ہیں، عبدالمطلب نے کہا: میری ضرورت تو اتنی ہے کہ میرے اونٹ جو آپ کے لشکر نے قبضہ کر لئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعہ عبدالمطلب سے کہا: جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تو میرے دل میں آپ کی بڑی وقعت و عزت ہوئی، مگر آپ کی گفتگو نے اس کو بالکل ختم کر دیا، کہ آپ مجھ سے صرف اپنے دو سو اونٹوں کی بات کر رہے ہیں، اور آپ کو یہ معلوم ہے کہ میں آپ کا کعبہ جو آپ کا دین ہے اُس کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اس کے متعلق آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا:

”إِنِّي أَنَا رَبُّ الْإِبِلِ، وَإِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا سَيَمْنَعُهُ“

کہ اونٹوں کا مالک تو میں ہوں مجھے اُن کی فکر ہے، اور بیت اللہ کا میں مالک نہیں، بل کہ اس کا مالک ایک عظیم ہستی ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔

ابرہہ نے کہا: تمہارا معبود اُس کو میرے ہاتھ سے نہیں بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا: پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ بعض روایات میں ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ اور بھی قریش کے چند سردار گئے تھے اور اُنھوں نے ابرہہ کے سامنے یہ پیش کش کی کہ اگر آپ بیت اللہ پر دست اندازی نہ کریں اور لوٹ جائیں تو ہم پورے تہامہ کی ایک تہائی پیداوار آپ کو بطور خراج ادا کرتے رہیں گے، ابرہہ نے اُس کے ماننے سے انکار کر دیا۔

ابرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے۔ عبدالمطلب قریش کے پاس واپس آئے اور انہیں پوری بات

بتائی۔ چوں کہ ابرہہ کے لشکر کی تعداد قریش سے بہت زیادہ تھی اس لئے سردار عبدالمطلب نے لوگوں کو مکہ خالی کر کے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں پناہ حاصل کرنے کا مشورہ دیا، تاکہ وہ لشکر کی زد سے بچ سکیں۔ پھر انہوں نے کعبہ کے دروازے کا کنڈا پکڑا اور بہت سے دیگر قریشی سردار بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ عاجزی کے ساتھ دعائیں کرنے لگے اور ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف مدد مانگنے لگے قریش کے سردار عبدالمطلب [ؑ] نے کعبے کا کنڈا پکڑ کر یہ شعر پڑھے ۔

لَا هُمْ إِنْ الْعَبْدِيْمُ نَعُ رَحْلَهُ فَاْمَنْعَ حِلَالِكَ
لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَمَحَالُهُمْ غَدُوًّا مِحَالِكَ
إِنْ كُنْتَ تَارِكُهُمْ وَقَبُ لَتَنَا فَاْمُرْ مَا بَدَالِكَ

ترجمہ: ”اے اللہ! ہر بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ کل ان کی صلیب غالب نہ آئے، اور نہ ان کی قوت تیری قوت کو مات دے۔ اگر تو نے ان کو ہمارا قبلہ تاراج کرنے دیا تو پھر تیری مرضی۔“

اسی یقین کی بنا پر انہوں نے ابرہہ سے خود اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا، بیت اللہ کے متعلق گفتگو کرنا اس لئے پسند نہ کیا کہ خود تو اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی، اور دوسری طرف یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی بے بسی پر رحم فرما کر دشمن کی قوت اور اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے، صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی محمود نامی کو آگے چلنے کے لئے تیار کیا۔ نفیل بن حبیب جن کو راستہ سے ابرہہ نے گرفتار کیا تھا اُس وقت وہ آگے بڑھے اور ہاتھی کا کان پکڑ کر کہنے لگے: تو جہاں سے آیا ہے وہیں صحیح سالم لوٹ جا، کیوں کہ تو اللہ تعالیٰ کے بلد امین (محفوظ شہر) میں ہے یہ کہہ کر اس کا کان چھوڑ دیا، ہاتھی یہ سنتے ہی بیٹھ گیا، ہاتھی بانوں نے اس کو اٹھانا چاہا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس کو بڑے بڑے آہنی کلہاڑوں سے مارا گیا، اُس کی بھی پروانہ کی، اُس کی ناک میں لوہے کا آنکڑا ڈال دیا پھر بھی وہ کھڑا نہ ہوا، اس وقت ان لوگوں نے اس کو یمن کی طرف لوٹانا چاہا تو فوراً کھڑا ہو گیا پھر شام کی طرف چلانا چاہا تو چلنے لگا پھر مشرق کی طرف چلایا تو چلنے لگا، ان سب اطراف میں چلانے کے بعد پھر اس کو مکہ مکرمہ کی طرف

آپ کی والدہ سلمیٰ بنت زید تھیں جن کا تعلق بنو نجار (مدینہ منورہ) سے تھا۔ سردار عبدالمطلب مستجاب الدعوات شخص تھے۔ اپنے دسترخوان سے قصداً پرندوں اور جانوروں کے لئے خوراک بچا لیتے تھے اور پہاڑوں پر لے جا ڈالتے تھے، اسی بنا پر ان کو (مُطْعِمُ الطَّيْرِ) ”پرندوں کو کھلانے والا“ اور (فیاض) ”حد سے زیادہ خن“ کہا جاتا تھا۔ ناگہانی مصائب میں قریش ان سے مدد حاصل کیا کرتے تھے۔ عام معاملات میں بھی وہی ان کے مرجع و ماویٰ تھے۔ وہ قریش کے باکمال اور فعال سردار تھے۔ ۱۲۰ سال عمر گزاری۔ ہمیشہ اپنے بیٹوں کو ظلم اور زیادتی سے منع فرمایا کرتے تھے۔ آخری عمر میں بتوں کی پوجا بھی چھوڑ دی تھی اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے تھے۔ چاہ زمزم کا انکشاف انہی کے ہاتھوں ہوا۔ حاجیوں کو پانی پلانے کا مقدس کام انہوں نے ہی شروع کیا۔ نبی کریم ﷺ ان کی زندگی میں چھوٹے ہی تھے۔ اس وقت بھی وہ آپ ﷺ کی انتہائی تعظیم کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ”میرے اس بیٹے کو بڑی شان حاصل ہوگی۔“ کیوں کہ انہوں نے کانہوں اور راہوں سے آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے اور بعد میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ سردار عبدالمطلب واقعہ فیل سے آٹھ سال بعد فوت ہوئے۔ (الطبوانی: ۱۲/۱۹۵، الفیل: ۱)

چلانے لگے تو پھر بیٹھ گیا۔

قدرتِ حق جَلَّ جَلَالُہ کا یہ کرشمہ تو یہاں ظاہر ہوا۔ دوسری طرف دریا کی طرف سے کچھ پرندوں کی قطاریں آتی دکھائی دیں جن کی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں تھیں جو چنے یا مسور کے برابر تھیں، ہر ایک کے پاس تین کنکریاں تھیں۔ ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ پرندے عجیب طرح کے تھے جو اس سے پہلے نہیں دیکھے گئے، جثہ میں کبوتر سے چھوٹے تھے اُن کے پنجے سُرخ تھے، ہر پنجے میں ایک کنکر اور ایک کنکر چونچ میں لئے آتے دکھائی دیئے اور فوراً ہی ابرہہ کے لشکر کے اوپر چھا گئے، ان پرندوں نے کنکریوں کو ابرہہ کے لشکر پر گرایا۔

ایک ایک کنکر نے وہ کام کیا جو ریواور کی گولی بھی نہیں کر سکتی کہ جس پر پڑتی اُس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ یہ عذاب دیکھ کر ہاتھی سب بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک ہاتھی رہ گیا تھا جو اس کنکری سے ہلاک ہوا، اور لشکر کے سب آدمی اسی موقع پر ہلاک نہیں ہوئے بل کہ مختلف اطراف میں بھاگے، اُن سب کا یہ حال ہوا کہ راستہ میں مر مر کر گر گئے۔ ابرہہ کو چوں کہ سخت سزا دینا تھی یہ فوراً ہلاک نہیں ہوا بل کہ اس کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا، اسی حال میں اس کو واپس یمن لایا گیا، دارالحکومت صنعاء پہنچ کر اس کا سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہہ گیا اور مر گیا۔ ابرہہ کے ہاتھی محمود کے ساتھ دو ہاتھی بان یہیں مکہ مکرمہ میں رہ گئے مگر اس طرح کہ دونوں اندھے اور اپانچ ہو گئے تھے۔ محمد بن اسحق نے حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے ان دونوں کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ وہ اندھے اور اپانچ تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی بہن اسماء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا کہ میں نے دونوں اپانچ، اندھوں کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔^۱

بعض جرائم کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ﴾^۲

ترجمہ: ”بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔“

بظاہر لفظ مجرمین میں ہر قسم کے مجرم شامل ہیں، اور انتقام بھی عام ہے خواہ دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں، مگر بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے۔

① ایک حق کے خلاف جھنڈوں اور نعروں کے ساتھ اعلانا کوشش کرنا۔

۱۔ معارف القرآن: ۸/۸۱۷ تا ۸۲۱، الفیل

۲۔ آلہ السجدة: ۲۲

- ۲ دوسرے والدین کی نافرمانی۔
۳ تیسرے ظالم کی امداد۔

دوستوں اور رشتہ داروں سے انتقام لینے کے بجائے نفس سے انتقام لیں

بندہ کا مبارک انتقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سب سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے۔ پس جب وہ کسی گناہ کے قریب جائے یا کسی عبادت کے کام میں سستی کرے تو اس کو سزا دینی چاہئے، جیسے ابوزید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: ایک رات میرے نفس نے بعض اپنے مقررہ اوراد و وظائف میں سستی کی تو میں نے طویل عرصہ تک اس کو سزا دی۔

جب کسی سے گناہ سرزد ہو تو چاہئے کہ وہ اس کے اسباب پر غور کرے اور جب انتقام کا جذبہ ہمارے دل میں پیدا ہو تو اس کے انجام و نتائج کو پہلے سوچ لیں، صرف ان دو باتوں پر عمل کرنے سے بڑی حد تک انتقام کی آگ سرد ہو جائے گی اور ہمارے قلوب بغض و عداوت کی آلودگیوں سے نجات پا جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کو جسمانی، مالی، اجتماعی یا علمی طاقت یا حکومت عطا کی ہے تو اس عطیہ خداوندی کو انتقام اور ایذا دہی میں صرف کرنا اس کی بدترین توہین ہے، جس سے ہر شکر گزار بندے کو اجتناب کرنا چاہئے۔
خصوصاً اساتذہ کرام و معلمات کو چاہئے کہ عفو کے فضائل سوچیں کہ:

(۱) بہترین خوبی معاف کرنا اور فراموش کرنا ہے۔
(۲) معاف کرنے والوں کے واقعات سوچیں کہ جب وہ معاف کرنے پر آئے تو کیسے کیسے مجرمین کو معاف کر دیا وہ بھی آخر ہماری طرح انسان تھے۔

”در عفو لذت ہے است کہ در انتقام نیست“

ترجمہ: ”معاف کرنے میں وہ لذت ہے جو بدلہ لینے میں نہیں ہے۔“

۱ والدین کی اہمیت اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے مکتبہ دارالہدیٰ کی شائع کردہ کتاب ”والدین کی قدر کیجئے“ کا مطالعہ کیجئے ان شاء اللہ والدین کو ہر طرح کی راحت پہنچانے اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کی فکر پیدا ہوگی۔

۲ معارف القرآن، ۷/۷، الم السجدة: ۲۲

۳ رسائل امام غزالی: ۳/۳۵۵

۴ مثالی استاد: ۲/۲۳۶، یہ کتاب ناشر: ”بیت العلم ٹرسٹ“ ہر استاذ کے لئے بہترین تحفہ جو گویا دو جلدوں میں ایک مکمل انسائیکلو پیڈیا ہے۔ جو ان شاء اللہ تعالیٰ بچوں کے مربی معلم اور والدین کے لئے مفید رہے گی، کہ بچوں اور شاگردوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں، اور کس طرح ان کو پیار و محبت سے تعلیم دی جائے۔

”الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی ناراضگی سے بچنے کی دعا

”الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ آن واحد میں فقیر کو غنی اور غنی کو فقیر بنادے، بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار بنادے، وہ انتقام لینے پر آئے تو بادشاہ کو جیل کا قیدی بنادے، اور نوازنے پر آئے تو قیدی کو بادشاہ بنادے، اس کی ناراضگی، انتقام اور پکڑ سے بچنے کی فکر کرتے رہنا چاہئے اور یہ دعا بار بار مانگتے رہنا چاہئے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ.....وَبِمَعْفَاتِكَ مِنْ عِقَابِكَ.....وَأَعُوذُ بِكَ

مِنْكَ.....لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ.....أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں آپ کی رضا مندی کی آپ کے غصہ سے پناہ لیتا ہوں، اور آپ کی معافی کی آپ کے عذاب سے پناہ لیتا ہوں (غرض یہ کہ) آپ سے آپ کی ذات ہی کی پناہ لیتا ہوں، میں آپ کی پوری تعریف نہیں کر سکتا، بس تو آپ ایسے ہی ہیں جیسا خود آپ نے اپنی تعریف فرمائی۔“

اس دعا کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضور اکرم ﷺ رات کے آخری حصے میں جو قبولیت کا بہترین وقت ہے اس وقت یہ دعا مانگتے تھے۔

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والوں کو انصاف اور مظلوم کی مدد کرنی چاہئے۔ مجرم کو سزا دینا بھی ایک اصول ہے، جیسا کہ پاک صاف شریف انسان کی حفاظت کرنا ایک اصول ہے۔ جرائم پیشہ لوگوں کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا بنیاد و تمدن کو متزلزل کر دیتا ہے۔

۲ ظلم سے بچنا اور ظلم سے بچانا اپنا شیوہ بنانا چاہئے۔

۳ ”الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے گناہوں پر پکڑ سے بچنے کے لئے ہر وقت عافیت کی دعائیں مانگنا چاہئے۔

۴ اس نام کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان دل میں شوق رکھے کہ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر کفر میں لگے ہوئے ہیں اور اسلام کے پھیلانے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں اور دین کی دعوت کو قبول نہیں کرتے، نہ جزیہ دیتے ہیں..... ایسے لوگوں سے جہاد کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کرے اور اللہ کے راستے میں شہادت کا شوق رکھے کہ جس طرح ”الْمُنْتَفِعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ظالم بندوں سے انتقام لیتے ہیں تو یہ بندہ بھی دنیا میں اللہ کا خلیفہ بن کر ان ظالموں سے انتقام لے۔

۵ مسند احمد میں ہے: ”كَانَ يَقُولُ فِي الْخَيْرِ وَثَرِهِ.“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اخیر رات میں یہ دعا مانگتے تھے۔ (مسند احمد:

۶ شرح اسماءِ حسنیٰ: ۲۲۲ (منصور پوری)

۱/۱۵۵، رقم: ۷۵۳)

الْبَغْفِيُّ جَلَّالَهُ

(بہت زیادہ معاف کرنے والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "امام حلیمی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "الْبَغْفِيُّ جَلَّالَهُ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کے گناہوں کے نتائج کو ان سے دور کرنے والی ہے، یعنی ان سے چشم پوشی کا معاملہ کرنے والی ہے (پورا حساب نہیں لیتی ہے)، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ گناہوں کے بعد یا تو وہ لوگ توبہ تائب ہو جاتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں، یا کسی شفاعت والے کی شفاعت کے حق دار ہوتے ہیں، یا ایسی عزت کے حق دار ہوتے ہیں جو کہ ان کی سزاؤں کے لئے مانع ہوتی ہے یا "الْبَغْفِيُّ جَلَّالَهُ" ان کے نیک اعمال کے بدلے یہ معاملہ کرتے ہیں۔" ۱

"الْبَغْفِيُّ جَلَّالَهُ" کی جانب سے معافی کا معاملہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ یہ بندے گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں اور رب تعالیٰ کی خالص رضا کے لئے ان بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب سے باز آجائیں جن میں یہ لوگ مبتلا تھے (اور نیک کاموں میں لگ جائیں) تاکہ ان کے یہ نیک اعمال ان گناہوں کا کفارہ بن سکیں جو ان سے ماضی میں ہوتے رہے ہیں، اس کے علاوہ سفارش و شفاعت کے ذریعے بھی گناہوں کی معافی ہو سکتی ہے جب کہ کوئی سفارش کرنے والا گناہ گار کی سفارش کرے۔

۲ "إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَزَلْ عَفْوًا عَنْ ذُنُوبِ عِبَادِهِ، وَتَرَكَهُ الْعُقُوبَةُ عَلَى كَثِيرٍ مِنْهَا مَا لَمْ يُشْرِكُوا بِهِ." ۲ ترجمہ: "علامہ ابن جریر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت اپنے بندوں کے گناہوں سے مسلسل درگزر فرماتے رہتے ہیں کہ بہت سے گناہوں پر سزا ہی ترک فرما دیتے ہیں بشرط یہ کہ وہ بندہ شرک میں مبتلا نہ ہوا ہو۔"

۳ "وَاللَّهُ تَعَالٰی عَفُوٌّ عَنِ الذُّنُوبِ، تَارِكُ الْعُقُوبَةِ عَلَيْهَا" ۳

۴ "قَالَ الْحَلِيمِيُّ - رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی -: "الْعَفْوُ" وَمَعْنَاهُ، الْوَاضِعُ عَنْ عِبَادِهِ تَبِعَاتٍ خَطَايَاهُمْ وَآثَارِهِمْ، فَلَا يَسْتَوْفِيهَا مِنْهُمْ، وَذَلِكَ إِذَا تَابُوا وَاسْتَغْفَرُوا، أَوْ تَرَكَوا لَوَجْهِهِ أَعْظَمَ مِمَّا فَعَلُوا، فَيَكْفِرُ عَنْهُمْ مَا فَعَلُوا بِمَا تَرَكَوا، أَوْ بِشَفَاعَةِ مَنْ يَشْفَعُ لَهُمْ، أَوْ يَجْعَلُ ذَلِكَ كَرَامَةً لِّذِي حُرْمَةٍ لَهُمْ بِهِ، وَجَزَاءً لَهُ بِعَمَلِهِ." (المنهاج: ۲۰۱/۱، بحوالہ النهج الأسمى: ۲۰۷/۲)

۵ جامع البيان: ۷۴/۵، بحوالہ النهج الأسمى: ۲۰۶/۲ ۶ تفسیر الاسماء: ۶۲، بحوالہ النهج الأسمى: ۲۰۶/۲

تَرْجَمَہ: ”امام زجاج رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ گناہوں کو بھی معاف کرنے والا ہے اور ان گناہوں کے کرنے پر جو سزائیں ہیں ان کو بھی اپنے بندوں سے ہٹانے والا ہے۔“

۴ ”امام سعدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الْبَهْقُونُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جس کی صفت ہی معاف کرنا، بخشنا اور درگزر کرنا ہے اور اپنے بندوں کو معاف کرنا خاص اللہ رب العزت کی صفت ہے اور جیسا ہر انسان اس کی رحمت اور کرم کا محتاج ہے ویسا ہی مغفرت اور معافی کا بھی محتاج ہے، اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور معافی کا وعدہ کر رکھا ہے ہر اس شخص کے لئے جو مغفرت اور معافی کے اسباب بھی لے کر آئے۔“ ۱۷

جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلِيَّ لَغَفَّارٍ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ ۱۸

تَرْجَمَہ: ”ہاں بے شک میں انہیں بخش دینے والا ہوں جو توبہ کریں، ایمان لائیں، نیک عمل کریں اور راہِ راست پر بھی رہیں۔“

۵ امام ابن قیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”وہ ذات الْبَهْقُونُ جَلَّ جَلَالُهُ ہے اور اس کا معاف کرنا پوری مخلوق کے لئے عام ہے، اگر اس کا عفونہ ہوتا تو زمین اپنے رہنے والوں کو غرق کر دیتی۔“ ۱۹

یہ اسم مبارک قرآن مجید میں پانچ مرتبہ آیا ہے، جن میں سے تین مندرجہ ذیل ہیں

۱ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا﴾ ۲۰

تَرْجَمَہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔“

۲ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا غَفُورًا﴾ ۲۱

تَرْجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے۔“

۳ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا قَدِيرًا﴾ ۲۲

تَرْجَمَہ: ”پس یقیناً اللہ تعالیٰ پوری معافی دینے والا اور پوری قدرت والا ہے۔“

۱۷ ”الْعَفُورُ الْغَفُورُ الْغَفَّارُ“: الَّذِي لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَالُ بِالْعَفْوِ مَعْرُوفًا، وَبِالْغُفْرَانِ وَالصَّفْحِ عَنْ عِبَادِهِ مَوْصُوفًا، كُلُّ أَحَدٍ مُضْطَرٌّ إِلَى عَفْوِهِ وَمَغْفِرَتِهِ، كَمَا هُوَ مُضْطَرٌّ إِلَى رَحْمَتِهِ وَكَرَمِهِ، وَقَدْ وَعَدَ بِالْمَغْفِرَةِ وَالْعَفْوِ لِمَنْ أَتَى بِأَسْبَابِهَا“ (تیسیر الکَرِیم الرحمن: ۳۰۰/۵، بحوالہ النهج الاسمی: ۲۰۷/۲) طہ: ۸۲

وَهُوَ الْعَفُوُّ فَعْفُوهُ وَسِعَ الْوَرَى لَوْ لَاهُ عَارَ الْأَرْضِ بِالسُّكَّانِ

(النونية: ۲۲۷/۲، بحوالہ النهج الاسمی: ۲۰۷/۲)

الْعَفْوُ جَلَّ جَلَالُهُ کی معافی کا اکمل درجہ یہ ہے کہ جب بندہ بہت زیادہ گناہ کر کے اپنی ذات پر ظلم کرتا ہے پھر اس کو اپنے گناہ کا احساس ہوتا ہے تو توبہ تائب ہو کر اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ رب العزت (بغیر احسان جملائے) اس کے سارے جرائم کو معاف فرما دیتے ہیں، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ

جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾^{۵۳}

تَرْجَمَہ: ”(میری جانب سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، نہ مایوس ہوں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، بے شک اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخشنے والا ہے اور وہی گناہوں کا معاف کرنے والا مہربان ہے۔“

اگر اس کی معافی اور حلم کی وسعت کمال درجہ تک نہ ہوتی تو اس زمین پر کوئی سانس لینے والا نفس اور چلنے والا جانور نہ بچتا، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا

جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾^{۵۴}

تَرْجَمَہ: ”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ایک مقررہ وقت تک کے لئے ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب ان کا وقت آجائے گا تو ایک گھڑی بھی اس سے آگے پیچھے نہ ہو سکیں گے۔“

یہ اس کا حلم ہے اور اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی نافرمانیاں دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ نہ اپنی نعمتیں سلب کرتا ہے نہ فوری مواخذہ کرتا ہے، حالاں کہ اگر گناہ کے ارتکاب کے ساتھ ہی وہ مواخذہ کرنا شروع کر دے، تو ظلم و گناہ اور کفر و شرک اتنا عام ہے کہ روئے زمین پر کوئی جان دار باقی نہ رہے۔ کیوں کہ جب برائی عام ہو جائے تو پھر عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کر دیئے جاتے ہیں، تاہم آخرت میں وہ سرخرو ہوں گے۔^{۵۵}

اللہ رب العزت اپنی تمام مخلوقات پر مکمل قدرت رکھنے کے باوجود اپنی مخلوقات کو معاف کرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت اپنے اس ارشاد میں فرمادی ہے:

۵۳ الزمر: ۵۳ ۵۴ النحل: ۶۱

۵۵ إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ هُوَ "الْعَفْوُ" الَّذِي لَهُ الْعَفْوُ الشَّامِلُ، الَّذِي وَسِعَ مَا يَصُدُّ عَنْ عِبَادِهِ مِنَ الذُّنُوبِ، وَلَا سَيِّمًا إِذَا أَتَوْا بِمَا يُوجِبُ الْعَفْوَ عَنْهُمْ مِنَ الْإِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَالْإِيمَانِ وَالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ، فَهُوَ سُبْحَانَهُ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنْ السَّيِّئَاتِ. (النهج الأسمى: ۲/۲۰۷)

﴿إِنْ يَبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخَفُّوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾^۱

ترجمہ: ”اگر تم کھول کر کوئی بھلائی کرو یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو، تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے۔“

اللہ ربُّ العزت کی ذات نے بھی اپنے بندوں کو معافی، درگزر کرنے اور اپنے ماتحتوں، اپنے دوستوں سے، اپنے رشتہ داروں سے ایک مرتبہ نہیں بل کہ کئی مرتبہ عذر کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے، یعنی تم بھی لوگوں کو ایسے معاف کرو جیسے اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرتا ہے اور بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بھی معاف کرنے اور دوسرے کے عذر کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور مسلمانوں میں سے جو ان کا اہتمام کرتا ہے اس کی تعریف بھی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اپنی دعاؤں میں عفو و عافیت کو کثرت سے مانگا ہے۔

روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ جب وہ لیٹنے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ خَلَقْتَ نَفْسِي وَأَنْتَ تَوَفَّاها..... لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاها..... إِنَّ أَحْيَيْتَهَا فَاَحْفَظْها

..... وَإِنْ أَمَتَهَا فَاغْفِرْ لَهَا اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ.“^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور تو ہی موت دے گا۔ تیرے ہی لئے میری زندگی اور موت ہے۔ اگر تو مجھے زندہ رکھے تو میری حفاظت فرما اور اگر موت دے تو میری مغفرت فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں۔“
تو اس آدمی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا: کیا آپ نے اپنے والد سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بہتر شخص اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے سنا ہے۔^۳

یہ نام مبارک ہمیں معاف کرنے کی دعوت دیتا ہے

جو شخص معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے اور دنیا و آخرت میں یہ اس کی عزت بڑھنے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت ابوبکثہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ہیں جنہیں

^۱ النساء: ۱۴۹

^۲ مسلم، الدعوات والتعوذ، الدعاء عند النوم: ۳۴۸/۲

^۳ مسلم، الدعوات والتعوذ، باب الدعاء وعند النوم: ۳۴۸/۲

میں قسم کھا کر بیان کرتا ہوں اور وہ تین یہ ہیں:

۱۔ صدقہ کی وجہ سے کسی بندہ کا مال کم نہیں ہوگا۔

۲۔ اور جس کسی بندہ پر کوئی ظلم کیا گیا، جس پر اس نے صبر کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دے گا۔

۳۔ اور جس کسی نے (مخلوق سے) سوال کرنے کا دروازہ کھول دیا اللہ تعالیٰ اس پر تنگ دستی کا دروازہ کھول دے گا (یعنی

وہ ہمیشہ فقیر ہی رہے گا جس قدر بھی مال جمع کرے اس کا فقر ختم نہیں ہوگا)۔^۱

”الْعَفْوُ“ کے معنی ترک کرنے اور چھوڑنے کے ہیں۔

”عفو“ بہت چھوڑ دینے والا۔ بہت معاف کرنے والا۔ ”عفو“ وہی ”عفو“ ہے جو قدرت والے کی طرف سے

ہو، ورنہ اس کا نام تو عجز ہوگا۔^۲

عربی میں عفو اور صفح یہ دو لفظ درگزر کرنے کے لئے آتے ہیں مگر ان دونوں میں فرق ہے عفو معاف کر دینے

کے لئے ہے اور صفح بھی معاف کر دینے کے لئے ہے مگر یہ عفو سے بھی زیادہ بلیغ ہے، یعنی اس طرح معاف کر دینا کہ

بالکل بھول ہی جانا کہ کوئی غلطی سرزد ہی نہیں ہوئی۔ چنانچہ جاہلی شاعر کہتا ہے:۔

صَفَحْنَا عَنْ بَنِي ذُهْلٍ وَقُلْنَا الْقَوْمُ إِخْوَانُ

تَرْجَمَہ: ”ہم نے بنو ذہل سے درگزر کیا اور کہا: یہ تو ہمارے بھائی ہیں۔“

اسی لئے قرآن شریف میں آیا ہے: ﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا﴾^۳ یعنی فاعفوا کے بعد واصفحوا آیا ہے جس کا یہ

مطلب ہے کہ نہ صرف معاف کر دو بل کہ اس سے بھی آگے قدم بڑھاؤ کہ بالکل بھول ہی جاؤ کہ گویا جرم ہوا ہی نہیں

ہے، ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ رسول ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ﴾^۴

خوب صورتی کے ساتھ درگزر کرو۔

چوں کہ اس کی ذات ”الْعَفْوُ جَلَّالًا“ ہے لہذا وہ دوسروں سے بھی معافی کا مطالبہ کرتا ہے کہ مجرم کو معاف کرو کہ

یہ قرین تقویٰ ہے کیوں کہ بدلہ لینے میں زیادتی کا احتمال ہے اور بدلہ نہ لینے میں زیادتی کا کوئی امکان نہیں، اس لئے

معافی انتقام سے بہتر ہے، اگرچہ اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ظلم کرے تو اس پر اسی قدر ظلم ڈھا سکتے ہو،

چنانچہ فرمایا: ﴿وَجَزُوا سَيِّئَةً سَيِّئَةً مِّثْلَهَا﴾^۵

تَرْجَمَہ: برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور فرمایا:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ﴾^۶

۱۔ مسند امام احمد: ۲۷۳/۵ ۲۔ شرح اسماء حُسنی: ۱۴۸ (منصور پوری)

۳۔ البقرة: ۱۰۹ ۴۔ الحجرات: ۸۵ ۵۔ الشوری: ۴۰ ۶۔ النحل: ۱۲۶

تَرْجَمَہ: اور اگر سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں دی گئی۔

اسلام نے انتقام لینے کو جائز قرار دیا ہے کیوں کہ وہ ”الْمَنْبُوقُ جَلَّ جَلَالُهُ“ بھی ہے مگر معاف کر دینے کو افضل قرار دیتا ہے کیوں کہ وہ ”رَحْمَانٌ وَرَحِيمٌ وَرَءُوفٌ“ اور ”الْبَهْفُوقُ“ بھی ہے۔ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لہذا اس نے معافی کو افضل قرار دیا ہے۔

جو معاف کرنے کی عادت بنائے گا وہ اس نام کی برکتیں پائے گا

واقعة مذبذبہ (۶۹): حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے بارے میں روایت ہے کہ اُن کو ان کی ایک باندی وضو کروا رہی تھی کہ اُس کے ہاتھ سے لوٹا گر گیا جس سے اُن کا چہرہ زخمی ہو گیا، انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اس نے ﴿وَالْكُظُمِیْنَ الْغِیْظَ﴾ پڑھ دیا، اس پر انہوں نے کہا: میں نے اپنا غصہ ضبط کر لیا۔

پھر اس نے ﴿وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ پڑھا، آپ نے اس کو معاف کر دیا۔

پھر اس نے ﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ پڑھا اس پر انہوں نے فرمایا: اچھا جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔

اللہ! اللہ! آل رسول (ﷺ) کا کتنا بلند کردار تھا۔^۱

نبی اکرم (ﷺ) نے فتح مکہ والے دن اپنے خون کے پیاسوں کے لئے عفو عام کا اعلان فرما دیا، حدیبیہ میں آپ (ﷺ) نے ان ۸۰ آدمیوں کو معاف کر دیا، جنہوں نے آپ (ﷺ) کے خلاف سازش تیار کی تھی، لبید بن عاصم یہودی سے بدلہ نہیں لیا جس نے آپ (ﷺ) پر جادو کیا تھا، اس یہودیہ عورت کو آپ (ﷺ) نے کچھ نہیں کہا: جس نے آپ (ﷺ) کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا، جس کی تکلیف آپ (ﷺ) آخر تک محسوس فرماتے رہے۔^۲

واقعة مذبذبہ (۷۰): اہل عرب میں حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور اخف بن قیس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ معاف کرنے اور درگزر کرنے میں بڑے مشہور تھے، اخف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے اس کے بیٹے کے قاتل کو لوگ پکڑ کر لائے تو کہا: اسے چھوڑ دو۔ اسے تکلیف ہو رہی ہوگی۔ بادشاہوں کے حوصلے بڑے بلند ہوتے ہیں، تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بادشاہوں نے بڑے بڑے سرکش باغیوں کو جو برسوں برسرِ پیکار رہے، قابو پانے پر معاف کر دیا۔

اگر کوئی مجرم معافی مانگتا ہے تو نیک اور صالح لوگوں کے نزدیک اور علم اخلاق کے اعتبار سے اسے معاف کر دینا تقریباً فرض ہو جاتا ہے۔^۳

واقعة مذبذبہ (۷۱): حضرت مسطح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جو واقعہ افک میں ملوث ہو گئے تھے فقراءِ مہاجرین میں سے تھے، رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے خالہ زاد بھائی تھے حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ان کی مالی مدد فرمایا کرتے

^۱ ال عمرن: ۱۳۴ ^۲ روح المعانی: ۵۹/۳، ال عمرن: ۱۳۴

^۳ تفسیر ابن کثیر: ۱۱۹۳، الشوری: ۳۹ ^۴ شرح اسماء الحسنی الاذہری: ۲۷۳

تھے جب یہ واقعہ افک میں شریک پائے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو سخت صدمہ پہنچا جو ایک طبعی تقاضا تھا اور قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے۔ بظاہر کسی خاص فقیر کی مالی مدد کرنا واجب اور ضروری بھی نہ تھا اور نہ ہی مدد نہ کرنا کوئی گناہ کی بات تھی مگر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لئے ایک مثالی نمونہ بنانا تھا، اس لئے ایک طرف جن لوگوں سے غلطی ہوئی ان کو سچی توبہ اور نعمتوں سے نوازا تو دوسری طرف جن بزرگوں نے ایسے غریب حضرات کی مدد نہ کرنے کی قسم کھائی تھی ان کو سورہ نور کی آیت نمبر ۲۲ میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی۔

اور فرمایا کہ: ”ان کو ایسی قسم توڑ دینی چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے اور مالی مدد و تعاون کرتے رہنا چاہئے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کیا اسی طرح بڑوں کو بھی ان سے درگزر کرنا چاہئے۔“

اس آیت کے آخری جملے میں جو ارشاد ہوا: ﴿أَلَا تَحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ یعنی: ”کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔“

تو صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فوراً کہا: ”وَاللَّهِ! إِنِّي أَحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لِي“^۱ یعنی: ”بخدا میں ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے“ اور فوراً حضرت مسطح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مالی مدد جاری کر دی اور فرمایا: اب کبھی یہ امداد بند نہ ہوگی۔

یہ وہ بلند اخلاق تھے جن سے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی تربیت کی گئی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلَكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحْمَتُهُ وَصَلَهَا“^۲ ترجمہ: ”صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو رشتہ داروں کے صرف احسان کا بدلہ دے، بل کہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو رشتہ داروں کے تعلق توڑنے کے باوجود ان سے تعلقات جوڑے۔“

فَائِدَہ: اس واقعہ سے پتہ چلا کہ خواص، بڑوں، بزرگوں کی شفقت ایک عام شخص پر بھی ہونی چاہئے۔ ”الْبَحْثُ فِي جَلَالِ اللَّهِ“ ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہمارے رشتہ داروں..... دوست احباب اور..... ملازموں..... سے اگر کوئی ایسی غلطی ہو جائے جس سے ہمیں تکلیف پہنچی ہو تو ہم معاف کر دیا کریں، زندگی بھر کے لئے یہ فیصلہ نہ کریں کہ میں اس سے بات نہیں کروں گا، اس کی صورت دیکھنا پسند نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔

ارشاد باری تعالیٰ جس کا ترجمہ ہے:

”اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور اللہ تعالیٰ

^۱ بخاری، التفسیر: ۶۹۸/۲، النور: ۲۲

^۲ بخاری، الادب، باب لیس الواصل بالمکافی: ۸۸۶/۲

غفور رحیم ہے۔“^۱

یعنی تم لوگوں سے بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں اور تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرماتا رہے، تو پھر تم بھی دوسروں کے ساتھ اسی طرح معافی اور درگزر کا معاملہ کیوں نہیں کرتے؟ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیاں معاف فرمادے؟

اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾^۲

ترجمہ: ”معاف کرنے کو اختیار کیجئے، اور نیک کاموں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے۔“

تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۷۴ میں ہے کہ آیت بالا نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال فرمایا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے جواب دیا:

”إِنَّ اللَّهَ أَمَرَكَ أَنْ تَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ پر جو شخص ظلم کرے اس کو معاف فرمائیں اور جو شخص آپ کو نہ دے اس کو عطا فرمائیں اور جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑے رکھیں۔“

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے فضیلت والے اعمال بتا دیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے عقبہ! جو شخص تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑے رہو اور جو شخص تمہیں نہ دے اس کو دیتے رہو اور جو شخص تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرتے رہو۔“^۳

معاف کرنے کی ضرورت اور فضیلت

چوں کہ انسان کا مزاج میل جول والا ہے، اس لئے وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ جب مل جل کر رہے گا تو اپنوں سے اور غیروں سے، رشتہ داروں سے اور دوسرے لوگوں سے چھوٹوں سے اور بڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ جب مخلوق سے تعلق ہوگا تو ان سے تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور مزاج کے خلاف بھی باتیں پیش آئیں گی۔ چھوٹوں سے بھی غلطیاں ہوں گی بڑوں سے بھی کوتاہیاں ہوں گی۔ اپنوں سے بھی تکلیفیں پہنچیں گی اور غیروں سے بھی۔ یہ تکالیف ہیں ان پر صبر کرنا اور درگزر کرنا بہت بڑا عمل ہے، اگرچہ بعض حالات میں بدلہ لینا بھی جائز ہے، لیکن جتنی تکلیف پہنچی ہو اسی قدر بدلہ لیا جاسکتا ہے، اگر

زیادتی کردی تو اب یہ خود ظالم ہو جائے گا۔

چنانچہ اسی بات کو سورہ شوریٰ میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

”اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی برائی، پھر جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے لے سوا ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں، الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔ ایسوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے۔ یہ البتہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔“

معاف کر دینے کی فضیلت بہت ہے (اور اگر کسی موقع پر معاف کرنا حکمت اور مصلحت کے خلاف ہو تو وہ دوسری بات ہے) انسان کے نفس میں جو بدلہ لینے کا جذبہ ہوتا ہے اس کی وجہ سے معاف کرنا آسان نہیں ہوتا، لیکن جس نے نفس پر قابو پا لیا اور نفس کو معاف کرنے پر آمادہ کر لیا اس کے لئے معاف کرنا آسان ہو جاتا ہے، معاف کرنے میں نفس کو تکلیف ہوتی ہے لیکن اس کا اجر بھی بہت ہے اور مرتبہ بھی بہت بڑا ہے۔

جو شخص بدلہ لینے پر قادر نہ ہو تو معاف کر دینا اس کے لئے بھی بڑے ثواب کی چیز ہے، لیکن جو شخص انتقام لینے کی قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دے اس کا مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ”اے رب! آپ کے بندوں میں آپ کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز کون ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ”جو شخص قدرت رکھتے ہوئے بخش دے۔“

”الْبَهْفُ جَلَّالًا“ سے اچھا گمان رکھنا چاہئے

انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ظن کے ساتھ ہے، جیسا بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہے۔ اس کی ذات بڑی کریم اور رحیم ہے اس لئے بندہ کو چاہئے کہ مستقبل کے بارے میں اچھا گمان رکھے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے۔ اس سے آدمی بڑی دولت سے محروم رہتا ہے۔ یہ بھی ماسویٰ اللہ تعالیٰ کی مشغولی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر ماضی اور مستقبل کے مراقبہ کی ضرورت نہیں، اگر بغیر ارادے کے خیال آجائے تو ماضی کی کوتاہیوں پر توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔ بس یہ کافی ہے، کوشش سے ماضی کے گناہوں کو یاد کریں تو بعض اوقات وہ گناہ حجاب کا باعث بن کر خسران کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ آئندہ کے لئے تجویزوں کی ضرورت

بھی نقصان دہ ہے، یہ سوچنا چاہئے کہ میں پہلے کیا تھا، اب کیا ہو گیا، یا میں کچھ ہوا یا نہیں۔ ان خیالات کو چھوڑ دینا چاہئے۔ کسی حال میں مایوسی کے قریب نہ جانا چاہئے، یاد رکھنا چاہئے کہ میرے مولیٰ کا نام ”الْحَقُّوْا“ ہے۔

”الْحَقُّوْا جَلَّالَهُ“ کی رحمت، غضب پر غالب ہے

واقِعَةُ مَثْبُورٍ (۷۲): اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہی کریم و رحیم ہے، اگر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا پوری طرح استحضار ہو جائے تو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عشق کی حد تک محبت پیدا ہو جائے، اس لئے کہ یہ فطری بات ہے کہ محسن کی طرف کشش ہوتی ہے۔

ایک واقعہ امام بخاری اور امام مسلم **رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی** دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ ان تمام روایات کو سامنے رکھا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے:

”ایک شخص بہت مال و دولت والا اور کثیر اولاد والا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے دنیاوی مال و دولت کی بھی فراوانی عطا فرمائی تھی، اور جوان بیٹے عطا فرمائے تھے، اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کے باوجود وہ بڑا مسرف (اپنی جان پر ظلم کرنے والا) اور نیکی سے دور بھاگنے والا تھا، ساری عمر اس نے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے گزاری تھی، کبھی کوئی نیکی کا کام اس نے نہ کیا تھا۔

جب اس کی مہلتِ حیات ختم ہونے کو آئی، اور مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اسے خیال آیا کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں اور اتنے عیش و فراوانی کے باوجود عمر بھر اس کی نافرمانی کی ہے۔ جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو اسے یقین ہو گیا کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اتنا شدید عذاب دیں گے کہ تمام جہانوں میں کسی کو نہ دیا ہوگا۔ کیوں کہ وہ اپنی زندگی کے لمحہ لمحہ سے واقف تھا۔

اس خیال سے اس پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ یہ بھی بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ عدم سے وجود بخشنے والی ذات کیا کائنات کی وسعتوں میں بکھرے ہوئے وجود کو یکجا کرنے اور اسے زندہ کرنے پر قادر نہ ہوگی؟ مارے خوف کے اس نے اپنی موت سے قبل اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان سے پوچھا:

”میں تم لوگوں کے لئے کیسا باپ تھا؟“

بیٹوں نے کہا: ”بہت بہترین باپ تھے۔“ کہنے لگا:

”فَإِنِّي لَمْ أَتَّبِعْ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرًا“

میں نے اللہ تعالیٰ کے دربار کے لئے کبھی کوئی نیکی کا ذخیرہ نہیں بنایا۔

لہذا مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گیا (حالاں کہ وہ ہر وقت قادر ہے) تو مجھے ایسا سخت عذاب دے گا

کہ تمام جہانوں میں سے کسی کو نہ دیا ہوگا۔ اس لئے میری موت کے بعد تم لوگ میری لاش کو جلا دینا اور پھر میری راکھ کو حصوں میں تقسیم کر دینا، آدھی روئے زمین کی خشکی پر اڑا کر بکھیر دینا اور آدھی سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کی نذر کر دینا، اگر تم ایسا نہ کرو گے (اور اس کا مجھ سے وعدہ نہیں کرتے) تو میں تمہاری میراث غیروں میں تقسیم کر دوں گا۔ بیٹوں نے باپ کی موت کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا اور اس کی لاش کو آگ لگا کر آدھی راکھ خشکی میں اور آدھی سمندر میں بہا دی۔

اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ پوری روئے زمین میں جہاں بھی ہے، اکٹھی کر دے، حکم الہی کی پابند زمین نے حکم کی تعمیل کی، سمندر کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے اندر بھی ہوئی راکھ کو اکٹھا کر دے، اس نے بھی حکم کی تعمیل کی، جب اس کی تمام راکھ اکٹھی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور اس سے اس کی اس عجیب و غریب وصیت کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا: ”اے میرے رب! آپ اس بات کی حقیقت سے خوب واقف ہیں، کہ یہ وصیت میں نے آپ کے خوف اور ڈر سے کی تھی۔“

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس خوف کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔

ظاہر ہے کہ اس کی مذکورہ وصیت سخت گناہ والی بات تھی، کیوں کہ جس طرح ایک زندہ انسان کی حرمت ہوتی ہے اسی طرح شریعت نے مردوں کے ساتھ بھی احترام کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کسی مردہ کی لاش کی بے حرمتی کرے، حتیٰ کہ خود اپنی لاش کے لئے بھی ایسے گناہ کی وصیت حرام ہے اور اس کی یہ وصیت ایک سنگین ترین گناہ کے مترادف تھی کہ ایسا کرنے کے بعد (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرنے اور عذاب دینے پر قادر نہ ہوگا جو ظاہر ہے ایک سنگین ترین اعتقادی غلطی ہے، لیکن اس وصیت کے پیچھے چوں کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور عذاب الہی اور اس کی پکڑ سے ڈر تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اسی عمل پر اس کی مغفرت فرمادی۔“

عبرت و نصیحت کی باتیں

① اللہ تعالیٰ کا خوف بہت قیمتی اور بلند چیز ہے جس میں خوف و خشیت الہی پیدا ہو تو یہ اسے گناہ، نافرمانی اور معاصی سے بچانے میں معین ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسی خوف کی وجہ سے گناہوں کو معاف فرماتے ہیں اور اسی کی وجہ سے خواہشات سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۖ﴾

ترجمہ: ”سو جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو بلاشبہ جنت

اس کا ٹھکانہ ہے۔“

اور یہی خوف ہے جس کے متعلق سورہ رحمن میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ ۖ﴾

ترجمہ: ”اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے واسطے دو جنتیں ہیں۔“

۲) اللہ تعالیٰ کبھی کسی آدمی کے نہ جاننے کی وجہ سے اس کا عذر قبول فرماتے ہیں۔ جیسے اس مذکورہ شخص کا عذر قبول فرمایا، حالاں کہ اس کی غلطی نہایت سنگین تھی۔ اس کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بکھری ہوئی راکھ کو جمع کرنے، اسے دوبارہ زندہ کرنے اور اسے سزا دینے کی قدرت نہیں رکھتا، اس کی جاہلانہ وصیت کی وجہ ”نہ جاننا“ تھی اور سبب اللہ تعالیٰ کا خوف تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کے عذر کو قبول فرمایا۔

الْبَحْفُورُ جَلَّ جَلَالُهُ کی نگاہِ مغفرت و رحمت

واقِعَةُ مَبْنِیْ (۷۳): مبرد نے ”الکامل“ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جنازہ میں حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور مشہور شاعر فرزدق دونوں حاضر تھے، فرزدق نے حضرت حسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے کہا: ”ابوسعید! معلوم ہے لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟“

لوگ کہہ رہے ہیں کہ آج کے جنازہ میں بہترین اور بدترین دونوں جمع ہو گئے ہیں، بہترین سے حضرت حسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور بدترین سے فرزدق کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا: ”نہ میں بہترین ہوں، نہ تم بدترین ہو لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے اس دن کے لئے کیا تیاری کی ہے اور تمہارے پاس اس دن کے لئے کیا زادِ سفر ہے؟“

فرزدق نے برجستہ کہا: ”شَہَادَةُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ یعنی کلمہ توحید کی شہادت اور پنج وقتہ نماز کی پابندی، وفات کے بعد فرزدق کو خواب میں کسی نے دیکھ کر پوچھا: ”کیا بنا؟“

کہا: ”اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی“ دریافت کیا: ”کس بنا پر؟“
کہا: ”اس کلمہ طیبہ کی بنیاد پر جس کا میں نے حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ گفتگو میں حوالہ دیا تھا۔“
کسی نے خوب کہا ہے:

کچھ اس کے سوا پاس نہیں زادِ سفر اور

اک توشہ امید کرم لے کے چلا ہوں

اس سے معلوم ہوا کسی کلمہ گو اور نمازی کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، ”الْعَفْوُ جَلَّالًا“ کی نگاہِ رحمت و مغفرت کسی پر پڑ جائے اور اس کی کایا پلٹ جائے، لہذا مسلمان کے گناہوں سے تو نفرت ہو، لیکن نفسِ مسلمان کو کسی حال میں بھی حقیر کمتر نہیں سمجھنا چاہئے، اس کے لئے دعا کرنی چاہئے..... اے اللہ! اس کو گناہوں کی زندگی سے نکال کر نیکی والی زندگی نصیب فرمایا۔

گناہوں کی معافی کی عظیم دعا

آپ ﷺ نے ہمیں ایک پیاری دعا سکھائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اس طرح مانگو:

”اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفْوٌ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَأَعْفُ عَنِّي.“^۱

ترجمہ: ”اے اللہ! آپ بہت معافی دینے والے ہیں اور بہت کریم ہیں۔ معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں لہذا ہمیں معاف فرمائیے۔“

یعنی نالائقوں کو بھی معاف کرنے والے ہیں، جو اس درجہ نالائق ہو کہ گناہ کرتے کرتے اس قابل ہو گیا ہو کہ معافی کے قابل بھی نہ رہا ہو، ایسوں کو بھی مہربانی سے محروم نہ کرنے کا نام کریم ہے۔

اے اللہ! اگرچہ ہم اپنی مسلسل نالائقیوں سے، مسلسل بے وفائیوں سے اور بے غیرتی کے اعمال سے آپ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں اور اس قابل نہیں ہیں کہ آپ ہمیں معاف فرمادیں لیکن آپ کریم ہیں، اور کریم کے معنی یہ ہیں کہ جو نالائقوں کو بھی اپنی مہربانی سے محروم نہ کرے، اس لئے آپ ہم پر رحم فرما دیجئے۔ اپنے کرم سے ہم کو محروم نہ کیجئے، کیوں کہ آپ کریم ہیں اور کریم نالائقوں کو بھی محروم نہیں کرتا۔

الْعَفْوُ جَلَّالًا کا محبوب عمل

صرف یہی نہیں کہ آپ بہت معافی دینے والے ہیں بل کہ ”تُحِبُّ الْعَفْوَ“ اپنے معاف کرنے کے عمل کو آپ بہت محبوب رکھتے ہیں، یعنی جب آپ کسی بندہ کو معافی دیتے ہیں تو آپ کو یہ عمل بہت پیارا، بہت محبوب ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ! یہ کس کا جواب ہے؟

مخلوق کا جواب ہے کہ ہم لوگ اپنے ستانے والے کو جب معاف کرتے ہیں تو ہمیں مزہ نہیں آتا، دل میں دکھن رہتی ہے۔

”فَاعْفُ عَنِّي“ ہم گناہ گاروں کو معاف فرما کر اپنا محبوب عمل ہم پر جاری کر دیجئے، اپنا محبوب کام کر لیجئے اور ہمارا

بیڑا پار کر دیجئے۔

اے اللہ! آپ معاف کرنے کو محبوب رکھتے ہیں، اے اللہ! جب آپ کسی کو معاف کرتے ہیں تو معاف کرنے سے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی بل کہ اپنے بندوں کو معافی دینا آپ کو نہایت محبوب ہے۔

محدث عظیم ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس کا ترجمہ کتنا پیارا کیا:

”أَيُّ أَنْتَ تُحِبُّ ظُهُورَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلَى عِبَادِكَ“

ترجمہ: ”اپنے بندوں پر جب اپنی مغفرت کی صفت ظاہر فرماتے ہیں اور ان کو معافی دیتے ہیں تو یہ عمل آپ کو

نہایت محبوب ہے۔“ ۱

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ”الْعَفْوُ جَلَّالَهُ“ کی بارگاہ میں طلبِ عفو کا نرالا انداز۔

وَأِنْ كُنْتُ يَا ذَا لَمَنْ وَالْجُودِ مُجْرِمًا

اے احسان و اکرام والے! اگرچہ میں خطا کار ہوں

جَعَلْتُ الرَّجَا مِنِّي لِعَفْوِكَ سُلْمًا

تو میں نے آپ کے عفو کی امید کو نجات کی سیڑھی بنایا

بِعَفْوِكَ رَبِّي كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمًا

آپ کے عفو سے کیا تو آپ کا عفو بے حد بھاری ثابت ہوا

وَلَا تُطِيعُ النَّفْسَ اللَّجُوجَ فَتَنْدَمًا

اور گناہ میں ڈوبے نفس کی پیروی نہ کر کہ تجھے پچھتانا پڑے

وَأَبْشُرْ بِعَفْوِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مُسْلِمًا

اور اللہ کی معافی کا امید وار رہ اگر تو مسلمان ہے

تَجُودٌ وَ تَعْفُو مِنَّةٌ وَ تَكْرُمًا

اور آئندہ بھی ازراہِ کرم و عفو بخشش فرماتے رہیں گے ۲

إِلَيْكَ إِلَهَ الْخَلْقِ أَرْفَعُ رَغْبَتِي

اے الہی! آپ ہی کے حضور میں اپنی مرادیں پیش کرتا ہوں

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِي وَضَاقَتْ مَذَاهِبِي

اور جب کہ دل سخت اور راہیں تنگ ہو گئیں

تَعَاطَمَنِي ذَنْبِي فَلَمَّا قَرَنْتُهُ

مجھے میرے گناہ بھاری معلوم ہوئے مگر جب اس کا موازنہ

خِيفَ اللَّهُ وَارْجُهُ لِكُلِّ عَظِيمَةٍ

اللہ سے ڈر اور مصائب میں اسی سے امید وار رہ

وَكُنْ بَيْنَ هَاتَيْنِ مِنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا

اور خوف و رجا کے درمیان قلب کی کیفیت رکھ

فَمَا زِلْتُ ذَا عَفْوٍ عَنِ الذَّنْبِ لَمْ تَزَلْ

آپ پہلے بھی ہمیشہ گناہوں کو معاف فرماتے رہے

فَوَائِدُ وَنَصَاحٌ

۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ مایوس ہونا چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی

۱ مرقاة شرح مشکوٰۃ: باب ليلة القدر: ۴/۳۲۱

۲ شرح دیوان الإمام الشافعی: ۲۲۰

معافی کے لئے ہر وقت دعا مانگتا رہے اور آئندہ گناہ اور نافرمانی کے کام نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔

۲ جس طرح اپنے آپ کے لئے یہ معافی کو پسند کرتا ہے، اسی طرح دوسروں کے ساتھ بھی عفو و درگزر کا معاملہ کرتا رہے۔ دوسروں کی تکلیف دہ باتوں کو بھلا دے، اپنے دل میں ایک چھوٹا سا قبرستان بنا کر رکھے، اس طرح کہ جس کسی کی بات سے تکلیف پہنچے اس کو قبرستان میں دفن کر دے، اس کا تیجہ، چالیسواں، دسواں نہ منائے، کہ فلاں نے اس وقت مجھے یہ کہا تھا اور فلاں رشتہ دار میری عیادت کرنے نہیں آئے اور فلاں نے میرے خلاف فلاں کو یہ بات کہی تھی۔ یہ سب باتیں دل کے قبرستان میں اس طرح دفن کر دیں کہ دوبارہ یاد نہ آئے، اور معاف کرنے کو اپنی عادت و اخلاق کا لازمی حصہ بنائے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ان معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے بندوں میں شامل ہو جنہیں ”الْعَفْوُ جَلَّالًا“ پسند فرماتے ہیں۔

۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعا کو یاد کر کے کثرت سے مانگتا رہے اور چلتے پھرتے اس نام کے وسیلے سے اس طرح دعا مانگے جس طرح لیلۃ القدر میں مانگی جاتی ہے:

”اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي.“^۱

اے بہت زیادہ معاف کرنے والے مجھے معاف کر دے۔

یا یوں دعا مانگئے:

”يَا رَبِّ عَفْوِكَ عَفْوُكَ.“^۲

اے میرے پروردگار! تیری بخشش کا طالب ہوں۔

یہ بہت مبارک دعا ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وہ پیارا نام جو ”رب“ ہے، اس کے وسیلے سے دعا مانگی گئی ہے اور یہ وہ مبارک نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے اسی نام سے دعائیں مانگی ہیں۔ قرآن کریم میں تقریباً ۳۸ مرتبہ ”رَبَّنَا“ یا ”رَبِّ“ کے ذریعہ دعائیں مانگی گئی ہیں۔

۱ ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی فضل سؤال العافیۃ والمعاذۃ، رقم: ۳۵۱۳

۲ کتاب الدعاء، شیطانی خیالات اور وہم دور کرنے کی دعا: ۳۴۷

البروف جلالہ

(بہت نرمی کرنے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "يُقَالُ إِنَّ الرَّأْفَةَ، وَالرَّحْمَةَ وَاحِدٌ، وَقَدْ فَرَّقُوا بَيْنَهُمَا أَيْضًا، وَذَلِكَ أَنَّ الرَّأْفَةَ هِيَ الْمَنْزِلَةُ

الثَّانِيَّةُ، يُقَالُ: فُلَانٌ رَحِيمٌ، فَإِذَا اشْتَدَّتْ رَحْمَتُهُ، فَهُوَ رَءُوفٌ" ۱

ترجمہ: "امام زجاج رَحِيمُ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: رأفة اور رحمت ایک ہی چیز ہے؛ لیکن بعض کے نزدیک تھوڑا فرق ہے، رافت مہربانی کے بعد والا درجہ ہے، اگر کوئی رحیم ہو تو کہا جائے گا "فُلَانٌ رَحِيمٌ" جب اس کی صفت رحمت بڑھ جائے تو اسے رءوف کہتے ہیں۔"

۲ البروف: وَمَعْنَاهُ الْمُتَسَاهِلُ عَلَى عِبَادِهِ لِأَنَّهُ لَمْ يُحْمِلْهُمْ مَا لَا يُطِيقُونَ، بَلْ حَمَلَهُمْ أَقْلًا مِمَّا

يُطِيقُونَ بِدَرَجاتٍ كَثِيرَةٍ. ۲

ترجمہ: "امام حلیمی رَحِيمُ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "البروف جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے بندوں پر آسانی و مہربانی کا معاملہ کرنے والا ہے، اس لئے کہ "البروف جلالہ" اپنے بندوں پر ایسا بوجھ نہیں ڈالتا جس کے اٹھانے کی طاقت بندوں میں نہ ہو۔ بل کہ جو کام ان کی طاقت میں ہے اس سے بھی کم ذمہ داریوں کا ان کو مکلف بنایا ہے۔ قربان جائے اس رءوف کی مہربانیوں پر اور اس کی عطاؤں پر کہ اس نے گناہوں سے بچنے پر اور نیکیوں کے کرنے پر بے شمار اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ حالاں کہ یہ بندوں کی ڈیوٹی تھی، ان کی ذمہ داری تھی، چاہے وہ عطا کرے یا نہ کرے لیکن اس "البروف جلالہ" نے بے شمار اجر و ثواب عطا کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔"

۳ اسی طرح "الرفیق" جس کے معنی بھی نرمی کرنے والے کے آتے ہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک

نام ہے، صحیح بخاری سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ۳

۱ تفسیر الاسماء: ۶۲، بحوالہ النهج الاسمی: ۲/۲۱۳

۲ المنہاج: ۲۰۱/۱ بحوالہ النهج الاسمی: ۲/۲۱۵ ۳ بخاری، الاستتابة، باب اذا عرض الذمی رقم: ۶۹۲۷

اسم مبارک ”الْبُرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ قرآن کریم میں دس مرتبہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَّوُفٌ رَّحِيمٌ﴾^۱

ترجمہ: ”یقیناً تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور نہایت مہربان ہے۔“

۲ ﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّوُفٌ رَّحِيمٌ﴾^۲

ترجمہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت و نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔“

۳ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَّوُفٌ رَّحِيمٌ﴾^۳

ترجمہ: ”یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

صفت ”الْبُرُوفُ“ اللہ رب العزت کی خاص صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ صفت کئی صورتوں میں ظاہر فرمائی

ہے:

۱ اس کی بہترین مہربانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نیک اعمال میں سے کسی بھی عمل کو ضائع نہیں

کرتا اور نیکی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔“^۴

۲ یہ بھی اس کی مہربانیوں میں سے ہے کہ اس نے ہم کو اپنی ذات سے ڈرایا ہے، اور اپنی سزاؤں اور اپنے عذابات

سے بھی خوف دلایا ہے، اور اپنی نافرمانی سے بھی منع فرمایا ہے، یہ اس وجہ سے کہ جس دن ہم اللہ تعالیٰ سے ملاقات (کریں

گے) اس دن کے لئے تیاری کریں اور اس کے غصے اور ناراضگی سے بچیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”جس دن ہر نفس (شخص) اپنی کی ہوئی نیکیوں کو اور اپنی کی ہوئی برائیوں کو موجود پالے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش!

اس کے اور برائیوں کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے

۱ النحل: ۷ ۲ الحج: ۶۵ ۳ الحديد: ۹

۴ وَصَفُ اللَّهِ تَعَالَى بِالرَّأْفَةِ وَهِيَ أَشَدُّ الرَّحْمَةِ، وَمِنْ مَظَاهِرِ تِلْكَ الرَّأْفَةِ أَنَّهُ لَا يُضَيِّعُ لِعِبَادِهِ طَاعَةً أَطَاعُوهُ بِهَا فَلَا يُشِيبُهُمْ عَلَيْهَا أَنَّهُ حَذَرْنَا نَفْسَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى، وَخَوْفُنَا مِنْ عِقَابِهِ وَعَذَابِهِ وَنَهَانَا عَنْ مَعْصِيَتِهِ، قَبْلَ أَنْ يُلْقَى الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لِيَسْتَعِدَّ لِقَائِهِ، وَيَتَجَنَّبُ سَخَطَهُ وَغَضَبَهُ.

فَمِنْ رَحْمَتِهِ وَرَأْفَتِهِ فَعُلُ ذَلِكَ. أَنَّهُ يَقْبَلُ تَوْبَاتِ التَّائِبِينَ، وَلَا يَرُدُّ عَنْ بَابِهِ الْعَاصِينَ الْمُنِيبِينَ مَهْمَا كَثُرَتْ سَيِّئَاتُهُمْ، وَتَعَاطَمَتْ خَطِيئَاتُهُمْ.

تَسْخِيرُهُ لِمَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِمَصْلِحَةِ الْإِنْسَانِ وَمَنْفَعَتِهِ، وَخَلْقُهُ الْأَنْعَامَ لِيَرْكَبَ عَلَى ظَهْرِهَا فَتَحْمِلُهُ الْمَسَافَاتِ الشَّاسِعَةِ، هُوَ وَمَتَاعُهُ وَزَادَهُ، وَلَوْ لَا ذَلِكَ لَأَصَابَهُ الْجُحْدُ الْعَظِيمُ وَالْمَشَقَّةُ الْبَالِغَةُ. (النهج الاسمي: ۲/۲۱۷)

۵ البقرة: ۱۴۳

بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔“ ۱

پس اس نے اپنے ہاں کام یاب ہونے کے لئے اور ناراضگی سے بچنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا، اور ان کے ذریعے کتابیں اتاریں جس میں انسانوں کے لئے احکامات ہیں تاکہ یہ انبیاء علیہم السلام لوگوں کو شرک اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر توحید اور ہدایت کے نور کی طرف بلائیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”وہی ہے جو اپنے بندہ پر صاف آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے اجالے میں لے آئے اور اللہ تعالیٰ تم پر نرمی کرنے والا مہربان ہے۔“ ۲

۳ اس کی صفت ”الشُّرُوفُ“ میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بندوں سے توبہ کو قبول کرتا ہے۔ اور رجوع کرنے والوں کو اپنے دروازہ پر سے دھتکارتا نہیں ہے۔ اس کے باوجود کہ انہوں نے بہت بڑے بڑے گناہ کئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”پھر اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا۔ بے شک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ہے۔“ ۴

۴ اس کی مہربانی کی بدولت ہر چیز کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا چاہے وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو، اور اسی طرح جانوروں کا پیدا کرنا بھی جس کے ذریعے انسان طویل اور مشقت والے راستوں کو طے کرتا ہے۔ ان جانوروں کو بھی مسخر کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ جانور نہ ہوتے تو انسان بہت بڑی مشکل میں پڑ جاتا اور یہ سب انسان کے فائدے اور نفع کے لئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

”اور تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم بغیر آدھی جان کے پہنچ ہی نہیں سکتے تھے، تمہارا رب بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے۔“ ۵

اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں مزید غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس کے بندوں پر کھلتی چلی جائے گی۔

”الشُّرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی شفقتیں

۱ ”الشُّرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی انسانوں پر بے شمار شفقتیں ہیں، ”الشُّرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے بنی آدم کو مختلف حیثیات سے ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں۔ مثلاً حسن صورت، اعتدال جسم اعتدال مزاج، اعتدال قد و قامت جو انسان کو عطا ہوا ہے کسی دوسرے حیوان میں نہیں، اس کے علاوہ عقل و شعور میں اس کو خاص امتیاز بخشا گیا ہے، جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات کی چیزوں سے اپنے کام نکالتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت بخشی ہے کہ مخلوقاتِ الہیہ سے ایسے مرکبات اور مصنوعات تیار کرے جو اس کے رہنے سہنے اور نقل و حرکت اور طعام و لباس

میں اس کے کام آئیں۔

۲ نطق و گویائی اور فہم و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں، اشارات کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں کو بتلا دینا، تحریر اور خط کے ذریعہ بات دوسروں تک پہنچانا یہ سب انسان ہی کے امتیازات ہیں۔

۳ بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی انسان ہی کی صفتِ مخصوصہ ہے اس کے سوا اکثر جانور اپنے منہ کے ذریعے سے کھاتے ہیں۔

۴ اپنے کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ اور مفید بنانے کا کام بھی انسان ہی کرتا ہے، باقی سب جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں، کوئی کچا گوشت کھاتا ہے، کوئی گھاس، کوئی پھل وغیرہ، بہر حال سب مفردات کھاتے ہیں، انسان ہی اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے۔

۵ اور سب سے بڑی فضیلت عقل و شعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور جن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے انہیں کرے اور جن کاموں سے وہ ناراض ہوتا ہے ان سے بچے اور عقل و شعور کے اعتبار سے مخلوقات کی تقسیم اس طرح ہے کہ عام جانوروں میں شہوات اور خواہشات ہیں، عقل و شعور نہیں، فرشتوں میں عقل و شعور ہے، شہوات و خواہشات نہیں، انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، عقل و شعور بھی ہے، شہوات و خواہشات بھی ہیں، اسی وجہ سے جب وہ خواہشات کو عقل و شعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے تو اس کا مقام بہت سے فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔

۶ یہ اُس ”الشُّرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی رافت و شفقت ہی ہے کہ انسان کے اندر بھولنے کا مادہ رکھا ہے، اپنے قریبی عزیز کا انتقال ہو جائے جس کے بغیر یا اس کے فراق میں انسان کا جینا مشکل ہو جائے، ایسے عزیز کے انتقال کے چند دن بعد یہی انسان اس کو بھول جاتا ہے، ورنہ یہ انسان اس دنیا میں کوئی کام نہ کر سکے، اور ہر انسان اپنے غموں میں مبتلا ہی رہتا، لیکن اس ”الشُّرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی شفقت و رافت دیکھئے کہ اس نے اپنی مہربانی سے بڑے سے بڑے غم کو بھلا دیا۔

۷ اسی ”الشُّرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی رافت و شفقت ہے کہ جہاں بیماری پیدا کی تو وہاں دوا بھی پیدا کی، جس جگہ کے لوگ جہاں رہتے ہیں ان ہی کے مزاج کے موافق وہاں کی غذا، اور وہاں کی دوا پیدا کی۔

”الشُّرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی رافت و رحمت کا عجیب کرشمہ

واقِعَةُ مَنَبِیْن (۷۴): شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں جنوبی افریقہ میں کیپ ٹاؤن کے علاقے میں ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ راستے میں ایک جگہ پہاڑی علاقے میں گاڑی رک گئی، ہم نماز کے لئے نیچے اترے، وہاں میں نے دیکھا کہ ایک خوب صورت پودا ہے، اس کے پتے بہت خوب صورت تھے اور وہ

پودا بہت حسین و جمیل معلوم ہو رہا تھا۔ بے اختیار دل چاہا کہ اس کے پتے کو توڑ لوں۔ میں نے جیسے ہی اس کے پتے کو توڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرے جور ہنما تھے، وہ ایک دم زور سے چیخ پڑے کہ حضرت! اس کو ہاتھ مت لگائیے گا، میں نے پوچھا: ”کیوں؟“

انہوں نے بتایا: یہ بہت زہریلی جھاڑی ہے، اس کے پتے دیکھنے میں تو بہت خوش نما ہیں۔ لیکن یہ اتنا زہریلا ہے کہ اس کے چھونے سے انسان کے جسم میں زہر چڑھ جاتا ہے اور جس طرح بچھو کے ڈسنے سے زہر کی لہریں اٹھتی ہیں اسی طرح اس کے چھونے سے بھی لہریں اٹھتی ہیں۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے ہاتھ نہیں لگایا اور پہلے سے معلوم ہو گیا۔ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے، دیکھنے میں بڑی خوب صورت ہے، پھر میں نے ان سے کہا: یہ معاملہ تو بڑا خطرناک ہے۔ اس لئے کہ آپ نے مجھے تو بتا دیا جس کی وجہ سے میں بچ گیا۔ لیکن اگر کوئی اُن جان آدمی جا کر اس کو ہاتھ لگا دے، وہ تو مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے گا۔

اس پر انہوں نے اس سے بھی زیادہ عجیب بات بتائی، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ جہاں کہیں یہ زہریلی جھاڑی ہوتی ہے۔ اسی کی جڑ میں آس پاس لازماً ایک پودا ہوتا ہے، لہذا اگر کسی شخص کا ہاتھ اس زہریلے پودے پر لگ جائے تو وہ فوراً اس دوسرے پودے کے پتے کو ہاتھ لگا دے۔ اسی وقت اس کا زہر ختم ہو جائے گا۔ چناں چہ انہوں نے اسی کی جڑ میں وہ دوسرا پودا بھی دکھایا، یہ اس کا تریاق ہے۔^۱

غور کیجئے ”الْبُرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ بندوں پر کتنے مہربان ہیں، کیسی کیسی مہربانیاں کیں ہیں، بندوں کے نقصان، بیماری اور پریشانیوں سے بچانے کے لئے کیسی کیسی جڑی بوٹیاں، دوائیں بنائیں ہیں، ہمیں چاہئے کہ اس مہربان رب ”الْبُرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کو ناراض نہ کریں، اس کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچائیں، جس طرح اس نے ہم پر مہربانیاں کیں ہیں، ہم بھی دوسروں پر مہربان ہو جائیں۔

دل و زبان ”الْبُرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی دو عظیم نعمتیں

واقعة ملہ ۷۵: اس ”الْبُرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے ہمیں دو عظیم نعمتوں سے نوازا ہے یعنی دل اور زبان سے ہمیں چاہئے کہ ہم ہر وقت اس ”الْبُرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی مہربانیوں کو زبان سے بھی بیان کریں اور دل میں بھی ان کا استحضار رکھیں اور ان کو اس کی نافرمانی میں نہ استعمال کریں۔

حضرت لقمان حکیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے آقا نے ان سے ایک مرتبہ کہا: ”إِنِّي بِأَطْيَبِ مُضْعَتَيْنِ فِي الشَّاةِ“ ”بکری ذبح کر کے اس کے دو بہترین حصے میرے پاس لے آؤ“ انہوں نے بکری ذبح کی اور اس کے دل و زبان

آقا کے پاس لے گئے، آقا نے پھر حکم دیا: ”إِنِّي بِأَخْبَثِ مُضْغَتَيْنِ فِي الشَّاةِ“

”ایک اور بکری ذبح کر کے اس کے دو بدترین ٹکڑے میرے پاس لاؤ“ انہوں نے بکری ذبح کی اور اس مرتبہ بھی اس کے دل و زبان اس کے پاس لے گئے، آقا نے پوچھا: ”میں نے بہترین حصے طلب کئے تو تم یہی لائے، بدترین طلب کئے تب بھی یہی لائے؟“ حضرت لقمان حکیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ”میرے آقا! دل و زبان اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی اور عضو نہیں ہو سکتا اور اگر یہ بگڑ جائیں تو ان سے بدتر کوئی عضو نہیں ہو سکتا، یہ بہتر رہیں تو بہترین ہیں، بدتر ہو جائیں تو بدترین ہیں۔“

اس ”الْبُرُوقُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے انسانوں کی آسائش کے لئے کتنی رحمتیں نازل فرمائی ہیں:

﴿فَانْظُرْ إِلَىٰ اثَرِ رَحْمَتِ اللَّهِ﴾ اپنے رب کے آثار رحمت کی طرف دیکھو! جب باران رحمت برسی ہے تو نہ صرف انسانوں پر اس کی مہربانی چھا جاتی ہے بل کہ ساری مخلوق پر اس کی شان ”رأفت“ چھا جاتی ہے..... پیاسی زمین سیراب ہوتی ہے..... پتھروں اور چٹانوں کی پیاس بجھ جاتی ہے..... درخت لہلہانے لگتے ہیں..... پھول وضو کرنے لگتے ہیں..... نباتات زمین سے سر نکالتی ہیں..... درختوں کے پتے گرد و غبار سے پاک ہو جاتے ہیں..... فطرت درختوں کو غسل دیتی ہے..... مینڈک خوشی سے ٹڑانے لگتے ہیں۔

جھینگر گانے لگتے ہیں..... پرندے اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور غسل کرتے ہیں..... تالاب اپنے پیالوں کو بھر لیتے ہیں..... ندی نالے بہہ پڑتے ہیں اور دور و نزدیک کے حشرات الارض..... چرند پرند اور درخت سیراب ہو جاتے ہیں، جو حشرات الارض زمین کی نمی کو چوسنے کے محتاج ہوتے ہیں وہ سیر ہو جاتے ہیں۔

پھولوں اور پھلوں اور پتیوں پر جو بن آجاتا ہے جن کے رس سے ان گنت مکھیاں شہد چوستی ہیں، بھنورے خوشی سے گنگناتے ہیں اور چڑیاں برکھا کے گیت گاتی ہیں۔

پتوں کی ایک ایک رگ سیراب ہوتی ہے..... اور درختوں کی ایک ایک نس تر ہو جاتی ہے..... طرح طرح کے کیڑے مکوڑے لباس ہستی سے آراستہ ہو کر رونق عالم کو دوبالا کرتے ہیں..... وہ پرندے جو پانی نہیں پی سکتے یا انہیں میسر نہیں آ سکتا اپنی چونچیں آسمان کی طرف کھول کر دل کی ٹھنڈک حاصل کرتے ہیں..... دلوں میں ایک ولولہ و جوش پیدا ہوتا ہے اور مخلوق گانے لگتی ہے،..... پہاڑوں کے پتھر اور چٹانیں دھل دھلا کر بارونق ہو جاتی ہیں..... اور ان کے چہروں سے گرد و غبار دھل جاتی ہے، کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں..... تو جانوروں کو چارے کی افراط ہو جاتی ہے، کسانوں کی محنت بار آور ہوتی ہے..... تو ان کے گھروں میں خوشی کے شادیاں بجنے لگتے ہیں..... کپاس کے ڈوڈوں پر ابن آدم کے لئے سفید لباس آسمان سے نازل ہوتا ہے،..... رزق بصورتِ گندم نازل ہوتا ہے،..... ہر طرف ہریالی نظر آتی ہے

جسے خوشی خوشی جانور کھا کر ہمارے لئے دودھ اور گوشت پیدا کرتے ہیں۔ مکھن دہی گھی اور بالائی اس طرح آسمان سے مخلوق کے لئے نازل کی جاتی ہے، یہی مطلب ہے اس آیت کا:

﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾^{۱۷} ”آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔“

الغرض اس ”البروف جَلَّ جَلَالُهُ“ کی مہربانیاں زیر زمین دفن ہیں، پہاڑوں میں پوشیدہ ہیں اور سمندر کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَلِبَاسُ تَقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾^{۱۸}

”لباس تقویٰ سب لباسوں سے بہتر ہے۔“

اس نے ہمارے لئے آسمان سے جو ادنیٰ سوتی کپڑے تن ڈھانپنے کے لئے اتارے ہیں اور جو لباس جنگ ہمارے لئے آسمان سے اتارا ہے یہ دونوں قسم کے لباس سفید سیاہ یا نیلے پیلے وغیرہ رنگوں کے ہوتے ہیں، تو دکھائی بھی دیتے ہیں اور چوں کہ یہ دونوں لباس مادی ہیں لہذا انہیں چھوا بھی جاسکتا ہے، مگر لباس تقویٰ چوں کہ بے رنگ و بو ہے اور مذکورہ بالا دونوں لباس جیسے تراش خراش اور شکل و صورت نہیں رکھتا، لہذا دکھائی بھی نہیں دیتا اور غیر مادی ہونے کی وجہ سے اسے چھوا بھی نہیں جاسکتا۔

یہ لباس تقویٰ بھی عجیب ہے کہ نہ اسے دیکھا جاسکتا ہے، نہ چھوا جاسکتا ہے اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے، اس کے باوجود دکھائی دیتا ہے مگر بصارت سے نہیں بصیرت سے دکھائی دیتا ہے۔

کافر و مشرک کو بھی یہ لباس تقویٰ نظر آتا ہے، معلوم ہوتا ہے کچھ نہ کچھ بصیرت اللہ تعالیٰ نے کافروں کو بھی عطا کی ہے، یہ بھی اس ”البروف جَلَّ جَلَالُهُ“ کی ”رافت و رحمت“ کا ایک اثر ہے کہ اس نے سب انسانوں کو اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔

ایک اور لباس بھی ہے جو انسان، حیوان، چرند، پرند، اور تمام حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کو عطا فرمایا ہے جس کے بغیر ایک منٹ بھی کوئی جان دار زندہ نہیں رہ سکتا، غذا، پانی اور ہوا کے بغیر کچھ نہ کچھ دیر جان دار زندہ رہ سکتا ہے مگر اس کے بغیر زندگی محال ہے۔ ہر جان دار کو اس ”البروف جَلَّ جَلَالُهُ“ نے ازراہ ”رافت و رحمت“ ایسا لباس عطا کیا ہے جو اس کی فضا اور ماحول کے لئے سازگار ہے، اور موسمی تغیرات سے بچاتا ہے، میری مراد کھال ہے کہ وہ ہمیں تکلیف دہ چیزوں سے بچاتی ہے اور ہماری زینت بھی ہے۔

رافت ”شفقت و مہربانی“ کے معنی میں ہے لہذا ”البروف جَلَّ جَلَالُهُ“ اس ذات کو کہیں گے جو شفیق و مہربان ہو اور حد درجہ رحم کرنے والی ہو۔ جو شفیق و مہربان ہوگا وہی رحم کر سکتا ہے، غیر شفیق اور غیر مہربان کیسے رحم کر سکتا ہے۔^{۱۹}

ہاں! اللہ تعالیٰ ”الْبُرُوقُ جَلَّالًا“ ہے۔ اس کی شفقت اس کا احسان تمام مخلوق پر بلا کسی سبب اور بلا کسی استحقاق اور بلا کسی درخواست کے عام ہے۔ ان حالات کے ساتھ احسان و نوازش انعام و پرورش فرمانا اللہ جَلَّالًا کا خاصہ ہے۔

شیطان سے بچاؤ کے لئے یہ دعا مانگئے

”الْبُرُوقُ جَلَّالًا“ نے ہم پر اپنی مہربانی، لطف و کرم اور خاص فضل و کرم کی انتہا کر دی کہ ہمیں شیطان جیسے دشمن سے بچاؤ اور اس دشمن کو ذلیل و رسوا کرنے کے نہایت ہی آسان طریقے سمجھا دیئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ دشمن سے بچاؤ کا آسان طریقہ بتا دیا۔ سب سے کارگر اور بہترین طریقہ ”تَعَوُّذُ“ کا ہے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر وقت ”تَعَوُّذُ یعنی ”أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ پڑھتے رہیں اور یہ ”تَعَوُّذُ“ بھی مانگتے رہیں:

”أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمِّهِ وَنَفْخِهِ وَنَفْثِهِ.“^۱

ترجمہ: ”میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں، جو سننے والا، جاننے والا ہے، شیطان مردود سے، اس کے دوسووں سے اور اس کے پھونک مارنے سے۔“

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

- ۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ ”الْبُرُوقُ جَلَّالًا“ نے جو مہربانیاں اس پر کی ہیں ان کو زبان سے بھی بیان کرے اور خود بھی دل میں ان نعمتوں اور مہربانیوں کا استحضار کرے اور دل و زبان سے اس مہربان رب کا شکر ادا کرے۔
 - ۲ اپنے ماتحتوں اور متعلقین اور ہر خاص و عام کے ساتھ ہر معاملے میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرے؛ تاکہ اس صفت میں سے کچھ حصہ پائے، سخت دل ہونے سے بچے اور سخت دل ہونے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس نام کے ذریعے نرمی مانگتا رہے اور یوں کہے: ”اے اللہ! آپ بندوں پر رحم و کرم کا معاملہ فرماتے ہیں، اے رؤف و رحیم میرے دل کی سختی کو زائل فرما دیجئے اور اس میں نرمی پیدا فرمائیے۔“
 - ۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعا کو حفظ کر کے ترجمہ کے دھیان کے ساتھ مانگنے کا اہتمام کرے۔
- اور اسم مبارک التَّائِيْدُ جَلَّالًا کے آخر میں جو دعا ذکر کی گئی ہے اُسے بھی مانگتا رہے؛ کیوں اس میں ”الْبُرُوقُ“ اسم

^۱ شرح اسماء حُسْنٰی: ۱۵۰ (منصور پوری)

^۲ ترمذی، الصلوٰۃ، باب ما یقول عند افتتاح الصلوٰۃ: ۵۷/۱

مبارک کے وسیلے سے دعا مانگی گئی ہے اور چلتے پھرتے.....

”يَا رُوْفُ اُرُوْفُ بِی“ ”اے مہربان میرے ساتھ مہربانی والا معاملہ فرمائیے“ بھی پڑھتے رہیں۔

۴ ”الْبُرُوفُ جَلَّ جَلَالُهُ“ یہ نام مبارک ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہمیں جو بھی ضرورت اور کسی قسم کی بھی پریشانی ہو تو بار بار اپنے مہربان مولیٰ سے کہہ دینا چاہئے، یہ انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ نماز کے بعد یا تلاوت کے بعد دعا مانگوں گا؛ بل کہ جب بھی ضرورت پیش آئے چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے۔

اگر کسی کا افسر یا والدین رحم دل ہوں تو ماتحت کا عملہ درخواست دیتے ہوئے جھجکتا نہیں ہے، اسی لئے ہمارے اللہ جل جلالہ کا نام ”الْبُرُوفُ“ ہے کہ ہر قسم کی مخلوق، گناہ گار و نیکو کار اس کو درخواست کرنے میں جھجکتی نہیں۔



مَالِكٌ جَلَّ جَلَالُهُ

(سلطنت کا مالک)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① **”الْمَالِكُ لِكُلِّ شَيْءٍ، الْمُتَصَرِّفُ فِيهَا بِلَا مُمَانَعَةٍ وَلَا مُدَافَعَةٍ“**

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ مالک ہیں تمام اشیاء کے اور ان میں بغیر کسی ممانعت اور روک ٹوک کے تصرف کرنے والے ہیں۔“

② **”الْمَلِكُ: هُوَ اللَّهُ تَعَالَى..... وَتَقَدَّسَ مَلِكُ الْمُلُوكِ..... لَهُ الْمُلْكُ..... وَهُوَ مَالِكُ**

يَوْمِ الدِّينِ وَهُوَ مَلِكُ الْخَلْقِ“

ترجمہ: ”امام لیث **رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى** نے فرمایا: ”**مَالِكٌ جَلَّ جَلَالُهُ**“ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہیں، وہ تمام بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، بادشاہت اُسی کی ہے اور وہ قیامت کے دن کا مالک ہے۔“^۱

انسان جس گھر میں آباد ہے اور اس کو بلا شرکت غیرے اپنا مملوک و مقبوض خیال کرتا ہے۔ ذرا تو غور کرے کہ اب سے تقریباً پچاس ساٹھ برس پہلے یہ کس کی ملک تھا اور وہ آج کہاں ہے۔ اس کے دعویٰ مالکیت کا کیا انجام ہوا۔
متنبی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

تَمَلَّكَ الْآتِي تَمَلَّكَ سَالِبٌ وَفَارَقَهَا الْمَاضِي فِرَاقَ سَلِيبٍ

ترجمہ: ”آنے والا شخص دنیا کا اسی طرح مالک ہوتا ہے جیسے کوئی غاصب دوسرے کی ملک پر قابض ہو جائے اور جانے والا دنیا کو اس طرح چھوڑتا ہے جیسے کسی کا مال لوٹ لیا جائے۔“

کئی مرتبہ دیکھا گیا پچاس سال سے ایک شخص اپنے آپ کو مالک کہتا ہے کہ یہ دکان میری ہے، میں اس کا مالک ہوں، یہ مکان میرا ہے میں اس کا مالک ہوں اور موت آتے ہی وہ ملکیت ختم، دکان پر بورڈ لگا ہوا ہے حاجی عبدالغفار اینڈ کمپنی اب بورڈ بدل گیا حاجی عبدالستار اینڈ کمپنی، کیا یہ بورڈ کا بدلنا غور کرنے والوں کے لئے کافی نہیں ہے؟

^۱ النهج الاسمی: ۹۶/۱

^۲ دیوان المتنبی: ۱۵

ﷺ جَلَّ جَلَالُهُ چاہے تو فقراء کو تخت و تاج کا مالک بنا دے

واقعة مذہب (۷۱): بدر و احد میں مشرکین مکہ کی مسلسل شکست اور مسلمانوں کے خلاف ہر جدوجہد میں ناکامی کے ساتھ مسلمانوں کی مسلسل ترقی اور اسلام کی روز افزوں اشاعت نے قریش مکہ اور تمام غیر مسلموں میں ایک بوکھلاہٹ پیدا کر دی تھی، جس سے وہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو رہے تھے، جس کا نتیجہ ایک عام سازش کی صورت میں یہ ظاہر ہوا کہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سب کا ایک متحدہ محاذ مسلمانوں کے خلاف بن گیا، اور سب نے مل کر مدینہ پر ایک بارگی حملہ اور فیصلہ کن جنگ کی ٹھان لی، اور ان کا بے پناہ لشکر اسلام اور مسلمانوں کو دنیا سے مٹا ڈالنے کا عزم لے کر مدینہ پر چڑھ آیا، جس کا نام قرآن میں غزوہ احزاب اور تاریخ میں غزوہ خندق ہے، کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ **رضی اللہ تعالیٰ عنہم** کے ساتھ مشورہ سے یہ طے فرمایا تھا کہ غنیم کے راستہ میں مدینہ سے باہر خندق کھودی جائے۔

بیہقی اور ابو نعیم اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ خندق کھودنے کا کام مجاہدین اسلام صحابہ کرام **رضی اللہ تعالیٰ عنہم** کے سپرد ہوا تو چالیس چالیس ہاتھ لمبی خندق دس دس آدمیوں کے سپرد تھی، یہ خندقیں کئی میل لمبی اور خاصی گہری اور چوڑی تھی، جس کو غنیم عبور نہ کر سکے، اور کھدائی کے لئے تکمیل جلد سے جلد کرنا تھی، اس لئے جاں نثار صحابہ کرام **رضی اللہ تعالیٰ عنہم** بڑی محنت سے اس میں مشغول تھے کہ قضائے حاجت اور کھانے وغیرہ کی ضروریات کے لئے یہاں سے ہٹنا مشکل ہو رہا تھا، مسلسل بھوکے رہ کر یہ کام انجام دیا جا رہا تھا اور یقیناً کام ایسا تھا کہ آج کل کی جدید آلات والی فوج بھی ہوتی تو اس تھوڑے وقت میں اس کام کا پورا کرنا آسان نہ ہوتا، مگر یہاں ایمانی طاقت کام کر رہی تھی جس نے بآسانی تکمیل کرادی۔

سید الانبیاء **صلی اللہ علیہ وسلم** بھی ایک فرد کی حیثیت سے اس کھدائی کے کام میں شریک تھے، اتفاقاً خندق کے ایک حصہ میں پتھر کی بڑی چٹان نکل آئی، جن حضرات کے حصہ میں خندق کا یہ ٹکڑا تھا وہ اپنی پوری قوت صرف کر کے عاجز ہو گئے، تو حضرت سلمان فارسی **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** کو آں حضرت **صلی اللہ علیہ وسلم** کے پاس بھیجا کہ اب حضور **صلی اللہ علیہ وسلم** کا کیا حکم ہے؟

آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** اسی وقت تشریف لائے اور کدال آہنی خود دست مبارک میں لے کر ایک ضرب لگائی تو اس چٹان کے ٹکڑے ہو گئے، اور ایک آگ کا شعلہ برآمد ہوا، جس سے دور تک اس کی روشنی پھیل گئی۔

آں حضرت **صلی اللہ علیہ وسلم** نے فرمایا: مجھے اس روشنی میں حیرہ ملک فارس کے محلات و عمارات دکھائی گئیں، پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر ایک شعلہ برآمد ہوا تو فرمایا: اس کی روشنی میں مجھے رومیوں کے سرخ محلات و عمارات دکھائی گئیں، پھر تیسری ضرب لگائی اور روشنی پھیلی تو فرمایا: اس میں مجھے صنعاء یمن کے عظیم محلات دکھائے گئے اور فرمایا: میں تمہیں خوش خبری دیتا ہوں..... مجھے جبریل امین نے خبر دی ہے کہ میری امت ان تمام ممالک پر غالب آئے گی۔

منافقین مدینہ نے یہ سنا تو ان کو استہزاء و تمسخر کا موقع ہاتھ آیا، مسلمانوں کا مذاق اڑایا، کہ دیکھو ان لوگوں کو جو حریف

مقابل کے خوف سے خندق کھودنے میں اس طرح مشغول ہیں کہ ان کو اپنی ضروریات کا بھی ہوش نہیں، اپنی جانوں کی حفاظت ان کو مشکل ہو رہی ہے، ملک فارس و روم اور یمن کی فتوحات کے خواب دیکھ رہے ہیں، حق تعالیٰ نے ان بے خبر ظالموں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ

مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾^{۲۶}

ترجمہ: ”آپ فرما دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہاں کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“^{۲۷}

جس میں مناجات و دعا کے انداز میں قوموں کے عروج و زوال اور ملکوں کے انقلاب میں حق جل شانہ کی قدرت کاملہ کا بیان ایک نہایت بلیغ انداز سے کیا گیا ہے اور فارس و روم کی فتوحات کے بارے میں رسول کریم ﷺ کی پیش گوئی کے پورا ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا، اس میں دنیا کے انقلابات سے بے خبر قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ سے ناواقف، قوم نوح اور عاد و ثمود کے واقعات سے غافل اور جاہل، دشمنان اسلام کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم ظاہری شان و شوکت کے پرستار یہ نہیں جانتے..... دنیا کی ساری طاقتیں اور حکومتیں سب ایک ذات پاک کے قبضہ قدرت میں ہیں، عزت و ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ بلاشبہ اس پر قادر ہے کہ غریبوں اور فقیروں کو تخت و تاج کا مالک بنا دے اور بڑے بڑے بادشاہوں سے حکومت و دولت چھین لے، اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ آج کے خندق کھودنے والے فقیروں کو کل شام و عراق اور یمن کی حکومت عطا فرما دے۔

ذَرَّه ذَرَّه دہر کا پابستہ تقدیر ہے زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

ایک دوسری آیت میں آسمانی طاقتوں اور فلکیات پر حق جل شانہ کی قدرت کاملہ کا احاطہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿تَوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتَوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ﴾^{۲۸} یعنی آپ جب چاہتے ہیں رات کے اجزاء دن میں داخل فرما کر دن کو بڑا کر دیتے ہیں، اور جب چاہتے ہیں دن کے اجزاء رات میں داخل کر کے رات بڑی کر دیتے ہیں۔^{۲۹}

اور یہ ظاہر ہے کہ رات اور دن بڑے چھوٹے ہونے کا مدار آفتاب کے طلوع و غروب اور اس کی حرکات پر ہے، اس لئے اس کا حاصل یہ ہوا کہ آسمان اور اس کے متعلق سب سے بڑا سیارہ شمس اور سب سے معروف سیارہ قمر سب آپ کے احاطہ قدرت میں ہیں، پھر عالم عناصر اور دنیا کی باقی طاقتوں میں کسی شک و شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟

^{۲۶} تفسیر مظہری: ۲/۲۹، ال عمران: ۲۶

^{۲۷} ال عمران: ۲۶

^{۲۸} معارف القرآن: ۲/۴۵، ۴۶، ال عمران: ۲۷

^{۲۹} ال عمران: ۲۷

اسی طرح عالم روحانیت پر حق جل شانہ کا احاطہ قدرت اس طرح بیان فرمایا:

﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾^۱ ”یعنی آپ زندہ کو مردہ سے نکال لیتے ہیں، جیسے انڈہ سے بچہ یا نطفہ سے انسان یا دانہ سے درخت کو نکال لیتے ہیں، اور مردہ کو زندہ سے نکال لیتے ہیں۔ جیسے جانور سے بیضہ (انڈہ) اور انسان سے نطفہ یا درخت سے پھل اور دانہ خشک۔“^۲

اور اگر زندہ اور مردہ کا مفہوم عام لیا جائے تو عالم اور جاہل، کامل و ناقص اور مؤمن و کافر سب کو شامل ہو جاتا ہے، جس سے حق جل شانہ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے تصرفات تمام عالم ارواح اور روحانیت پر واضح ہو جاتے ہیں کہ وہ جب چاہیں تو کافر سے مؤمن یا جاہل سے عالم پیدا کر دیں، اور جب چاہیں مؤمن سے کافر یا عالم سے جاہل پیدا کر دیں، آزر کے گھر میں خلیل اللہ پیدا ہو جائے، اور نوح علیہ السلام کے گھر میں ان کا بیٹا کافر رہ جائے، عالم کی اولاد جاہل رہ جائے اور جاہل کی اولاد عالم ہو جائے۔

اس تفصیل سے آپ نے معلوم کیا ہو گا کہ کیسی بلوغِ ترتیب کے ساتھ حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا تمام کائناتِ عالم پر محیط ہونا ترتیب وار بیان فرمایا گیا ہے کہ پہلے عالم عناصر اور اس کی قوتوں اور حکومتوں کا ذکر آیا ہے، پھر عالمِ افلاک اور اس کی قوتوں کا اور ان سب کے بعد روح اور روحانیت کا ذکر آیا ہے، جو درحقیقت سارے عالم کی ساری قوتوں میں سب سے بالاتر قوت ہے، اسی طرح مَلِكٌ جَلَّ جَلَالُهُ نے آخر آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”یعنی آپ جس کو چاہیں بے شمار رزق عطا فرما دیں۔“ جس کو کوئی مخلوق نہ معلوم کر سکے، اگرچہ خالق کے علم میں ذرہ ذرہ لکھا ہوا ہے۔

مَلِكٌ جَلَّ جَلَالُهُ پر بھروسے کی ایک مثال

واقعة منہ بن (۷۷): حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی مشہور تابعی ہیں، ان کے زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے رغبتی کے یادگار واقعات تاریخ کی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں، ایک مرتبہ ان پر فالج کا حملہ ہوا، صاحبِ فراش ہو گئے، انسان بیمار ہو تو خواہشات کا نخل (درخت) ہرا ہو جاتا ہے، انہیں مرغی کے گوشت کھانے کی خواہش ہوئی، چالیس دن تک اس کا اظہار نہیں کیا، اس کے بعد بیوی سے کہہ دیا، انہوں نے مرغی منگوائی، عمدہ پکائی، آپ کے سامنے پیش کی، ابھی آپ نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے پر فقیر نے خیرات کی صدا لگائی، آپ نے ہاتھ کھینچا، اہلیہ سے فرمایا:

”إِذْفَعِيهِ إِلَى السَّائِلِ“ ”یہ فقیر کو دے آؤ“

اہلیہ نے کہا:

”میں فقیر کو اس سے بہتر چیز دے آتی ہوں“ پوچھا ”وہ کیا؟“

کہنے لگیں: ”اس کی قیمت“ فرمایا ”بہت خوب، قیمت لے آؤ“ وہ قیمت لے آئیں تو آپ نے فرمایا:

”صَعِيْبُهُ عَلٰی هٰذَا وَاَدْفَعِيْهِ جَمِيْعًا اِلٰی السَّائِلِ“^۱

”یہ کھانا اور قیمت دونوں اس فقیر سائل کو دے آؤ۔“

یہ تھے خواہشات کو کچلنے والے اصحابِ بلند ذوق و نظر، ہوس چھپ چھپ کر ان کے سینوں میں تصویریں کہاں بنا سکتی تھی! انیس نے خوب کہا ہے ۔

امید نہیں جینے کی یاں صبح تا شام
ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لبِ بام
یاں کام کرو ایسا جو آئے وہاں کام
آجائے خدا جانے کب موت کا پیغام
اپنی کوئی ملک نہ املاک سمجھنا
ہونا ہے تمہیں خاک سب خاک سمجھنا^۲

اس اسم مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنے کی فضیلت

ایک روایت میں ہے کہ اگر اسمِ اعظم کے ساتھ دعا مانگی جائے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے جو اس آیت میں ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مَن تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَاءُ﴾^۳

تَرْجَمَہ: ”آپ کہہ دیجئے اے میرے معبود! اے تمام جہان کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے

چاہے سلطنت چھین لے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قوت و طاقت کا اظہار ہے، شاہ کو گدا بنا دے، گدا کو شاہ بنا دے، تمام اختیارات

کا مالک وہی ہے اور تمام بھلائیاں صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اللہ کے سوا کوئی بھلائی دینے والا نہیں۔

امام بغوی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ کا فرمان ہے

کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سورہ فاتحہ اور آیہ الکرسی اور آل عمران کی دو آیتیں ایک آیت: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ

اِلَّا هُوَ﴾ آخر تک اور دوسری آیت: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ﴾ سے ﴿بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ تک پڑھا کرے

تو میں اس کا ٹھکانا جنت میں بنا دوں گا..... اور اس کو اپنے حظیرۃ القدس میں جگہ دوں گا..... اور ہر روز اس کی طرف ستر

مرتبہ نظرِ رحمت کروں گا..... اور اس کی سترِ حاجتیں پوری کروں گا..... اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دوں گا..... اور ان پر

اس کو غالب رکھوں گا۔^۴

۱۔ صفة الصفوة: ۵۵/۳ ۲۔ کتابوں کی درسگاہ میں: ۶۸ ۳۔ ال عمران: ۱۸

۴۔ ال عمران: ۱۸ ۵۔ ال عمران: ۱۸ ۶۔ تفسیر مظہری: ۳۱/۲، ال عمران: ۲۶

اور سورہ شوریٰ میں ﷻ کی اسی ہمہ گیر بادشاہت اور قدرت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهْبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَّا نَوَهْبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذِّكْوَرُۥۙ

اَوْ يَزْوِجْهُمْ ذِكْرَانَا وَاِنَّا نَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌۙ﴾

ترجمہ: ”آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا انہیں جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جسے چاہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔“

یعنی کائنات میں صرف ”ﷻ“ ہی کی مشیت اور اسی کی تدبیر چلتی ہے، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، کوئی دوسرا پیر فقیر، ولی نبی اس میں دخل اندازی کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا، جس کو چاہتا ہے بیٹا اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے، گویا چار قسمیں ہو گئیں:

۱ کسی کو صرف بیٹے دیتا ہے۔

۲ کسی کو صرف بیٹیاں دیتا ہے۔

۳ کسی کو بیٹے بیٹیاں دونوں دیتا ہے۔

۴ کسی کو نہ بیٹا دیتا ہے اور نہ بیٹی۔

لوگوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس تفاوت الہی کو دنیا کی کوئی طاقت بدلنے پر قدرت نہیں رکھتی، یہ تقسیم تو اولاد کے اعتبار سے ہے، باپوں کے اعتبار سے بھی ”ﷻ“ نے چار طرح کی تقسیم کی ہے:

۱ آدم علیہ السلام کو صرف مٹی سے پیدا کیا، ان کا باپ ہے نہ ماں۔

۲ حوا کو آدم علیہ السلام سے، یعنی مرد سے پیدا کیا ان کی ماں نہیں ہے۔

۳ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت کے بطن سے پیدا کیا ان کا باپ نہیں ہے۔

۴ باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے پیدا کیا۔ ان کے باپ بھی ہیں اور مائیں بھی۔ ”سُبْحَانَ

اللّٰهِ الْعَلِیْمِ الْقَدِیْرِ“

یعنی انسان کی پیدائش میں کسی کے ارادہ و اختیار بل کہ علم و خبر کا بھی کوئی دخل نہیں، اور کسی کا دخل تو کیا ہوتا انسان کے ماں باپ، جو اس کی پیدائش کا ظاہری سبب بنتے ہیں، خود ان کے ارادے اور اختیار کا بھی بچے کی پیدائش میں کوئی دخل

نہیں۔ پیدائش میں دخل ہونا تو دور کی بات، بچے کی ولادت سے پہلے ماں کو بھی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پیٹ میں کیا..... کیسا..... اور کس طرح..... بن رہا ہے۔

سورہ شوریٰ کی مذکورہ آیات میں بچوں کے اقسام بیان کرنے میں حق تعالیٰ نے پہلے لڑکیوں کا ذکر فرمایا ہے، لڑکوں کا ذکر بعد میں کیا ہے۔ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس عورت کے بطن سے پہلے لڑکی پیدا ہو وہ مبارک ہوتی ہے۔^{۱۷}

حقیقی بادشاہ اللہ ہے

سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ کی شان اور بندوں پر اُس کے انعامات تفصیل سے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا جس کا

ترجمہ ہے:

”یہی ہے اللہ تم سب کا پالنے والا، اسی کی سلطنت ہے۔ جنہیں تم اس کے سوا پکار رہے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے بھی مالک نہیں، اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سنتے ہی نہیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو فریادری نہیں کریں گے، بل کہ قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا صاف انکار کر جائیں گے۔ آپ کو کوئی بھی حق تعالیٰ جیسا خبردار خبریں نہ دے گا۔ اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔“^{۱۸}

جب اصلی خالق و مالک اور تمام عالم کا چلانے والا اُسی کو مانتے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اُس کے سوا اور دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہ ہی ہونا چاہئے جو خالق کل، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ رَبِّ مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔ اُس کا اقرار کر کے کہاں اُلٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہ ہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”یعنی یہ بت..... یا بعض انبیاء..... یا فرشتے..... جن کو تم خدا سمجھ کر پرستش کرتے ہو اگر ان کو مصیبت کے وقت پکارو گے تو اولاً یہ تمہاری بات ہی نہ سن سکیں گے۔“

کیوں کہ بتوں میں سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں، انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر نہ وہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں۔ آگے فرمایا: اگر بالفرض وہ سن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء، تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے، کیوں کہ ان کو خود قدرت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔^{۱۹}

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی **رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں:

- ۱ یعنی جس کی صفات و شئون ان آیات میں بیان ہوئیں حقیقت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار، اور کل زمین و آسمان کا بادشاہ ہے، باقی جنہیں تم خدا قرار دے کر پکارتے ہو وہ مسکین بادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اُس کے بھی مالک نہیں۔
- ۲ یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے، بل کہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ ہینزاری کا اظہار کریں گے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔
- ۳ یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ احوال کون جانے، وہ ہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے، ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائے گا؟
- ۴ یعنی سب لوگ اُسی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں کیوں کہ تمام خوبیاں اور کمالات اُس کی ذات میں جمع ہیں، پس وہ ہی مستحق عبادت و استعانت ہوا۔^{۱۵}

حقیقی مالک تو وہی تھا، وہی ہے اور وہی رہے گا

کبھی قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور صفتِ ملوکیت سمجھانے کے لئے یہ عنوان بھی اختیار کیا ہے کہ وہ ”**مَلِكٌ جَلَّ جَلَالُهُ**“ ہے، سب چیزیں پیدا کرنے کے بعد ان کو آزاد نہیں چھوڑ دیتا، بل کہ وہ سب اس کی قدرت میں ہے، وہ ان کا جس طرح خالق ہے اسی طرح ان کا مالک بھی ہے۔ ایک بندوق بنانے والے انسان پر اسی بندوق کی گولی چلا دی جائے تو وہ گولی اُسے بھی زخمی یا موت کے گھاٹ اتار دے گی، وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری بندوق ہے، میں نے اس کو بنایا ہے، میرے نقصان کے لئے کیوں استعمال ہوئی..... نہیں وہ اس بندوق کا صانع تو ہے لیکن اس پر اس کا مکمل قبضہ نہیں، اللہ تعالیٰ جس طرح ہر مخلوق کا خالق ہے اسی طرح اس کا مالک بھی ہے، اس پر اس کو مکمل قدرت ہے، وہ مخلوق پیدا ہونے میں عدم سے وجود میں آنے کے لئے جس طرح محتاج ہے، اسی طرح پیدا ہونے کے بعد استعمال ہونے میں بھی وہ حکمِ ربی کی محتاج ہے، اس مخلوق سے وہ نہیں ہوگا جو وہ خود چاہے گی، بل کہ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے، یہ مخلوق اپنے پیدا ہونے میں..... اپنے استعمال میں..... نفع نقصان کے اثر کو ظاہر کرنے میں..... ہر مرحلہ میں ”**مَلِكٌ جَلَّ جَلَالُهُ**“ کی محتاج ہے اسی کو اس آیت میں سمجھایا گیا ہے:

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا

^{۱۵} تفسیر عثمانی: ۵۸۲، سورہ فاطر آیت نمبر ۱۵ کی تشریح

نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَوَةً وَلَا نُشُورًا ﴿۷۸﴾

ترجمہ: ”ان لوگوں نے اللہ کے سوا جنہیں اپنے معبود ٹھہرا رکھے ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے بل کہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، یہ تو اپنی جان کے نقصان نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ موت و حیات کے اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کے وہ مالک ہیں۔“

یعنی کس قدر ظلم اور تعجب و حیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادرِ مطلق، ”مَالِکُ الْکُلِّ حَکِیْمٌ عَلٰی الْاِطْلَاقِ“ کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے۔ جو گویا اللہ تعالیٰ کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالاں کہ اُن بے چاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں، نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا اُن کے قبضہ میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں، بل کہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز و مجبور ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔

سوچنے کی بات ہے جب ہم دنیا میں آئے تو بالکل خالی ہاتھ تھے، نہ ہمارے قبضہ میں کوئی زمین تھی..... نہ مکان..... نہ باغ..... نہ ہماری مٹھی میں کوئی دھڑی تھی..... ہم قبضہ کے اعتبار سے ایک پھوٹی کوڑی کے مالک بھی نہ تھے..... اور جب اس دنیا سے جائیں گے ہمارے ساتھ نہ ہماری دکان جائے گی، نہ مکان، نہ روپیہ، بل کہ بدن پر موجود کپڑے بھی اُتار لئے جائیں گے۔

پھر جب ہم بڑے ہو گئے تو مکان اور باغ کے مالک ہو گئے نہ صرف دکان، مکان اور باغ بل کہ سینکڑوں چیزوں کے عارضی مالک بن گئے، کیا یہ چیزیں ہم ساتھ لائے تھے؟ اور ساتھ لے جائیں گے؟ تو پھر ہم کیا مالک ہوئے، اگر ہم ان چیزوں کے مالک ہوتے تو انہیں اپنے ساتھ لے جاتے دوسروں کے لئے ہرگز نہ چھوڑ کر جاتے، اور اگر ہم مالک ہوتے تو ان چیزوں کو اپنے ساتھ لاتے۔ معلوم ہوا مالکِ حقیقی کوئی اور ہی ذات ہے، نہ ہمارے باپ دادا اصلی و حقیقی مالک تھے اور نہ ہمارے بیٹے پوتے اصلی و حقیقی مالک ہیں، اصلی اور حقیقی مالک وہی تھا وہی ہے اور وہی رہے گا۔

جس کا بھروسہ اللہ جل جلالہ پر ہو اس کو پریشانی کیسے چھوئے؟

واقعتاً میں نے ایک مرتبہ بلخ میں سخت قحط پڑا یہاں تک کہ انسانوں نے ہر گری پڑی چیز کو کھانا شروع کر دیا۔ سب لوگ سخت غم زدہ اور متوحش تھے لیکن ایک غلام بازار میں خوشی سے ہنستا پھر رہا تھا۔ لوگوں نے اسے ملامت کرتے ہوئے

کہا: کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ لوگ ہر طرف فاقوں سے مر رہے ہیں اور سخت رنجیدہ ہیں اور تو خوشی مناتا اور ہنستا پھر رہا ہے؟

غلام نے جواب دیا:

”مَالِي وَالْحُزْنَ وَلِسَيِّدِي قَرِيَّةٌ مَمْلُوكَةٌ“

ترجمہ: ”مجھے کوئی غم نہیں اس لئے کہ میرا مالک ایک پورے گاؤں کا (بلا شرکتِ غیرے) مالک ہے، (اس چیز نے میرے دل کو ہر قسم کی پریشانی سے آزاد کر دیا ہے اور میرے سب غم مٹا دیئے ہیں)۔“

غلام کی اس بات کو سن کر حضرت ابوعلی شفیق بن ابراہیم ازدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی گویا آنکھیں کھل گئیں، آپ سخت شرمندگی کے احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا:

”اے اللہ! یہ غلام اس شخص کا ہے جس کی ملک میں صرف ایک گاؤں ہے، اور یہ اتنی خوشی منا رہا ہے اور ہم بھی ”مَالِیُّ جَلَّ جَلَالُہٗ“ کو اپنا پروردگار کہتے ہیں اور اپنی روزی کے لئے اس درجہ فکرمند ہیں جس کا کوئی شمار نہیں۔ پس یہ خیال آتے ہی آپ نے دنیا کے مشاغل اور فضول فکروں سے منہ موڑ لیا، اور حدِ اعتدال کے ساتھ دنیوی اسباب اپناتے ہوئے دین کے کام میں لگ گئے۔ فرماتے ہیں: اس کے بعد سے میں پھر کبھی روزی کے لئے غم زدہ نہیں ہوا اور فرمایا کرتے تھے: ”میں تو اس غلام کا شاگرد ہوں، میں نے جو کچھ پایا ہے اسی سے پایا ہے۔“^۱

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ خود کو ادنیٰ غلام سمجھے۔ ہر شے کا مالک حقیقی، ہر شخص کا مالک حقیقی اسی کو سمجھے جس کی سلطنت ازل وابد پر غالب ہے۔ جو فقیر کو تاج پہناتا ہے اور تخت نشینوں کو دم بھر میں خاکِ مذلت پر بٹھا دیتا ہے۔^۲

۲ اس بات کو بار بار سوچے کہ اللہ تعالیٰ ”مَالِیُّ“ کے علاوہ کوئی نہ خالق ہے نہ روزی دینے والا، نہ دینے پر قدرت رکھتا ہے، نہ منع کرنے پر نہ، زندہ کر سکتا ہے نہ مار سکتا ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کی چاہت کے بغیر نہیں ہل سکتا، نہ ہی کوئی پتہ بغیر اجازت گر سکتا ہے۔ لہذا عبادت اور دعا صرف اسی ”مَالِیُّ“ سے کرنی ہے۔ اور کسی سے کچھ نہیں مانگنا ہے۔^۳

۳ اس اسم مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنے کی فضیلت کو مد نظر رکھتے ہوئے دعائیں مانگنے کا اہتمام کرے۔

۱ طبیبی شرح مشکوٰۃ، الدعوات، باب الاسماء الحسنی: ۱۵/۵

۲ شرح اسماء حُسْنٰی: ۱۸۶ (منصور پوری)

۳ منہج الامام الجوزی: ۳۷۹

۴۲ اکیلے میں بیٹھ کر سوچے اور مجلس میں لوگوں کو اس کی دعوت دے کہ ساری کائنات کا مالک ایک اکیلا اللہ ہے اور کائنات میں جو کچھ ہے اس کا بھی مالک اکیلا اللہ ہے۔ جس شخص کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی وہ لوگوں سے جھگڑا نہیں کرے گا کہ فلاں نے میری یہ چیز چھین لی، فلاں نے مجھ سے لے لیا، فلاں نے مجھے نہیں دیا، بل کہ یقین رکھے گا ”اللہ“ سے میں یہ مزید لے لوں گا، ”اللہ“ ارادہ فرما لے دینے کا، تو کوئی روک نہیں سکتا، ”اللہ“ دینا نہ چاہے، تو کوئی دے نہیں سکتا، پھر مخلوق سے کیا گلہ و شکوہ۔

اور اپنے آپ کو اور جو کچھ اپنی ملکیت میں ہے اسے مملوک سمجھے کہ یہ میرے پاس عارضی ملکیت ہے، اس لئے اس عارضی ملکیت کا فائدہ اٹھا کر میں ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کروں۔
جان، وقت، مال یہ انسان ان دنیوی نعمتوں کے بارے میں دھوکہ کھاتا ہے کہ میری ملکیت ہیں! حالاں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے۔



فَلَاحُ الْإِسْلَامِ جَلَّ جَلَالُهُ

(بزرگی والا، تعظیم والا)

اس اسم کے تحت پانچ تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① ”ذُو الْجَلَالِ: أَنَّهُ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُجَلَّ وَيُكْرَمَ“^۱

ترجمہ: ”امام زجاج رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ”فَلَاحُ الْإِسْلَامِ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو اس بات کے لائق ہے کہ اسی کی تعظیم کی جائے اور ہر عیب سے پاک سمجھا جائے۔“

② امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ”ذُو الْجَلَالِ میں لفظ ”جلال“ جلیل کا مصدر ہے۔ اور ”اکرام“ یہ مصدر ہے باب افعال کا۔ اب ”ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ ربُّ العزت کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی پوری پوری تعظیم کی جائے اور ہر عیب سے پاک سمجھا جائے اس طور پر کہ اس کو نہ جھٹلایا جائے اور نہ اس کا انکار کیا جائے۔“

امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ”اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ ”الاکرام جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے، اس وجہ سے کہ وہ فرماں برداروں کا اکرام کرتا ہے اور دنیا میں ان کی فرماں برداری کی وجہ سے ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔ ”الْجَلَالُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے اس وجہ سے کہ ان کے اعمال کو قبول کرتا ہے اور جنت میں ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔“^۲

③ ”ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ: وَمَعْنَاهُ الْمُسْتَحِقُّ لِأَنْ يُهَابَ لِسُلْطَانِهِ، وَيُثْنَى عَلَيْهِ بِمَا يَلِيْقُ بِعُلُوِّ

^۱ تفسیر الاسماء: ۶۲، بحوالہ النهج الاسمی: ۲۲۲/۲^۲ ”قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی: ”ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ الْجَلَالُ مَصْدَرُ الْجَلِيلِ، يُقَالُ: جَلِيلٌ بَيْنَ الْجَلَالَةِ وَالْجَلَالِ، وَالْإِكْرَامُ: مَصْدَرُ أَكْرَمَ يُكْرِمُ إِكْرَامًا وَالْمَعْنَى: أَنَّ اللہَ جَلَّ وَعَزَّ مُسْتَحِقُّ أَنْ يُجَلَّ وَيُكْرَمَ فَلَا يُجْحَدُ، وَلَا يُكْفَرُ بِهِ، وَقَدْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْمَعْنَى أَنَّهُ يُكْرَمُ أَهْلَ وَلَايَتِهِ، وَيَرْفَعُ دَرَجَاتِهِمْ بِالتَّوْفِيقِ لِبَطَاعَتِهِ فِي الدُّنْيَا، وَيُجَلِّهِمْ بِأَنْ يَتَقَبَّلَ أَعْمَالَهُمْ وَيَرْفَعُ فِي الْجَنَّةِ دَرَجَاتِهِمْ“ (شان الدعاء: ۹۱، ۹۲، بحوالہ النهج الاسمی: ۲۲۲/۲)

شانہ، ۱۰

ترجمہ: ”امام حلیمی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”فَلْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے کہ جس سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے ڈرا جائے اور ان چیزوں (الفاظ) سے اس کی تعریف کی جائے جو اس کے شان کے مناسب ہو۔“

۴ ”ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ : هُوَ الَّذِي لَا جَلَالَ وَلَا كَمَالَ إِلَّا وَهُوَ لَهُ وَلَا كَرَامَةً وَلَا مَكْرَمَةً

إِلَّا وَهِيَ صَادِرَةٌ مِنْهُ ۵

ترجمہ: امام قرطبی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”فَلْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے کہ جس کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ بڑائی ہے اور نہ سخاوت، یہ افعال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مناسب ہیں اور نہ شرافت اور عزت والی کوئی ذات ہے سوائے اس عظیم ذات کہ جس سے یہ افعال صادر ہوئے ہیں۔

۵ ”شیخ سعدی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”فَلْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جو عظمت والی اور کبریائی والی، رحمت والی، سخاوت والی اور ہر عام اور خاص پر احسان کرنے والی ہے اور ان محبوبوں اور منتخب حضرات کے ساتھ مہربانی کرنے والی ذات ہے جنہوں نے اس کی پوری پوری تعظیم کی اور اس کو اپنا محبوب بنایا۔“ ۶

اس اسم مبارک کے وسیلے سے دعا مانگنا

”آپ عَلَی الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ نے بھی اپنی امت کو ان دو عظیم ناموں کے ذریعے سے دعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”الْطُّوَا بِبِأَذِ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ ۷ ”الطُّوَا“ کے معنی یہ ہیں کہ اس دعا کو لازم پکڑ لو اور اکثر یہ دعا مانگو۔ اور اپنی دعاؤں میں اور اپنی حاجتوں میں اس دعا کی مداومت کرو۔ یعنی دعا کرتے ہوئے:

”يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ بار بار کہنا چاہئے، کیوں کہ أَقْرَبُ إِلَى الْقَبُولِ ہے ۸

”سورة الرحمن“ کے پہلے رکوع اور تیسرے رکوع کے ختم پر اللہ تعالیٰ کی صفت ”فَلْجَلَالِ“ بیان ہوئی ہے، اللہ جل شانہ، عظمت والا ہے اور اکرام والا ہے یعنی اپنے بندوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتا ہے اور انعام سے نوازتا ہے۔

۱ المنہاج: ۲۱۰/۱

۲ المقصد: ۹۰، بحوالہ النهج الاسمی: ۲۲۳/۲

۳ ”ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“: أَيُّ ذُو الْعَظَمَةِ وَالْكِبَرِيَاءِ، وَذُو الرَّحْمَةِ وَالْجُودِ وَالْإِحْسَانِ الْعَامِّ وَالْخَاصِّ، الْمُكْرَمَةُ لِأَوْلِيَائِهِ وَأَصْفِيَائِهِ الَّذِينَ يُجَلُّونَهُ وَيُعْظَمُونَهُ وَيُجَبُّونَهُ“ (تیسیر الکریم: ۳۰۲/۵)

۴ جامع الترمذی، الدعوات، باب [قول: ”یا حی یا قیوم“]، رقم: ۳۵۲۴

۵ وَمَعْنَى الطُّوَا: أَيُّ الزُّمُومَا هَذِهِ الدَّعْوَةُ وَأَكْثَرُوْا مِنْهَا، وَدُومُوا عَلَى قَوْلِكُمْ ذَلِكَ فِي دُعَائِكُمْ وَسُؤَالِكُمْ لِرَبِّكُمْ جَلَّ شَانُهُ.

(النہج الاسمی: ۲۲۶/۲)

نماز کے بعد کی دعا

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو تین بار استغفار کرتے تھے اور یہ دعا فرماتے تھے:

”اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“^۱

اے اللہ! تو باسلامت ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ملتی ہے تو بابرکت ہے، اے جلال اور اکرام والے۔“

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اسمِ اعظم

۱ ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا ”يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ (اے بزرگی اور عظمت والے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: تیری دعا قبول کر لی گئی لہذا تو سوال کر لے۔“^۲

۲ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا: میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اس شخص نے نماز کے بعد یہ الفاظ ادا کئے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْمَنَّانُ يَا بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا قَيُّوْمُ.“^۳

ترجمہ: ”اے اللہ! بے شک میں آپ کو اس بات کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ بلاشبہ آپ کے لئے سب تعریف ہے، کوئی معبود آپ کے سوا نہیں ہے، آپ بہت زیادہ دینے والے ہیں، اے آسمانوں اور زمین کو بلا مثال پیدا فرمانے والے، اے عظمت والے، اے عطا فرمانے والے، اے زندہ اے قائم رکھنے والے۔“

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دَعَا اللَّهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ.“ ”اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اس بڑے نام کے ذریعہ دعا کی ہے کہ جب اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا فرما دیتا ہے۔“

”ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ“ یعنی وہ رب صاحبِ عظمت و جلال بھی ہے اور صاحبِ اکرام بھی، صاحبِ اکرام ہونے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ درحقیقت ہر اکرام و اعزاز کا مستحق تنہا وہی ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ خود صاحب

۱ مسلم: الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلوة..... ۲۱۸/۱

۲ مسند احمد: ۳/۲۴۵، رقم: ۱۳۱۵۸

۳ الترمذی: ابواب الدعوات: ۱۹۲/۲

عظمت و جلال ہونے کے باوجود عام دنیا کے بادشاہوں اور عظمت والوں کی طرح نہیں کہ ان کو دوسروں کی اور غریبوں کی طرف التفات و توجہ نہ ہو، بل کہ وہ عظمت و جلال کے ساتھ اپنی مخلوقات کا بھی اکرام کرتا ہے کہ ان کو عطاء و جود کے بعد طرح طرح کی بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے اور ان کی درخواستیں اور دعائیں سنتا ہے، اگلی آیت اسی دوسرے معنی کی شہادت دیتی ہے اور یہ لفظ: ”ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ“ حق تعالیٰ کی ان خاص صفات میں سے ہے کہ ان کو ذکر کر کے انسان جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے۔^۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تَبَرَّكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ﴾^۲

”اَيُّهُوَ اَهْلٌ اَنْ يُحَلَّ فَلَا يُعْصَى وَاَنْ يُكْرَمَ فَيُعْبَدُ وَيُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ وَاَنْ يُذَكَّرَ فَلَا يُنْسَى“^۳

ترجمہ: علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ”فَلَاحُ الْجَلَالِ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ ربُّ العزت اس بات کے اہل ہیں کہ ان کی بڑائی بیان کی جائے، ان کی نافرمانی نہ کی جائے، اس کی تعظیم و تکریم اس طرح کی جائے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے اور اسے یاد کیا جائے، بھلایا نہ جائے۔
”فَلَاحُ الْجَلَالِ“ محققین عارفین نے کہا: صفتِ جلال میں اشارہ ہے اِفْنَاءِ عَالَمِ کی طرف، اور صفتِ اکرام اِبْقَاءِ کی طرف مشیر ہے جس کا تعلق نشاۃ ثانیہ سے ہے۔^۴

فَوَائِدُ وَنَصَاحُ

- ۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ اس عظمت و جلال والے رب کی ہر وقت بڑائی بیان کرے تاکہ فَلَاحُ الْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُهُ کے اکرام کا مستحق ٹھہرے۔
- ۲ فَلَاحُ الْجَلَالِ جَلَّ جَلَالُهُ کے نیک بندوں اور اہل علم کا اکرام کرے، کبھی کسی کی حقارت دل میں نہ لائے۔
- ۳ اسم مبارک فَلَاحُ الْجَلَالِ اسمِ اعظم ہے اس کے وسیلے سے دُعا مانگے۔

الملقسط جل جلالہ

(انصاف کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ فِي أَسْمَاءِ اللَّهِ الْحُسْنَى الْمَقْسُطُ بِمَعْنَى الْعَادِلِ ۱۰

”المقسط“ عادل کے معنی میں ہے۔

۲۔ هُوَ الْمُعْطَى عِبَادَهُ الْقِسْطَ وَهُوَ الْعَدْلُ مِنْ نَفْسِهِ ۱۱

”امام حلیمی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: وہ ذات ”الملقسط جل جلالہ“ ہے جو اپنے بندوں کو انصاف دینے والی ہے اور بذاتِ خود بھی بہت زیادہ انصاف والی ہے۔“

اس طرح اگر نظامِ کائنات پر غور کیا جائے تو اس کا نظامِ عدل تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔

﴿مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفَوُّتٍ﴾ ۱۲

ترجمہ: ”تم رحمن کے تخلیقی نظام میں کسی طرح کا تفاوت نہ دیکھو گے۔“

عادل و منصف صرف اور صرف الملقسط جل جلالہ ہی ہیں

وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبَدِّلُ فِطْرَةَ اللَّهِ ۚ إِنَّهُ يَفْضَحُ السَّيْرَ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۚ (۷۹) : مقسط وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے نجات دلاتا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوش نودی کے ساتھ ظالم کی خوش نودی کو شامل کر دے اور یہ اعلیٰ درجہ کا عدل و انصاف ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قادر نہیں۔

مثال اس کی یہ روایت ہے:

ایک بار رسول اللہ ﷺ بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو

گئے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کس بات سے بنے؟ فرمایا: میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے دوزانوں بیٹھے ہوں گے، ایک کہے گا: یا رب! اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے۔ اللہ تعالیٰ دوسرے کو فرمائے گا: اپنے بھائی کو بدلہ دے۔ وہ عرض کرے گا: اے رب العزت! میری کوئی بھی نیکی نہ رہی، اللہ تعالیٰ دعوے دار، حریف کو فرمائے گا، اب تو اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے، اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی، وہ عرض کرے گا، یا رب! میرے گناہ اس پر لا دے۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہوگا جب کہ لوگ یہ بھی چاہنے لگیں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھالے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ مدعی سے کہے گا: آنکھ اٹھا کر دیکھ، وہ کہے گا: اے پروردگار! میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں، جن پر موتیوں کے ہار پڑے ہیں۔ یہ کس نبی یا کس ولی یا کس شہید کے لئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں کس چیز کے عوض میں اس کو خرید سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنے بھائی کو معاف کرنے کے عوض میں۔ وہ عرض کرے گا: اے پروردگار! میں نے معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لے جا۔

پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کے درمیان صلح کرادے گا۔ انصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر رب الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أُولَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلَوْا أَوْ نَعَرُضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور مولیٰ کی خوش نودی کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو یا فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے اس لئے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم زبان ملو گے یا بچا جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔“

اللہ رب العزت نے ان آیات مبارکہ میں اپنے بندوں کو عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے کہ بندے عدل

قائم کرنے میں ذرہ برابر بھی روگردانی نہ کریں، کسی کی ملامت اور روک ٹوک قیامِ عدل میں ہرگز مانع نہ بنے اور اس کام میں وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ثابت ہوں۔

﴿شُهِدَآءُ لِلّٰہِ﴾ یعنی ان کی شہادت خالص اللہ رب العزت کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہونی چاہئے تاکہ اس کی شہادت حق کے مطابق ہو اور تبدیلی اور تحریف سے پاک ہو۔

﴿وَلَوْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ﴾ یعنی حق گواہی دو خواہ ظاہراً اس سے تمہیں نقصان ہی کیوں نہ پہنچتا ہو، جب تم سے کسی معاملہ کے بارے میں پوچھا جائے تو اس میں حق بات کہو اگرچہ تمہیں اس سے نقصان کا اندیشہ ہو، لیکن اللہ رب العزت اطاعت گزاروں کے لئے ہر تنگی سے خلاصی کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں۔

﴿اَوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبَیْنِ﴾ یعنی اگر گواہی والدین یا قرابت داروں کے خلاف دینی پڑے، تب بھی حق کا ساتھ دو اور حق کے مقابلہ میں قرابت کا لحاظ نہ رکھو، اس لئے کہ حق ہی سب پر حاکم ہے اور وہ ہر چیز پر مقدم ہے۔

﴿اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوَّلٰی بِہِمَا﴾ یعنی شہادت کے معاملہ میں کسی کی مال داری سے مرعوب نہ ہو اور کسی کے فقر کی وجہ سے اس کے لئے نرم گوشہ پیدا نہ کرو کیوں کہ ان دونوں کا والی و نگران اللہ تعالیٰ ہے اور وہی ان دونوں سے تمہارے مقابلے میں زیادہ قریب ہے اور وہی ان کی بہتری کو زیادہ جاننے والا ہے۔

”فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰی اَنْ تَعْدِلُوْا“ یعنی تمہیں نفسانی خواہشِ عصبیت اور کسی سے بغض اپنے معاملات میں عدل و انصاف کی باگ چھوڑ دینے پر برا بیچتہ نہ کرے۔ عدل کو ہر حال میں لازم پکڑو جیسا کہ اللہ رب العزت کا دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَلَّا تَعْدِلُوْا اَعْدِلُوْا ۚ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾^۱
ترجمہ: ”کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس کے ساتھ انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے۔“

تمام مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کی ہدایت کی گئی ہے

سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ کے مضمون سے متعلق حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہل خیبر کی جانب ان کے پھلوں اور اناج کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا تو انہوں نے چاہا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو رشوت دے دیں تاکہ وہ ان کے سانحہ نرمی برتیں لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس ایسی ہستی کی جانب سے بھیجا گیا ہوں جو مجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے

اور بے شک تمہارے مال و اسباب میرے نزدیک بندروں اور خنزیریوں سے بھی زیادہ مبعوض ہیں لیکن میرے محبوب کی محبت اور تم سے بغض مجھے عدل و انصاف کرنے سے روک نہیں سکتا۔“

یہ سن کر اہل خیر کہنے لگے: ”یہی وہ بات ہے جس کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں۔“^۱

دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں بھیجنے کا اصل مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے اسی سے دنیا کا امن قائم رہ سکتا ہے اس آیت میں تمام مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی ہدایت کی گئی ہے، اور جو چیزیں قیامِ عدل یا سچی گواہی میں رکاوٹ ہو سکتی ہیں ان کو نہایت بلیغ انداز میں دور کیا گیا ہے، اور سورہ حدید کی آیت سے جو نیچے ذکر کی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنا کر بھیجنے کا اور پھر ان کے بعد دوسرے انبیاء علیہم السلام کو یکے بعد دیگرے بحیثیت خلیفۃ اللہ بھیجتے رہنے کا اور ان کے ساتھ بہت سی کتابیں اور صحیفے نازل فرمانے کا اہم مقصد یہی تھا، کہ دنیا میں انصاف اور اس کے ذریعہ امن و امان قائم ہو، ہر فرد انسانی اپنے اپنے دائرہ اختیار میں انصاف کو اپنا شعار بنالے، اور جو سرکش لوگ وعظ و پند اور تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ عدل و انصاف پر نہ آئیں، اپنی سرکشی پر اڑے رہیں، ان کو قانونی سیاست اور تعزیر و سزا کے ذریعہ انصاف پر قائم رہنے کے لئے مجبور کیا جائے۔

سورہ حدید کی آیت میں اس حقیقت کو اس طرح واضح فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

ترجمہ: ”یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو) نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت و قوت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی (بہت سے) فائدے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو بھیجنا اور آسمان سے نازل کردہ کتابوں کا سارا نظام انصاف ہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے، رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا اسی مقصد کے لئے عمل میں آیا ہے اور آخر میں لوہا اتارنے کا ذکر کر کے اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ سب لوگوں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے صرف وعظ و نصیحت ہی کافی نہ ہوگی، بل کہ کچھ شریر لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو لوہے کی زنجیروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مرعوب کر کے انصاف پر قائم کیا جائے گا۔

^۱ تفسیر ابن کثیر: ۳۶۸، النساء: ۱۳۵

^۲ الحدید: ۲۵

عدل و انصاف پر قائم رہنا ہر خاص و عام کا فریضہ ہے

سورہ حدید کی آیات مذکورہ میں اور اسی طرح سورہ مائدہ کی آیت ذیل میں انصاف کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُونُوا قَوْمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا

اَعْدِلُوْا ۗ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

ترجمہ: ”تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلافِ عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔“

اس آیت سے واضح طور پر ہدایت دی گئی ہے کہ انصاف قائم کرنا اور اس پر قائم رہنا صرف حکومت اور عدالت کا فریضہ نہیں، بل کہ ہر انسان اس کا مکلف و مخاطب ہے کہ وہ خود انصاف پر قائم رہے اور دوسروں کو انصاف پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے، ہاں! انصاف کا صرف ایک درجہ حکومت اور حکام کے ساتھ مخصوص ہے، وہ یہ کہ شریر اور سرکش انسان جب انصاف کے خلاف اڑ جائیں، نہ خود انصاف پر قائم رہیں نہ دوسروں کو عدل و انصاف کرنے دیں تو حاکمانہ تعزیر اور سزا کی ضرورت ہے، یہ اقامتِ عدل و انصاف ظاہر ہے کہ حکومت ہی کر سکتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے۔ آج کی دنیا میں جاہل عوام چھوڑیے، لکھے پڑھے تعلیم یافتہ حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ انصاف کرنا صرف حکومت و عدالت کا فریضہ ہے، عوام اس کے ذمہ دار نہیں ہیں اور یہی وہ سب سے بڑی وجہ ہے جس نے ہر ملک ہر سلطنت میں حکومت اور عوام کو دو متضاد فریق بنا دیا ہے، راہی اور رعیت کے درمیان خلاف و اختلاف کی وسیع خلیج حائل کر دی ہے۔

ہر ملک کے عوام اپنی حکومت سے عدل و انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن خود کسی انصاف پر قائم رہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اسی کا نتیجہ ہے جو دنیا آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ قانون معطل ہے، جرائم کی روز افزوں ترقی ہے، آج ہر ملک میں قانون سازی کے لئے اسمبلیاں قائم ہیں، ان پر کروڑوں روپیہ خرچ ہوتا ہے، ان کے نمائندے منتخب کرنے کے لئے الیکشن میں اللہ تعالیٰ کی پوری زمین ہل جاتی ہے اور پھر یہ پورے ملک کے دل و دماغ کی ضروریات اور لوگوں کے جذبات و احساسات کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی احتیاط کے ساتھ قانون بناتے ہیں اور پھر رائے عامہ کے لئے شائع کرتے ہیں، رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد یہ قانون قابلِ تنفیذ سمجھا جاتا ہے پھر اس کے نفاذ کے لئے حکومت کی لاتعداد مشینری حرکت میں آتی ہے جس کے ہزاروں، بل کہ لاکھوں شعبے ہوتے ہیں اور ہر شعبہ میں ملک کے بڑے

بڑے آزمودہ کار لوگوں کی محنتیں بروئے کار آتی ہیں، لیکن چلی ہوئی رسوم کی دنیا سے نظر کو ذرا اونچا کر کے دیکھا جائے اور جن لوگوں کو خواہ مخواہ تہذیب اور شائستگی کا ٹھیکہ دار مان لیا گیا ہے تھوڑی دیر کے لئے ان کو دانہ تقلید سے نکل کر حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو ہر شخص بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہوگا:

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

اب سے سو سال پہلے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۵۷ء تک کا ہی موازنہ کریں، اعداد و شمار محفوظ ہیں وہ گواہی دیں گے کہ جوں جوں قانون سازی بڑھی، قانون میں عوام کی مرضی کی نمائش بڑھی اور تنفیذِ قانون کے لئے مشینری بڑھی، ایک پولیس کے بجائے مختلف اقسام کی پولیس بروئے کار آئی، اتنے ہی روز بروز جرائم بڑھے، اور لوگ انصاف سے دور ہوتے چلے گئے، اور اسی رفتار سے دنیا کی بدامنی بڑھتی چلی گئی۔^۱

مذکورہ آیت میں: ﴿كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ﴾^۲ فرمایا گیا: **قسط** کے معنی ہیں عدل و انصاف اور عدل و انصاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب کا حق پورا ادا کیا جائے، اس کے عموم میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی داخل ہیں اور سب قسم کے انسانی حقوق بھی، اس لئے ”قیام بالْقِسْطِ“ کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے، مظلوم کی حمایت کی جائے اور یہ بھی داخل ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوم کا حق دلوانے کے لئے شہادت کی ضرورت پیش آئے تو شہادت سے گریز نہ کیا جائے اور یہ بھی داخل ہے کہ شہادت میں حق اور حقیقت کا اظہار کیا جائے، خواہ وہ کسی کے موافق پڑے یا مخالف، یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت اور انتظام ہے، جب دو فریق کا کوئی مقدمہ ان کے سامنے پیش ہو تو فریقین کے ساتھ برابری کا معاملہ کریں، کسی ایک طرف کسی طرح کا میلان نہ ہونے دیں، گواہوں کے بیانات غور سے سنیں، معاملہ کی تحقیق میں اپنی پوری کوشش خرچ کریں پھر فیصلہ میں پورے پورے عدل و انصاف کا معاملہ رکھیں۔

عدل و انصاف کے قیام میں رکاوٹ بننے والے اسباب

سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۳۵ اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۸ دونوں آیتیں اگرچہ مختلف سورتوں کی ہیں، لیکن مضمون دونوں کا تقریباً مشترک ہے، دونوں آیتوں کے مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی عادت دو چیزیں ہوا کرتی ہیں:

① کسی کی محبت و قربت یا دوستی و تعلق جس کا تقاضا شاہد (گواہی دینے والے) کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ شہادت ان کے موافق دی جائے تاکہ یہ نقصان سے محفوظ رہیں یا ان کو نفع پہنچے اور فیصلہ کرنے والے قاضی یا جج کے دل میں اس تعلق

کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ ان کے حق میں دے۔

۲ دوسری چیز کسی کی عداوت و دشمنی ہے، جو شاہد کو اس کے خلاف شہادت پر آمادہ کر سکتی ہے اور قاضی اور جج کو اس کے خلاف فیصلہ دینے کا سبب ہو سکتی ہے، غرض محبت و عداوت دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل و انصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم و جور میں مبتلا کر سکتی ہیں، سورہ نساء اور سورہ مائدہ کی دونوں آیتوں میں انہی دونوں رکاوٹوں کو دور کیا گیا ہے، سورہ نساء کی آیت میں قرابت و تعلق کی رکاوٹ دور کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے: ﴿أَوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ یعنی اگرچہ تمہاری شہادت اپنے ماں باپ یا قریبی رشتہ داروں ہی کے خلاف پڑے تو بھی حق بات کہنے اور سچی شہادت دینے میں اس تعلق کا لحاظ نہ کرو۔

پھر ان دونوں آیتوں میں پوری دنیا کو عدل و انصاف پر قائم کرنے اور قائم کرانے کے لئے جو زیریں اصول اختیار کئے گئے ہیں وہ بھی قرآن عظیم ہی کی خصوصیات میں سے ہیں۔

۱ ان میں سے ایک اہم چیز تو یہ ہے کہ حکام اور عوام سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ اور روز جزا کے حساب سے ڈرا کر اس کے لئے تیار کیا گیا ہے کہ عوام خود بھی قانون کا احترام کریں، اور حکام جو تنفیذِ قانون کے ذمہ دار ہیں وہ بھی تنفیذِ قانون میں اللہ تعالیٰ و آخرت کو سامنے رکھ کر خلقِ خدا کے خادم بنیں..... قانون کو خدمتِ خلق اور اصلاحِ عالم کا ذریعہ بنائیں..... لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ اور مظلوم کو دفتروں کے چکر میں پھنسا کر مزید ظلم پر ظلم کا سبب نہ بنائیں..... قانون کو اپنی ذلیل خواہشات یا چند لگوں میں فروخت نہ کریں..... ﴿قَوْمِیْنَ لِلّٰہِ﴾ یا ﴿شٰہِدَآءَ لِلّٰہِ﴾ فرما کر حکام و عوام دونوں کو للہیت اور اخلاصِ عمل کی دعوت دی گئی ہے۔

۲ دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ عدل و انصاف کے قیام کی ذمہ داری پورے افرادِ انسانی پر ڈال دی گئی ہے، سورہ نساء اور سورہ مائدہ میں تو اس کا مخاطب ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ فرما کر پوری امتِ مسلمہ کو بنا دیا گیا ہے، اور سورہ حدید میں ﴿لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ فرما کر اس فریضہ کو تمام افرادِ انسانی پر عائد کر دیا گیا ہے۔

سورہ نساء کی آیت میں: ﴿وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ﴾ فرما کر اس طرف ہدایت فرمادی کہ انصاف کا مطالبہ صرف دوسروں سے ہی نہ ہو، بل کہ اپنے نفس سے بھی ہونا چاہئے، اپنے نفس کے خلاف کوئی بیان یا اظہار کرنا پڑے تو بھی حق و انصاف کے خلاف کچھ نہ بولے، اگرچہ اس کا نقصان اس کی ذات ہی پر پڑتا ہو، کیوں کہ یہ نقصان حقیر و قلیل اور عارضی ہے، اور جھوٹ بول کر اس کی جان بچالی گئی تو قیامت کا شدید عذاب اپنی جان کے لئے خرید لیا۔

ایک گھڑی کے عدل کا ثواب

وَاقِعَةُ مَبْنِیٰ ۸۰: ایک بادشاہ کا ارادہ ہوا کہ نفل حج ادا کرے، ارکانِ دولت سے مشورہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ مثل جان کے ہے اور سلطنت جسم کے ہے۔ جس وقت بادشاہ کا سایہ ملک سے اٹھ جائے گا۔ بہت سی خرابیاں واقع ہوں گی۔ بادشاہ نے کہا: ”پھر یہ ثواب حج کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟“

ارکانِ دولت نے عرض کیا:

”اس ولایت میں ایک درویش ہے، جو ساٹھ حج ادا کر چکا ہے اور گوشہ تنہائی میں بیٹھا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک حج کا ثواب آپ کے ہاتھ فروخت کر دے۔“ بادشاہ فقیر کی خدمت میں گیا اور کہا:

”میرا ارادہ حج کا ہے، مگر ارکانِ دولت خرابی مملکت کے خیال سے منع کرتے ہیں۔ کیا ایک حج کا ثواب میرے ہاتھ فروخت کر سکتے ہو؟“

فقیر نے کہا: ”میں سب حجوں کا ثواب فروخت کرتا ہوں۔“ بادشاہ نے کہا: ”ہر حج کی کیا قیمت لو گے؟“

کہا: ”ہر حج کے لئے جو قدم میں نے اٹھایا ہے، تمام دنیا کی قیمت کے برابر ہے۔“ بادشاہ نے کہا: ”میرے قبضے میں تو دنیا کا تھوڑا سا ملک ہے اور آپ ایک قدم کی اتنی قیمت مانگتے ہیں، تو پھر کیسے معاملہ ہو سکتا ہے؟“

درویش نے کہا: ”اے بادشاہ! میرے تمام حجوں کی قیمت آپ کے نزدیک بہت آسان ہے۔“

بادشاہ نے کہا: ”وہ کس طرح؟“

فقیر نے کہا: ”جس کسی مظلوم کی تم نے دادرسی کی ہے، اس گھڑی کے عدل کا ثواب تم مجھ کو دے دو میں تمہیں ساٹھ حجوں کا ثواب بخشے دیتا ہوں؟“ پس معلوم ہوا کہ بادشاہ (حاکم، نیچر، ڈائریکٹر، گورنر، پرنسپل، مہتمم، استاذ، والدین) کے لئے ماتحتوں کے ساتھ عدل و انصاف نفلِ عبادت سے بسا اوقات برتر ہے۔^۱

عدل و انصاف برکت کا ذریعہ ہے

وَاقِعَةُ مَبْنِیٰ ۸۱: جہانگیر بادشاہ اپنی ”توزک“^۲ میں لکھتا ہے:

”ایک سلطان گرمی کے موسم میں ایک باغ کے دروازہ پر پہنچا، وہاں ایک بوڑھا باغبان کھڑا تھا، اس کو دیکھ کر سلطان نے پوچھا: کیا اس باغ میں انار ہے؟ باغبان نے کہا: ”ہے“ سلطان نے کہا ”ایک پیالہ انار کا رس لاؤ“ باغبان کی ایک لڑکی صورت کے جمال اور سیرت کے حسن سے آراستہ تھی۔ باغبان نے اس سے انار کا رس لانے کو کہا، وہ گئی اور ایک پیالہ بھر

^۱ مخزنِ اخلاق: ۲۰۶

^۲ توزک، تزک، قاعدہ، قانون، شاہی روزنامہ: فیروز اللغات: ۳۵۹

کر انار کا رس لے آئی۔ پیالہ پر انار کی کچھ پیتاں رکھی ہوئی تھیں، سلطان نے اس کے ہاتھ سے پیالہ لیا اور پورا پی گیا، پھر لڑکی سے پوچھا، پیالہ کے رس کے اوپر تم نے پیتاں کس لئے رکھ دی تھیں؟

لڑکی نے عرض کیا: اس گرمی میں آپ پسینہ میں غرق تھے، رس کا ایک سانس میں پی جانا آپ کے لئے مناسب نہ تھا، میں نے احتیاطاً اس پر پیتاں ڈال دی تھیں کہ آپ آہستہ آہستہ اس کو نوش جان فرمائیں، سلطان کو یہ حسن ادا بہت پسند آئی، اس کے بعد اس باغبان سے پوچھا کہ تم کو ہر سال اس باغ سے کیا حاصل ہوتا ہے، اس نے جواب دیا ”تین سو دینار“ سلطان نے پوچھا: حکومت کو کیا دیتے ہو؟

باغبان نے کہا: میرا بادشاہ درخت سے کچھ نہیں وصول کرتا ہے، بل کہ کھیتی سے عشر لیتا ہے۔ سلطان کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میری مملکت میں بہت سے باغ اور درخت ہیں اگر باغ سے بھی عشر لیا جائے تو کافی رقم جمع ہو سکتی ہے اور رعیت کو بھی زیادہ نقصان نہیں پہنچے گا، اس لئے میں حکم دوں گا کہ باغات کے محصولات سے بھی خراج لیا جائے، یہ سوچ کر اس نے انار کا رس پھر پینے کو مانگا، لڑکی رس لانے گئی تو بہت دیر میں آئی۔

جب پیالہ لائی تو سلطان نے کہا: ”بہلی بار تم گئیں تو بہت جلد آئیں، اس بار دیر بھی کی اور رس بھی کم لائیں؟“ لڑکی نے کہا: ”پہلی بار ایک انار میں پیالہ بھر گیا تھا، اس مرتبہ میں نے پانچ چھ انار نچوڑے، پھر بھی رس پورا نہیں ہوا“ یہ سن کر سلطان کو حیرت ہوئی۔

باغبان نے عرض کیا..... ”محصول کی برکت بادشاہ کی نیک نیت پر منحصر ہے، میرا خیال ہے کہ آپ بادشاہ ہیں، آپ نے جس وقت باغ کی آمدنی مجھ سے پوچھی، اسی وقت آپ کی نیت میں تبدیلی پیدا ہوئی اور پھل سے برکت چلی گئی۔“ یہ سن کر سلطان متاثر ہوا اور دل سے باغ کی آمدنی کا خیال دور کر دیا، اس کے بعد پھر انار کا رس مانگا، لڑکی گئی اور جلد ہی پیالہ بھر کر انار کا رس لے آئی، تب سلطان نے باغبان کی فراست کی داد دی۔“

فوائد و نصائح

۱۔ ان دو واقعات سے انصاف کی اہمیت ہمیں سمجھنی چاہئے، والد کو چاہئے کہ اپنی اولاد کے درمیان انصاف والا معاملہ رکھے، ہرگز کسی ایک فریق کی بات سن کر دوسرے کے خلاف فیصلہ نہ کیجئے، اولاد کے درمیان عدل و انصاف کے لئے ہر والد کو چاہئے کہ ”مثالی باپ“ کتاب کا مطالعہ کرے اور والدہ ”مثالی ماں“ کا مطالعہ کرے، اور شاگردوں میں انصاف قائم رکھنے کے لئے ”مثالی استاذ“ کا مطالعہ کرے۔

۲ اس اسم میں سے بندہ کا اعلیٰ حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے دوسروں کو انصاف دلائے پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلائے۔ اور یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ انصاف کرنے والا کوئی نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے انصاف کی امید نہ لگائے)۔

۳ اللہ تعالیٰ سے ہر معاملہ میں انصاف کی دعا بھی مانگتا رہے، حدیث شریف میں یہ دعا آئی ہے:

”اللَّهُمَّ أَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى“ ۱

ترجمہ: ”اے اللہ میں مالدار اور غریبی ہر حال میں آپ سے میانہ روی اور عدل کا سوال کرتا ہوں۔“



۱۔ المقصد الأستنى فى شرح أسماء الله الحسنى للغزالي: ۱۳۳

۲۔ النسائی، السہو، نوع اخر ۶۲، الرقم: ۱۳۰۶

الجمع جلالہ

(ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "الْجَامِعُ: هُوَ الَّذِي يَجْمَعُ الْخَلَائِقَ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ بَعْدَ مُفَارَقَةِ الْأَرْوَاحِ الْأَبْدَانِ." ۱

"الجمع جلالہ" وہ ذات ہے جو جسموں کے روح سے جدا ہونے کے بعد تمام مخلوقات کو ایسے دن جمع کرے گا جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۲ "الْجَامِعُ هُوَ الَّذِي جَمَعَ الْفَضَائِلَ وَحَوَى الْمَآثِرَ وَالْمَكَارِمَ" ۲

"الجمع جلالہ" وہ ذات ہے جو تمام فضائل کو جمع کرتا ہے اور اچھے اعمال و اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں یہ اسم مبارک مذکور ہے:

۱ ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ﴾ ۳

ترجمہ: "اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔"

۲ ﴿إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾ ۴

ترجمہ: "یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔"

"مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے"، اور "آخرت کی زندگی" پر سب سے بڑا اعتراض منکرین کو یہی ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے، پھر یہ مٹی ہوا کے ساتھ اڑ جاتی ہے کہیں پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے، کہیں درختوں اور کھیتوں کی شکل میں برآمد ہوتی ہے، پھر اس کا ذرہ ذرہ دنیا کے اطرافِ بعیدہ میں پھیل جاتا ہے، ان منتشر ذروں اور اجزاء انسانی کو جمع کر دینا اور پھر ان میں روح ڈال دینا سطحی نظر والے انسان کی سمجھ میں اس لئے نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی

۱ شان الدعاء: ۹۲

۲ شان الدعاء: ۹۲

۳ النساء: ۱۴۰

۴ آل عمران: ۹

قدرت اپنی حشیت پر قیاس کرتا ہے، وہ اپنے سے مافوق اور ناقابل قیاس قدرت میں غور نہیں کرتا۔^{۱۷}

حالاں کہ اگر وہ ذرا سا اپنے ہی وجود میں غور کر لے تو اسے نظر آئے کہ آج بھی اس کا وجود ساری دنیا میں بکھرے ہوئے اجزاء و ذرات کا مجموعہ ہی ہے۔ انسان کی پیدائش جن ماں اور باپ کے ذریعے ہوتی ہے اور جن غذاؤں سے اُن کا خون اور جسم بنتا ہے، وہ خود جہاں کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرات ہوتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشوونما پاتا ہے، جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے، اس میں غور کرے تو اس کی غذا میں ایک چیز ایسی ہے جو تمام دنیا کے مختلف ذرات سے بنی ہوئی ہے۔

دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے، بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں، اور ان جانوروں میں یہ اجزاء اُس گھاس دانے سے پیدا ہوئے جو انہوں نے کھائے ہیں، یہ گھاس دانے معلوم نہیں کس کس خطہ زمین سے آئے ہیں اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہاں کہاں کے ذرات کو ان میں شامل کر دیا ہے، اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذائیں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جزو بنتی ہیں، وہ کس کس گوشہ عالم سے کس کس طرح ”الْجَمْعُ الْجَلِيلُ“ کی قدرتِ کاملہ اور مضبوط نظام نے ایک انسان کے بدن میں جمع فرما دیئے، اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنے ہی تن بدن کی تحقیق (ریسرچ) کرنے بیٹھ جائے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ اس کا وجود خود ایسے بے شمار اجزاء سے مرکب ہے جس میں سے کوئی جزو مشرق کا ہے کوئی مغرب کا، کوئی جنوبی دنیا کا کوئی شمالی حصہ کا، آج دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اجزاء، قدرت کے نظامِ محکم نے اس کے بدن میں جمع فرما دیئے ہیں اور مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر اسی طرح منتشر ہو جائیں گے، تو اب دوسری مرتبہ پھر ان کا جمع فرما دینا اس کی قدرتِ کاملہ کے لئے کیا دشوار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾^{۱۸}

ترجمہ: ”آپ کا رب سب لوگوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ بڑی حکمتوں والا بڑے علم والا ہے۔“

یعنی ایک ایک ذرہ اُس کے علم میں ہے، جب وہ ”الْجَمْعُ الْجَلِيلُ“ سب کو بیک وقت اکٹھا کرنے کا ارادہ فرمائے گا، تو اس کو کچھ دشواری نہ ہوگی..... قبر کی مٹی..... جانوروں کے پیٹ..... سمندر کی تہہ..... ہوائی فضا میں..... یا جہاں

۱۷ قَالَ الطَّبِيبُ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى:

الْجَامِعُ جَلَّ جَلَالُهُ هُوَ الْمُؤَلَّفُ بَيْنَ أَشْثَاتِ الْحَقَائِقِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْمُتَضَادَّةِ، مُتَحَاوِرَةً وَمُمْتَرِجَةً فِي الْأَنْفُسِ وَالْأَفَاقِ. وَيَسْتَجْمَعُ لِحَشْرِ الْأَجْزَاءِ الْمُتَفَرِّقَةِ الْمُتَبَدِّلَةِ، وَيُعِيدُ مِنْ تَأْلِيفِهَا الْأَبْدَانَ كَمَا كَانَ. ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ أَرْوَاحِهَا الْمُفَارِقَةِ، فَيُحْيِيهَا، ثُمَّ يَجْمَعُهُمْ لِلْجَزَاءِ فِي مَوْقِفِ الْحِسَابِ.

فَمَنْ جَمَعَ الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ، وَوَافَقَ الْكَمَالَاتِ النَّفْسَانِيَّةِ بِالْآدَابِ الْجِسْمَانِيَّةِ فَلَهُ حَظٌّ مِنْ ذَلِكَ. (مرقاۃ المفاتیح: ۹۸/۵)

۱۸ الحج: ۲۵

کہیں کسی چیز کا جزو ہوگا وہ اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے جمع کر دے گا۔

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سے گمان اچھا رکھیے

واقِعْدُ مَلَبَر (۸۲): انسان کو چاہئے کہ اپنی تمنائیں، خواہشات نیک رکھے اور اللہ تعالیٰ سے اچھی اچھی امیدیں باندھے۔ اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے، اپنے رشتہ داروں کے لئے۔ دین کے عالی درجات اور دنیاوی ضروریات و حاجات سہولت کے ساتھ پوری ہو سکیں۔ یہ مانگتا بھی رہے اور امیدیں بھی رکھے۔ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ آپ کی امیدوں اور نیک خواہشات کو ایک دن جمع فرمادیں گے۔ کیوں کہ وہ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ ہے۔ آپ نے امید رکھی کہ میرا بیٹا، میری بیٹی حافظ عالم بنے اور اللہ تعالیٰ اُن سے دین کا کام لے، دور اور دیر کے لئے، عالم بھر میں دین کو پھیلانے کے لئے پھرنے والا اور پھرانے والا بنائے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن آئے گا کہ آپ اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں عبدالملک بن مروان، حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے دونوں بھائی مصعب بن زبیر اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک مرتبہ مسجدِ حرام میں مل بیٹھے تو ان میں سے کسی نے کہا:

”آج آپس میں اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کرنا چاہئے۔“

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتدا کرتے ہوئے کہا:

”میری خواہش ہے کہ میں حرمین پر قبضہ کر کے خلافت حاصل کر لوں۔“

مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

”میری آرزو ہے کہ دونوں عراقوں کا امیر بنا دیا جاؤں اور قریش کی دو عورتوں سیکینہ بنت حسیلین اور عائشہ بنت طلحہ

کو اپنے عقد نکاح میں لے آؤں۔“

عبدالملک بن مروان نے کہا:

”میری خواہش ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جانشین بن جاؤں اور ساری دنیا پر بادشاہت کر لوں۔“

جب سب اپنی خواہشات کا اظہار کر چکے تو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

”تمہاری خواہشات تمہیں مبارک، میری تو صرف یہ تمنا ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں جنت کا پروانہ

مل جائے اور مجھ سے اس علم (یعنی علم حدیث) کا فیضان جاری ہو جائے۔“

نیرنگی تقدیر دیکھئے کہ ہر ایک کی خواہش و تمنا کی تکمیل ہو گئی اور ہر ایک نے اپنی آرزو کو پالیا، حضرت عروہ بن زبیر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم حدیث میں اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا اور ان کا جو فیض جاری ہوا، وہ اہل علم جانتے ہیں، ان کی

یہ ایک تمنا تو برآئی، دوسری تمنا جنت کی تھی، عبدالملک بن مروان کہا کرتا تھا جو شخص کسی جنتی کو دیکھنا چاہے تو عروہ بن زبیر

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کو دیکھے۔ (کیوں کہ انہوں نے جنت کی خواہش کی تھی)۔^{۱۷}

گم شدہ چیز واپس ملنے کے لئے یہ دُعا مانگئے

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ﴾^{۱۸}

اس آیت کی تفسیر میں دُرّ منشور میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ”اگر کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ اس آیت (اور اس کے بعد والی دعا) کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ گم شدہ چیز کو لوٹا دیں گے۔“

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ..... اَللّٰهُمَّ يَا جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ

فِيهِ..... اِجْمَعْ بَيْنِي وَبَيْنَ مَالِي إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾^{۱۹}

تَرْجَمَہ: ”اے ہمارے رب! آپ یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والے ہیں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اے اللہ! اے لوگوں کو جمع کرنے والے اس دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، مجھے اور میرے مال کو جمع فرما دیجئے، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔“

فَوَائِدُ وَنَصَائِحُ

- ۱ اس اسم مبارک سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ اس دن کے لئے تیاری کرے جس دن کوئی دوست، کوئی رشتہ دار کام نہیں آئے گا۔ اور ہر شخص یہ چاہے گا کہ میرے گناہ کوئی اور اٹھالے۔
- ۲ اپنی زندگی کو اچھائیوں اور نیکیوں سے خوب صورت بنائے اور خوب نیک اعمال کر کے آخرت کے لئے بہت سا ثواب جمع کرے۔
- ۳ جب کوئی چیز گم ہو جائے تو اس اسم مبارک کے آخر میں دی گئی آیت اور دعا کو مانگنے کا اہتمام کرے۔

^{۱۷} اَلْ عَمْرُون: ۹

^{۱۸} وفیات الاعیان: ۲۵۸/۳، بحوالہ کتابوں کی درس گاہ میں: ۱۱۲

^{۱۹} در منشور: ۱۵۵/۲، اَلْ عَمْرُون: ۹

الْغَنِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ

(بڑا بے نیاز اور بے پروا)

اس اسم کے تحت تین تعریضیں ذکر کی جاتی ہیں :

① الْغَنِيُّ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ: الَّذِي لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلَى غَيْرِهِ، وَكَذَلِكَ اللَّهُ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلَى أَحَدٍ

جَلَّ وَتَعَالَى عَنْ ذَلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا كَمَا قَالَ: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾^۱

ترجمہ: امام زجاجی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں ”الْغَنِيُّ“ کے معنی یہ ہیں: غنی وہ ہے جو اپنے غیر کا محتاج نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ وہ غنی ہے جو بلند مرتبے اور شان کی وجہ سے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کے بھی محتاج نہیں ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔“

یعنی جو نیک عمل کرے گا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ تو بندوں کے افعال سے بے نیاز ہے، اگر سارے کے سارے متقی بن جائیں تو اس سے اس کی سلطنت میں قوت و اضافہ نہیں ہوگا اور سب نافرمان ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہی میں کمی نہیں ہوگی، بل کہ نافرمانی سے انسانوں کا اپنا ہی نقصان ہے اور اس کی عبادت و اطاعت سے انسانوں کا اپنا ہی فائدہ ہے، لیکن اس شانِ تمنا کے ساتھ وہ اپنی مخلوق کے لئے رحیم بھی ہے، اس کی بے نیازی اپنی مخلوق پر رحمت کرنے میں مانع نہیں ہے۔

وَكُلُّ الْخَلْقِ إِلَيْهِ. جَلَّ اسْمُهُ. مُحْتَاجٌ، كَمَا قَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾^۲

فَاللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ بِمُحْتَاجٍ إِلَى أَحَدٍ فِيمَا خَلَقَ وَيَخْلُقُ، وَدَبَّرَ وَيَدَبِّرُ وَيُعْطِي وَيَرْزُقُ وَيَقْضِي وَيَمْضِي، لَا رَادَّ لَأَمْرِهِ وَهُوَ عَلَى مَا يَشَاءُ قَدِيرٌ.^۳

اور ہر مخلوق اس ”الْغَنِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ ذات کی محتاج ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

۱ اشتقاق الاسماء: ۱۱۷، بحوالہ النهج الاسمی: ۲۲۹/۲

۲ فاطر: ۱۵

۳ عنکبوت: ۶

”اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے پروا تعریفوں والا ہے، بے نیاز خوبیوں والا ہے۔“
اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جنہیں پیدا فرما چکے یا جنہیں پیدا فرمائیں گے، ان میں سے کسی کے بھی محتاج نہیں ہیں، اسی طرح جن چیزوں کی تدبیر فرما چکے یا جن کی تدبیر فرمائیں گے، ان میں سے بھی کسی چیز کے محتاج نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو رزق عطا فرماتے ہیں، سب کے فیصلے فرماتے ہیں اور سب کے کام بناتے ہیں، اس کے حکم کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۲ امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ”الْبَغْيَةُ“ وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق سے بالکلیہ مستغنی ہو اور ان کی نصرت سے بھی مستغنی ہو اور ان کی تائید سے بھی مستغنی ہو۔ اس کو اپنی مخلوق کی کوئی حاجت نہیں ہے اور مخلوق اس ذات کی طرف احتیاج رکھتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کو خود بیان فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

”اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر (اور محتاج) ہو۔“

۳ امام زجاج رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”اللہ رب العزت“ جَلَّ جَلَالُهُ ہیں یعنی وہ اپنی قدرت اور غلبہ قوت کی وجہ سے ساری مخلوق سے بے پروا ہے اور مخلوق ساری کی ساری اس کے احسان و اکرام کی محتاج ہے جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

”اور اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں، بل کہ تم (سب اس کے) محتاج ہو۔“

لہذا اللہ رب العزت کی ذات کسی چیز کی بھی محتاج نہیں ان معاملات میں جس کو اس نے پیدا کر لیا ہے، یا وہ آئندہ عدم سے وجود میں لائے گا، اور ان معاملات میں بھی جن کے لئے تدبیر کر چکا ہے یا تدبیر کرے گا، اور دینے اور فیصلے کرنے کے معاملات میں بھی کسی کا محتاج نہیں ہے، اس کے امر کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور وہ اپنی ہر چاہت پوری کرنے والا ہے۔

قرآن کریم میں یہ اسم مبارک کئی جگہ آیا ہے جن میں سے تین یہ ہیں:

۱ ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ﴾

۲ ﴿وَمَرْبُكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ﴾

۱ ”قَالَ الْخَطَّابِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی: (الْغَنِيُّ) هُوَ الَّذِي اسْتَغْنَى عَنِ الْخَلْقِ وَعَنْ نُصْرَتِهِمْ وَتَأْيِيدِهِمْ لِمُلْكِهِ، فَلَيْسَتْ بِهِ حَاجَةٌ إِلَيْهِمْ، وَهُمْ إِلَيْهِ فَقَرَاءٌ مُّحْتَاجُونَ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ تَعَالٰی فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ﴾ (محمد: ۳۸) (النهج الأسْمَى: ۲/۲۲۹)

۲ ”قَالَ الزُّجَاجُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَهُوَ (الْغَنِيُّ) وَالْمُسْتَغْنَى عَنِ الْخَلْقِ بِقُدْرَتِهِ وَعَزِّ سُلْطَانِهِ وَالْخَلْقُ فَقَرَاءٌ إِلَى تَطَوُّلِهِ وَإِحْسَانِهِ، كَمَا قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ﴾ (محمد: ۳۸) (النهج الأسْمَى: ۲/۲۲۹)

البقرة: ۲۶۳ ۳ الانعام: ۱۳۳

۳ ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾

اللہ رب العزت نے اپنے بندے کو جب پیدا فرمایا تو اس کا حال یہ تھا کہ اسے نہ کسی چیز کی سمجھ تھی، نہ وہ کچھ کر سکتا تھا، نہ اپنے ساتھ کچھ لے کر آیا تھا جس کا وہ مالک ہوتا، نہ کسی کو کچھ دے سکتا تھا اور نہ ہی کسی سے کچھ روک سکتا تھا، نہ نفع کا مالک تھا، نہ نقصان کا، ایسی حالت میں اس کا کسی کامل قدرت ذات کا محتاج ہونا بالکل ظاہر اور واضح ہے، جسے ہر کوئی محسوس کر سکتا ہے، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ بچے کا اس طرح محتاج ہونا ایک امر ذاتی ہے جو اس سے جدا نہیں ہو سکتا بل کہ وہ ہمیشہ اُس پیدا کرنے والے کا محتاج رہے گا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ دوسری حالت پر منتقل ہونے کے بعد اس سے فقر و احتیاج زائل ہو جائے اور وہ بذاتِ خود کامل و مکمل ہو جائے، بل کہ وہ ہمیشہ اپنے خالق کا محتاج ہی رہے گا۔

لیکن جب رب تعالیٰ نے اسے اپنے انعامات سے نوازا، اس پر اپنی رحمت نچھاور فرمائی اور اس کے وجود کو ظاہری و باطنی طور پر کمال بخشا، اسے عمدہ پوشاک پہنائی، سوچنے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی، اسے علم دیا، قدرت و طاقت دی، حتیٰ کہ اپنے ہی جیسوں سے کام لینے اور خدمت لینے کے گر سکھائے، اونٹ، خچر اور دیگر بہت سے جانور اس کے تابع کر دیئے، پانی میں تیرنے والے جانور، ہوا میں اڑنے والے پرندے اور جنگل کے وحشی جانور اس کی دسترس سے باہر نہ رہے۔ یہ انسان زمین کھود کر نہریں نکالنے لگا۔

درخت لگا کر باغات بنائے، زمین چیر کر اس میں اونچی اونچی عمارتوں کی بنیادیں ڈال دیں اور اپنے مصالح میں سوچ و بچار کرنے لگا، موذی چیزوں سے تحفظ اور بچاؤ کے طریقے اختیار کرنے لگا، یہ سب باتیں اسے اللہ رب العزت کی توفیق سے حاصل ہوئیں۔

لیکن یہ بے چارہ مسکین یہ سوچنے لگا کہ ان سب چیزوں کی ملکیت میں اس کا حصہ ہے اور اللہ رب العزت کے ساتھ بادشاہت میں اپنے لئے شرکت کا دعویٰ کرنے لگا، حالاں کہ یہ اپنی پہلی حالت سے بخوبی واقف ہے، لیکن اب پہلے کی بے بسی اور فقر و احتیاج کو بھلا بیٹھا یہاں تک کہ گویا وہ کبھی فقیر و محتاج تھا ہی نہیں، بل کہ فقیر و محتاج تو کوئی اور ہی تھا۔

نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارک اس انسانی کیفیت کو بتلاتی ہے:

نبی اکرم ﷺ نے ایک دن ہتھیلی مبارک پر تھوک ڈالا اور پھر اس پر انگلی رکھ کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے آدم کے بیٹے! تو مجھ سے کیسے بھاگ سکتا ہے حالاں کہ میں نے تجھے اس تھوک جیسی چیز (منی) سے پیدا کیا ہے، یہاں تک کہ جب میں نے تجھے مکمل پیدا کر دیا اور مناسب سانچے میں ڈھال دیا، تو تو دو چادروں میں اس طرح چلنے لگا کہ تیری چال کی وجہ سے زمین میں دھمک پیدا ہونے لگی، پھر تو نے مال جمع کیا اور روکے رکھا اور جب جان ہنسی کی ہڈی تک

جا پہنچی تو تو کہنے لگا: ”میں صدقہ کرتا ہوں“ حالاں کہ اب کہاں صدقہ کا وقت رہا۔^{۱۷}
یہی وہ وجہ ہے جو کامیابی اور ناکامی کی بنیاد بنتی ہے، کیوں کہ جو شخص اپنے نفس کی حقیقت اور اپنے مولیٰ کی جانب اپنے فقر و احتیاج کو بھلا بیٹھتا ہے اور سرکشی و نافرمانی کرنے لگتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بدبختی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كَأَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا﴾ **أَن رَّاهُ اسْتَغْنَى** ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ”سچ مچ انسان تو آپ سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پروا (یا تو نگر) سمجھتا ہے۔“
یعنی اپنے آپ کو محتاج نہیں سمجھتا، جب کہ حقیقت میں یہ محتاج ہے اور بے پروا اور مستغنی ذات صرف ”الْبَغْيَةُ“ کی ہے۔

مخلوق میں سب سے کامل وہ لوگ ہیں جو عبادت کرنے میں کامل ہیں اور اپنی ہر ضرورت و حاجت میں اپنے رب کے محتاج ہونے کا ہر وقت استحضار رکھتے ہیں اور اس بات کا بھی استحضار رکھتے ہیں کہ وہ پلک جھپکنے کی مقدار بھی اپنے رب کی رحمت سے مستغنی نہیں ہیں۔^{۱۸}

غنا کے اسباب میں سے ایک سبب صلہ رحمی ہے

حصولِ رزق کے اسباب میں سے ایک سبب صلہ رحمی ہے۔

۱ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص اپنے رزق میں فراخی اور اپنی عمر میں اضافہ پسند کرے، وہ صلہ رحمی کرے۔“^{۱۹}

مذکورہ بالا حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے صلہ رحمی کے ذریعے حاصل ہونے والے دو پھلوں کا ذکر فرمایا

ہے۔ ایک پھل رزق کی وسعت اور دوسرا پھل عمر میں اضافہ ہے۔

اور یہ کھلی پیشکش ہے اور اس کے پیش کرنے والے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ سچے انسان اللہ

تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور وہ ایسی پیشکش اپنی طرف سے نہیں بل کہ وحی الہی سے ہی کر سکتے

ہیں۔ پس جو بھی ان دو پھلوں (کشادگی رزق اور عمر میں اضافہ) کا خواہش مند ہو، وہ صلہ رحمی کا بیج بوئے، یقیناً ان دو

پھلوں کو حاصل کرے گا۔ **ان شاء اللہ تعالیٰ۔**

۱۷ النهج الأسمى: ۲/۲۳۵

۱۸ العلق: ۶، ۷

۱۹ مسند احمد: ۵/۲۴۱، رقم: ۱۷۳۸۷

۲۰ ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَةً))“ (بخاری، کتاب الادب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم: ۲/۸۸۵)

۲ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اپنے قرابت داروں کے متعلق معلومات حاصل کرو تا کہ صلہ رحمی کر سکو، بلاشبہ صلہ رحمی سے خاندان میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔“ ۱

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارک میں صلہ رحمی کے تین فائدے بیان فرمائے ہیں اور ان تین میں سے دوسرا ثمرہ اور فائدہ مال میں اضافہ ہے۔

۳ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو، اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس سے بری موت دور کی جائے، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔“ ۲

جناب نبی کریم ﷺ نے اس حدیث شریف میں اس بات کی خبر دی ہے کہ جس میں دو خصلتیں ایک اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور دوسری صلہ رحمی پائی جائیں اس کو تین فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ان تین میں سے ایک فائدہ رزق کی کشادگی اور وسعت ہے۔

۴ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تمام نیکیوں میں سب سے زیادہ جلدی ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کسی برے اور نافرمان گھرانے کے لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے مالوں میں افزائش اور تعداد میں اضافہ ہوتا ہے، کسی بھی صلہ رحمی کرنے والے کے کنبے کے لوگ محتاج نہیں ہوتے۔“ ۳

صلہ رحمی کس چیز کے ذریعے کی جائے؟

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صلہ رحمی صرف مال کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ یہ صلہ رحمی کا ادھورا اور ناقص تصور ہے۔ صلہ رحمی کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اعزہ و اقارب کو خیر پہنچانے اور ان سے شردور کرنے کی غرض سے کوشش کرنے کا نام صلہ رحمی ہے، خواہ یہ مال کے ساتھ ہو یا کسی اور ذریعے سے۔

امام ابن ابی جمرہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”صلہ رحمی چند چیزوں کے ذریعے ہوتی ہے ① ضرورت کے وقت تعاون کرنے سے ② مصیبت دور کرنے کے لئے کوشش کرنے سے ③ خندہ پیشانی سے ملاقات کرنے سے ④ اور

۱ ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((تَعَلَّمُوا مِنْ أُنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صَلَاةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ مَثْرَاءٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ))“ (مسند احمد: ۲/۳۷۴، رقم الحديث: ۸۶۵۱)

۲ ”عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُمَدَّ لَهُ فِي عُمُرِهِ وَيُوسَعَ عَلَيْهِ فِي رِزْقِهِ وَيُدْفَعَ عَنْهُ مَنِيَّةُ السُّوءِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ“ (مسند احمد: ۱/۱۴۳، رقم الحديث: ۱۲۱۷)

۳ ”عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَعْجَلَ الطَّاعَةِ ثَوَابًا صَلَاةَ الرَّحِمِ، حَتَّىٰ إِنَّ أَهْلَ بَيْتٍ لَيَكُونُوا فَجْرَةً، فَتَنَمُوا أَمْوَالَهُمْ وَيَكْثُرَ عَدَدُهُمْ إِذَا تَوَاصَلُوا، وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُونَ فَيَحْتَاجُونَ“ (صحیح ابن حبان: ۲۴۰/۱، البر والاحسان، صلة الرحم وقطعها، رقم: ۴۴۲)

دعا کے ذریعے سے۔“

صلہ رحمی کا جامع مفہوم یہ ہے: ”..... جس قدر ممکن ہو خیر پہنچانا اور شر کو دور کرنا۔“ ۱۷

رشتہ داروں کو ناراض رکھنا بے برکتی کا سبب ہے

واقِعَةُ مَبْنٰی (۸۳): ایسے ہی ”صلہ رحمی“ رزق کی کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے، خصوصاً بڑے بھائی/ بڑی بہن کا ادب و احترام، ان کی منشاء و مرضی کی حتی الامکان رعایت رکھتے ہوئے کام کرنا، یہ برکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، ہاں جب دینی حکم کے خلاف ان کی کوئی بات ہو تو ہرگز ہرگز ان کی بات نہ مانی جائے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

”۱۹۴۶ء کی ابتداء میں جب دارالعلوم سے ملازمت کا تعلق منقطع کر چکا تھا اور اپنے شوق سے بعض درجوں میں کچھ اسباق پڑھا دیا کرتا تھا، معلوم نہیں کیا خیال پیدا ہوا کہ دارالعلوم کی مسجد سے متصل جو چھوٹا سا مکان تعمیر ہوا تھا اس میں میں نے بھائی صاحب سے ضابطہ کی اجازت لے کر رہنا شروع کر دیا اور والدہ صاحبہ اور گھر والوں کو لے آیا۔ اس وقت معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، نہ کتابوں کے معاوضہ اور نفع کا کوئی سلسلہ۔ یہ سال اقتصادی طور پر سخت پریشانی کا گزرا۔

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ امین آباد کے چوراہے پر نظیر آباد جانے والی سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر میں نے جیب سے کئی مرتبہ گھڑی نکالی کہ اس کو کسی گھڑی کی دکان پر آدھے پونے دام پر بیچ دوں، اس سے کچھ دن کام چلے لیکن پھر اس خیال سے ہمت نہیں ہوئی کہ دکان دار کہیں چوری کی نہ سمجھے۔ یہ پورا سال پریشانی میں گزرا اور سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بے برکتی کیوں ہے؟

ایک دن معلوم ہوا کہ بھائی صاحب میرے اس علیحدہ قیام پر بہت مغموم اور متاثر ہیں، ان کو بڑا قلق ہے کہ ان کی زندگی میں میں نے لکھنؤ میں رہتے ہوئے علیحدہ قیام کا انتظام کیا۔ میں نے ان سے رو کر معافی مانگی اور جب کہ تقریباً ایک سال گزر رہا تھا، میں پھر اپنے اسی قدیم مکان میں آگیا، پھر یاد نہیں کہ کبھی ایسی تنگی اور پریشانی پیش آئی ہو۔“ ۱۸

یاد رکھئے! ہم کسی کو سگا بھائی یا بہن نہیں بنا سکتے، یہ رشتے قدرت نے ہمارے لئے طے کئے ہیں جس طرح ہمیں ان قدرتی رشتوں کو بنانے کا اختیار نہیں دیا گیا اسی طرح ان رشتوں کو توڑنے کا بھی اختیار ہمیں نہیں دیا گیا۔

صلہ رحمی کا عجیب اور پیارا طریقہ

واقِعَةُ مَبْنٰی (۸۴): حضرت حسین **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** اور ان کے باپ شریک بھائی محمد بن حنفیہ **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** (ماں کی

۱۷ تحفۃ الاحوذی، باب ماجاء فی صلۃ الرحم: ۳۰/۶

۱۸ کاروان زندگی: ۱/۳۶۷

طرف سے نسبت ہے جو بنو حنفیہ سے تھیں) میں کسی بات پر تلخی پیدا ہو گئی اور دونوں آپس میں ناراض ہو کر چل دیئے، محمد بن حنفیہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی نے گھر پہنچ کر درج ذیل مضمون پر مشتمل ایک مکتوب حضرت حسین رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں روانہ کیا:

محمد بن علی کی طرف سے اس کے بھائی حسین بن علی کی طرف ”سلام مسنون کے بعد..... آپ کو ایسا مقام و مرتبہ اور شرف و فضیلت حاصل ہے جس تک میری رسائی ممکن نہیں، اس لئے کہ میری والدہ بنو حنفیہ کی ایک خاتون ہیں اور آپ کی والدہ فاطمہ الزہراء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا دخترِ رسول (ﷺ) ہیں، اگر میری والدہ جیسی عورتوں سے زمین بھر جائے، پھر بھی آپ کی والدہ کے برابر نہیں ہو سکتیں، لہذا اس مقام و مرتبہ کی بنا پر میرا مکتوب پڑھتے ہی مجھے راضی کرنے میرے ہاں چلے آئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس فضیلت کو پانے کے لئے آپ مجھ سے زیادہ حق دار ہیں میں اس میں پہل کر جاؤں، والسلام۔“

ادھر حضرت حسین رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب خط پڑھا تو فوراً محمد بن حنفیہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے گھر آئے اور انہیں راضی کیا، باہمی رضا مندی کا یہ کس قدر انوکھا انداز ہے۔^{۱۷}

الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فقیر کو غنی بناتا ہے

واقعة فلبس (۸۵): قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی الانصاری رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ بغداد کے ایک رئیس نے حج کے دنوں میں بغداد میں اعلان کرایا کہ جس شخص کو حج کرنے کا شوق ہو، وہ ہمارے ساتھ چلے، راستے کے تمام اخراجات میرے ذمے مگر واپسی کا انتظام وہ خود کرے گا، واپسی کے اخراجات نہیں دیئے جائیں گے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: ان دنوں میری حالت بہت خستہ تھی، غربت کا شکار تھا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ چلو حج تو ادا کرو، واپسی کا دیکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں: حج ادا کرنے کے بعد لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور میں اکیلا حرم میں پڑا رہا، نہ کھانے کے لئے کچھ تھا نہ رقم تھی، سخت بھوک کی حالت تھی، حرم خالی تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے کہ اتفاق سے مجھے ایک ریشم کی تھیلی پڑی ہوئی ملی، وہ بڑی نفیس قسم کی تھی۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں موتیوں کا انتہائی نفیس ہار تھا، میں نے زندگی میں ایسا ہار کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے وہ ہار نعمتِ خداوندی سمجھ کر رکھ لیا مگر ہوا کیا کہ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا آدمی آوازیں لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا، میری تھیلی کھو گئی ہے، ایسی ایسی تھی اور اس میں ہار تھا واپس کرنے والے کو پانچ سو دینار دوں گا اور دینار اس نے ہاتھوں میں اٹھا رکھے تھے۔ میں نے سوچا:

”أَنَا مُحْتَاجٌ، وَأَنَا جَانِعٌ، فَأُخَذُ الدَّنَائِيرَ أَنْتَفِعُ بِهِ“

^{۱۷} رفیق المسلم فی الاسفار: ۳۲، بحوالہ کتابوں کی درجہ میں: ۷۴

کہ چلو واپس کر دوں اور انعام کی رقم لے لوں، چوں کہ مجھے ضرورت بھی رقم کی تھی تاکہ اپنی بھوک مٹاؤں اور واپس گھر جا سکوں، چنانچہ میں نے اس بوڑھے آدمی کو بلایا اور وہ تھیلی اسے واپس کر دی، وہ بہت خوش ہوا اور دعائیں دیں اور وعدے کے مطابق انعام کے پانچ سو دینار مجھے دے دیئے مگر میں نے یک دم لینے سے انکار کر دیا کہ نہیں۔

”يَجِبُ عَلَيَّ أَنْ أُعِيدَهُ إِلَيْكَ وَلَا أَخْذُلَهُ جَزَاءً“

یہ تھیلی میرے پاس امانت تھی، اس کا واپس کرنا میرا فرض تھا، میں اس پر کوئی بدلہ لینا نہیں چاہتا، میں اللہ تعالیٰ سے بدلے کا امیدوار ہوں۔

”فَالْحَجَّ عَلَيَّ كَثِيرًا فَلَمْ أَقْبَلْ ذَلِكَ مِنْهُ، فَتَرَكْنِي وَمَضَى“

اس نے بہت اصرار کیا مگر میں نے لینے سے انکار کر دیا اور آخر تک آکر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ بحری سفر کرنا چاہئے، جہاز میں کوئی کام کرنے کی نوکری مل جائے گی یوں سفر بھی طے ہو جائے گا اور کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی۔

چنانچہ میں بندر گاہ پہنچا، جہاز کے عملہ سے بات کی، مجھے جہاز میں صفائی کرنے کا کام مل گیا، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنا کام شروع کر دیا۔ اس طرح میں جہاز کے عملے میں شامل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ راستے میں طوفان نے آگھیرا، جہاز غرق ہو گیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، تمام مسافر اور عملہ ڈوب گیا مگر میں ایک تختے پر بیٹھا عرصے تک تیرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ تیز ہوا چلی اور اس تختے کو ایک طرف بہا کر لے گئی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہوں، کون سا علاقہ اور کون سی جگہ ہے؟ اللہ اللہ کر کے تختے ایک جزیرے کے کنارے جا لگا جہاں پر کچھ آبادی تھی۔ میں سخت سردی کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

فوراُ خشکی پر اترا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ قریب ہی ایک مسجد پر نظر پڑی، وہاں جا کر بیٹھ گیا، نماز فجر کا وقت ہوا، کچھ لوگ مسجد میں آگئے۔ وہ سارے نو مسلم تھے۔ ان میں کوئی قرآن پڑھنا نہیں جانتا تھا، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو پوچھا: کیا آپ قرآن پڑھنا جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“..... چنانچہ انہوں نے نماز پڑھانے کو کہا۔

نماز کے بعد وہ لوگ بہت خوش ہوئے، انہوں نے مجھ سے قرآن سیکھنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ایک طویل عرصہ گزر گیا اور اس جزیرے کا کوئی مرد عورت اور بچہ ایسا نہ رہا جس نے مجھ سے نماز یا قرآن نہ سیکھا ہو۔ مجھے وہاں بہت آسائش مل گئی، مال و دولت سب کچھ مل گیا، پھر انہوں نے مجھ سے کہا: آپ لکھنا جانتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: ہمیں بھی لکھنا پڑھنا سکھائیں، غرض وہ اپنے بچوں اور جوانوں کو میرے پاس لائے، میں عرصے تک انہیں لکھنا پڑھنا سکھاتا رہا، اس طرح میری کافی مالی امداد بھی ہوئی۔ مجھے اب کافی خوش حالی میسر ہو گئی۔ اس دوران نہ انہوں نے مجھ سے میرے حالات پوچھے اور نہ میں نے بتائے کہ میں کون ہوں، کہاں سے آیا ہوں اور کیسے آیا؟

ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھا تھا، کچھ لوگ میرے پاس آ گئے اور کہنے لگے: ہمارے یہاں ایک یتیم بچی ہے، اس کے پاس کافی مال و متاع بھی ہے، تم اس سے نکاح کر لو میں نے انکار کیا مگر وہ میرے پیچھے ہی پڑ گئے۔ مجبوراً مجھے ان کی بات ماننا پڑی۔

چنانچہ نکاح ہو گیا، جب میں اپنی بیوی سے ملنے گیا تو اس کے گلے میں وہی ہار دیکھا، جو میں نے مکہ میں بوڑھے کو واپس کیا تھا، میں بھونچکا (حیران) رہ گیا۔ میں اس ہار کو دیکھتا رہا اور ذہن میں گزرے ہوئے تمام حالات گھوم رہے تھے۔ میرے ارد گرد بیٹھے خاندان کے لوگوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا: کیا بات ہے! آپ اپنی بیوی کو دیکھنے کے بجائے صرف ہار کو ہی دیکھے جا رہے ہیں؟ ان کے متوجہ کرنے پر میں چونکا، اور انہیں ہار کے قصے سے لے کر یہاں تک پہنچنے کا سارا واقعہ سنا دیا، سب نے ایک ساتھ مل کر نعرہ تکبیر اتنی زوردار آواز سے بلند کیا کہ تمام جزیرہ ہل کر رہ گیا۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا خیریت تو ہے؟ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ جن بڑے میاں نے تم سے ہار لیا تھا، وہ اس بچی کے باپ تھے اور حج سے واپسی پر وہ کہا کرتے تھے:

”مَا وَجَدْتُ فِي الدُّنْيَا مُسْلِمًا إِلَّا هَذَا الَّذِي رَدَّ عَلَيَّ هَذَا الْعِقْدَ“

”مجھے دنیا میں صرف ایک پکا اور سچا مسلمان ملا جس نے مجھے ہار واپس کر دیا اور انعام بھی نہ لیا۔“ اور وہ دعا کرتے تھے:

”اللَّهُمَّ اجْمَعْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ حَتَّىٰ أُزَوِّجَهُ بِابْنَتِي“

”خدایا، اگر وہ شخص مجھے پھر مل جائے تو اس سے اپنی بیٹی بیاہ دوں۔“

اسی حسرت کو دل میں لئے وہ اس دنیا سے چلے گئے، مگر ان کی دعا ایسے قبول ہوئی کہ وہ بچی آپ کو مل گئی۔ یہ سن کر میں بھی رہ نہ سکا اور نعرہ تکبیر بلند کیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیران ہوتا رہا۔ قاضی ابوبکر بغدادی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ایک مدت تک میں اس کے ساتھ رہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے دو بیٹے دیئے، پھر اس کا انتقال ہو گیا اور ہار کے وارث میرے بیٹے ہوئے۔ پھر وہ دونوں لڑکے بھی فوت ہو گئے اور ہار میرے پاس آ گیا اور میں اپنا تمام مال لے کر اس جزیرے سے رخصت ہوا اور بغداد پہنچا۔ وہ ہار میں نے ایک لاکھ دینار میں فروخت کیا اور اب جو مال و دولت تمہیں نظر آتا ہے سب اسی ہار کا باقی ماندہ حصہ ہے۔^۱

ہر رات سورہ واقعہ پڑھنا اور موجودہ نعمتوں پر شکر غنا کا سبب ہے

وَاقِعَةُ مَبْنِي (۸۶): حافظ ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے ابن عساکر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے حوالہ سے لکھا ہے: حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض وفات میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

”مَا تَشْتَكِي؟“ ”آپ کو کیا تکلیف ہے؟“

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ”ذُنُوبِي“ (اپنے گناہوں کے وبال کی تکلیف ہے)۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”فَمَا تَشْتَهِي؟“ (آپ کی خواہش کیا ہے؟)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”رَحْمَةُ رَبِّي“ (اپنے پروردگار کی رحمت چاہتا ہوں)۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ”آپ کے لئے کوئی طبیب بھیج دوں؟“

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ”طبیب ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”تو پھر اخراجات کے لئے کچھ رقم بھجوادوں؟“

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ”نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”یہ رقم آپ کے بعد آپ کی صاحب زادیوں کے کام آجائے گی۔“

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”کیا آپ کو میری بیٹیوں پر فقر و فاقہ کا اندیشہ ہے؟ میں نے تو انہیں ہر رات سورہ واقعہ کی تلاوت کی تاکید کر رکھی ہے، کیوں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص ہر رات سورہ واقعہ پڑھے اسے کبھی فاقہ کی مصیبت نہیں آئے گی۔“ ^۱ لہذا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

”اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رَسُوْلِكَ“ نے جتنا دیا ہے اس پر دل سے شکر کریں

وَاقِعَةُ مَبْنِي ۸۷: حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی شخص نے کہا: ”میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے یہ

جبہ ہدیہ میں قبول فرمائیں..... ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: ”اگر آپ غنی اور مال دار ہیں پھر تو میں

قبول کر لیتا ہوں اور اگر آپ فقیر ہیں تو میں قبول کرنے سے معذرت کرتا ہوں“ اس شخص نے کہا: ”جی میں غنی ہوں“

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ”آپ کے پاس کتنا مال ہے؟“ اس نے کہا: ”دو ہزار درہم“

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: مزید مال بڑھانے کے لئے آپ بے چین رہتے ہیں یعنی دل میں شدید

لاچ ہے کہ اگر آپ کے پاس چار ہزار ہو جائیں تو آپ کو بہت زیادہ خوشی ہوگی.....؟ اس نے کہا: ”جی ہاں کیوں نہیں“

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: ”معلوم ہوا کہ آپ فقیر ہیں، لہذا میں آپ سے ہدیہ قبول نہیں کرتا۔“ ^۲

یعنی جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر تو طبیعت خوش رہے، طبیعت بھری رہے اور اس پر خوب شکر گزار رہے اور یہ کیفیت ہو کہ میں تو اس کا بھی مستحق نہیں تھا، میرے مالک نے کرم فرمایا کہ اتنی ساری نعمتیں عطا فرمادی ہیں۔

بندوں کو رزق دینا ”الْغِنَى جَلَّ جَلَالُهُ“ کے ذمہ ہے

واقعة منبر (۸۸): بہلول رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ایک مرتبہ کسی قبر میں پاؤں لٹکائے مٹی سے کھیل رہے تھے، کسی نے پوچھا: ”بہلول! یہاں کیا کر رہے ہو؟“ کہنے لگے:

”ایسے لوگوں کے پاس ہوں کہ اگر ان کی صحبت میں رہوں تو مجھے تکلیف نہیں دیتے اور ان سے دور رہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔“

پوچھنے والے شخص نے کہا:

”مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے، اس کی کمی کے لئے دعا کریں۔“ کہنے لگے:

”اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے تو کوئی پروا نہیں، چاہے گندم کے ایک دانے کی قیمت ایک دینار ہی کیوں نہ ہو جائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ حق ہے کہ اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ پر ہمارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں رزق دے۔ جب رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے تو فکر کرنے کی مجھے کیا ضرورت؟“

فوائد و نصائح

- ۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو لازم ہے کہ اپنے آپ کو غنی مطلق کے دروازے کا فقیر سمجھے۔ اہل دنیا کو محتاج و گدا سمجھے اور خیر و شر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں اس بات کا یقین پختہ رکھے۔
- ۲ صرف ”الْغِنَى جَلَّ جَلَالُهُ“ کے سامنے اپنی محتاجی کو ظاہر کرے، جو اس کو اوروں سے مستغنی کر سکتا ہے اور مخلوق سے کسی قسم کی امید نہ رکھے، جو نعمتیں ملی ہیں ان پر شکر کرے اور مال و دولت کی حرص کو دل سے نکال دے۔
- ۳ ہر رات سورہ واقعہ پڑھنے کا اہتمام کرے۔

مال داری کے فتنہ سے حفاظت کی دعا مانگئے

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ.“

۱ فوات الوفيات، لمحمد بن شاکر: ۲۲۹/۱، بحوالہ کتابوں کی درگاہ میں: ۱۷۷

۲ شرح اسماء حسنی: ۱۵۳ (منصور پوری)

۳ بخاری، الدعوات، باب الاستعاذۃ من فتنۃ الغنی: ۹۴۳/۲

تَرْجَمًا: ”اے اللہ! میں غنی (مال داری) کے فتنہ، اور فقر کے فتنہ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔“

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے، اور اس کے ساتھ فقر و محتاجی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے دولت و ثروت بذات خود کوئی بری چیز نہیں، بل کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بارے میں اعلان فرمایا: ”عثمان اس کے بعد جیسے بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہوگا اور اُن سے کوئی باز پرس نہ ہوگی“ **مَا عَلَى عُمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هَذَا**۔ اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر و قناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی، اور فقر اور اہل فقر کے بڑے فضائل بیان فرمائے لیکن اگر بد قسمتی سے دولت مندی و خوش حالی تکبر و غرور پیدا کرے اور مال و متاع کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو پھر وہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اسی طرح اگر فقر و محتاجی کے ساتھ صبر و قناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی نافرمانی کرنے لگے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے، اور اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **”كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا“** (محتاجی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے) اس دعا میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر و فتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اُس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

۱۔ ترمذی، المناقب، باب فی عد عثمان رقم: ۳۷۰۰

۲۔ حلیۃ الأولیاء، یزید بن أبان الرقاشی، الرقم: ۳۱۶۹

المغنی جل جلالہ

(بے نیاز و غنی بنانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریضیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "الْمَغْنِيُّ الَّذِي يُغْنِي مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ بِمَا شَاءَ..... وَقِيلَ هُوَ الَّذِي أَغْنَى خَوَاصَّ عِبَادِهِ

عَمَّا سِوَاهُ..... بِأَنْ لَمْ يَبْقَ لَهُمْ حَاجَةٌ إِلَّا إِلَيْهِ" ۱

ترجمہ: "ملا علی قاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "المغنی" وہ ذات ہے کہ جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اور جس چیز سے چاہے غنی بنادے اور بعض حضرات فرماتے ہیں: "المغنی" وہ ذات ہے کہ جو اپنے مخصوص بندوں کو اپنے ماسوا سے ایسا غنی بنادیتا ہے کہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حاجت رہتی ہے۔"

۲ "إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُغْنِي عِبَادَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ عَلَى..... الْحَقِيقَةِ لِأَنَّ الْحَوَاجَّ لَا تَكُونُ

إِلَّا إِلَى اللَّهِ....." ۲

ترجمہ: شیخ ابوالقاسم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو دیگر بعض بندوں سے بایں طور غنی بنا دیتا ہے کہ ان کو بس صرف اللہ کی حاجت رہتی ہے۔"

۳ ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى﴾ أَي كُنْتَ فَقِيرًا ذَا عِيَالٍ فَأَغْنَاكَ اللَّهُ عَمَّنْ سِوَاهُ..... فَجَمَعَ لَهُ

بَيْنَ مَقَامِي الْفَقِيرِ الصَّابِرِ وَالْغَنِيِّ الشَّاكِرِ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ" ۳

ترجمہ: "علامہ ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اے محمد! آپ فقیر تھے اہل و عیال والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی نعمتیں دیں کہ آپ مخلوق میں کسی کے محتاج نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فقیر صابر اور غنی شاکر کے دونوں مراتب کے درمیان درجہ عنایت فرمایا ہے۔"

"المغنی جل جلالہ" جس ذات کے بارے میں بتائے کہ ہم نے تمہیں غنی کر دیا اس کے غنا کی کیا حد ہو سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ جسے بے پروا فرمادے اس سے بڑا بے پروا کون ہو سکتا ہے؟

۱ مرقاة شرح مشکوٰۃ: کتاب اسماء اللہ تعالیٰ: ۹۸/۵ ۲ طیبی شرح مشکوٰۃ: ۶۱/۵ ۳ تفسیر ابن کثیر: ۶۵۰/۳، الضحیٰ: ۸

غنائے رسول ﷺ

واقعة نمبر ۸۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کھجور کا ڈھیر تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! یہ کیا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کل کے لئے کچھ جمع کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کل قیامت کے دن اسے جہنم کا دھواں دیکھیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

”أَنْفِقْ بِلَالُ! وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا“^۱

”اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے (اللہ تعالیٰ) سے فقر کی توقع نہ کرو۔“ (یعنی خرچ کرو اور فقر سے مت ڈرو)۔ وہ ہستی جو اگر یہ چاہتی کہ اُحد پہاڑ سونا بن کر ساتھ چلے، اس کے لئے کھجور کا تھوڑا سا ذخیرہ کیا وقعت رکھتا ہے، مگر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اس کی بڑی اہمیت تھی۔ غور کیجئے فقر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ و غنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرق۔

واقعة نمبر ۹۰: حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی، چنانچہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیر چکے تو بڑی تیزی کے ساتھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ازواجِ مطہرات کے حجروں کی طرف چلے گئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جلدی پن سے گھبرا گئے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے اس کام پر متعجب دیکھا تو فرمایا: ”اچانک مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کی ایک چیز موجود ہے اور میں نے اسے ناپسند کیا کہ وہ مجھے مقامِ قرب سے روکے، لہذا فوراً جا کر اہل بیت کو میں نے حکم دیا کہ سونے کی وہ چیز تقسیم کر دی جائے۔“^۲ اندازہ کیجئے! غنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ انہیں ”المَغْنِي جَلَّ جَلَالُهُ“ نے دنیا کے ساز و سامان سے کیسا مستغنی کر دیا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے ”المَغْنِي جَلَّ جَلَالُهُ“ پر بھرپور بھروسہ تھا کہ اگر وہ دنیا سے غنا کا معاملہ فرماتے ہوئے سارا مال خرچ بھی کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بدل عطا فرمائیں گے۔ کاش یہی بات ہماری سمجھ میں بھی آجائے تو اللہ تعالیٰ آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا کے خزانے بھی ہمارے قدموں میں ڈال دیں گے۔^۳

^۱ ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى بِلَالٍ وَعِنْدَهُ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هَذَا يَا بِلَالُ قَالَ شَيْءٌ إِدْخَرْتُهُ لِيَعْدَ فَقَالَ أَمَا تَخْشَى أَنْ تَرَى لَهُ عَدًّا بُخَارًا فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ أَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا“

(بیہقی، شعب الایمان: ۴۸۴/۲، رقم: ۱۲۸۳)

^۲ ”عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ فَقَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلَى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهِ فَقَبِضَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأَى أَنَّهُمْ قَدْ عَجَبُوا مِنْ سُرْعَتِهِ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِنْ بَيْتٍ

عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ يَحْبَسَنِي فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ“ (بخاری، الاذن، باب من صلى بالناس، رقم: ۸۵۱) ^۳ مظاهر حق: ۲۵۶/۲

امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے تمام مخلوق سے غنا اختیار کرتے ہوئے صرف ”المَغْنِی جَلَّ جَلَالُهُ“ پر بھروسہ کر کے کیا ہی خوب اشعار فرمائے ہیں:۔

وَأَيُّقَنْتُ أَنَّ اللَّهَ لَا شَكَّ رِزْقِي
اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ یقیناً میرا رازق ہے
وَلَوْ كَانَ فِي قَعْرِ الْبَحَارِ الْعَوَامِقِ
چاہے وہ گہرے سمندر کی تہہ میں ہو
وَلَوْ لَمْ يَكُنْ مِنِّي اللِّسَانُ بِنَاطِقِ
اگرچہ میری زبان سے اس کا مطالبہ نہ ہو
وَقَدْ قَسَمَ الرَّحْمَنُ رِزْقَ الْخَلَائِقِ
جب کہ رحمن نے روزی خود ہی تقسیم فرما دی ہے۔

تَوَكَّلْتُ فِي رِزْقِي عَلَى اللَّهِ خَالِقِي
میرا روزی کے معاملے میں اپنے خالق پر بھروسہ ہے
وَمَا يَكُ مِنْ رِزْقِي فَلَيْسَ يَفُوتُنِي
اور میرے مقدر کی روزی مجھ سے فوت نہیں ہو سکتی
سَيَأْتِي بِهِ اللَّهُ الْعَظِيمُ بِفَضْلِهِ
مقدر کی روزی اللہ اپنے فضل سے پہنچائے گا
فَفِي أَيِّ شَيْءٍ تَذْهَبُ النَّفْسُ حَسْرَةً
پھر کس وجہ سے نفس حسرت کرتا ہے

”المَغْنِی جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت کے کرشمے

”المَغْنِی جَلَّ جَلَالُهُ“ نے بعض لوگوں کو ساری دنیا سے ایسا مستغنی کر دیا ہے جیسے سورج کو ستاروں سے کہ وہ اس کے محتاج ہیں مگر وہ کسی کا محتاج نہیں۔

چاند سورج کا محتاج ہے گو وہ دوسرے ستاروں سے مستغنی ہے، بعض لوگ چاند کی طرح کسی ایک کے محتاج ہیں مگر اس کے علاوہ سب سے مستغنی ہیں۔

بعض ستارے بعض ستاروں کے محتاج ہیں مگر اس کے علاوہ سب سے مستغنی ہیں۔

اسی طرح بعض انسان بعض افراد کے محتاج ہیں، مگر دوسرے انسانوں سے بے نیاز ہیں۔ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ”وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے“ جسے چاہتا ہے کسی کا محتاج بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کسی کا محتاج نہیں بناتا، بل کہ دوسروں کو اس کا محتاج بنا دیتا ہے۔

”المَغْنِی جَلَّ جَلَالُهُ“ کی طرح دوسروں کے کام آنے والے بنو جس قدر دوسروں کے کام آؤ گے شانِ بے نیازی پیدا ہوتی جائے گی، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ گے، تو وہ ”المَغْنِی جَلَّ جَلَالُهُ“ آپ کو سب سے زیادہ غنی و مستغنی کر دے گا۔

اے خانماں خراب نہ احسان اٹھائیے

دستِ سوال سینکڑوں عیبوں کا عیب ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ﴾^۱ مراد آیت کی یہ ہے: ”اللہ تعالیٰ ہی لوگوں کے مال دار اور غنی بناتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور اس کی تمام ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں، وہی جس کو چاہتا ہے اتنا سرمایہ دیتا ہے کہ اس کو محفوظ رکھ سکے۔“

﴿وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشَّعَرَىٰ﴾^۲ شَعْرَىٰ بکسر شین، ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء کے پیچھے ہے، عرب کی بعض اقوام اس ستارے کی پرستش کرتی تھیں، اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا کہ اس ستارے کا مالک اور پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اگرچہ وہ سارے ہی ستاروں، آسمانوں، زمینوں کا خالق و مالک ہے۔

اس کا ازلی و ذاتی علم ہر اس واقعہ کو جو وجود میں آچکا ہے، یا آئے گا محیط ہے، وہی واقعات کو ان کے وجود سے پہلے قابل وجود بناتا ہے، اس کے بلند مرتبہ اور مقرب فرشتے ہیں اور دوسرے وہ فرشتے ہیں، جن کو بندوں کے اعمال لکھنے اور مصیبتوں اور آفتوں سے ان کی حفاظت کرنے اور خیر کی طرف بلانے پر مامور کیا گیا ہے، وہ بندے کے لئے خیر کا سبب بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق شیاطین بھی ہیں، جو آدمیوں کے لئے شر کا سبب بنتے ہیں اور اس کی مخلوقات میں سے جنات بھی ہیں۔

قرض کی ادائیگی کے لئے دعا

واقِعَةُ مَلِكٍ ۹۱: ”حضرت ابووائل رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ایک مکاتب (غلام) نے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں (بدل کتابت میں) طے شدہ مال ادا نہیں کر پا رہا۔ آپ اس بارے میں میری مدد فرمائیں۔ حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھلا دوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے تھے؟ اگر تم پر (یمن کے صیر) پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اس قرض کو ادا کر دیں گے۔ تم یہ دعا مانگا کرو:

”اَللّٰهُمَّ اَكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَنْ مَسْوَاكَ“^۳

ترجمہ: ”اے اللہ! حرام کے بدلے تو مجھے میری ضرورت کے مناسب حلال روزی عطا فرما اور اپنے فضل سے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے۔“

واقِعَةُ مَلِكٍ ۹۲: کسی بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کی خدمت میں ایک بادشاہ کسی جاننے والے کے ساتھ حاضر ہوا، بزرگ جس طرح پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے، بیٹھے ہی رہے، کسی نے پوچھا: پاؤں کیوں پھیلائے رکھے (بادشاہ آیا تھا) جواباً فرمایا: ”میاں جب سے ہاتھ سمیٹ لئے ہیں پاؤں پھیلائے رکھتا ہوں ورنہ جب تک (اہل دنیا کے سامنے) ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے تو پاؤں سمیٹ کر رکھتا تھا۔“

خلاصہ یہ ہے کہ وہ غنی ذات جب اپنا تعلق اور اپنی صفاتِ خاصہ کا استحضار نصیب فرما دیتی ہے تو ہر وہ دل بھی غنی ہو جاتا ہے جس کو یہ دولت ملے اور حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

”لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ“^۱

ترجمہ: ”سامان کا زیادہ ہونا غنا نہیں ہے بل کہ اصل غنا تو دل کا غنا ہے۔“

یعنی مال دار ہونا یہ غنی ہونے کی علامت نہیں ہے، بل کہ اصل غنی وہ ہے ”جو جتنا اللہ نے دیا اس پر راضی رہے“، مال و متاع کی حرص اس میں نہ ہو، کیوں کہ مال ہونے کے باوجود اکثر مزید مال کی طلب بڑھتی ہے جو مطلوب نہیں۔

مال نہ چاہنا، یہی دولت نبی اکرم ﷺ نے دعاؤں میں مانگی اور ہمیں بھی یوں ہی مانگنا سکھایا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی دعائیں ہیں:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ غِنَايَ وَغِنَا مَوْلَايَ.“^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! مانگتا ہوں تجھ سے سیرچشمی اپنے لئے اور سیرچشمی (طبیعت کا بھرا ہونا) اپنے گھر والوں کے لئے۔“
شیخ ملا علی قاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ سے مانگ یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے مانگ اس لئے کہ عطیات کے خزانے اسی کے پاس ہیں اور عطاء و بخشش کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں ہر نعمت یا مصیبت، خواہ دنیا کی ہو یا آخرت کی، جو بندے کو پہنچتی ہے یا اس سے دفع ہوتی ہے وہ بغیر کسی شائبہ غرض یا ضمیمہ علت کے صرف اور صرف اسی کی رحمت سے ملتی ہے کیوں کہ وہ جوادِ مطلق ہے اور وہ ایسا غنی ہے کہ کسی کا محتاج نہیں اس لئے امید صرف اسی کی رحمت سے ہونی چاہئے چھوٹی بڑی پریشانیوں میں التجا اسی کی بارگاہ میں ہونی چاہئے اور تمام امور میں اعتماد اسی کی ذات پر ہونا چاہئے، اس کے سوا کسی سے نہ مانگے کیوں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہ دینے پر قادر ہے نہ روکنے پر نہ مصیبت ٹالنے پر، نہ نفع پہنچانے پر۔ کیوں کہ اس کے ماسوا خود اپنی ذات کے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ موت و حیات اور جی اٹھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

اور آگے لکھتے ہیں:

”بے شک ساری امت یعنی تمام مخلوق، خاص و عام، انبیاء و اولیاء اور ساری امت بالفرض اس بات پر متفق ہو جائیں کہ دنیا یا آخرت کے کسی معاملے میں تجھے کسی چیز کا نفع پہنچائیں تو بغیر مشیت الہی کے تجھے نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔“^۳

^۱ مسند احمد: ۳/۴۵۳، رقم: ۱۵۳۲۷

^۲ بخاری، الرقاق، باب الغنی غنی النفس: ۹۵۹/۲

^۳ مرقاة المفاتیح، شرح مشکوٰۃ: ۹۱/۵

فوائد ونصائح

- ۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ اپنا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کو دوسروں سے بے پروا اور مستغنی کر سکتا ہے، لہذا فقر و احتیاج میں رجوع صرف اسی ”الْمَغْنَمُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہی کی طرف ہو۔
- ۲ جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر صبر و شکر کے ساتھ اپنے اندر غنائے ظاہری اور غنائے باطنی پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اللہ کے سوا کسی کے در پر نہ جائے تمام مخلوق سے اپنے آپ کو مستغنی کرے۔
- ۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دو دعاؤں کو یاد کرے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے..... اور ان اشعار کو اپنی میز پر لکھ کر لگائے یا یاد کر لے اور وقتاً فوقتاً پڑھ کر ایمان تازہ رکھے۔



المنع جل جلالہ

(روکنے والا)

اس اسم کے تحت ایک تعریف ذکر کی جاتی ہے:

① **هُوَ الَّذِي يَمْنَعُ أَسْبَابَ الْهَلَاكِ وَالنُّقْصَانِ فِي الْأَبْدَانِ بِمَا يَخْلُقُهُ مِنَ الْأَسْبَابِ الْمُعَدَّةِ لِلْحِفْظِ وَقَدْ يَكُونُ الْمَانِعُ مِنَ الْمَنَعِ وَالْحَرَمَانِ لِمَنْ لَا يَسْتَحِقُّ الْعَطَاءَ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا مَانِعَ لِمَا أُعْطِيتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ."**

فَهُوَ سُبْحَانَهُ يَمْلِكُ الْمَنَعَ وَالْعَطَاءَ وَلَيْسَ مَنَعُهُ الشَّيْءَ بُخْلًا بِهِ، وَلَكِنْ مَنَعُهُ حِكْمَةً وَعَطَاؤُهُ جُودٌ وَرَحْمَةٌ.

ترجمہ: ”المنع جل جلالہ“ وہ ہے جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان و ابدان سے نقصان و ہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے، اور ”المنع جل جلالہ“ کبھی کبھی بخشش و عطا سے اس شخص کو بھی محروم رکھتا ہے جو بخشش کا مستحق نہیں ہوتا جیسا کہ نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ دعائیہ کلمات ہیں: (اے اللہ) جو نعمت تو دے تو اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جسے منع کرے اُس کا دینے والا کوئی نہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ بخشش دینے اور روکنے کا مالک ہے۔ اُس کا بخشش روک لینا بخل نہیں، بل کہ اس کی حکمت ہے اور اس کی نوازش و عطا سخاوت اور رحمت ہے۔

شیخ عبدالصمد الازہری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

اس ”المنع جل جلالہ“ نے ہمیں چوری، زنا شراب نوشی اور حرام خوری وغیرہ سے منع کر دیا ہے۔

اس ”المنع جل جلالہ“ نے ہمیں قتل و غارت گری، جھوٹ، فریب کاری، دھوکا دہی، ظلم و ستم وغیرہ اخلاقِ بد کے ارتکاب سے منع کر دیا ہے اور ہر جرم کے لئے ایک خاص سزا مقرر کی ہے۔

اس ”المنع جل جلالہ“ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک دیا ہے، سورج کو ہماری زمین کے قریب آنے سے

روک دیا ہے، چاند کو سورج کے ساتھ ٹکرانے سے روک دیا ہے۔ کہکشاں کو چاند اور سورج کے قریب آنے سے روک دیا ہے، اسی طرح اس نے فضائے آسمانی میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کہ ایک ستارہ دوسرے ستارے سے نہ ٹکرانے پائے۔

اس ”الْمَلِیْغُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے مذکر کو مؤنث، گیہوں کو جو، بھلائی کو برائی، نیکی کو بدی، حیوان کو جماد اور جماد کو انسان بننے سے روک دیا ہے، اسی طرح مخلوقات کے درمیان طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں۔ ﴿مَجَّ الْبَحْرَيْنِ یَلْتَقِیْنَ﴾ دو سمندروں کا پانی سنگم پر آپس میں ملتا ہے، پھر بھی دونوں کے دھارے ایک دوسرے سے جدا رہتے ہیں کیوں کہ ان دونوں کے درمیان ایک رکاوٹ ہے جو ایک کو دوسرے پر غالب نہیں آنے دیتی۔ اس طرح اگر کارخانہ قدرت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس ”الْمَلِیْغُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی بیشتر قائم کردہ رکاوٹیں دکھائی نہیں دیتیں۔

اللہ رب العزت کی اطاعت ہر حال میں کی جائے، کوئی خوف ولا لچ ہمیں اس کی فرماں برداری سے نہ روکے، وہ چاہے تو تنگ و تاریک راہوں کو آسان بنا دے اور آسان راہوں کو پر خار کر دے، وہ چاہے تو دشمنوں کو دوست بنا دے، دوستوں کو دشمن بنا دے، وہ چاہے تو دور کو نزدیک کر دے، نزیک کو دور کر دے، وہ چاہے تو جو نعمتیں موجود ہیں ان کے استعمال سے بھی روک دے اور وہ چاہے تو جو ملکیت میں نہیں ہے اس کو بھی گود میں لا کر دے دے، بہر حال اصل کامیابی اس کی اطاعت و رضا جوئی میں ہے خواہ ظاہری نقشے اس کے خلاف کیوں نہ ہوں، وہی مشکلات سے آسانیاں نکالتا ہے اور اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرماتا ہے، اسباب حفاظت اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ موت کے نقشوں میں زندگی اور زندگی کے نقشوں میں موت دینا اسی کی شان ہے۔

جب ”الْمَلِیْغُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے موت کو روکنے کا حکم دیا

واقِعَةُ مَلِكٍ (۹۳): بنان حمال رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں میں سے ہیں، اصل بغداد کے تھے لیکن مصر میں رہنے لگے تھے، عوام و خواص دونوں میں ان کی بڑی مقبولیت تھی، اللہ والوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے، وہ دلوں کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں، حمال رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے بادشاہ مصر ابن طولون کو ایک مرتبہ نصیحت فرمائی، ابن طولون تاب نہ لا سکا اور ناراض ہو کر اس نے حکم دیا کہ انہیں خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا جائے۔

انسان اپنے جذبہ انتقام کی تسکین کے لئے سزا کے بھی عجیب طریقے ایجاد کرتا ہے، سزا کا جو طریقہ جس قدر سخت ہوگا، اس کے جذبہ انتقام کو اسی قدر ٹھنڈک پہنچے گی، بنان حمال رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا گیا، شیر

لپکا پھر رک کر ان کے جسم کو سونگھنے لگا، دیکھنے والے ان کے جسم کی چیر پھاڑ ہونے کا انتظار کر رہے تھے لیکن..... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! جب دیکھا کہ شیر انہیں کچھ نہیں کہہ رہا، تب انہیں شیر کے سامنے سے اٹھا دیا۔ اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہوئی کہ جب ان سے پوچھا گیا: ”شیر کے سونگھتے وقت آپ کے دل پر کیا گزر رہی تھی؟“ فرمانے لگے: ”میں اس وقت درندے کے جھوٹے کے متعلق علماء کے اختلاف کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک۔“^{۱۷}

موت آدمی کے سامنے ہو اور وہ بھی اس ہیبت ناک منظر کے ساتھ، لیکن ذہن، فقہ کے ایک اختلافی مسئلہ میں مگن رہے، یہ ”المصنف جلالہ“ کی ذات پر یقین کامل کا نتیجہ ہے، کہ شیر بھی مخلوق ہے، اپنے سے نفع و نقصان پہنچانے میں ”المصنف جلالہ“ کے حکم کے تابع ہے، جس دل میں یہ یقین جتنا مضبوط ہوگا، اسی قدر مخلوق کا خوف اس کے دل سے نکل جائے گا، پھر شیر و چیونٹی عطا و منع میں نفع و ضرر میں اس کی نگاہ میں برابر ہوں گی، ایسے بڑے لوگوں سے انسان کیا، درندے بھی محبت کریں گے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی (بزدلی)..... جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ!^{۱۸}

”المصنف جلالہ“ مخلوقات کے شر کو روکنے والا

واقعتاً میں نے ایک مرتبہ ابن ہبیرہ نے خط لکھ کر حضرت حسن بصری، ابن سیرین اور امام شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ کو طلب کیا اور کہا: ”امیر المؤمنین یزید نے مجھے ایک ایسا حکم لکھ بھیجا ہے کہ اگر اس پر عملدرآمد کرتا ہوں تو دین و ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اگر عمل نہ کروں تو جان سے جانے کا خوف ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟“ امام ابن سیرین اور امام شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ نے جواب میں ایسی بات کہی جس میں مصلحت کا لحاظ کیا گیا تھا، لیکن حضرت حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اے ابن ہبیرہ! اللہ تعالیٰ تجھے یزید سے بچا سکتا ہے مگر یزید تجھے اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا۔

اے ابن ہبیرہ! یزید کی اطاعت کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں یزید کا خوف مت کر۔

اے ابن ہبیرہ! عن قریب موت کا فرشتہ تجھے تیرے تخت سے اتار کر تیرے محل کی وسعت و کشادگی میں لے جائے گا، پھر تجھے وہاں سے نکال کر تیری قبر کی تنگی و تاریکی میں پہنچا دے گا، اس وقت سوائے تیرے عمل کے کوئی چیز تجھے نجات نہیں دلا سکتی۔

اے ابن ہبیرہ! خالق کی نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔“

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا جواب سن کر ابن ہبیرہ نے ان کے لئے چار ہزار درہم کا حکم دیا جب کہ ابن

سیرین اور شعبی رَحِمَهُمَا اللہُ تَعَالٰی کے لئے دو دو ہزار درہم کا حکم دیا، تو انہوں نے فرمایا:

”ہم نے ہلکا انداز اختیار کیا، اس لئے ہمیں انعام بھی ہلکا دیا گیا۔“ ۱

ان واقعات سے ہمیں اپنا یقین مضبوط کرنا چاہئے اور عقیدہ صحیح کرنا چاہئے کہ کوئی بھی بیماری ہو، جنات ہوں یا جادو

ہو یہ تمام چیزیں ہمیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، غلط قسم کے غیر شرعی تعویذ یا مزاروں میں جا کر منتیں ماننا، غلط عامل،

پروفیسر، جوتشی اور نجومی کے پاس جا کر ہم اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی زندگی میں اضافہ نہیں کر سکتے، جب تک انسان کا

ایک سانس بھی باقی ہو سارے جنات، سارے شیاطین، سارے جادوگر، مل کر بھی اس کو نہیں مار سکتے، اس کو معمولی سے

معمولی قسم کی بھی کوئی تکلیف اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں پہنچا سکتے پھر غلط جگہوں پر جا کر اپنا عقیدہ خراب کرنا اور شرک

کی حالت میں اس دنیا سے جانا کتنے افسوس کی بات ہے۔

عطا و منع کرنے والا صرف ”الْمَلِغِ الْجَلَّالُ“

حضرت مغیرہ ابن شعبہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ

لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ.“ ۲

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں، بس وہی ہے، اس کا شریک کوئی نہیں، ساری بادشاہت اسی کی ہے اور

سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں، وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو نعمت تو بخش دے پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو

روک لے پھر اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی مال دار کو اس کی دولت کچھ کام نہیں دیتی (بل کہ وہاں اعمال

کی پوچھ ہے)۔“

فَإِنَّ مَنْ لَا يَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهِ الْفَاسَ كَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيهِ الْبَاسَ

واقعة ملین (۹۵): یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جو اہل عرب اور اہل کتاب کے مسلم بزرگ ہیں اور

ابتدائے عمر سے توحید کے دل دادہ اور شرک اور بت پرستی کے دشمن تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں

میں سے ہیں، ان کا واقعہ بہت سی حکمتوں اور نصائح پر مشتمل ہے، اہل توحید کے لئے یہ واقعہ مشعلِ راہ ہے اور مشرکین کے

۱ عیون الأخبار: ۳/۳۴۳، بحوالہ کتابوں کی درگاہ میں: ۷۵

۲ بخاری،، الاذن، باب الذکر بعد الصلوة، رقم: ۸۴۴

لئے دلائلِ توحید سے پُر ہے۔

چنانچہ ان کے زمانے میں بت پرستی عام تھی اور بچپن ہی سے انہیں بت پرستی سے نفرت تھی۔ جب بلوغ کی عمر کو پہنچے تو بت پرستی سے برملا نفرت کا اظہار فرمانے لگے اور ایک مرتبہ اپنی قوم اور قبیلے سے کہنے لگے: یہ مورتیاں کیا ہیں جن کے آگے تم مجاور بنے بیٹھے ہو اور ان کی عبادت پر جمے ہوئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ”ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے، لہذا ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔“

حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے ارشاد فرمایا: ”تم اور تمہارے آباء و اجداد کھلی گمراہی میں پڑے رہے۔“ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور وہ ہی ذرہ ذرہ کا حقیقی مالک و پروردگار ہے، قوم نے حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کے جب یہ تاثرات و نظریات دیکھے تو وہ سمجھ گئے کہ یہ ہمارے آباء و اجداد کے دین کا مخالف ہے۔

حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے بھی دل میں یہ سوچ لیا کہ موقع ملنے پر ان کے بتوں کا برا حال بناؤں گا تاکہ انہیں اس کا احساس ہو کہ وہ خدا جو اپنی ذات سے کسی آفت کو نہ روک سکیں، وہ دوسروں کے خدا کہاں ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ ان لوگوں کے سالانہ عید اور خوشی کا ایک تہوار منایا جاتا تھا جس میں ساری قوم ایک جگہ جمع ہو کر خوشیاں مناتی تھی، جب یہ موقع آیا تو ساری قوم میلہ میں شرکت کے لئے ایک مخصوص جگہ جمع ہوئی، لیکن حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ان کے ساتھ نہ گئے اور پیچھے رہ گئے، جب سب چلے گئے تو ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ان کے بت خانہ میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ ایک بڑا بت رکھا ہوا ہے اس کے دونوں جانب چھوٹے چھوٹے بت ہیں اور ان کے سامنے کھانا رکھا ہوا ہے، حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے بطور استہزاء ان سے خطاب کیا:

﴿أَلَا تَأْكُلُونَ﴾^۱ تم کھاتے کیوں نہیں؟ پھر کہا: ﴿مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ﴾^۲ تم کو کیا ہوا کہ بولتے نہیں؟ اس کے بعد ایک کلباڑے سے ان کو توڑنا شروع کر دیا ﴿فَرَأَٰهُ عَلَيْهِمْ صَرَبًا بِالْيمِينِ﴾^۳ اور سوائے ایک بت کے جو سب سے بڑا تھا سب کو توڑ ڈالا اور کلباڑا اس بڑے بت کی گردن پر رکھ دیا۔

مشرکین نے جب اپنی عید سے واپس آ کر دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں تو ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ سے پوچھا: کیا یہ کام تو نے کیا ہے؟ ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نے جواب دیا: ﴿بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ﴾^۴ ”بل کہ اس کام کو ان کے بڑے نے کیا ہے۔“

علامہ نسفی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے یہاں کیا خوب نکتہ بیان فرمایا ہے:

”فَإِنَّ مَنْ لَا يَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهِ الْفَاسَّ كَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيهِ الْبَاسَ“

تَرْجَمَہ: ”غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو ذات اپنے سر سے کھاڑے کو دفع نہ کر سکے وہ اپنے پرستاروں اور پوجکاروں کے کرنے والوں سے بلا اور مصیبت کو کیسے دفع کر سکتی ہے؟“

غرض یہ کہ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کا یہ خاموش کر دینے والا جواب سن کر سب پریشان ہو گئے۔ وہ لوگ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کی حجت اور دلائل سے جب لاجواب ہو گئے تو جھنجھلا کر یہ طے کیا کہ ان کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ سو انہوں نے ایک بلند اور بند مکان میں بے شمار ایندھن جمع کیا اور اس پر تیل چھڑک کر اس میں آگ لگا دی، پھر حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کی گردن میں طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال کر منجنيق (وہ آلہ جس کے ذریعہ کسی چیز کو دور پھینکا جائے) کے ذریعے ان کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

فرشتوں نے عرض کیا: ”اے پروردگار! آپ کا دوست آگ میں ڈالا جا رہا ہے، ہمیں اجازت دیجئے کہ اس کی مدد کریں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وہ میرا دوست ہے اگر تم سے کوئی مدد چاہے تو میری طرف سے اجازت ہے کہ تم اس کی مدد کرو۔“

چنانچہ جبریل امین عَلَيْهِ السَّلَامُ ان کے پاس پہنچے اور پوچھا: تم کو کچھ حاجت ہے؟ فرمایا: تمہاری تو مجھے حاجت نہیں اور اللہ تعالیٰ کو میرے حال کا علم ہے، وہ میرے لئے کافی ہے، وہ میرا رب ہے میرے سوال سے پہلے میرا حال جانتا ہے، وہ میرے لئے کافی ہے اور اس کا میرے حال کو جاننا میرے سوال کرنے سے کافی ہے اور ”حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ پڑھا۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام آگ اسی وقت برد و سلام (ٹھنڈی اور سلامتی والی) بن گئی اور آگ نے حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے بدن سے بندھن اور طوق اور بیڑیاں اور ہتھکڑیاں تو جلا دیں مگر حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے جسم کو آج تک نہ پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ سات دن تک حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ اسی آگ کے مقام میں رہے۔ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کا بیان ہے کہ جیسا سکون مجھے اس آگ میں نصیب ہوا ایسا سکون مجھے عمر بھر میں کبھی نصیب نہیں ہوا۔

ایک فرشتہ ان کی تسلی کے لئے ان کے پاس آ بیٹھا اور حضرت جبریل عَلَيْهِ السَّلَامُ جنت سے ریشم کی ایک قمیص اور ایک بستر لائے اس قمیص کو حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کو پہنا دیا اور اس بستر کو بچھا دیا اور ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور کہا: اے ابراہیم! تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ کیا تجھے یہ بات معلوم نہیں کہ آگ میرے دوستوں کو نقصان نہیں پہنچاتی۔

پھر نمرود نے اپنے محل پر چڑھ کر حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کی طرف جھانکا تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ ایک گلزار اور سبزہ زار میں بیٹھے ہیں اور آتش کدہ ان کے لئے گلستان اور بوستان بنا ہوا ہے اور ان کے پاس

ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے اور ان کے چاروں طرف وہ آگ لکڑیوں کے انبار کو جلا رہی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام درمیان میں نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آواز دی کہ کیا تم اس آگ سے باہر نکل سکتے ہو۔

جواب دیا: ہاں اور کھڑے ہو گئے اور آگ میں چلنے لگے حتیٰ کہ اس سے باہر نکل آئے اور نمرود اور اس کے ارکانِ دولت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استقبال کیا اور کہا: اے ابراہیم! تیرا سحر (جادو) بہت ہی عجیب ہے جو آگ پر بھی چل گیا۔ نمرود یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ اس شخص کا مقابلہ ممکن نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیچھا چھوڑ دیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا اور دشمنوں کی تمام کوششوں کو ناکام بنایا اور ادھر نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا جس نے اس کو ہلاک کیا۔^۱

اس طرح آگ کا ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا اور یہ کام کوئی مشکل نہیں۔ تمام کائناتِ عالم حق تعالیٰ کے تصرف میں ہے، اندرونی طور سے ان پر حکم نافذ کرتا ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو، جس طرح ہمارے اعضاء ہمارے احکام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے معدہ کے اندر ایک خاص حرارت اور آتشِ مادہ رکھا ہے جو کھانے کو ہضم کرتا ہے اور اس کو پکاتا ہے اور گلا دیتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز بھی ویسی نہیں گلتی اور معدہ اس چیز کو ایسا گلا دیتا ہے کہ اس کا نام و نشان بھی نہیں رہتا جیسا کہ بول و براز سے ظاہر ہے۔ انسان گوشت روٹی وغیرہ کھاتا ہے مگر یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ یہ فضلہ کس چیز کا ہے۔ معدہ میں پہنچ کر غذا کی صورت ختم ہو جاتی ہے اور معدہ کی حرارت بلا کی حرارت ہے، گوشت کیا ریت اور کنکر بھی وہاں جا کر پس جاتے ہیں، جیسا کہ پرندوں کی بیٹ (پرندوں کا فضلہ) سے ظاہر ہے جن کی غذا کنکر وغیرہ ہے، غرض یہ کہ معدہ میں اس بلا کی حرارت ہے کہ سخت سے سخت غذا کو گلا کر اور باریک کر کے نکالتی ہے، مگر انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو نہیں جلاتی، معدہ کی حرارت عجیب الخلق حرارت ہے کہ کسی چیز کو جلاتی ہے اور کسی چیز کو نہیں۔

پس جس آگ کے پیدا کرنے والے نے معدہ کی آگ کو بدن کی انتڑیوں اور بدن کے پٹھوں کو جلانے سے روک دیا اسی خالق نے نمرود کی آگ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جلانے سے روک دیا۔ بہر حال آگ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اسی کے حکم کے تابع ہے، جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے اس کو جلاتی ہے اور جس کی حفاظت کا حکم ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتی ہے جیسا کہ معدہ کی آگ کے متعلق ابھی آپ نے مطالعہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ توحید کو ثابت کرنے میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ رب العزت اکیلے پوری کائنات کے نظام کو چلا رہے ہیں، قرآن مجید نے توحید کو ثابت کرنے کے لئے مختلف انداز میں دلائل ذکر کئے ہیں

ان دلائل سے ایک اُن پڑھ آدمی کو بھی اسی طرح اطمینان حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ایک تعلیم یافتہ محنتی اور پروفیسر کو۔
اس سے آج کے معاشرے کا فرد بھی اسی طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے جس طرح آج سے چودہ صدیاں پہلے کے معاشرے کا انسان فائدہ اٹھاتا تھا۔

”المَلِیُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت کے کرشمے

واقِعْدٌ مِّنْ بَنِیْ (۹۶): عارف رومی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے مثنوی میں ایک حکایت نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے: ایک بت پرست بادشاہ تھا لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا، اس نے ایک آگ جلائی اور اس کے پاس ایک بت رکھا اور کہا: ”جو اس بت کو سجدہ کرے گا وہ آگ سے نجات پائے گا“

اسی دوران ایک بچے والی عورت لائی گئی اور اس سے کہا گیا: ”اس بت کو سجدہ کر۔“
وہ عورت مؤمنہ تھی، اس نے بت کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا وہ اس سے چھین لیا گیا، کہ شاید عورت اپنے بچے کی جان بچانے کے لئے بت کو سجدہ کرے، پھر بھی اس نے سجدہ نہ کیا تو بچے کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ ماں بے تاب ہو گئی، یکا یک اس آگ میں سے بچہ نے آواز دی:

اے ماں! تم بھی یہاں آ جاؤ یہ تو عشرت کی جگہ ہے، یہاں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو رہی ہے، اندر آ کر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے اسرار کا جلوہ دیکھو۔ جنہوں نے نمرود کی آگ میں گلاب اور چنبیلی کے پھول پائے تھے، میں تجھے حق مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر آ جا..... یہاں تو شہنشاہ حقیقی کا خوانِ کرم بچھا ہوا ہے۔

اور اے مسلمانو! تم سب اندر آ جاؤ پروا نہ کرو..... کسی طرح اس آگ میں کود پڑو، ماں اپنے بچے کی یہ بات سن کر فوراً آگ میں کود پڑی اور آگ میں کودنے کے بعد اس عورت نے بھی چلا چلا کر یہی کہنا شروع کیا: اے مسلمانو! تم بھی اسی باغ میں آ جاؤ، یہ سنتے ہی لوگ ذوق و شوق کے ساتھ آگ میں کودنے لگے۔ آخر کار معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جو سپاہی پہرہ پر مقرر تھے وہ لوگوں کو منع کرنے لگے، بادشاہ یہ منظر دیکھ کر پشیمان ہوا اور حیران رہ گیا، وہ تو چاہتا تھا کہ لوگوں کو آگ سے ڈرا کر ایمان سے روکے، لیکن تقدیر الہی نے اس کی تدبیر کو بالکل الٹ دیا، یہ دیکھ کر بادشاہ کو جوش آ گیا اور آگ سے خطاب اور عتاب شروع کیا۔

کافر بادشاہ کا آگ کو عتاب کرنا کہ تو کیوں نہیں جلاتی اور آگ کا جواب

رو بآتش کرد شد کائے تند خو آں جہاں سوز طبعی خوت کو

بادشاہ غصہ و غضب میں بھرا ہوا آگ سے مخاطب ہو کر بولا: ”اے جلانے والی آگ! تیری طبعی عادت اور مزاجی خاصیت یعنی جلانے والی خصلت کہاں چلی گئی؟“

چوں نمی سوزی چه شد خاصیت یاز بخت ما دگر شد نیست
 ”تو جلاتی کیوں نہیں؟ تیری طبعی خاصیت کہاں چلی گئی یا ہماری بد قسمتی سے تیری نیت یعنی تیری حقیقت اور اصل
 ماہیت ہی بدل گئی ہے اور کیا تو آگ نہ رہی؟“

می نہ بخشائی تو بر آتش پرست آل کہ نہ پرست ترا او چوں پرست
 ”اے آگ! تو تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی، پس جو شخص تیری پرستش نہیں کرتا وہ تیرے جلانے
 سے کیوں کر بچ گیا۔“

آگ کا کافر بادشاہ کو حیران کن جواب

گفت آتش من ہانم آتشم اندر آتا بہ بنی تا بشم
 آگ نے (بحکم خداوندی) جواب دیا: ”میں وہی آگ ہوں، میری حقیقت اور ماہیت میں کوئی تغیر نہیں ہوا، تو اندر
 آتا کہ تجھ کو میری پیش نظر آئے اور میری حرارت کا مزہ چکھے۔“

طبع من دیگر نگشت و منضم تیغ ہم بدستوری برم
 ”میری طبیعت اور میری اصل نہیں بدلی، میں حق کی تلوار ہوں، اس کی اجازت سے کاٹتی ہوں، جس طرح تلوار اپنے
 چلنے اور کاٹنے میں مستقل نہیں بل کہ تلوار چلانے والے کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہے، اسی طرح میں جلانے میں مستقل
 نہیں کہ بلا حق تعالیٰ کی اجازت کے کسی کو جلا سکوں۔“

یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ ان اسباب ظاہرہ کو اسی نے سبب بنایا ہے کوئی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا۔ وہ قادر مطلق
 ہے، جس نے سبب بنایا ہے وہ جب چاہتا ہے سبب کو کارگر بناتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو بے اثر اور بے کار بنا دیتا
 ہے، جس طرح ان اسباب حادثہ کا وجود اس کے اختیار میں ہے اسی طرح ان اسباب کی تاثیر اور ان کی خاصیتیں بھی اس
 کے اختیار میں ہیں۔

جب ”المیغی جلالہ“ نے سانپ کو نقصان پہنچانے سے روک دیا

واقعة مذبکہ (۹۷): حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے کہ
 اتنے میں حضرت امّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور انہوں نے کہا: ”یا رسول اللہ! حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) گم ہو

۱۔ مشنوی مولوی معنوی: ۱۱۱ تا ۱۱۶

۲۔ قائد: حضرات اہل علم تفصیل کے لئے دفتر اول مولانا روم صفحہ ۷۷ دیکھیں۔ اور ”معرفت الہیہ“ مؤلفہ مولانا عبد الغنی پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ
 کا مطالعہ کریں۔

گئے ہیں اس وقت دن چڑھ چکا تھا حضور ﷺ نے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے فرمایا:

”اٹھو اور میرے دونوں بیٹوں کو تلاش کرو.....“ چنانچہ ہر آدمی نے اپنا راستہ لیا اور چل پڑا اور میں حضور ﷺ کا راستہ لے کر چل پڑا، حضور ﷺ چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم دونوں ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کھڑے ہیں اور پاس ہی ایک کالا ناگ اپنی دم پر کھڑا ہے جس کے منہ سے آگ کی چنگاریاں نکل رہی ہیں (غالباً اللہ تعالیٰ نے ناگ بھیجا تھا کہ بچوں کو آگے جانے سے روکے)۔ حضور ﷺ جلدی سے اس ناگ کی طرف بڑھے، اس ناگ نے حضور ﷺ کو مڑ کر دیکھا پھر چل پڑا اور ایک سوراخ میں داخل ہو گیا، پھر حضور ﷺ ان دونوں کے پاس گئے اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور دونوں کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا:

”بَابِي وَأُمِّي أَنْتُمَا أَكْرَمُكُمَا عَلَى اللَّهِ“..... ”میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان ہوں! تم دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنے قابلِ اکرام ہو۔“ پھر ایک کو دائیں کندھے پر اور دوسرے کو بائیں کندھے پر بٹھا لیا، میں نے کہا: تم دونوں کو خوش خبری ہو کہ تمہاری سواری بہت عمدہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”یہ دونوں بہت عمدہ سوار ہیں اور ان کے والد ان دونوں سے بہتر ہیں۔“ ۱

”الْمَلِیْغُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی صفت کو سمجھنے کے لئے حدیث میں ایک بہترین دعا ہے:

”اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ..... اللَّهُمَّ لَا قَائِضَ لِمَا بَسَطْتَ..... وَلَا بَاسَ لِمَا قَبَضْتَ..... وَلَا هَادِيَ لِمَنْ أَضَلَّتْ..... وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ..... وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ..... وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ..... وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ..... وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ.“ ۲

ترجمہ: ”اے اللہ! ساری تعریف آپ کے لئے ہے جس کا رزق تو وسیع کر دے، پھر اس کا تنگ کرنے والا کوئی نہیں اور جس کا رزق تو تنگ فرما دے پھر اس کا وسیع کرنے والا کوئی نہیں،..... جس کو تو گمراہ کر دے پھر اس کا ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جس کو تو ہدایت نصیب فرما دے پھر اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں، جو نعمت تو روک لے پھر اس کا دینے والا کوئی نہیں اور جو دیدے پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں، جس چیز کو تو دور کر دے پھر اس کا قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جس کو قریب کر دے پھر اس کا دور کرنے والا کوئی نہیں۔“

”الْمَلِیْغُ جَلَّ جَلَالُهُ“ جس مصیبت کو روک دے وہ کبھی نہیں آسکتی

حدیث میں آتا ہے:

”مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا أَخْطَاكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ“

”یہ سمجھو کہ جو مصیبت تم کو پہنچ چکی ہے وہ کبھی بھی ٹلنے والی نہ تھی اور جو نہیں پہنچی وہ کبھی بھی تمہیں پہنچنے والی نہ تھی۔“
حدیث نبوی کا یہ مختصر سا مگر جامع جملہ ہمارے بہت سے غموں اور پریشانیوں کے لئے تسلی و دوا کا سبب بن سکتا ہے، بہت سے آپس کے جھگڑوں و رنجشوں کے ختم ہونے کا ذریعہ، بل کہ آپس کی ناچاقیوں اور تو تو، میں میں کے اسباب ہی کے خاتمہ کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

بہت سے لوگ (مرد و عورت) اس غم میں گھلتے رہتے ہیں کہ اتنی پریشانیاں..... اتنی مصیبتیں،..... فلاں صاحب کی وجہ سے آئیں، ابا کی یہ غلطی تھی..... اماں نے یہ غلط مشورہ دیا..... بھائی، بہن، دوست، نے ایسا کیا تو ایسا ہوا، بھابھی صاحبہ کی وجہ سے ایسا ہوا ان سب کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت پر یقین رکھیں کہ روکنے والا بھی وہی ہے اور دینے والا بھی وہی ہے۔ پریشانیاں بھیجنے والا بھی وہی ہے اور پریشانیاں دور کرنے والا بھی وہی ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں کی طبیعتیں ایسی ہیں کہ مستقبل میں آنے والی موہوم پریشانیوں سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اور شیخ چلی کی طرح سوچ سوچ کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشانی و فکر و اضطراب میں مبتلا کرتے رہتے ہیں، انہیں بھی چاہئے کہ ان سارے موہوم و شکی خیالات کو اپنے سے دور رکھیں کہ یہ ہو گیا تو کیا ہوگا.....؟ یوں ہوا تو کیا ہوگا.....؟ فلاں یہ کر دے گا تو.....؟ اگر میری ملازمت ختم ہو گئی تو.....؟ فلاں کاروبار میں نقصان ہو گیا تو.....؟ فلاں یوں کر لے گا تو.....؟ یہ بیماری ٹھیک نہ ہوئی تو.....؟ یہ پریشانی ختم نہ ہوئی تو.....؟

اللہ تعالیٰ کی ذات پر اپنا یقین کامل رکھیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان دو مبارک شعروں سے اپنے آپ کو تسلی دیں، گو یہ اشعار عربی میں ہیں لیکن ہو سکے تو ان کو یاد کر لیں، چلتے پھرتے پڑھتے رہیں، ان شاء اللہ بہت ہی فائدہ ہوگا، یاد نہ ہوں تو ان کے معانی کا استخراج رکھیں اور یہ طے کریں کہ اگر خود عربی زبان نہیں آتی تو اپنی نسلوں، آئندہ آنے والے نونہالوں کو اس مبارک زبان سے محروم نہیں کریں گے۔

تو لیجئے یہ دو شعر:

عَلَيْكَ بِالتَّيْسِيرِ فَإِنَّ الْأُمُورَ بَكَفِّ الْإِلَهِ مَقَادِيرُهَا

”اپنے ساتھ آسانی کا معاملہ کرو (اور گھبراؤ مت) کیوں کہ تمام کاموں کی تقدیریں اللہ تعالیٰ کی ہتھیلی میں ہیں۔“

فَلَيْسَ بِأَتَيْكَ مِنْهِيَهَا وَلَا قَاصِرٌ عَنْكَ مَأْمُورُهَا

تَرْجَمَهُ: ”جس کام کو اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا وہ تمہارے پاس آ نہیں سکتا اور جس کے ہونے کا حکم دے دیا ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتا۔“

تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا

وَاقِعًا مَّذْبُورًا (۹۸): ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں ایک منزل پر قیام فرمایا اور وہاں ایک درخت کے نیچے آپ تن تنہا سو گئے، آپ ﷺ کے قریب کوئی محافظ اور کوئی نگہبان نہیں تھا، کسی کافر نے آپ ﷺ کو تنہا دیکھا تو تلوار سونت کر آگیا اور بالکل آپ ﷺ کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا، جب آپ ﷺ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ اس کافر کے ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ خالی ہاتھ ہیں اور وہ کافر یہ کہہ رہا ہے:

”مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟“..... ”اے محمد! (ﷺ) اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟“

اس شخص کو یہ خیال تھا کہ جب حضور اقدس ﷺ یہ دیکھیں گے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں نہتا ہوں اور اچانک یہ شخص میرے سر پر آ کھڑا ہوا ہے تو آپ ﷺ گھبرا جائیں گے اور پریشان ہو جائیں گے، لیکن آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر دور دور تک پریشانی کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ نے اطمینان سے جواب دیا:

”اللہ“..... ”مجھے اللہ تعالیٰ بچائیں گے۔“

جب اس شخص نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر پریشانی اور گھبراہٹ کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تو آپ ﷺ کا جواب سنتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسا رعب مسلط فرما دیا کہ اس کے ہاتھوں میں لرزہ آگیا اور اس لرزہ کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اب سرکارِ دو عالم ﷺ نے وہ تلوار ہاتھ میں اٹھالی اور فرمایا: ”اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا؟“

اس واقعہ کے ذریعہ اس شخص کو یہ دعوت دینی تھی کہ درحقیقت تم اس تلوار پر بھروسہ کر رہے تھے اور میں اس تلوار کے پیدا کرنے والے اور اس میں تاثیر دینے والے پر بھروسہ کر رہا تھا۔ یہی طریقہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے سامنے پیش فرمایا تو اس کے نتیجے میں ایک ایک صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ حال تھا کہ وہ اسباب اختیار کرتے تھے مگر بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرتے تھے، مخلوق کا تاثر اپنے دل میں نہیں آنے دیتے تھے اور یہ طے شدہ حقیقت ہے اور آزمودہ و مجرب نسخہ ہے کہ مخلوق کا تاثر دل سے نکال دیا جائے، چاہے وہ مخلوق کتنی ہی بڑی نظر آئے اس کا دل سے تاثر نکالتے ہی وہ تابع بن جائے گی۔

فوائد و نصائح

- ۱ اس اسم سے سبق حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ نفس پرستوں کی صحبت سے پرہیز کریں اور ﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾^۷ میں داخل ہونے سے خود کو بچائیں لازم ہے کہ اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر قائم کریں۔^۸
- ۲ چاہئے کہ اپنا عقیدہ صحیح کرے کہ کوئی بھی بیماری ہو، جنات ہوں یا جادو ہو یہ تمام چیزیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے اور یقین بنائے کہ اگر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے طریقوں پر چلوں گا تو کوئی مخلوق مجھے کسی طرح کا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی، لہذا مخلوق سے گلے شکوے ختم کریں۔
- ۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دعاؤں کو یاد کرے اور ہر وقت ترجمہ کے استحضار کے ساتھ مانگتا رہے۔

۷ الماعون: ۷

۸ شرح اسماء حُسنی: ۲۲۶ (منصور پوری)

الضَّارُّ جَلَّ جَلَالُهُ النَّافِعُ جَلَّ جَلَالُهُ

(ضرر پہنچانے والا) (نفع پہنچانے والا)

ان اسماء کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

❶ الضَّارُّ الَّذِي يَضُرُّ الْعَاصِينَ بِحِرْمَانِهِ، وَالنَّافِعُ الَّذِي يَنْفَعُ الطَّائِعِينَ بِتَوْفِيقِهِ وَإِحْسَانِهِ.

ترجمہ: ”الضَّارُّ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ذات ہے جو نافرمان بندوں کو اپنی نعمتوں سے محروم رکھ کر سزا دیتا ہے اور النَّافِعُ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ذات ہے جو فرماں بردار بندوں کو اپنی توفیق اور احسان سے فائدہ پہنچاتا ہے۔“

❷ الضَّارُّ وَالنَّافِعُ هَذَانِ الْإِسْمَانِ مِمَّا يَحْسُنُ الْقِرَانُ فِي الذِّكْرِ بَيْنَهُمَا لِأَنَّ فِي اجْتِمَاعِهِمَا وَصْفًا

لَهُ بِالْقُدْرَةِ عَلَى نَفْعٍ مَنْ شَاءَ وَضَرٍّ مَنْ شَاءَ وَذَلِكَ أَنَّ مَنْ لَمْ يَكُنْ عَلَى النَّفْعِ وَالضَّرِّ قَادِرًا لَمْ

يَكُنْ مَرْجُوًّا وَلَا مَخُوفًا وَفِيهِ إِبْطَاتٌ أَنَّ الْخَيْرَ وَالشَّرَّ مِنْ قِبَلِ اللَّهِ جَلَّ وَعَزَّ وَقَدْ يَكُونُ مَعْنَاهُ أَيْضًا

أَنَّهُ يَقْلِبُ الضَّارَّ بِلَطِيفِ حِكْمَتِهِ مَنَافِعَ، فَيَشْفِي بِالسَّمِّ الْقَاتِلِ إِذَا شَاءَ، كَمَا يُمِيتُ بِهِ إِذَا شَاءَ،

لِيُعْلَمَ أَنَّ الْأَسْبَابَ إِنَّمَا تَنْفَعُ وَتَضُرُّ إِذَا اتَّصَلَتِ الْمَشِئَةُ بِهَا.

ترجمہ: ”الضَّارُّ اور النَّافِعُ اللہ رب العزت کے ان مبارک ناموں میں سے ہیں جنہیں ساتھ ملا کر ذکر کرنا بہتر ہے۔

ان دونوں کے جمع کرنے میں اُس ذات کے لئے نفع اور نقصان پر قادر ہونے کی صفت بن جاتی ہے اور یہ کہ جو ذات نفع

اور نقصان پر قادر نہ ہو اس سے نہ کسی فائدے کی امید اور نہ ہی کسی نقصان کا خوف رکھا جاسکتا ہے۔ اس میں اثبات ہے

اس بات کا کہ خیر اور شر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ معنی بھی پایا جاتا ہے کہ وہ نقصان دہ چیز کو اپنی لطیف حکمت

سے فائدہ مند چیز میں بدل دیتے ہیں۔ جب اللہ جَلَّ جَلَالُهُ چاہیں تو ہر قاتل کے ذریعے شفاء بخشتے ہیں، جس طرح کہ

وہ جب چاہیں اس کے ذریعے موت دے دیں، تاکہ اس بات کا علم ہو جائے کہ اسباب نقصان اور فائدہ تب ہی پہنچا سکتے

ہیں جب ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مرضی و ارادہ شامل ہو جائے۔“

اس مذکورہ عبارت سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ نفع و نقصان کا مالک اور اشیاء میں نفع اور نقصان کی تاثیر رکھنے والی

ذات وہی **الضُّحَا النِّفَعُ بِجَلَّالِهِ** ہے اور یہی درس ہمیں قرآن مجید بھی دے رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْتَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾

ترجمہ: ”آپ فرمادیں کہ مجھے اپنے لئے بھلائی برائی کا اختیار نہیں، مگر جو **اللہ تعالیٰ** کو منظور ہو، اگر میں غیب جانتا تو کثرت سے بھلائی جمع کر لیتا (یعنی اپنی حفاظت کا سامان پہلے سے کر لیتا) اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو صرف ایمان والوں کو ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔“

یعنی پیغمبر اسلام **صلی اللہ علیہ وسلم** جو سرتاج انبیاء **علیہ السلام** ہیں، آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** سے بڑے بڑے معجزے ظاہر ہوئے، لوگوں نے آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** سے دین کے اسرار و رموز سیکھے، لوگوں کو آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** کی راہ پر چلنے سے بزرگی نصیب ہوئی۔ **اللہ تعالیٰ** نے آپ **صلی اللہ علیہ وسلم** سے فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان فرمادیں کہ مجھے نہ تو کچھ قدرت حاصل ہے اور نہ ہی غیب دان ہوں، میری قدرت کا یہاں سے اندازہ لگاؤ کہ میں اپنی جان تک کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں، دوسروں کو تو کیا بھلائی برائی پہنچا سکوں گا۔

اگر میں غیب دان ہوتا تو کام سے پہلے اس کا انجام معلوم کر لیا کرتا، اگر اس کام کا انجام برا معلوم ہوتا تو اس میں کبھی ہاتھ نہ ڈالتا۔

غیب دانی **اللہ تعالیٰ** کی شان ہے اور میں پیغمبر ہوں، پیغمبر کا صرف اتنا کام ہوتا ہے کہ وہ برے کاموں کے انجام سے خبردار کر دے اور نیک کاموں پر خوش خبری سنا دے، یہ بات بھی ان ہی کو فائدہ پہنچاتی ہے جن کے دلوں میں یقین ہو اور یقین پیدا کرنا **اللہ تعالیٰ** ہی کا کام ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا اصل کام

معلوم ہوا کہ انبیاء **علیہم السلام** اور اولیاء میں یہی بڑائی ہے کہ وہ **اللہ تعالیٰ** کی راہ بتاتے ہیں اور جن اچھے برے کاموں سے واقف ہیں، ان سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ **اللہ پاک** نے ان کی تبلیغ میں تاثیر رکھی ہے، بہت سے لوگ ان کی تبلیغ سے سیدھی راہ پر آجاتے ہیں۔ یہ کوئی بڑائی نہیں کہ انہیں تصرفِ عالم کی قدرت دی گئی ہو کہ جسے چاہیں مار ڈالیں..... یا بیٹا بیٹی دے دیں..... یا آئی بلا ٹال دیں..... یا مرادیں بر لائیں..... یا فتح و شکست دے دیں..... یا تو نگر بنا دیں..... یا فقیر و قلاش کر دیں، یا کسی کو بادشاہ بنا دیں..... یا کسی کو امیر یا وزیر بنا دیں..... اور کسی کو فقیر و حقیر کر دیں..... کسی کے دل میں ایمان ڈال دیں..... اور کسی سے چھین لیں..... کسی بیمار کو تندرست یا تندرست کو بیمار کر دیں.....

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چھوٹا بڑا یہ کام کرنے سے عاجز ہے اور عجز میں سب برابر ہیں۔ اسی طرح یہ کوئی بڑائی نہیں کہ اللہ تعالیٰ غیب کی کنجیاں انہیں دے دے، کہ جب چاہیں کسی کے دل کی بات معلوم کر لیں، یا جس غیب کی بات کو چاہیں، معلوم کر لیں..... کہ فلاں کے ہاں اولاد ہوگی یا نہیں.....؟ تجارت میں فائدہ ہوگا یا نہیں.....؟ لڑائی میں فتح ہوگی یا شکست.....؟

ان باتوں سے سب چھوٹے بڑے یکساں بے خبر ہیں، پھر جس طرح کوئی بات عقل سے یا کسی قرینے سے کہہ دی جاتی ہے اور وہ اسی طرح ہو جاتی ہے جس طرح کہی گئی تھی، اسی طرح یہ بڑے لوگ بھی جو بات عقل و قرینہ سے کہہ دیتے ہیں، کبھی تو وہ ٹھیک ہو جاتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے، لیکن وحی یا الہام کی بات غلط نہیں ہوتی، مگر وحی اختیار میں نہیں ہوتی۔^{۱۰}

اسی طرح احادیث مبارکہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ”ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بیٹے! اللہ کو یاد رکھ، اللہ تجھے یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھ، اس کو اپنے سامنے پالے گا۔ جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے کر، جب مدد مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور یقین مان کہ اگر تمام لوگ تجھے کچھ نفع پہنچانے پر اتفاق کر لیں، تو اسی قدر نفع پہنچائیں گے جو اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب مل کر نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں، تو اسی قدر نقصان پہنچا سکیں گے، جو تیرے لئے اللہ تعالیٰ نے لکھا ہوا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور کتابیں خشک ہو گئیں۔“^{۱۱}

واقعة ملہ بن ۹۹: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب گھر سے باہر ضرورت پوری کر کے واپس آتے اور دروازے پر پہنچتے تو کھنکارتے اور تھوکتے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک اندر آئیں اور ہمیں کسی نامناسب حالت میں دیکھ لیں۔

چنانچہ وہ ایک دن آئے اور انہوں نے کھنکارا، اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی جو بت کا منتر پڑھ کر مجھ پر دم کر رہی تھی، میں نے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہ اندر آ کر میرے پاس بیٹھ گئے، ان کو میری گردن میں ایک دھاگہ نظر آیا تو انہوں نے کہا: ”یہ دھاگہ کیسا ہے؟“

^{۱۰} تقویۃ الایمان: ۵۱

^{۱۱} ”عن ابن عباس قال: کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال: یا غلام! احفظ اللہ یحفظک، احفظ اللہ تجده تجاهک، وإذا سألت اللہ، وإذا استعنت باللہ، وأعلم أن الأمة لو اجتمعت علی أن ینفعوک بشیء لم ینفعوک إلا بشیء قد کتبه اللہ لک، ولو اجتمعوا علی أن یضروک بشیء لم یضروک إلا بشیء قد کتبه اللہ علیک، رفعت الأقلام وجفت الصحف“ (ترمذی، ابواب صفة الجنة: ۷۸/۲)

میں نے کہا: اس پر منتر پڑھ کر کسی نے مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دھاگہ پکڑ کر کاٹ دیا اور فرمایا: عبد اللہ کے گھر والوں کو شرک کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

”إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتَّوَلَّهَ شِرْكٌ“^۱

تَرْجَمَہ: منتر، تعویذ اور گنڈا یہ سب شرک ہے (بشرطے کہ ان چیزوں کو ہی خود اثر کرنے والا سمجھے)

میں نے ان سے کہا: آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں؟

میری آنکھ دکھنے آتی تھی، میں فلاں یہودی کے پاس جایا کرتی تھی وہ دم کیا کرتا تھا، جب بھی وہ دم کرتا میری آنکھ ٹھیک ہو جاتی۔ حضرت عبد اللہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: یہ سب کچھ شیطان کی طرف سے تھا، شیطان تمہاری آنکھ پر ہاتھ سے کوچا مارتا تھا (جس سے آنکھ ٹھیک ہو جاتی) تمہیں یہ کافی تھا کہ تم اس موقع پر یہ دعا مانگ لیتیں جو کہ حضور ﷺ پڑھا کرتے تھے:

”أَذْهَبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا“^۲

تَرْجَمَہ: ”اے لوگوں کے رب! اس بیماری کو دور فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ لہذا شفا عطا فرما! شفا صرف تیری ہی طرف سے ہے، ایسی شفا عطا فرما جو کسی قسم کی بیماری نہ چھوڑے۔“

بعض جاہلی مذاہب ایک خالق کائنات کے تو مقرر و معترف ہیں، لیکن ساتھ ہی کائنات میں دخل، تصرف و حکومت کے لئے دوسرے دیوی، دیوتا بھی مان رکھے ہیں۔ پانی فلاں دیوتا برساتے ہیں۔ دولت فلاں دیوی دلواتی ہے وغیرہ وغیرہ، مشرکین قریش کا مذہب بھی اسی قسم کا شرک تھا، قرآن کریم نے سورہ زمر آیت ۳۸ میں ان کے اسی مسلمہ اصول کو بار بار یاد دلا کر اور توحید کے مطالبات و مضمرات کو ان پر واضح کر کے ان پر جرح کی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ﴾ آپ کہہ دیں کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

(جس کے بعد تمہاری اور تمہارے بتوں کی مخالفت کی کچھ پروا باقی نہیں رہتی)۔

جب اللہ تعالیٰ پر تکیہ (بھروسہ) کر لیا تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے ماتحت کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں۔ اب کسی کی طرف سے کھٹکانہ رہا۔^۳

وَاقِعَةُ مَبْنِي (۱۰۰) حضرت عمران بن حصین رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں پیتل کا چھلمہ دیکھا تو فرمایا:

^۱ ابن ماجہ، ابواب تعلیق التماائم: ۲/۲۵۲

^۲ ابن ماجہ، الطلب، باب تعلیق التماائم: ۲۵۲

^۳ تفسیر ماجدی: ۲/۹۲۶

”مَا هَذِهِ؟“ قَالَ: ”مِنَ الْوَاهِنَةِ“، قَالَ: ”أَمَّا أَنَّهُ لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا، إِنِّيذَهَا عَنْكَ فَإِنَّكَ لَوْ مَنَّ

وَمَنِي عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا“^{۱۷}

ترجمہ: ”یہ کیا ہے؟“ اس نے کہا: ”یہ ”واہنہ“ (ایک مرض) کی وجہ سے پہنا ہوا ہے،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ (تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا بل کہ) تمہاری کمزوری میں مزید اضافہ کر دے گا، اسے پھینک دو اس چھلے کو پہنے ہوئے اگر تمہیں موت آگئی تو تم کبھی نجات نہ پاسکو گے۔“

فائدہ: امام ابن الاثیر الجزری رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”واہنہ ایک ایسی بیماری ہے جس میں کندھے یا پورے بازو کی رگ پھول جاتی ہے۔“ اس تکلیف سے نجات کے لئے دم بھی کیا کرتے ہیں۔

آں حضرت ﷺ نے اس شخص کو وہ چھلا پہنے سے اس لئے منع کیا تھا کہ اس نے وہ چھلا اس مرض سے نجات کے لئے پہنا تھا کہ وہ چھلا اسے محفوظ رکھے گا۔ حالاں کہ چھلے کا بیماری سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللَّهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللَّهُ لَهُ“^{۱۸}

ترجمہ: ”جس شخص نے (بیماری سے تحفظ کے لئے) کوئی تعویذ لٹکایا، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جس نے سیپ باندھی، اللہ تعالیٰ اسے بھی آرام نہ دے۔“

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جنت میں ستر (۷۰) ہزار افراد بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے۔

”لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ“^{۱۹}

یعنی جو تعویذ گنڈے کے چکر میں نہیں رہتے، نہ بدفالی لیتے ہیں، نہ اپنے جسموں کو داغتے ہیں بل کہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

نوٹ: یہ بات ملحوظ رہے کہ ایسے تعویذ جو شرک و بدعت سے پاک ہوں اور ان کے الفاظ ماثورہ (جو قرآن و حدیث سے منقول) ہوں جن کے معانی بھی صحیح ہوں، نیز ان الفاظ کا لکھنے والا ان الفاظ و معانی کو جانتا بھی ہو، اور تعویذ دینے والے اور استعمال کرنے والے دونوں اس تعویذ کو موثر حقیقی نہ سمجھتے ہوں، بل کہ ان کا پختہ عقیدہ ہو کہ شفاء دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ہے اور یہ تعویذ وغیرہ کا استعمال فقط بطور علاج ہے۔ ایسے تعویذ کا استعمال کرنا ان شرائط کے ساتھ بعض علماء نے درست قرار دیا ہے، خصوصاً چھوٹے بچے یا مجنون یا ایسے معذور لوگ جو خود سے دعا نہیں

^{۱۷} مسند احمد: ۶/۵، رقم: ۱۹۴۹۸

^{۱۸} مسند احمد: ۱۵۴/۴، رقم: ۱۶۹۵۱

^{۱۹} بخاری، الطب، باب من اکتوی او کوی غیرہ، وفضل من لم یکتو، رقم: ۵۷۰۴

مانگ سکتے ان کے لئے تعویذ کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔

اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو قرآن کریم اور مسنون دعائیں پڑھنے پر قدرت نہیں رکھتے اور جو بذات خود قرآن کریم کی تلاوت اور مسنون دعائیں پڑھنے پر قدرت رکھتے ہیں تو ان کے لئے بہتر ہے کہ بجائے تعویذ بنا کر پینے کے وہ قرآن کریم کی آیات پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں، **ان شاء اللہ تعالیٰ** بہت جلد آیات کی برکت سے شفا پائیں گے ہاں اس کے ساتھ گناہوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

کوئی انسان تقدیر نہیں بدل سکتا

کوئی شخص کسی نبی یا ولی کو اس لئے پکارتا ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیں، تو یہ نہیں سمجھتا کہ نبی ولی تو پھر بھی اس سے دور ہیں، اللہ تعالیٰ تو اس سے بہت ہی قریب ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک غلام بادشاہ کے پاس تنہا ہے۔ بادشاہ اس کی درخواست سننے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہے، لیکن وہ کسی امیر کو آواز دے کر پکارتا ہے کہ جناب بادشاہ کے حضور میں میری درخواست پیش فرما دیں۔ تمہارا اس غلام کی بابت کیا خیال ہے؟

ظاہر ہے کہ یہ غلام یا تو اندھا ہے..... یا دیوانہ..... یا ضد اور عناد نے عقل پر پردہ ڈال دیا ہے؟

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید **رحمۃ اللہ تعالیٰ** فرماتے ہیں: ”ہر شخص اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے اور آڑے وقت اسی سے مدد چاہے اور یہ بات یقین سے سمجھ لے کہ تقدیر کا لکھا ہر گز نہیں مٹ سکتا، اگر تمام دنیا مل کر کسی کو نفع یا نقصان پہنچائے تو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتی، دنیا کے تمام لوگ تحریر تقدیر سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ معلوم ہوا کہ تقدیر کو بدلنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ جس کے مقدر میں اولاد نہیں اسے کون اولاد دے؟

اور جس کے مقدر میں عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا، کون ہے جو اس کی مدت حیات میں اضافہ کر دے؟

پھر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو تقدیر بدل ڈالنے کی طاقت بخشی ہے، غلط ہے، بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کبھی اپنے ہر بندے کی دعا قبول فرماتا ہے اور انبیاء **علیہم السلام** و اولیاء کی اکثر دعائیں قبول فرما لیتا ہے۔ دعا کی توفیق بھی وہی دیتا ہے اور قبول بھی وہی فرماتا ہے۔ دعا کرنا، اس کے بعد مراد برآنا، دونوں باتیں تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں۔ دنیا کا کوئی کام تقدیر سے باہر نہیں۔

کسی میں کوئی کام کرنے کی طاقت نہیں، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، نبی ہو یا ولی، ہاں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، بس اسے اتنی ہی طاقت ہے۔ اس کے بعد مالک و مختار کو اختیار ہے، چاہے ازراہ مہربانی قبول فرمالے اور چاہے تو ازراہ حکمت قبول نہ فرمائے۔“ **لہ**

رشتہ داری نفع و نقصان نہیں دے سکتی

واقِعَةُ مَبْنٍ ۱۰۱ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ

یعنی ”اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ“ اتری، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا لہذا خاص اور عام تمام لوگ جمع ہوئے پھر فرمایا:

”اے اولادِ کعب بن لوی! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ مرہ بن کعب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ عبد شمس! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ ہاشم! اپنے نفسوں کو آگ سے بچاؤ! اے اولادِ عبد المطلب! اپنی جانوں کو آگ سے بچاؤ! اے فاطمہ! اپنی جان کو عذاب سے بچالے! کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، ہاں (دنیا میں) تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔“

یعنی جو لوگ کسی بزرگ کے رشتہ دار ہوتے ہیں، بسا اوقات ان میں سے بعض لوگوں کو بزرگوں کی حمایت کا بھروسہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ مغرور ہو کر نڈر ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ”اپنے رشتہ داروں کو ہوشیار کر دیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کو، یہاں تک کہ اپنی لاڈلی صاحب زادی کو بھی صاف صاف بتا دیا کہ: ”يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا.....“ یعنی حق قرابت اسی چیز میں ممکن ہے جو انسان کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں میرا مال ہے، اس کے دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے، وہاں کسی کی بھی حمایت نہیں کر سکتا اور کسی کا بھی وکیل نہیں بن سکتا، ہر شخص قیامت کے لئے اپنی اپنی تیاری کر لے، اور دوزخ سے بچنے کی آج ہی فکر کر لے، معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کی رشتہ داری اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آنے والی نہیں۔ جب تک انسان خود نیک عمل نہ کرے، بیڑا پار ہونا مشکل ہے۔

الشعراء: ۲۱۴

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوا فَعَمَّ وَحَصَّ فَقَالَ: يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ وَيَا بَنِي مُرَّةِ بْنِ كَعْبٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيَا بَنِي شَمْسٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي هَاشِمٍ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِي نَفْسَكَ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنْ لَكُمْ رَحِمًا سَابِلُهَا يَبْلَا لَهَا.“ (مسلم: کتاب الایمان، باب من مات علی الکفر: ۱۱۴/۱)

شعوالہ بالا

فقہیۃ الایمان: ۶۲

فوائد و نصائح

- ۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ نفع اور نقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔ کوئی نبی، کوئی ولی یا اور کوئی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ تو فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔
- ۲ یومِ آخرت کے لئے تیاری کر کے رکھے جس دن کوئی رشتہ داری، کوئی قرابت داری نفع نہیں پہنچائے گی، صرف اور صرف وہی اعمال کام آئیں گے جو اس دن کے لئے کر رکھے ہوں گے۔
- ۳ تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرے۔ اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگے اور اگر کوئی خوشی نصیب ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ادا کرے۔



النُّورُ جَلَّ جَلَالُهُ

(روشنی والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ۱؎ اَی: یَهْتَدِیْ بُنُوْرُهُ مَنْ فِی السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِی الْأَرْضِ، اَی: بِاَیَاتِهِ وَأَعْلَامِهِ الدَّالَّةِ عَلَیْهِ، وَالْبَرَاهِیْنِ الْوَاضِحَةِ النَّیِّرَةِ، یَهْتَدِیْ أَهْلُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَى تَوْحِیدِهِ، وَالْإِقْرَارِ بِرَبُّوبِیَّتِهِ، وَتَنْزِیْهِهِ مِنَ الْأَنْدَادِ، وَالْأَمْثَالِ عَزَّوَجَلَّ ۱؎

ترجمہ: امام زجاجی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اللہ رب العزت کے نور سے آسمان و زمین والے ہدایت پاتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات اور وہ نشانیاں جو اس کی ذات پر نشان دہی کرنے والی ہیں، نیز روشن اور واضح دلائل، ان تمام چیزوں کے ذریعے آسمان و زمین والے اللہ تعالیٰ کی توحید تک رسائی پاتے ہیں اور انہیں چیزوں کو دیکھ کر اس کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں، اور اللہ رب العزت کی ذات پاک کو جو انتہائی عزت و جلال والی ہے شریک اور مثل سے پاک اور بری مانتے ہیں۔“

۲ (النُّورُ) هُوَ الَّذِي بُنُوْرُهُ يُبْصِرُ ذَوَالْعِمَامَةِ، وَبِهْدَايَتِهِ يَرْشُدُ ذَوَالْغَوَايَةِ، وَعَلَى مِثْلِ هَذَا يَتَأَوَّلُ قَوْلُهُ - جَلَّ وَعَزَّ - ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ۱؎ اَی مِنْهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۱؎

ترجمہ: امام خطابی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”النُّورُ“ وہ ذات ہے جس کے نور سے نابینا بینائی حاصل کرتا ہے، اور گمراہ ہدایت پاتا ہے، یہی مطلب ہے اللہ رب العزت کے اس ارشاد کا ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ۱؎ یعنی اللہ رب العزت ہی کی ذات سے آسمان و زمین کو نور حاصل ہے۔

۳ ”امام زجاج رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ کی تفسیر میں بعض علماء کا قول ذکر فرماتے ہیں کہ ”اللہ رب العزت اس نور کے خالق ہیں جو تمام ستاروں اور سیاروں کو حاصل ہے، ان سیاروں کی روشنی ذاتی اور جسمانی

۱؎ اشتقاق الاسماء: ۱۸۲، بحوالہ النہج الأسمنی: ۲/۲۴۳

۱؎ النور: ۳۵

۲؎ شان الدعاء: ۹۵، بحوالہ النہج الأسمنی: ۲/۲۴۳

نہیں بل کہ یہ روشنی اللہ تعالیٰ کے نور سے عطا کردہ ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عرش کے ارد گرد ایسے انوارات ہیں کہ اگر ان میں سے ایک چنگاری بھی زمین پر آگرے تو زمین اپنے سارے ساز و سامان سمیت جل جائے۔^{۱۷}

اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے جس کا ترجمہ ہے:

”اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اس کے نور کی مثال مثال ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو اور شیشہ مثل چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو، وہ چراغ ایک بابرکت درخت زیتون کے تیل سے جلایا جاتا ہو، جو درخت نہ مشرقی ہے نہ مغربی، خود وہ تیل قریب ہے کہ آپ ہی روشنی دینے لگے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے، نور پر نور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف رہنمائی کرتا ہے جسے چاہے، لوگوں (کے سمجھانے) کو یہ مثالیں اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے حال سے بخوبی واقف ہے۔“^{۱۸}

نور کی تعریف

امام غزالی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے نور کی تعریف میں فرمایا: **”الظَّاهِرُ بِنَفْسِهِ وَالْمُظْهَرُ لْغَيْرِهِ“**

یعنی نور وہ ہے جو خود اپنی ذات سے ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔

تفسیر مظہری میں ہے: نور دراصل اس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوتِ باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں، جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں ان کے مقابل اجسامِ کثیفہ پر پڑ کر اول اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاع منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں۔^{۱۹}

آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نور بخشنے والے ہیں آسمان و زمین کو، اور اس میں بسنے والی سب مخلوق کو اور مراد اس

^{۱۷} اِخْتَلَفُوا فِي قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اللَّهُ ذُو نُورٍ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُرِيدُ أَنَّهُ خَالِقُ هَذَا النُّورِ الَّذِي فِي الْكَوَاكِبِ كُلِّهَا، لَا أَنَّهُ ضِيَاءٌ لَهَا وَأَنْوَارٌ لِأَجْسَامِهَا بَلْ أَنْوَارٌ تَنْفَصِلُ مِنْ أَنْوَارِ اللَّهِ تَعَالَى. وَيُقَالُ: إِنَّ حَوْلَ الْعَرْشِ أَنْوَارٌ لَوْ انفَصَلَتْ مِنْهَا شَرَارَةٌ عَلَى الْأَرْضِ لَأَخْتَرَقَتِ الْأَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا.

(تفسیر الاسماء: ۶۴، بحوالہ النهج الأسمی: ۲/۲۴۲)

^{۱۸} اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوتٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجْجَةِ الرُّجَاجَةِ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُّورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (النور: ۳۵)

^{۱۹} مظہری: ۵۲۲/۶، النور: ۳۵

نور سے نورِ ہدایت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی تفسیر میں نقل کیا گیا ہے "اللَّهُ هَادِي أَهْلِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" تَرْجَمَهُ: "اللَّهُ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والے ہیں۔" ^{۱۷}

نورِ مؤمن

﴿مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت جو مؤمن کے قلب میں آتا ہے۔ یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

یہ مثال اس مؤمن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نورِ ہدایت ڈال دیا ہے، چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال بیان فرمائی، پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ پھر قلبِ مؤمن کے نور کا ذکر فرمایا: ﴿مَثَلُ نُورِهِ﴾ ^{۱۸}

اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت، جو مؤمن کے قلب میں فطرۃ رکھا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے ﴿كَمِشْكُوهٖ﴾ ^{۱۹} یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے، اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے، اس میں نہایت شفاف روغنِ زیتون فطری نورِ ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود قبولِ حق کا ہے، پھر جس طرح روغنِ زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے، اسی طرح فطری نورِ ہدایت، جو قلبِ مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحی الہی اور علم الہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو اس مثال کو قلبِ مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ اس نور کا فائدہ صرف مؤمن ہی اٹھاتا ہے۔ ورنہ وہ فطری نورِ ہدایت جو ابتداءِ تخلیق کے وقت انسان کے دل میں رکھا جاتا ہے، وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، بل کہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نورِ ہدایت رکھا جاتا ہے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم، ہر خطہ، ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے وجود کو اور اس کی عظیم قدرت کو فطرۃ مانتا ہے، اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں

^{۱۷} تفسیر ابن کثیر: ۲/۶۰۳، (النور: ۳۵)

^{۱۸} "هُوَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي جَعَلَ اللَّهُ الْإِيمَانَ وَالْقُرْآنَ فِي صَدْرِهِ فَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلَهُ فَقَالَ ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ فَبَدَأَ بِنُورِ نَفْسِهِ ثُمَّ ذَكَرَ نُورَ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ ﴿مَثَلُ نُورِهِ﴾ مِّنْ أَمِّنَ بِهِ فَكَانَ أَبِي بَنٍ كَعْبٍ يَقْرَأُهَا: "مَثَلُ نُورٍ مِّنْ أَمِّنَ بِهِ" (تفسیر ابن کثیر: ۲/۶۰۳)

کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفس وجود کا ہر انسان فطرۃ قائل ہوتا ہے، سوائے چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے: ”كُلُّ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ عَلَى الْفِطْرَةِ“^۱ یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ یہ ہدایت ایمان اور اس کا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس میں رکھا جاتا ہے اور اسی نور ہدایت کی وجہ سے اس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے۔

جب انبیاء علیہم السلام اور ان کے نابجوں کے ذریعہ وحی الہی کا علم ان کو پہنچتا ہے، تو وہ اس کو آسانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں سوائے ان مسوخ الفطرت لوگوں کے جنہوں نے اس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹا ہی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو عطاء نور کو عام بیان فرمایا ہے جو تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو شامل ہے مؤمن اور کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں اور آخر آیت میں یہ فرمایا:

﴿يَهْدِي اللَّهُ لِنُورٍ مِّنْ نَّشَاءٍ﴾^۲

”یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے۔“

یہاں مشیت الہی کی قید اس نور فطرت کے لئے نہیں، جو ہر انسان میں رکھا ہے بل کہ نور قرآن کے لئے ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا سوائے اس خوش نصیب کے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نصیب ہو، ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیق الہی بے کار بل کہ بعض اوقات مضر بھی ہو جاتی ہے

فَأُولُ مَا يَجْنِي عَلَيْهِ اجْتِهَادُهُ

إِذَا لَمْ يَكُنْ عَوْنُ مِّنَ اللَّهِ لِلْفَتَىٰ

تو سب سے پہلے اس کی کوشش ہی اس کو الٹا نقصان پہنچا دیتی ہے

اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کی مدد نہ ہو

صرف النَّبِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ ہی نور و ظلمت دونوں کے خالق ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾^۳

ترجمہ: ”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے پیدا کیا آسمان اور زمین اور بنایا اندھیرا اور اجالا پھر بھی یہ کافر اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کر دیتے ہیں۔“

^۱ بخاری، الجنائز، باب ما قيل في اولاد المشركين: ۱۸۵/۱

^۲ النور: ۳۵ ^۳ معارف القرآن: ۶/۲۳، النور: ۳۵ ^۴ الانعام: ۶

فائدہ: ”مجوس“ دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں ”یزدان“ جو خالق خیر ہے اور ”اہرمن“ جو خالق شر ہے اور دونوں کو نور و ظلمت سے یاد کرتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک لوگ تینتیس کروڑ دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ آریہ سماج باوجود توحید کے دعوے کے ”مادہ“ اور ”روح“ کو اللہ تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور انادی کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنی صفت تکوین و تخلیق وغیرہ میں ان دونوں کا محتاج بتلاتے ہیں۔

عیسائیوں کو باپ بیٹے کا توازن و تناسب قائم رکھنے کے لئے آخرتین ایک اور ایک تین کا مشہور عقیدہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف اس کا ہمسربل کہ اس سے برتر ہو سکتا ہے۔ عرب کے مشرکین نے تو خدائی کی تقسیم میں یہاں تک سخاوت دکھائی کہ شاید ان کے نزدیک پہاڑ کا ہر پتھر نوع انسانی کا معبود بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا اور عبادت و استعانت وغیرہ کے وقت اسے اللہ تعالیٰ کے برابر نہ بٹھایا ہو، حالاں کہ وہ ذات پاک جو تمام صفات کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کی جڑ ہونے کی وجہ سے سب تعریفوں اور ہر طرح کی حمد و ثنا کی بلا شرکت غیرے مستحق ہے۔

جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہیں سب کو پیدا کیا..... اور رات، دن،..... اندھیرا، اجالا،..... علم و جہل،..... ہدایت و گمراہی،..... موت و حیات،..... غرض مختلف کیفیات اور مختلف احوال ظاہر فرمائے، اسے اپنے افعال میں نہ کسی حصہ دار یا مددگار کی ضرورت ہو سکتی ہے نہ بیوی اور اولاد کی، نہ اس کی معبودیت اور الوہیت میں کوئی شریک ہو سکتا ہے نہ ربوبیت میں نہ اس کے ارادہ پر کوئی غالب آ سکتا ہے اور نہ اس پر کسی کا دباؤ اور زور چل سکتا ہے پھر تعجب ہے کہ ان حقائق کو سمجھنے کے بعد بھی کس طرح لوگ کسی چیز کو خدائی کا رتبہ دے رہے ہیں۔^{۱۷}

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ

اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾^{۱۸}

ترجمہ: ”وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں، یہ دلائل وہ ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جن کو سمجھ ہے۔“

یہاں یہ بتا دیا ہے کہ آفتاب میں روشنی اور چاند میں نور رکھنا سب اسی قادر مطلق کا کام ہے، نہ کہ کسی دیوی دیوتا کا، اور نہ خود ان اجرام فلکی نے اپنے آپ میں یہ صفات پیدا کر لی ہیں۔ شمس پرستی اور قمر پرستی دنیا میں بہت عام رہی ہے اور

اب تک ہے۔

النَّبِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ نے آنکھوں میں نور پیدا کیا، روزِ قیامت بھی وہی نور دے گا

ہمارے جسم میں سب سے نازک عضو آنکھ ہے، اس آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے نور پیدا کیا، جس سے ہم اپنے نفع، نقصان کو دیکھ سکتے ہیں، تکلیف اور راحت کے سامان میں فرق کر سکتے ہیں، اس آنکھ کی حفاظت کس طرح اس نے مضبوطی سے کی ہے، ان دو آنکھوں میں کیا عجیب نور بھرا ہے، کیا یہ ممکن تھا کہ آنکھ کچھ دیکھ سکتی خواہ کیسی ہی خوب صورت ہوتی مگر نرگس کی طرح بے نور ہی رہتی، دو آنکھوں سے قاعدے کے مطابق ہر ایک چیز کی دو چیزیں نظر آتیں جب کہ بیچ میں ناک کے بانے کا بھی ستون کھڑا ہے مگر ایسا نہیں ہے، دونوں آنکھوں سے ہم ہر ایک چیز کو ایک ہی دیکھتے ہیں۔ پردہ در پردہ نور کی حفاظت کی۔ ایسے پردے کہ جو حفاظت بھی کر سکیں اور دیکھنے میں خلل بھی نہ ڈال سکیں، سات پردوں میں نور کو محفوظ کر کے پتلی کو گھومنے کی طاقت عطا فرمائی کہ ہر طرف دیکھ سکیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ﴾

ترجمہ: ”وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس دن آپ مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف ہوگا۔“

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، اور یہ نور عطا ہونے کا معاملہ پل صراط پر چلنے سے کچھ پہلے پیش آئے گا، اس کی تفصیل ایک حدیث میں ہے جس میں ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دمشق میں ایک جنازہ میں شریک ہونا اور فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو موت اور آخرت کی یاد دلانے کے لئے موت اور قبر پھر حشر کے کچھ حالات بیان فرمانا مذکور ہے، اس کے چند جملوں کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر تم قبروں سے میدانِ حشر کی طرف منتقل کئے جاؤ گے، جس میں مختلف مراحل اور مواقع ہوں گے، ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ حکمِ خداوندی کچھ چہرے سفید اور روشن کر دیئے جائیں گے، اور کچھ چہرے کالے سیاہ کر دیئے جائیں گے، پھر ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ میدانِ حشر میں جمع ہونے والے سب لوگوں پر جن میں مؤمن و کافر سب ہوں گے، ایک شدید ظلمت اور اندھیری طاری ہو جائے گی، کسی کو کچھ نظر نہ آئے گا، اس کے بعد نور تقسیم کیا جائے گا، ہر مؤمن کو نور عطا کیا جائے گا (ابن ابی حاتم ہی کی دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ مؤمن میں یہ نور بقدر ان کے اعمال کے تقسیم ہوگا، کسی کا نور مثل پہاڑ کے، کسی کا کھجور کے درخت کے مثل، کسی کا قامتِ انسانی کے

برابر ہوگا، سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جس کے صرف انگوٹھے میں نور ہوگا اور وہ بھی کبھی روشن ہو جائے گا کبھی بجھ جائے گا۔“

میدانِ حشر میں نور اور ظلمت کے اسباب

اس جگہ تفسیر مظہری میں قرآن و حدیث سے محشر کی ظلمت و نور کے اسباب بھی بیان کر دیئے ہیں، جن کو مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”خوش خبری سنا دو ان لوگوں کو جو اندھیری راتوں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں، قیامت کے روز مکمل نور کی۔“

۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا ترجمہ ہے:

”جو شخص پانچوں نمازوں کی محافظت کرے گا (یعنی ان کے اوقات اور آداب کو پابندی کے ساتھ بجالائے گا) اس کے لئے یہ نماز قیامت کے روز نور، برہان اور نجات بن جائے گی، اور جو اس پر محافظت نہ کرے گا، نہ اس کے لئے نور ہوگا، نہ برہان اور نہ نجات اور وہ قارون، ہامان اور فرعون کے ساتھ ہوگا۔“

۳ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو سورہ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے لئے اتنا نور ہوگا جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک پھیلے گا“ اور ایک روایت میں ہے کہ ”جو شخص جمعہ کے روز سورہ کہف پڑھے گا قیامت کے روز اس کے قدموں سے آسمان کی بلندی تک نور چمکے گا۔“

۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص قرآن کی ایک آیت بھی تلاوت کرے گا، وہ آیت اس کے لئے قیامت کے روز نور ہوگی۔“

۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”حج و عمرہ کے احرام سے فارغ ہونے کے لئے جو سر منڈایا جاتا ہے تو اس میں جو بال زمین پر گرتا ہے وہ قیامت کے روز نور ہوگا۔“

۱ تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۴۹، مستدرک حاکم: التفسیر، ۲/۵۶۴، الحدید: ۱۲

۲ ابوداؤد، الصلاة، المشی الی الصلاة فی الظلم: ۸۳/۱

۳ ”مَنْ حَافِظٌ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأَبِي بَنْدٍ“ (مسند احمد، عبد اللہ بن عمرو، ۲/۶۹، رقم: ۶۵۴۰)

۴ مستدرک حاکم: التفسیر، تفسیر سورة الکہف: ۲/۴۳۴

۵ کنز العمال، باب فی تلاوة القرآن وفضائلہ: ۲۶۱/۱

۶ الترغیب والترہیب، الترغیب فی خلق الرأس بمنی: ۲/۱۳۵

- ۶ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ: ”منیٰ میں جہرات کی رمی کرنا قیامت کے روز نور ہوگا۔“
- ۷ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ”جس شخص کے بال حالتِ اسلام میں سفید ہو جائیں وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔“
- ۸ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ”جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد میں ایک تیر بھی پھینکے گا اس کے لئے قیامت میں نور ہوگا۔“
- ۹ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ”جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت و تکلیف کو دور کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے پلِ صراط پر نور کے دو شعبے بنا دے گا، جس سے ایک جہاں روشن ہو جائے گا، جس کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔“
- ۱۰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّهُ هُوَ الظُّلُمَةُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ“

- ترجمہ: ”یعنی تم ظلم سے بہت بچو، کیوں کہ ظلم ہی قیامت کے روز ظلمات اور اندھیری ہوگی۔“
- گویا ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ نور کے اسباب زیادہ سے زیادہ جمع کرے، خصوصاً ان کاموں کا اہتمام کرے:
- ۱ اذان ہوتے ہی نماز کی تیاری کرے، مؤذن کی آواز ”حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ سن کر یقین کر لے کہ کسی اور کام میں کامیابی نہیں، کامیابی صرف اور صرف نماز میں ہے، خصوصاً عشاء اور فجر کی جماعت کے اہتمام سے نور ملے گا۔
 - ۲ جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھنے کا اہتمام کرے۔
 - ۳ روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرے۔
 - ۴ فرض حج ادا کرنے کا اہتمام اور دعا کرے۔
 - ۵ جہاد کی تمنا اور دعا کرے۔
 - ۶ بازاروں میں نگاہ کی حفاظت اور ذکر کا اہتمام کرے۔
 - ۷ مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک ہو۔

۱ مجمع الزوائد، الحج، باب رمی الجمار: ۴۳۳/۳، رقم: ۵۵۸۸

۲ قرمذی، فضائل الجہاد، باب من شاب شبيبة في سبيل الله: ۲۹۲/۱

۳ مجمع الزوائد، الجہاد، باب فيمن رمى بسهم: ۳۵۱/۵، رقم: ۹۳۹۸

۴ مجمع الزوائد، البر والصلة، باب فضل قضاء الحوائج: ۲۵۱/۸، رقم: ۱۳۷۱۷

۵ بخاری، المظالم والقصاص، باب الظلم ظلمات يوم القيامة: ۳۲۱/۱

۶ معارف القرآن: ۳۰۹/۸

۸ کسی کا دل دکھانے سے بچے، خصوصاً زبان کی حفاظت کرے۔
ان تمام اسباب نور پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی کوشش کی جائے۔

جب دل میں نور پیدا ہو جائے تو حرام سے بچنا آسان ہو جاتا ہے

واقِعَةُ مُلَبِّك (۱۰۲): مولانا غازی احمد صاحب ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے، تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کیا، ان کے والدین اور سارا خاندان متعصب ہندو تھے، جس کی وجہ سے انہیں بڑی تکالیف سہنا پڑیں، انہوں نے اسلام قبول کرنے اور اپنی زندگی کی ایمان افروز داستان ”مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّور“ کے نام سے لکھی ہے، جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جب ہندو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان منتقل ہو رہے تھے، اس زمانے کا وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لوگ جب کیمپ میں منتقل ہو رہے تھے تو میری خالہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک بوری میں لپٹا ہوا کچھ مال میرے پاس بطور امانت رکھا کہ اگر ہم چکوال کیمپ میں زندہ بچ گئے تو اپنا مال واپس لے لیں گے، اگر ہم مارے گئے تو یہ مال تمہارے کام آئے گا۔ میں نے کہا: ”خالہ جان! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، میں مال کا طالب نہیں ہوں“ میں نے یہ مال صوفی جان محمد صاحب کو بتایا اور سامان ان کے گھر رکھ دیا، ایک روز میں نے صوفی صاحب سے کہا: ”دیکھیں تو سہی بوری میں کیا ہے.....“ جب کھول کر دیکھا تو کپڑے میں تقریباً دو سیر سونا (۸۰) پونڈ اور تقریباً بیس بائیس سیر چاندی تھی، مال کو اسی طرح باندھ کر بوری میں لپیٹ دیا گیا۔ ایک دن شام کے وقت اطلاع ملی کہ صبح چکوال سے ایک اسپیشل ٹرین کیمپ والوں کو لے کر انڈیا جا رہی ہے، مجھے فوراً امانت کا خیال آیا، صوفی صاحب بھی گھر پر نہ تھے، اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے امانت کو سائیکل پر باندھا اور چکوال روانہ ہو گیا، سورج غروب ہو چکا تھا، اس دور میں راستہ بھی غیر محفوظ تھا۔ چکوال کے راستے میں ایک دو جگہ سکھوں کی لاشیں دیکھ چکا تھا مگر ضمیر کی آواز تھی کہ جلد چکوال پہنچ کر امانت خالہ کے حوالے کروں۔

عشاء کے وقت کیمپ میں پہنچ گیا، فوجی حضرات نے پوچھا: دیر سے آئے ہو، میں نے کہا: ایک ضروری کام تھا، جب میں کیمپ میں داخل ہوا تو میری خالہ اور خالو بہت خوش ہوئے کہ بھگوان کی دیا سے ہمارا مال پہنچ گیا ہے۔ کیمپ کے ہندو حضرات جمع ہو گئے، میں نے سائیکل سے امانت کھول کر خالو صاحب کے حوالے کی کہ اپنا مال دیکھ لیں، تمام حضرات میری دیانت داری پر بہت خوش ہوئے، ایک صاحب فرمانے لگے: ”ہندو خون ہے، دیانت داری کیوں نہ ہو“ میں نے کہا: ”جی حضرت آپ غلط کہہ رہے ہیں اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو یہ مال کب کا ٹھکانے لگ چکا ہوتا، اسلام نے مجھے سکھایا ہے کہ امانت میں خیانت فتنہ ترین جرم ہے، حق دار کو اس کا حق صحیح و سالم واپس کرو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں مسلمان تھا،

اور آپ کا یہ حق واپس کر رہا ہوں“ وہ صاحب کہنے لگے ”اگر تمام مسلمان تمہاری طرح ہوتے تو شاید ہمیں اپنا حق اور علاقہ چھوڑ کر نہ جانا پڑتا“ والدہ صاحبہ بہت خوش تھیں کہ تو نے میری عزت میں اضافہ کر دیا، میں خود بھی امانت واپس کر کے بہت خوش تھا کہ **الْحَمْدُ لِلّٰہ** میں نے بددیانتی کا ارتکاب کر کے اسلام کے مقدس دامن کو داغ دار نہیں کیا، اللہ تعالیٰ مجھے حرام رزق سے بچائے۔^۱

نور طلب کرنے کے لئے آپ ﷺ کی ایک نہایت جامع دعا

فطری نور جب قوی تر ہو جاتا ہے تو اسی کی برکت سے آدمی دین حق پر جمتا ہے۔ یہی نور آخرت میں پل صراط پر روشنی کا ذریعہ بنے گا۔ حدیث میں خوش خبری ہے کہ کامل نور ایمان والے مؤمنین جب پل صراط کو پار کر رہے ہوں گے (جو جہنم پر ہوگا)۔ تو جہنم ان سے کہے گی: ”جُزِيَا مُؤْمِنُونَ! فَقَدْ أَطْفَأَ نُورُكَ لَهَبِي“ اے مؤمن! جلدی پار کر (جلدی گزر جا) کہ تیرے ایمان کا نور میری نار (آگ) بجھاتا ہے۔^۲ اسی لئے حضور پاک ﷺ نے بدن کے رگ وریشے میں اس نور کے سرایت کر جانے کی اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی ہیں۔ مثلاً ایک دعا ہم ذکر کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس **رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ تَهْدِي بِهَا قَلْبِي وَتَجْمَعُ بِهَا أَمْرِي وَتَلْمُ بِهَا شَعْتِي وَتُصْلِحَ بِهَا غَائِبِي وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِي وَتُزَكِّي بِهَا عَمَلِي وَتُلْهِمْنِي بِهَا رُشْدِي وَتُرْزِقُنِي بِهَا الْفَقْرَ وَتُعْصِمْنِي بِهَا مِنْ كُلِّ سُوءٍ.“

”اللَّهُمَّ اعْطِنِي إِيْمَانًا وَبِقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ وَرَحْمَةً أَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.“

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْفَوْزَ فِي الْقَضَاءِ وَنُزْلَ الشَّهَادَةِ وَعَيْشَ السَّعَادَةِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْأَعْدَاءِ.“

”اللَّهُمَّ إِنِّي أُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِي وَإِنْ قَصُرَ رَأْيِي وَضَعُفَ عَمَلِي افْتَقَرْتُ إِلَى رَحْمَتِكَ فَاسْأَلُكَ يَا قَاضِيَ الْأُمُورِ وَيَا شَافِيَ الصُّدُورِ كَمَا تُجِيرُ بَيْنَ الْبُحُورِ أَنْ تُجِيرَنِي مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُورِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُورِ.“

”اللَّهُمَّ مَا قَصَّرَ عَنْهُ رَأْيِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِي وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسَالَتِي مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَوْ خَيْرِ أَنْتَ مُعْطِيهِ أَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ فَإِنِّي أَرْغَبُ إِلَيْكَ فِيهِ وَأَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ رَبِّ الْعَالَمِينَ.“

^۱ من الظلمات الى النور: ۱۶۰، بحوالہ کتابوں کی درجہ گو میں: ۱۳۱

^۲ كنز العمال، القيامة: ۱۶۶/۱۴، رقم: ۳۹۰۲۳۰

”اللَّهُمَّ ذَا الْحَبْلِ الشَّدِيدِ وَالْأَمْرِ الرَّشِيدِ أَسْأَلُكَ الْأَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُودِ مَعَ الْمُقَرَّبِينَ الشُّهُودِ الرَّكَعِ السُّجُودِ الْمُؤَفِّينَ بِالْعُهُودِ إِنَّكَ رَحِيمٌ وَدُودٌ وَإِنَّكَ تَفْعَلُ مَا تُرِيدُ.“

”اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِينَ مُهْتَدِينَ غَيْرَ ضَالِّينَ وَلَا مُضِلِّينَ سَلَامًا لِأَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِأَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ أَحَبَّكَ وَنُعَادِي بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ.“

”اللَّهُمَّ هَذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْإِجَابَةُ وَهَذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ.“

”اللَّهُمَّ اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي وَنُورًا فِي قَبْرِي وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَنُورًا مِنْ خَلْفِي وَنُورًا عَنْ يَمِينِي وَنُورًا عَنْ شِمَالِي وَنُورًا مِنْ فَوْقِي وَنُورًا مِنْ تَحْتِي وَنُورًا فِي سَمْعِي وَنُورًا فِي بَصَرِي وَنُورًا فِي شَعْرِي وَنُورًا فِي بَشْرِي وَنُورًا فِي لَحْمِي وَنُورًا فِي دَمِي وَنُورًا فِي عِظَامِي.“

”اللَّهُمَّ اعْظِمْ لِي نُورًا وَاعْظِمْ لِي نُورًا وَاجْعَلْ لِي نُورًا سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ الْعَرْشَ وَقَالَ بِهِ سُبْحَانَ الَّذِي لَيْسَ الْمَجْدُ وَتَكْرَمُ بِهِ سُبْحَانَ الَّذِي لَا يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلَّا لَهُ سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ سُبْحَانَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.“

ترجمہ: ”اے اللہ میں تجھ سے دعا اور التجا کرتا ہوں، تو محض اپنے فضل و کرم سے مجھ پر ایسی وسیع اور ہمہ گیر رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو، اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اس رحمت سے جمعیت نصیب ہو، اور میری ظاہری و باطنی پراگندگی اور ابتری دور ہو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں میرے پاس نہیں، دور اور غائب ہیں، تیری رحمت سے ان کو صلاح و فلاح حاصل ہو، اور جو میرے پاس حاضر و موجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو، اور خود میرے اعمال کا تیری اس رحمت سے تزکیہ ہو۔ اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لئے صحیح اور مناسب ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور اُلفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔

اے میرے اللہ میرے دل کو وہ ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر نہ ہو (یعنی کوئی بات بھی مجھ سے ایمان کے خلاف سرزد نہ ہو) اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز، جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت و شرف کا مقام حاصل ہو۔

اے اللہ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں قضا و قدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز اور تیرے نیک بندوں والی زندگی، اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔

اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں، اگرچہ میری عقل و رائے کوتاہ اور میرا عمل اور

جدوجہد ضعیف ہے۔ اے رحیم و کریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں، پس اے سارے امور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ "غم" دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک و مولا! جس طرح تو اپنی قدرت کاملہ سے (ایک ساتھ بننے والے) سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے (کہ کھاری شیریں سے الگ رہتا ہے اور شیریں کھاری سے) اسی طرح تو مجھے آتشِ دوزخ سے اور اس عذاب سے جدا اور دور رکھ جس کو دیکھ کر آدمی موت کی دعا مانگے، اور اسی طرح مجھے عذابِ قبر سے بچا۔

اے میرے اللہ! تو نے جس خیر اور نعمت کا اپنے کسی بندے کے لئے وعدہ فرمایا ہو، یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمانے والا ہو اور میری عقل و رائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت بھی اس تک نہ پہنچی ہو اور میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو، تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں، اور تیرے فضل و کرم سے اس کا بھی طالب اور شائق ہوں، تو اپنے رحم و کرم سے وہ خیر و نعمت بھی مجھے عطا فرما۔

اے میرے وہ اللہ! جس کا رشتہ مضبوط و محکم ہے اور جس کا ہر حکم اور ہر کام صحیح اور درست ہے، میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ "یوم الوعد" یعنی قیامت کے دن مجھے امن چین عطا فرما، اور "یوم الخلود" یعنی آخرت میں میرے لئے جنت کا فیصلہ فرما اپنے بندوں کے ساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں، اور رکوع و سجود یعنی نماز و عبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفہ حیات ہے، اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔

اے میرے اللہ! تو بڑا مہربان اور بڑی عنایت و محبت فرمانے والا ہے اور "فَعَالٌ لِّمَآئِرِدٌ" تیری شان ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا کر دے کہ ہم دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گم کردہ راہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو، تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں۔ جو کوئی تجھ سے محبت رکھے، ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اس سے محبت کریں، اور جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے، تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اس سے عداوت اور بغض رکھیں۔

اے اللہ! یہ میری دعا ہے اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے اور یہ میری حقیر کوشش ہے اور اعتماد بھروسہ اپنی کوشش اور دعا پر نہیں، بل کہ صرف تیرے کرم پر ہے۔

اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما اور میری قبر کو نورانی کر دے، اور منور کر دے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اوپر اور میرے نیچے (یعنی میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور ہو) اور اے اللہ! نور پیدا فرما شنوائی اور بینائی میں، میرے بال بال اور روئیں روئیں میں، میرے گوشت و پوست میں، میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں اور میری ہڈیوں میں۔ اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما اور نور کو میرا، اور میرے ساتھ کر دے۔

پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت و جلال کی چادر اوڑھ لی ہے، اور مجد و کرم اس کا لباس و شعار ہے، پاک ہے وہ ربِ قدوس جس کے سوا کوئی تسبیح کے لائق نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل و انعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت و کرم ہے، پاک ہے **رب ذوالجلال**۔“

تشریح: **سُبْحَانَ اللَّهِ!** کتنی بلند اور کس قدر جامع ہے یہ دعا۔ صرف اسی ایک دعا سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کی کتنی معرفت حاصل تھی، اور عبدیت جو بندے کا سب سے بڑا کمال ہے اس میں آپ ﷺ کا کیا مقام تھا، اور سید العالمین ﷺ اور محبوب رب العالمین ﷺ ہونے کے باوجود اپنے کو آپ ﷺ کی رحمت اور اس کے کرم کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، اور بندگی و نیاز مندی کی کیسی فقیرانہ شان کے ساتھ اس سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ نیز یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دعا کے وقت آپ ﷺ کے قلب مبارک کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے انسانی ضرورتوں اور حاجتوں کا کتنا تفصیلی اور عمیق احساس آپ ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جیسے **”رؤف“** اور **”رحیم و کریم“** ہیں اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کے ایک ایک فقرے پر اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم اور دعا مانگنے والے پر کتنا پیار آتا ہوگا۔

حضور ﷺ کی دعائیں امت کے لئے آپ ﷺ کا عظیم ترین ورثہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس ورثہ کی قدر و قیمت سمجھیں، اور اس میں سے پورا حصہ لینے کی کوشش کریں۔ جس شخص کے کام پھیلے ہوئے ہوں، بے تریب ہوں، کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کی پریشانی ہو تو اس کو بھی چاہئے کہ اس دعا کا اہتمام کرے، اس دعا میں نور مانگا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ رحمت طلب کی گئی ہے، غور کیجئے کہ اس دعا میں کتنے امور جمع ہیں:

- ۱ دل کی ہدایت.....
- ۲ کاموں کا مجتمع ہونا.....
- ۳ دین کی درستگی.....
- ۴ اعمال کا تزکیہ.....
- ۵ دل میں صحیح بات کا آنا.....
- ۶ ہر جائز چیز کی طلب.....
- ۷ ہر برائی سے حفاظت.....
- ۸ ایمان و یقین کا اعلیٰ درجہ.....
- ۹ رحمت کا وہ درجہ جس سے عزت و شرف حاصل ہو.....

- ۱۰ تقدیر کے فیصلوں میں کامیابی.....
- ۱۱ شہداء والا اعزاز.....
- ۱۲ نیک بخت بندوں والی زندگی.....
- ۱۳ دشمن کے مقابلے میں مدد کی طلب.....
- ۱۴ جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے اور عذابِ ثبور (موت کی تمنا) سے پناہ.....
- ۱۵ خیر و نعمت کی طلب.....
- ۱۶ روزِ قیامت امن و چین کی طلب.....
- ۱۷ جنت کا فیصلہ کروانا.....
- ۱۸ انسانوں کی ہدایت کے لئے خود بھی ہدایت یافتہ ہونا اور ہدایت کا ذریعہ بننا.....
- ۱۹ اپنی اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بننے سے بچنے کی دعا.....
- ۲۰ اللہ تعالیٰ کے ولیوں سے دوستی.....
- ۲۱ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی.....
- ۲۲ دل میں نور کی طلب.....
- ۲۳ قبر کو نورانی اور منور بنانے کی دعا.....

۲۴ ہر طرف نور کی طلب، بینائی، شنوائی میں نور کی طلب، گوشت پوست، رگوں، خون، ہڈیوں میں نور کی طلب۔
نور سے مراد ہدایت اور حق کا واضح ہونا ہے، جس کا تعلق ہر عضو سے ہے، مثلاً حق دیکھنا حق سننا، حق سوچنا وغیرہ اور ہر جہت سے گمراہی سے بچنا ہے، کیوں کہ باطل ظلمت ہے اور قیامت کے اندھیرے میں یہ نور اپنے ظاہری شکل میں روشنی کا کام دے گا۔

الغرض بہت ہی مبارک دعا ہے، آپ ﷺ کی اس مبارک دعا کا ایک ایک فقرہ ایسا مبارک ہے کہ بار بار اس کو مانگا جائے، آپ ﷺ تہجد کی نماز کے بعد اس دعا کو مانگا کرتے تھے۔

اس لئے ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ مولائے کریم سے فرض نمازوں کے بعد تہجد کی نماز کے بعد، عمرہ و حج کے سفر، جماعتوں کے سفر، گشت اور تعلیم کے بعد دعائیں مانگیں اور مسنون دعاؤں کا اہتمام کریں۔

کتنے افسوس کی بات ہوگی کہ ایسی مستند اور مسنون دعاؤں کو چھوڑ کر ہم غیر مستند دعاؤں اور وظائف کو اختیار کریں! آج سے نیت کر لیں کہ ہم مسنون دعاؤں کا خوب اہتمام کریں گے۔

حفظ و امان میں آنے کی دعا

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا یہ دعا مانگا کرتے تھے:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِنُورِ وَجْهِكَ.....الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ..... أَنْ

تَجْعَلَنِي فِي حِرْزِكَ وَحِفْظِكَ.....وَجِوَارِكَ وَتَحْتَ كَنْفِكَ.“^۱

ترجمہ: ”اے اللہ! میں آپ سے آپ کی ذات کے نور کے واسطے سے جس سے زمین و آسمان روشن ہیں، سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی حفظ و امان میں رکھیے۔“

فَوَائِدُ وَنَصَائِحُ

- ۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ نور ہدایت یعنی نبی اکرم ﷺ کی سنتوں اور طریقوں کو اپنا کر اپنی زندگی کو کامیابی والی بنائے۔
- ۲ قرآن کریم کی روزانہ کم از کم ایک پارہ تلاوت کو اپنے اوپر لازم کر لے اور جن احادیث مبارکہ میں نور کے حصول کے اسباب بیان ہوئے ہیں اُن کو بار بار پڑھے اور ان پر عمل کرے۔
- ۳ رسول کریم ﷺ نے جو پیاری دعائیں نور کے حصول کے لئے مانگی ہیں وہ دعائیں یاد کرے، بار بار اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے اور اپنے اعمال کو نورانی بنائے۔

الہادی جَلَّ جَلَالُہ

(سیدھا راستہ دکھانے اور اس پر چلانے والا)

اس اسم کے تحت تین تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ **الْهَادِي: هُوَ الَّذِي هَدَى خَلْقَهُ إِلَى مَعْرِفَتِهِ وَرُبُوبِيَّتِهِ، وَهُوَ الَّذِي هَدَى عِبَادَهُ إِلَى صِرَاطِهِ**

الْمُسْتَقِيمِ، كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾^۱

ترجمہ: امام زجاج **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالَى** فرماتے ہیں: ”**الہادی جَلَّ جَلَالُہ**“ وہ ذات ہے جو اپنے بندوں کو اپنی ربوبیت اور معرفت کی جانب رہنمائی فرماتا ہے اور وہی اپنے بندوں کو سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے جیسا کہ ”**الہادی جَلَّ جَلَالُہ**“ کا ارشاد ہے: ”جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر چلا دیتا ہے۔“

۲ **”اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ (الْهَادِي) يَهْدِي عِبَادَهُ إِلَيْهِ، وَيَدُلُّهُمْ عَلَيْهِ، وَعَلَى سَبِيلِ الْخَيْرِ وَالْأَعْمَالِ**

الْمُقَرَّبَةِ مِنْهُ عَزَّوَجَلَّ.“^۲

ترجمہ: زجاجی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالَى** فرماتے ہیں: ”**اللہ رب العزت ”الہادی جَلَّ جَلَالُہ**“ ہیں اپنے بندوں کو اپنے تک پہنچنے کا راستہ بتلاتے ہیں اور بھلائی اور ان اعمال کا راستہ بتلاتے ہیں جو اللہ رب العزت کی ذات سے قریب کرنے والے ہیں۔“

۳ **وَهُوَ الَّذِي هَدَى سَائِرَ الْخَلْقِ مِنَ الْحَيَوَانِ إِلَى مَصَالِحِهَا، وَالْهَمَهَا كَيْفَ تَطْلُبُ الرِّزْقَ،**

وَكَيْفَ تَتَقَى الْمُضَارَّ وَالْمَهَالِكَ كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿الَّذِي آعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾^۳

ترجمہ: اللہ رب العزت نے اپنی تمام حیوانی مخلوق کو ان کے مصالح کی ہدایت بخشی، انہیں سکھایا کہ وہ کیسے اپنا رزق تلاش کریں، نقصان دہ اور مہلک چیزوں سے کیسے بچیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ عطا کی پھر اس کی راہنمائی کی۔“

یعنی وہ ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پورا کرنے کی سمجھ دیتا ہے چنانچہ ① بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان منہ

۱ یونس: ۲۵، النهج الأسمی: ۲۷۰/۲

۲ اشتقاق الاسمی: ۱۸۷، بحوالہ النهج الأسمی: ۲۷۰/۲

۳ طہ: ۵۰، النهج الأسمی: ۲۷۰/۲

میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے (۲) چوزے کو اس کے انڈے سے نکلنے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔ (۳) شہد کی مکھی کو ایسے شش پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لئے کہ ارد گرد کچھ خالی جگہ نہ رہے تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے۔ (۴) تین انڈوں سے تین چوزے نکلے ایک چوزہ کو پانی میں ڈالنے تو تیرنا شروع کر دے گا، ایک چوزہ کو زمین پر چلائے تو چلنا شروع ہو جائے گا، ایک چوزہ کو ہوا میں اڑائے تو اڑنا شروع ہو جائے گا، یہ ”الْبَلَاءُ جَلَّالًا“ کی ہدایت ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

یعنی ہر چیز کو اس کی استعداد کے موافق شکل..... صورت..... قوی..... خواص..... وغیرہ عنایت فرمائے اور کمال حکمت سے جیسا بنانا چاہئے تھا بنایا۔

پھر مخلوقات میں سے ہر چیز کے وجود و بقاء کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی مہیا کیا، اور ہر چیز کو اپنی مادی ساخت اور روحانی قوتوں اور خارجی سامان سے کام لینے کی راہ سمجھائی۔
پھر ایسا محکم نظام دکھلا کر ہم کو بھی ہدایت کر دی کہ مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر کس طرح استدلال کرنا چاہئے۔

ہدایت کا اعلیٰ درجہ

اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو طلب ہدایت کے لئے نہایت عمدہ نفیس دعا سکھائی: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ اور اس کی تلقین کو بندوں پر لازم قرار دیا کہ جب بھی نماز کے لئے کھڑے ہوں یہ دعا پڑھنا ضروری ہے۔

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ صراطِ مستقیم کی ہدایت کے لئے جو دعا اس آیت میں تعلیم فرمائی گئی ہے اس کے مخاطب جس طرح تمام انسان اور عام مؤمنین ہیں، اسی طرح اولیاء اللہ اور حضراتِ انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَامُ بھی اس کے مامور ہیں، جو بلاشبہ ہدایت یافتہ، بل کہ دوسروں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔

انسان کو بھی چاہئے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ مانگے، سیدھا راستہ وہ ہے جس میں موڑ نہ ہوں اور مراد اس سے دین کا وہ راستہ ہے جس میں افراط اور تفریط نہ ہو، افراط کے معنی ہیں حد سے آگے بڑھنا اور تفریط کے معنی ہیں کوتاہی کرنا، ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کے بعد کی دو آیتوں میں اُس صراطِ مستقیم کا پتہ دیا گیا ہے، جس کی دعا اس آیت میں تلقین کی گئی ہے۔

ارشاد ہے: ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ”یعنی راستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا۔“

اور وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ان کی تفصیل ایک دوسری آیت میں اس طرح آئی ہے:

﴿الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾

ترجمہ: ”وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔“

مقبولانِ بارگاہِ الہی کے یہ چار درجات ہیں، جن میں سب سے اعلیٰ انبیاء عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ ہیں، اور صدیقین وہ لوگ ہیں جو انبیاء عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَالصَّلَاةُ کی امت میں سب سے زیادہ رتبے والے ہوتے ہیں، جن میں کمالاتِ باطنی بھی ہوتے ہیں، عرف میں اُن کو اولیاء کہا جاتا ہے، شہداء وہ ہیں جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دے دی، اور صلحاء وہ ہیں جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں، واجبات میں بھی، مستحبات میں بھی، جن کو عرف میں نیک دین دار کہا جاتا ہے۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس کو یہ نعمت مل گئی اسے دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مل گئی، اسی لئے ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا حکم دیا گیا اور سورۃ فاتحہ میں ہدایت کی دعا مانگنا سکھایا گیا ہے، لہذا سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے توجہ کے ساتھ ہدایت کی دعا مانگے اور اس پر آمین کہے اور بار بار ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ سے اخیر تک مانگتے رہنا چاہئے۔

ہدایت کے اصلی معنی ہیں: کسی شخص کو منزل مقصود کی طرف مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا، اور ہدایت کرنا حقیقی معنی میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے، جس کے مختلف درجات ہیں:

۱ ایک درجہ ہدایت کا عام ہے، جو کائنات و مخلوقات کی تمام اقسام جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ کو شامل ہے، یہاں آپ یہ خیال نہ کریں کہ ان بے جان، بے شعور چیزوں کو ہدایت سے کیا کام؟

کیوں کہ قرآنی تعلیمات سے یہ واضح ہے کہ کائنات کی تمام اقسام اور ان کا ذرہ ذرہ اپنے اپنے درجے کے موافق حیات و احساس بھی رکھتا ہے اور عقل و شعور بھی، یہ دوسری بات ہے کہ یہ جو ہر کسی نوع میں کم، کسی میں زیادہ ہے، اسی وجہ سے جن اشیاء میں یہ جوہر بہت کم ہے ان کو بے جان، بے شعور سمجھا اور کہا جاتا ہے، احکامِ الہیہ میں بھی ان کے ضعف شعور کا اتنا اثر آیا کہ ان کو احکام کا مکلف نہیں بنایا گیا، جن مخلوقات میں حیات کے آثار تو نمایاں ہیں مگر عقل و شعور نمایاں نہیں، ان کو ذی حیات جان دار مگر بے عقل و شعور کہا جاتا ہے، اور جن میں حیات کے ساتھ عقل و شعور کے آثار بھی نمایاں نظر آتے ہیں ان کو ذوی العقول کہا جاتا ہے، اور اسی اختلافِ درجات اور عقل و شعور کی کمی بیشی کی وجہ سے تمام کائنات میں احکام شرعیہ کا مکلف صرف انسان اور جنات کو قرار دیا گیا ہے، کہ ان میں عقل و شعور بھی مکمل ہے۔

الغرض ہدایتِ خداوندی کا یہ درجہ اولیٰ تمام مخلوقات، جمادات، نباتات، حیوانات، انسان اور جنات کو شامل ہے، اسی

ہدایتِ عامہ کا ذکر قرآن کریم کی آیت: ﴿اعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾^۱ میں فرمایا گیا ہے۔
یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا فرمائی، پھر اس خلقت کے مناسب اس کو ہدایت دی، اور یہی مضمون سورہ اعلیٰ میں ان الفاظ سے ارشاد ہوا:

﴿يَسْبِغُ اَسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی ۝ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝﴾^۲

ترجمہ: ”یعنی آپ اپنے پروردگارِ عالی شان کی تسبیح کیجئے..... جس نے ساری مخلوقات کو بنایا، پھر ٹھیک بنایا،..... اور جس نے تجویز کیا، پھر راہ بتائی۔“

یعنی جس نے تمام مخلوقات کے لئے خاص خاص مزاج اور خاص خاص خدمتیں تجویز فرما کر ہر ایک کو اس کے مناسب ہدایت کر دی۔

اسی ہدایتِ عامہ کا نتیجہ ہے کہ کائناتِ عالم کے تمام انواع و اقسام اپنا اپنا مقررہ فرض نہایت سلیقہ سے ادا کر رہے ہیں، جو چیز جس کام کے لئے بنادی ہے وہ اس کو ایسی خوبی کے ساتھ ادا کر رہی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، حضرت مولانا رومی **رحمۃ اللہ تعالیٰ** نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔^۳

”زبان سے نکلی ہوئی آواز کے معنی کا ادراک نہ ناک کر سکتی ہے نہ آنکھ، حالاں کہ یہ زبان سے زیادہ قریب ہیں، اس ادراک کا فریضہ اللہ تعالیٰ نے کانوں کے سپرد کیا ہے، وہی زبان کی بات کو لیتے ہیں اور ادراک کرتے ہیں۔ اسی طرح کانوں سے دیکھنے یا سونگھنے کا کام نہیں لیا جاتا، ناک سے دیکھنے یا سننے کا کام نہیں لیا جاسکتا۔“^۴

۲ دوسرا درجہ ہدایت کا اس کے مقابلے میں خاص ہے، یعنی صرف ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے جو عرف میں ذوی العقول کہلاتی ہیں، یعنی انسان اور جن، یہ ہدایت انبیاء **علیہم السلام** اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہر انسان کو پہنچتی ہے، پھر کوئی اس کو قبول کر کے مؤمن و مسلم ہو جاتا ہے، کوئی رد کر کے کافر و مشرک ٹھہرتا ہے۔

۳ تیسرا درجہ ہدایت کا اس سے بھی زیادہ خاص ہے جو صرف مؤمنین و متقین کے ساتھ مخصوص ہے، یہ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ انسان پر فائز ہوتی ہے، اس ہدایت کا دوسرا نام توفیق ہے، یعنی ایسے اسباب اور حالات پیدا

۱ طہ: ۵۰ ۲ اعلیٰ: ۱ تا ۴

۳ ۴

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ، با حق زندہ اند
ترجمہ: ”آگ، مٹی، ہوا اور پانی اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں، ہمارے اور آپ کے نزدیک تو یہ مردہ دکھائی دیتے ہیں جب کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ سب زندہ ہیں۔“

۵ دانائے روم نے خوب فرمایا۔

مرزاں رامشتری جز گوش نیست واقف این راز جز بے ہوش نیست

کر دینا کہ قرآنی ہدایات کا قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے اور ان کی خلاف ورزی دشوار ہو جائے، اس تیسرے درجے کی وسعت غیر محدود اور اس کے درجات غیر متناہی ہیں یعنی جن کا شمار نہیں ہو سکتا، یہی درجہ انسان کی ترقی کا میدان ہے، اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ اس درجہ ہدایت میں زیادتی ہوتی رہتی ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس زیادتی کا ذکر ہے، مثلاً:

﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾^۱

ترجمہ: ”جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔“

یعنی وہ جان لیتا ہے کہ اسے جو کچھ پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکم ہی سے پہنچا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾^۲

ترجمہ: ”جو لوگ ہمارے راستے میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے۔“^۳

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے قرب و ثواب (یعنی

جنت) کے راستے ضرور دکھائیں گے۔

درجاتِ ہدایت کی اس تشریح سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ ہدایت ایک ایسی چیز ہے جو سب کو حاصل بھی ہے اور اس کے مزید درجاتِ عالیہ حاصل کرنے سے کسی بڑے سے بڑے انسان کو استغناء بھی نہیں، اسی لئے سورہ فاتحہ کی اہم ترین دعاء ہدایت کو قرار دیا گیا، جو ایک ادنیٰ مؤمن کے لئے بھی مناسب حال ہے، اور بڑے سے بڑے رسول اور ولی کے لئے بھی اتنی ہی اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی آخر عمر میں سورہ فتح کے اندر فتح مکہ کے فوائد و ثمرات بتلاتے ہوئے یہ بھی ارشاد ہوا کہ ﴿وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾^۴ یعنی مکہ مکرمہ اس لئے آپ ﷺ کے ہاتھوں فتح کرایا گیا تا کہ آپ ﷺ کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ہو، ظاہر ہے کہ سید الانبیاء ﷺ پہلے سے نہ صرف ہدایت یافتہ بل کہ دوسروں کے لئے بھی ہدایتِ مجسم تھے، پھر اس موقع پر آپ ﷺ کو ہدایت ہونے کے اس کے سوا کوئی معنی نہیں ہو سکتے کہ ہدایت کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ ﷺ کو اس وقت حاصل ہوا۔^۵

۱۔ تغابن: ۱۱ ۲۔ عنکبوت: ۶۹

۳۔ یہی وہ میدان ہے جہاں ہر بڑے سے بڑا نبی و رسول اور ولی اللہ آخر عمر تک زیادتی ہدایت و توفیق کا طالب نظر آتا ہے، اسی مقامِ ہدایت کے متعلق مولانا رومی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا

اے براہِ درجے نہایت درجے ست ہر چہ بروے میری بروے ماییت

اور سعدی شیرازی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا

نگویم کہ ہر آبِ قادر عیند کہ ہر سائل نیلِ مستقی اند

۴۔ الفتح: ۲ ۵۔ معارف القرآن: ۸۷/۱، الفاتحہ: ۵ تا ۷

ہدایت طلب کرنے کی اہمیت پر امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ

واقِعَةُ مَلِكٍ (۱۰۳): امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ محدثین کے امام ہیں، صحاح ستہ میں شامل ان کی سنن، ان کے زندہ و جاوید ہونے کے لئے کافی ہے، ایک بار وہ کشتی میں سفر کر رہے تھے، دریا کے کنارے ایک آدمی کو چھینکنے کے بعد **"الْحَمْدُ لِلّٰهِ"** کہتے ہوئے سنا۔ چھینکنے والا **"الْحَمْدُ لِلّٰهِ"** کہے تو جواب میں **"يَرْحَمُكَ اللّٰهُ"** (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے) کہنا سنت بھی ہے اور مسلمان بھائی کا حق بھی!

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کی کشتی آگے نکل گئی، آپ نے ایک دوسری چھوٹی کشتی ایک درہم کے عوض کرایہ پر لی، چھینکنے والے کے پاس آئے اور انہیں **"يَرْحَمُكَ اللّٰهُ"** کہا۔

اس نے جواب میں **"يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ"** (اللہ آپ کو ہدایت دے) کہا۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ واپس اپنی کشتی پر آ گئے، ساتھیوں نے ان سے اس تکلف کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے **"مجھے خیال ہوا کہ ہو سکتا ہے یہ آدمی مستجاب الدعوات ہو، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی دعا قبول ہوتی ہو، میرے **"يَرْحَمُكَ اللّٰهُ"** کہنے کے جواب میں وہ **"يَهْدِيْكُمْ اللّٰهُ"** کہے گا تو بہت ممکن ہے اس کی یہ دعا میرے حق میں قبول ہو جائے، اس لئے میں کشتی لے کر اس کے پاس گیا۔"**

کہتے ہیں جب سفر کرتے ہوئے رات کو کشتی کے مسافر سو گئے تو سب نے یہ ہاتھ غیبی کی یہ آواز سنی: **"کشتی والو! ابو داؤد نے ایک درہم کے عوض اللہ تعالیٰ سے جنت خرید لی ہے۔"**^۱

"اللہ آپ پر رحم کرے"، **"اللہ آپ کو ہدایت دے"**، ان دونوں دعاؤں کو معمولی نہ سمجھا جائے، یہ بہت ہی بڑی اور بہت ہی اہم دعائیں ہیں، کسی کے حق میں قبول ہو گئیں تو اس کا بیڑا پار ہے۔

راہِ مستقیم کی ہدایت دینے والا صرف "الہدای جلالہ" ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ

أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُّهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾^۲

ترجمہ: **"آپ کہئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ حق کا راستہ بتاتا ہو؟..... آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے..... تو پھر آیا جو شخص حق کا راستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوچھے؟ پس تم کو کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔"**

^۱ شرح الشنوائی علی مختصر ابن ابی جمرة: ۲۹۰، بحوالہ کتابوں کی درگاہ میں: ۵۲، یونس: ۳۵

”الہادی جَلَّ جَلَالُہٗ“ ہی بندوں کی صحیح اور سچی رہنمائی کر سکتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، سب اسی کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ اسی کی ہدایت و رہنمائی پر سب کو چلنا چاہئے۔ بت مسکین تو کس شمار میں ہیں جو کسی کی رہنمائی سے بھی چلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے مقربین (انبیاء و ملائکہ عَلَیْہِمُ السَّلَام) بھی برابر یہ اقرار کرتے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت و دست گیری کے بغیر ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی رہنمائی بھی اسی لئے بندوں کے حق میں قابل قبول ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ ان کی رہنمائی فرماتا ہے، پھر یہ کس قدر نا انصافی ہے کہ انسان اس ”الہادی جَلَّ جَلَالُہٗ“ مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے یا مثلاً احبار و رہبان، برہمنوں اور مہتوں کی رہنمائی پر اندھا دھند چلنے لگے۔

فَآيِدًا: جب معلوم ہو چکا کہ ”مُبْدِی“ ”مُعِید“ اور ”ہَادِی جَلَّ جَلَالُہٗ“ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اس کے خلاف شرک کی راہ اختیار کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کے ہاتھ میں کون سی دلیل و برہان ہے جس کی بناء پر ”توحید“ کے مسلکِ قویم و قدیم کو چھوڑ کر ضلالت کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ ان کے پاس سوائے ظنون و اوہام اور اٹکل پچو باتوں کے کوئی چیز نہیں، بھلا اٹکل کے تیر حق و صداقت کے مواقع میں کیا کام دے سکتے ہیں۔

دعوت، ہدایت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے

وَاقِعًا مِّنْہُمْ (۱۰۴): عبید بن عمیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مشہور تابعی گزرے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فصیح زبان دی تھی، ان کی مجلس میں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا بھی بیٹھا کرتے تھے، اور ان کے دل پر اثر کرنے والی گفتگو سے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے۔

مکہ مکرمہ میں ایک جوان عورت تھی، شادی شدہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا، یہ خاتون ایک دن آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ رہی تھی، شوہر سے کہنے لگی:

”کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو یہ چہرہ دیکھے اور اس پر فریفتہ نہ ہو؟“

شوہر نے کہا: ”ہاں ایک شخص ہے۔“

کہنے لگی: ”کون؟“

کہا: ”عبید بن عمیر۔“

اسے شرارت سو جھی، کہنے لگی: ”آپ مجھے اجازت دیں، میں ابھی انہیں محبت کے قیدی بنائے دیتی ہوں۔“

شوہر نے کہا: ”اجازت ہے۔“

وہ عبید بن عمیر **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** کے پاس آ کر بولی: ”مجھے آپ سے تنہائی میں ایک ضروری مسئلہ پوچھنا ہے؟“
 چناں چہ عبید بن عمیر مسجد حرام کے ایک گوشے میں اس کے ساتھ الگ کھڑے ہو گئے تو اس نے اپنے چہرے سے
 حجاب سرکایا اور اس کا چاند جیسا چہرہ قیامت ڈھانے لگا، عبید نے اسے بے پردہ دیکھ کر فرمایا: **”إِتَّقِی اللہَ یَا أُمَّہ اللہِ“**
”اللہ تعالیٰ کی بندی! اللہ تعالیٰ سے ڈر“

کہنے لگی: ”میں آپ پر فریفتہ ہو گئی ہوں، آپ میرے متعلق غور کر لیں“
 دعوتِ گناہ کی طرف اشارہ تھا، عبید بن عمیر **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** اس کے جھانسنے میں آنے والے کب تھے، جسے اللہ
 ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہ کر سکے، ان کی حالت تو کہہ رہی تھی:

اے باد بہاری! مت چھیڑ ہمیں، لگ رہ اپنی تجھے اٹھکیلیاں سو جھپی ہیں، ہم بے زار بیٹھے ہیں
 حضرت عبید **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** نے اس کو خیر کی دعوت دینی شروع کی اور اس سے کہا:
 ”میں تجھ سے چند سوالات پوچھتا ہوں، اگر تو نے صحیح اور درست جوابات دیئے تو میں تیری دعوت پر غور کر سکتا
 ہوں۔“

اس نے حامی بھری تو حضرت نے فرمایا:

۱ ”موت کا فرشتہ تیری روح قبض کرنے آجائے اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟“

کہنے لگی: ”ہرگز نہیں“..... فرمایا: ”جواب درست“

۲ ”لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جا رہے ہوں اور تجھے اپنے اعمال نامہ کے متعلق معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ میں

ملے گا یا بائیں میں، اس وقت تجھے یہ گناہ اچھا لگے گا؟“

کہنے لگی: ”ہرگز نہیں“..... فرمایا: ”جواب درست“

۳ ”پل صراط کو عبور کرتے ہوئے تجھے اس گناہ کی خواہش ہوگی؟“

کہنے لگی: ”ہرگز نہیں“..... فرمایا: ”جواب درست“

اس کے بعد اسے مخاطب کر کے مزید دعوت دی اور فرمایا:

”إِتَّقِی اللہَ یَا أُمَّہ اللہِ فَإِنَّہُ أَحْسَنُ إِلَیکَ“ اللہ تعالیٰ کی بندی! اللہ تعالیٰ سے ڈر، اللہ نے تجھ پر انعام و

احسان کیا ہے، اس کی نافرمانی نہ کر، چناں چہ وہ گھر لوٹی تو اس کے دل کی کائنات بدل چکی تھی، دنیوی لذتیں اور شوخیاں

اسے بے حقیقت معلوم ہونے لگیں، شوہر نے پوچھا: ”کیا ہوا؟“

کہنے لگی: ”مرد اگر عبادت کر سکتے ہیں تو ہم عورتیں کیوں نہیں کر سکتیں، ہم کیوں پیچھے رہیں“

اور اس کے بعد نماز روزہ اور عبادت میں منہمک ہو کر ایک عابدہ اور پرہیزگار خاتون بن گئی، اس کا آزاد منہش شوہر اس کی حالت دیکھ کر کہا کرتا تھا: ”مجھے عبید بن عمیر کے پاس شرارت کے لئے بیوی کو بھیجنے کا کس نے مشورہ دیا تھا، اس نے تو میری بیوی کو بگاڑ کر رکھ دیا، پہلے ہماری ہر رات شب زفاف تھی، اب اس کی ہر شب، شبِ عبادت بن گئی ہے، وہ راتوں کو عبادت میں مشغول ہو کر راہبہ بن چکی ہے۔“

واقعاً مردِ مؤمن کی دعوتِ ایمان افروز اور دعا سے بسا اوقات دل کی دنیا میں انقلاب آجاتا ہے اور عقل و خرد کی شوخی و مستی، جلوۂ ایمان کے سامنے دم توڑنے لگتی ہے ۔

جلوؤں نے اہل ہوش کو کیسے شکستِ فاش دی آئے تھے ان کو ڈھونڈنے، خود سے بھی بے خبر ہو گئے

”جن“ کی دعوت پر اسلام قبول کرنا

واقِعَةُ مَلِكِ بْنِ ۱۰۵: ”کیا آپ کو معلوم ہے میرے اسلام لانے کا حیرت انگیز واقعہ کس طرح پیش آیا؟“
یہ الفاظ حضرت خرمیم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”آپ اپنے اسلام لانے کا واقعہ ہمیں ضرور سنائیں، اس لئے کہ ہمیں یہ واقعہ معلوم نہیں۔“

حضرت خرمیم بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ سنایا:

”ایک مرتبہ جنگل میں میرے جانور ادھر ادھر ہو گئے، میں ان کو تلاش کرنے لگا، ان کے پیروں کے نشانات پر چل رہا تھا کہ رات ہو گئی۔ اس وقت میں ”ابرق العزاف“ نامی مقام پر تھا۔ میں نے اونچی آواز سے پکار کر کہا:
”میں اس وادی کے بادشاہ (یعنی جن) کی پناہ چاہتا ہوں اس کے قوم کے بے وقوفوں سے۔“
اس پر کسی نے غیب سے آواز دی:

”تیرا بھلا ہو، اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ جو جلال، بزرگی، نعمت اور فضل والا ہے اور سورۃ انفال کی آیات پڑھ، اللہ تعالیٰ کو ایک مان اور کسی کی پروا نہ کر۔“

میں نے یہ آواز سنی تو خوف زدہ ہو گیا، پھر کچھ سنبھل کر میں نے کہا:

”اے غیبی آواز دینے والے! تو کیا کہہ رہا ہے؟

تو مجھے صحیح راستہ دکھانا چاہتا ہے، یا گمراہ کرنا، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے..... مجھے صاف صاف بتا.....“

جواب میں پھر آواز آئی:

”تمام تر خیر کو لے کر آنے والے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ) میں نجات کی دعوت دے رہے

ہیں، وہ نماز اور روزے کا حکم دیتے ہیں اور شر والے کاموں سے روکتے ہیں۔“

یہ سن کر میں نے اپنی سواری آگے بڑھائی اور بولا:

”مجھے سیدھا راستہ بتا، اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے..... تو کبھی بھوکا نہ ہو..... اور تو ہمیشہ طاقتور سردار بنا رہے

اور جو خیر تجھے ملی ہے اس کا مجھ پر زیادہ بوجھ نہ ڈال۔“

اب وہ یہ الفاظ کہتا ہوا میرے پیچھے آیا:

”اللہ تعالیٰ ہمیشہ تیرا ساتھی ہو اور تیری جان کو صحیح سلامت رکھے اور تجھے گھر والوں تک پہنچائے، تو اللہ تعالیٰ کے

رسول پر ایمان لا، میرا رب تیرے حق کو بامراد کرے اور اس رسول (ﷺ) کی مدد کر، میرا رب تیری اچھی نصرت کرے۔“

یہ سن کر میں نے کہا:

”اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے، تو کون ہے؟“

جواب میں اس نے کہا:

”میں آثال کا بیٹا عمرو ہوں اور اللہ تعالیٰ کے رسول (ﷺ) کی طرف سے نجد کے مسلمان جنات کا امیر ہوں،

تمہارے گھر پہنچنے تک تمہارے اونٹوں کی حفاظت ہوگی، اب تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔“

چنانچہ میں جمعے کے دن مدینے میں داخل ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرے پاس آئے اور بولے:

”اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، چلے آؤ، ہم تک تمہارے مسلمان ہونے کی خبر پہنچ چکی ہے۔“

اس پر میں نے کہا:

”مجھے اچھی طرح وضو کرنا نہیں آتا۔“

انہوں نے مجھے وضو کرنا سکھایا، پھر میں مسجد میں داخل ہوا، میں نے حضور نبی کریم (ﷺ) کو منبر پر بیان کرتے

ہوئے دیکھا، آپ (ﷺ) چودھویں کے چاند کی طرح لگ رہے تھے، میں نے سنا، آپ (ﷺ) فرما رہے تھے:

”جو مسلمان اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پھر سوچ سمجھ کر دھیان سے ایسی نماز پڑھتا ہے جس کی ہر طرح حفاظت کرتا

ہے، وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔“

یہ سارا واقعہ سن کر حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا:

”تم اس واقعے کا کوئی گواہ لاؤ، ورنہ میں تمہیں ضرور سزا دوں گا۔“

اس پر حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس واقعے کی تصدیق کی۔ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ان کی

گواہی کو قبول کر لیا۔^۱

فائدہ: ان دو واقعات سے معلوم ہوا کہ ہدایت کو حاصل کرنے کے لئے ہر مسلمان کو داعی بننا چاہئے، ہم میں سے ہر ایک کی چاہت ہے کہ ہم لوگ سیدھے راستہ پر آجائیں تو اس چاہت کو پورا کرنے کے لئے ہر جگہ ہمیں دعوت کا ماحول بنانا ہوگا، ۲۴ گھنٹوں میں جن سے بھی ملاقات ہو ان کو دین کی طرف دعوت دیجئے۔

انسان کو سائنسی تعلیم بھی ”اللہ تعالیٰ جل جلالہ“ کی طرف سے عطیہ ہے

انسان جس کو حق تعالیٰ نے عقل و شعور سب سے زیادہ مکمل عطا فرمایا اور اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے، تمام زمین اور پہاڑ، دریا اور اُن میں پیدا ہونے والی اشیاء انسان کی خدمت اور اس کے نفع کے لئے پیدا ہوئی ہیں، مگر اُن سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا اور مختلف قسم کے منافع حاصل کرنا اور مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز پیدا کر لینا یہ بڑے علم و ہنر کو چاہتا ہے، قدرت نے انسان کے اندر فطری طور پر یہ عقل و فہم رکھا ہے کہ پہاڑوں کو کھود کر..... دریاؤں میں غوطہ لگا کر..... سینکڑوں معدنی اور دریائی چیزیں حاصل کر لیتا ہے اور پھر لکڑی، لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کو باہم جوڑ کر ان سے نئی نئی چیزیں اپنی ضرورت کی بنا لیتا ہے اور یہ علم و ہنر فلاسفہ کی تحقیقات اور کالجوں کی تعلیمات پر موقوف نہیں، ابتدائے دنیا سے اُن پڑھ جاہل یہ سب کام کرتے آئے ہیں اور یہی فطری سائنس ہے جو حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو فطرۃً بخشی ہے، آگے فنی اور علمی تحقیقات کے ذریعہ اس میں ترقی کرنے کی استعداد بھی ”اللہ تعالیٰ جل جلالہ“ کا عطیہ ہے۔

یہ سب جانتے ہیں کہ سائنس کسی چیز کو پیدا نہیں کرتی، بل کہ قدرت کی پیدا کردہ اشیاء کا استعمال سکھاتی ہے اور اس استعمال کا ادنیٰ درجہ تو حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو فطرۃً سکھا دیا ہے، آگے اس میں فنی تحقیقات اور ترقی کا بڑا وسیع میدان رکھا ہے اور انسان کی فطرت میں اس کے سمجھنے کی استعداد و صلاحیت رکھی ہے، جس کے مظاہر اس سائنسی دور میں روز نئے نئے سامنے آرہے ہیں اور معلوم نہیں آگے اس سے بھی زیادہ کیا کیا سامنے آئے گا، غور کریں تو یہ سب ایک لفظ قرآن ”فہدیٰ“ کی شرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان سب کاموں کا راستہ دکھایا ہے اور اس میں ان کے پورا کر لینے کی استعداد عطا فرمائی، مگر افسوس ہے کہ سائنس میں ترقی کرنے والے اس حقیقت سے اور زیادہ نا آشنا بل کہ اندھے ہوتے جا رہے ہیں۔^۱

”اللہ تعالیٰ جل جلالہ“ سے ان الفاظ میں ہدایت کی دعائیں مانگئے

① ”اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا بِالْهُدٰى وَزَيِّنَا بِالتَّقْوٰى وَاعْفِرْ لَنَا فِى الْاٰخِرَةِ وَالْاَوَّلٰى.“^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! ہمیں راہِ راست پر چلا دے اور تقویٰ سے مزین فرما دے اور دنیا اور آخرت میں ہم کو بخش دے۔“

^۱ معارف القرآن: ۷۲۴/۸، ۷۲۵

^۲ ارشاد الساری الی مناسک ملا علی قاری، الأدعیۃ للحج والعمرة: ۱۹

۲ ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰی وَالتَّقٰی وَالعَفَافَ وَ الْغِنٰی“۔^۱

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، پاکبازی اور تیرے ماسوا سے بے نیازی کا طالب ہوں۔“
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ”تجھے وہ دعا نہ سکھاؤں کہ جب تو ہر فجر کے بعد اسے تین دفعہ مانگے تو اللہ تعالیٰ تجھ سے جذام، برص، فالج اور اندھا پن دور کر دے“ پھر فرمایا: یہ دعا پڑھا کر:
۳ ”اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ مِنْ عِنْدِكَ..... وَاَفِضْ عَلَیْ مِنْ فَضْلِكَ..... وَاَسْبِغْ عَلَیْ مِنْ رَّحْمَتِكَ..... وَاَنْزِلْ عَلَیْ مِنْ بَرَکَاتِكَ“۔^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے وہ ہدایت دے جو تیری خاص ہدایت ہو اور میرے اوپر وہ فضل بہا دے جو تیرا خاص فضل ہو اور مجھ پر اپنی رحمتِ کامل فرما اور اپنی برکتیں نازل فرما۔“

۴ ”اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ تَوْكَلْ عَلَیْكَ فَكَفِیْتَهُ وَاَسْتَهْدَاكَ فَهَدَیْتَهُ وَاَسْتَنْصَرَكَ فَنَصَرْتَهُ“۔^۳
ترجمہ: ”اے اللہ! تو مجھے ان لوگوں میں سے بنالے جنہوں نے تیری ذات پر بھروسہ کیا، تو ان کے لئے تو کافی ہو گیا اور جنہوں نے تجھ سے ہدایت مانگی، تو تو نے ان کو نصیب فرمادی، اور تجھ سے مدد مانگی، تو تو نے ان کی مدد فرمادی۔“

۵ ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ اِیْمَانًا دَائِمًا وَهُدٰی قَیِّمًا وَعِلْمًا نَّافِعًا“۔^۴
ترجمہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ہمیشہ رہنے والا ایمان اور ٹھیک ہدایت اور نفع بخش علم۔“

فوائد و نصائح

۱ ان پانچ دعاؤں کو یاد کر لیں، وقتاً فوقتاً مانگتے رہیں، والدین اپنے بچوں کو یاد کروائیں، اساتذہ و معلمات اپنے شاگردوں کو یہ دعائیں یاد کروائیں۔ نوافل کے سجدوں میں گڑگڑا کر یہ دعائیں مانگی جائیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

۲ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والوں کو چاہئے کہ اول ان باتوں کو چھوڑ دیں جو ہدایت کی راہ میں رکاوٹ ہیں مثلاً
۱ دین کی بات کا دھیان سے نہ سننا ۲ علماء، حفاظ اور دین داروں کی غیبت کرنا، یا اپنے دل میں ان کے متعلق میل رکھنا ۳ اپنے اساتذہ کا ادب نہ کرنا ۴ دین داروں پر اعتراض کرنا، مثلاً: آج کل کے علماء ایسے ہیں..... آج کل کے خانقاہ کے لوگ ایسے ہیں..... آج کل کے تبلیغ والے ایسے ہیں..... عام لوگوں پر اعتراض کرنا اور ان کے عیوب کو اچھالنا

۱۔ مسلم، الذکر، باب فی الادعیۃ: ۳۵۰/۲

۲۔ کنز العمال، الاول الاذکار، ۶۴/۲، رقم: ۳۵۱۷

۳۔ کنز العمال، الاول الاذکار، ۲۹۴/۲، رقم: ۵۱۰۳

۴۔ کنز العمال، الاول الاذکار، ۹۲/۲، رقم: ۳۷۸۶

کتنا برا ہے تو خاص دین دار لوگوں پر اعتراض کرنا، بدگمانی کرنا وغیرہ اس سے بھی زیادہ برا ہے لہذا ان تمام گناہوں سے بچنا چاہئے۔ اپنی آنکھ، کان، عقل و ہوش کو احکامِ الہی پر لگا دیں، ہدایت ایسے ہی لوگوں کی رفیقِ راہ بن کر انہیں منزل تک پہنچائے گی، یہی وہ ہدایت ہے جس کا سوال ہر ایک نمازی ربِّ العالمین سے کیا کرتا ہے۔^۱

۳ ”الہدائی جَلَّ جَلَالُہ“ نے جو ہدایت کی روشنی ہمیں عطا کی ہے چاہئے کہ ہم پورے عالم کی راہ نمائی کا ذریعہ بنیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔

۴ اولاد اور ماتحت ہدایت پر نہ آئیں تو اُن سے قطعِ تعلق یا جھگڑا نہ کریں جس کو ”الہدائی جَلَّ جَلَالُہ“ کی معرفت حاصل ہوگئی تو اس کو یقین ہوگا کہ ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، میں اللہ تعالیٰ ہی سے اُن کے لئے ہدایت مانگتا رہوں گا اور اُن کو صرف سمجھاتا رہوں گا، اگر بیس مرتبہ سمجھانے سے کام نہ بنا تو اکیسویں مرتبہ بھی سمجھاؤں گا، ہاں سمجھانے کے ساتھ روزہ رکھ کر اُن کے لئے دعا کروں گا، اور بچپن میں جو میری طرف سے تربیت میں غفلت ہوئی اس پر استغفار کروں گا، معافی مانگوں گا۔

الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ

(بلا نمونہ چیزوں کو ایجاد کرنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① ”الْبَدِيعُ: هُوَ الْمُبْدِعُ الَّذِي فَطَرَ الْخَلْقَ ابْتِدَاءً لَا عَلَى مِثَالٍ سَبَقَ“^۱

ترجمہ: ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کو بلا نمونہ پیدا کیا ہے۔“

یعنی ہر چیز کو وجود ”اَوَّلٰی“ اسی ذات نے بخشا ہے کہ اس ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی تخلیق سے پہلے اس چیز کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾^۲

ترجمہ: ”نئی طرح پر بنانے والا آسمانوں اور زمین کا۔“

بدیع کے معنی ہیں: بغیر کسی مثال یا نمونہ کے اور بغیر کسی سابق مادہ اور میٹرل کے وجود میں لانے والے۔

”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ہے جو نہ کسی آلہ کا محتاج ہو..... نہ مال مسالہ کا،..... نہ مقام و مکان کا پابند،..... نہ زمان و وقت کا مقید و محتاج..... نہ کسی نمونہ کا، نہ استاذ کا،..... وہ صنّاع ہے کاری گر نہیں، اصلی اور حقیقی معنی میں خالق اور موجد ہے بغیر کسی کی اعانت اور شرکت کے وجود میں لانے والا۔^۳

آسمان و زمین سب اسی کی مخلوق ہیں۔

② ”الْبَدِيعُ: الَّذِي أَظْهَرَ عَجَائِبَ صَنْعَتِهِ وَغَرَائِبَ حِكْمَتِهِ“^۴

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ“ ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہیں کہ وہ اپنی صنعت و حکمت کے عجائب و غرائب کو مخلوق پر آشکارا (ظاہر)

فرماتے ہیں (تاکہ مخلوق قدرت حق تعالیٰ کو دیکھ کر اس کی عظمت پہچان سکے)۔“

شیخ عبدالصمد الازہری فرماتے ہیں:

۳۔ تفسیر ماجدی: ۴۶/۱

۲۔ البقرة: ۱۱۷

۱۔ النهج الاسمی: ۲۸۲/۲

۴۔ شرح اسماء اللہ الحُسْنٰی للرازی: ۳۵۰

”عجائب مخلوقات“ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ دور کیوں جائے خود اپنے آپ کو دیکھئے یہ انسان جسے عالمِ صغیر کہا جاتا ہے اس ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا ایک عجوبہ روزگار ہے، چوپائے جانور چار ہاتھوں پیروں پر چلتے ہیں بات سمجھ میں آتی ہے کہ چار ستونوں پر جسم کا وزن درست رہتا ہے مگر اس احسنِ تقویم والے (انسان) کا صرف دو پاؤں پر چلنا پھرنا حیرت انگیز ہے، اتنے بڑے وزنی جسم کو دو پیروں پر کھڑا کر دینا اس ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا کمال ہے۔ پھر یہی نہیں کہ وہ اپنے دو پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے بل کہ دوڑا دوڑا پھرتا ہے۔ چلنا پھرنا اور دوڑنا اور ہے اور وزن کا متوازن رہنا بڑا ہی عجیب ہے۔ یہ چاہے تو ایک پاؤں پر بھی ایک دو گھنٹہ نہیں کئی دن کھڑا رہ سکتا ہے، بل کہ ساری عمر بھی ایک پاؤں پر کھڑا رہ سکتا ہے، جیسا کہ بعض جوگی ایسا ہی کرتے ہیں۔ وزن کا یہ تناسب ایک دامن کی لاش پر اس ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا بڑا ہی عجیب کارنامہ ہے، پھر یہ کہ دراز قدمنوں کا وزن لے کر بھی باسانی چل پھر سکتا ہے اور توازن نہیں بگڑتا۔ سارس اور بعض آبی جانور بھی گھنٹوں ایک پاؤں پر کھڑے رہتے ہیں۔ دو پائے جانوروں اور پرندوں میں اس ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے اس خوبی سے توازن قائم کیا ہے جیسے کہ زمین و آسمان و کواکب کا حسنِ توازن قائم کر رکھا ہے۔

چوں کہ یہ انسان زمین پر ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا خلیفہ ہے، لہذا یہ بھی طرح طرح کی ایجادات کرتا رہتا ہے، بڑی سے بڑی ایجاد کرنے والے بڑے سے بڑے موجد کو جسے ہم ”موجد“ کہتے ہیں۔ یہ دراصل موجد نہیں ہوتے صرف تالیف، ترتیب و ترکیب دینے والے یا انکشاف کرنے والے ہوتے ہیں، کیوں کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، اس ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی مختلف چیزوں کو ترکیب دے کر ایک نئی چیز بنا دیتے ہیں، یا اس کی کسی مخفی چیز کو برسرِ عام لے آتے ہیں، جس شخص نے لاسکی ریڈیو، ٹیلی ویژن یا لیزر شعاعیں ایجاد کیں اس نے ایجاد تو کچھ بھی نہیں کیا صرف انکشاف کیا ہے، سب چیزیں پہلے سے موجود تھیں مگر لوگوں کو علم نہ تھا، اس نے ترتیب و تالیف سے ایک ہی چیز بنا دی، تو سارے موجد بدیع و مبدع و موجد نہیں ہیں۔ صرف اسی کی ذات ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہے۔ ہم مجازاً انہیں بدیع کہہ دیتے ہیں۔^۱

اس عالم فانی میں لامتناہی مخلوقات حیات سے بہرہ ور اپنے نظم و نسق سے عالم کا حصہ بنی ہوئی ہیں، بعض مخلوقات بے انتہاء عظیم الجثہ^۲ اور بعض انتہائی حقیر الجسم^۳ کہ ان میں رَمَقِ حیات^۴ کا احساس بھی دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سب اس صنایعِ قادر^۵ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس کے رموز پر مطلع ہونا^۶ انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔

”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت کے عجیب کرشمے

چیونٹی

چیونٹی بظاہر حقیر اور بڑی غیر اہم معلوم ہوتی ہے لیکن محنت اور ذہانت کے لحاظ سے ایک ایسا نادر نمونہ ہے جس کی

۱۔ شرح اسماءِ حسنی للآزہری: ۶۵

۲۔ بڑے جسم والی ۳۔ بہت چھوٹے جسم والی ۴۔ زندگی کے آثار ۵۔ بنانے والا، قدرت والا ۶۔ جاننا

مثال مانی دشوار ہے۔ یہ کبھی نہ نچلی بیٹھتی ہے نہ کبھی بے کار، ہر وقت مصروف، ہر وقت مشغول، اس کی زندگی کے مختلف ادوار اور اس کے رہنے سہنے کے طریقوں کا حال سنایا جائے تو آپ ششدر رہ جائیں۔ تنظیم اور تقسیم کار کے لحاظ سے ہو یا ذہانت اور ذکاوت کی بناء پر، چیونٹی کی زندگی ہر طرح مکمل اور مربوط ہوتی ہے۔

حقیقت افسانہ سے زیادہ تعجب خیز ہوتی ہے۔ چیونٹی کسی طرح اشرف المخلوقات حضرت انسان سے کمتر نہیں ہے۔ یہ جانور پالتی ہے۔ ان کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ فوج رکھتی ہے، دشمن پر حملہ کرتی ہے، اسے کھیتی باڑی کا سلیقہ بھی آتا ہے!!..... کھیتوں میں بل چلاتی ہے، بیج بوتی ہے۔ کاشت تیار ہوتی ہے تو اسے کاٹ کر احتیاط کے ساتھ تہ خانوں میں محفوظ اور منتقل کر دیتی ہے۔ مدارج کے فرق البتہ اس میں بھی پائے جاتے ہیں..... اس قوم میں بھی حیدر آباد کا جاگیرداری نظام موجود ہے۔ ان کے جاگیردار ہمارے جاگیرداروں کی طرح مطلبی، آرام پسند، قومی فرائض سے غافل، خود پسند اور تن آسان ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کام سے کوئی غرض نہیں ہوتی، دن بھر کھاتے اور پڑے اینڈ تے رہتے ہیں۔

اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنی نوع سے ہٹ کر دوسری نوع کے جانوروں کو پالنا، ان سے فائدہ اٹھانا صرف اشرف المخلوقات کا حصہ ہے لیکن تجربات نے اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی ہے کہ چیونٹی جیسی حقیر خلقت اب اس خصوص میں انسان کی رقیب ہے، چیونٹی کی گائے، بھینس ایک قسم کے کیڑے ہوتے ہیں جن کو (Aphiads) افائیڈس کہا جاتا ہے۔ ان کے شکم میں شہد بھرا رہتا ہے۔ چیونٹیاں اپنے چھوٹے چھوٹے ڈنکوں کی مدد سے ان کیڑوں سے شہد حاصل کر لیتی ہیں، بعض مرتبہ چیونٹیاں ان دودھیلے جانوروں کو اپنے چھتوں میں اٹھا لاتی ہیں اور ان کے انڈے بچوں کی بڑی سخت نگہداشت کی جاتی ہے۔

چیونٹی کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو خود دودھ دیتی ہے۔ یہ میکسیکو اور آسٹریلیا کے بعض حصوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اپنے دیگر ہم قوموں کو آرام اور غذا پہنچانا ہوتا ہے۔ ابتداء میں قومی مزدور اور رضا کاران کو گائے بھینسوں کی طرح اچھی اچھی غذا مہیا کرتے ہیں یعنی خوب چارہ ڈال کر ان کو دودھ حاصل کرنے کی غرض سے پالا اور پرورش کیا جاتا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچوں کو غذا بھراتا ہے۔

رضا کار چیونٹیاں ان گائے بھینسوں کو شہد بھرایا کرتی ہیں۔ جوں جوں یہ عمل جاری رہے گائے بھینسوں کا جشہ بڑھتا جاتا ہے..... یہاں تک کہ ان کے لئے چلنا پھرنا حتیٰ کہ سرکنا بھی دو بھر ہو جاتا ہے۔ یوں بھی ان کو چلنے پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور یہ اپنے لئے بنے ہوئے مخصوص خانوں کی دیواروں سے چمٹ جاتے ہیں۔ یہ خاص کمرہ تقریباً تین انچ لمبا اور ایک انچ چوڑا ہوتا ہے۔ اس کی شکل کروڑی یعنی گول ہوتی ہے۔

یہ کمرے دراصل چوپال کا کام دیتے ہیں جہاں گائے بھینس باندھی جاتی ہیں۔ ان کی دیواروں سے شہد بھری چیونٹیاں اس طرح لٹکتی رہتی ہیں جیسے انگور کے خوشے لٹک رہے ہوں۔ مزدوروں اور رضا کاروں کو جب بھی بھوک ستائے

وہ ان زندہ مرتبانوں کے پاس آکر اپنی غذا لیتے اور پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یوں تو عموماً چیونٹیوں کی یہ گائیں چل پھر سکنے سے معذور ہوتی ہیں لیکن اگر ان کے شکم میں بھرا ہوا شہد کم ہو جائے تو ان کو چلتے پھرتے بھی دیکھا گیا ہے۔ آئیے اب چیونٹیوں کے جاگیرداروں اور نوابین کا حال سن لیجئے:

یہ دراصل مفت خورے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی میں ایک آدھ مرتبہ مزدوروں رضا کاروں کے مخلوں پر دھاوا بول کر ان کے انڈے اپنے پاس اٹھالاتے ہیں اور جب ان سے بچے نکلتے ہیں تو ان سے ملازمین کا سا کام لیتے ہیں۔ گھر بار کی نگہداشت، صفائی، تعمیر و ترمیم، بچوں کی نگرانی، غذا کی فراہمی، یہ سب ان ہی رضا کاروں کے ذمہ ہوتی ہے۔ مشہور فرانسیسی سائنس داں ہیوبر نے اس بارے میں ایک بڑا دل چسپ تجربہ دہرایا ہے۔ اس نے تقریباً (۳۰) ”جاگیردار چیونٹیوں“ کو ان کے رضا کاروں سے علیحدہ کر کے ایک ڈبہ میں علیحدہ بند کر دیا۔ ہاتھ پیر ہلانے کی توفیق تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی نہ تھی، دو دن کے اندر نصف سے زیادہ جاگیردار دوسری دنیا کو سدھار چکے تھے اور جو باقی تھے، وہ بھی لب گور، سکت جواب دے چکی تھی، چہرے زرد، موت آنکھوں کے سامنے کھیل رہی تھی۔ ہیوبر کو ان کی حالت پر رحم آگیا۔ اس نے صندوق میں ایک رضا کار کو بھی منتقل کر دیا۔ اس رضا کار نے تن تنہا بغیر کسی دوسرے کی مدد کے سب کے رہنے کے لئے زمین میں ایک گھر بنا لیا سب کو اس میں منتقل کیا، غذا مہیا کی بیماروں کی تیمارداری کی، ان کو بھلا چنگا بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس چھوٹی سی جگہ میں زندگی کی ہماہمی پھر سے پیدا ہو گئی۔

شہد کی مکھیوں کی طرح چیونٹیوں کی بھی تین گروہوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ نر اور مادہ اور غیر نمو یافتہ مادہ یا رضا کار..... یہ امر تو ہمیں بہت پہلے سے معلوم ہے کہ چیونٹیاں کفایت شعار اور گرہستی بھی ہوتی ہیں۔ غذائی دانے محفوظ کر لینا ان کا ایک عام وطیرہ ہے، لیکن یہ حالیہ انکشاف بے حد تعجب خیز ہے کہ چیونٹیوں کی بعض انواع نہ صرف یہ کہ آئندہ کے استعمال کے لئے اپنی غذا محفوظ کرتی ہیں بل کہ ان کو باضابطہ طریقہ سے اور خوش سلیقگی سے کاشت کرنا بھی آتا ہے! ان کسان چیونٹیوں کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ یہ جسامت میں بھی دوسری چیونٹیوں کے مقابل میں بڑی ہوتی ہیں اور مناسب موسم آنے پر بالکل کسانوں کی طرح بیج بونے کی تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ کھیت کے لئے زمین کے انتخاب کے بعد وہ ایک مٹی کا پٹھا بنا لیتی ہیں۔ چار تا چھ انچ اونچا ہوتا ہے پوری چوڑائی تین تا چار فٹ ہوتی ہے۔

اس چھتہ کے اطراف تین چار فٹ تک کی زمین بالکل صاف کر دی جاتی ہے..... جیسے کسی پائیں باغ کی تیاری ہو اس صاف شدہ اراضی پر کسی قسم کی نباتات اگنے نہیں دی جاتی ہے البتہ صرف ایک خاص قسم کی گھاس اگتی ہے جو بیج دار ہوتی ہے۔ یہی چیونٹیوں کا کھیت ہے۔ اگر دوسری قسم کی گھاس اس میں اگنے لگے تو بے کار گھاس کو چیونٹیاں فوراً علیحدہ کر دیتی ہیں، یہ بیج دار گھاس جو اہتمام سے اگائی جاتی ہے چاول سے بہت ملتی ہے، فصل کے تیار ہونے پر چیونٹیاں بڑی احتیاط سے اس کو گودام میں منتقل کر دیتی ہیں۔ گودام میں منتقل کرنے کے بعد ان کی صفائی کی جاتی ہے اور بھوسہ دوبارہ باہر

پھینک دیا جاتا ہے۔

اگر گودام میں غلہ نمی اور رطوبت کی وجہ سے خراب ہونے لگے، تو کبھی کبھی باہر نکال کر دھوپ کھلا لیا جاتا ہے۔ یہ تمام تحقیق سب سے پہلے ڈاکٹر لنکم نے کی تھی اور پھر میک کلک نے ۱۸۷۷ء میں اس کی تصدیق کی۔ اس کے بعد متواتر تجربات نے رہے سہے شبہ کو بھی بالکل دور کر دیا..... لوگ کہتے ہیں: سائنس اور مذہب میں بڑا اختلاف ہے لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس دراصل اپنے ان تجربات اور معلومات سے ایک اُن دیکھے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کے تصور میں غیر معمولی اضافہ کر دیتا ہے۔^۱

یہ تو ایک چھوٹی سی مخلوق کی طرز زندگی کی تحقیق تھی جو اپنے اندر بہت سی قدرتِ حق تعالیٰ کی نشانیوں کو سموئے ہوئے ہے آسمان وزمین میں تو لامحدود عجائباتِ قدرت پنہاں ہیں۔

﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾

ترجمہ: ”اسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ اس سے بڑی ہے جو شرک کرتے ہیں۔“
یعنی ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں محض تماشے اور کھیل کود کے طور پر پیدا نہیں کیا، بل کہ ایک مقصد پیش نظر ہے اور وہ جزا و سزا ہے۔

الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ نے آسمان کو چھت اور زمین کو فرش بنایا

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا، جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے، وہ بلند اور برتر ہے ہر اس چیز سے جس کو یہ نادان بندے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔ عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے، یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے، یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر اس میں تہہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے، کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتہی معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے؟ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم آسمان بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔

یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی ایتھر کا مقتضی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے، فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہا کا پتہ نہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں، انبیاء کرام **علیہم السلام** نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوقِ خداوندی ہیں اور قدرتِ قدیمہ کا کرشمہ ہیں۔ زمین و

^۱ تفسیر ماجدی: ۲/۷۷۱ روزنامہ ”رہبر دکن“ حیدرآباد دکن کے سائنسی کالموں سے۔ **النحل: ۳**

آسمان کا ہر جزو اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

ایک قطرہ آب سے انسان کی پیدائش

ایک قطرہ آب سے ایک عجیب و غریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں، اس لئے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں۔ ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب و غریب پیدائش اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے، انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔ کوئی جزو سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں، اس لئے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے، بل کہ یہ کسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے، اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے، رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہذا ماں باپ کو خالق نہیں کہا جاسکتا، انسان کی پیدائش کے ساتھ اس کے مصالح و فوائد کے لئے دوسری مخلوقات کو بھی پیدا فرمایا اور سب کو حضرت انسان کے لئے مسخر فرما دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ﴾

ترجمہ: ”اور بے شک تمہارے لئے چوپایوں میں عبرت ہے۔“

خون کے درمیان سے خالص دودھ

یعنی اگر تم ان میں غور و فکر کرو تو جہالت سے گزر کر علم اور معرفت کے مقام تک پہنچ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو معلوم کر لو، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

”پلاتے ہیں ہم تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے۔“ یعنی ہم ان چوپایوں کے پیٹ میں سے تمہارے لئے غذا پیدا کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پیٹ میں سوائے گوبر اور خون کے کیا ہے؟ ہم اپنی کمال قدرت سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں، جو پینے والوں کے لئے نہایت لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ یعنی باوجود دودھ گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے مگر اس کے باوجود خالص سفید ہوتا ہے، اور خون اور گوبر کے آمیزش سے بالکل پاک و صاف ہوتا ہے اور اس کی بو اور مزہ میں ذرہ برابر خون اور گوبر کا اثر نہیں ہوتا۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ دونوں پاک اور گندی اور بدبودار چیزوں کے درمیان سے کیسی عمدہ غذا پیدا فرمادی، مطلب یہ ہے کہ تم ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت اور نعمت میں غور کرو..... ہم تم کو دودھ جیسی عمدہ غذا

پلاتے ہیں جو خون اور گوہر کی نجاست اور کدورت کے شائبہ سے خالص اور پاک ہوتی ہے اور وہ دودھ آسانی سے حلق سے اتر جاتا ہے اور لذیذ اور خوش گوار ہے اور ہضم بھی خوب ہوتا ہے، غرض یہ کہ جب جانوروں کے شکم میں گھاس وغیرہ پہنچتی ہے تو ہضم کے بعد کچھ حصہ گوہر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ پیشاب بن جاتا ہے، خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آجاتا ہے اور ہر چیز اپنے اپنے مخرج سے نکلتی اور دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملتی ہے۔ یہ سب ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ شکم حیوان سے جو خون اور گوہر کا منبع ہے اس سے خالص دودھ نکالتا ہے اور اس عمدہ غذا سے تم کو سیراب کرتا ہے جس میں نہ خون کی رنگت ہے اور نہ گوہر کی بدبو ہے جیسا کہ ماں کے پستان میں خون ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے سرپستان میں ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا فرما دیا اور مسامات تنگ کر دیئے اس میں سے دودھ چھن کر اور صاف ہو کر نکلتا ہے جو بچہ کے لئے بہترین لطیف غذا ہے، یہ صنعت سوائے ”الْبَدِيعُ وَالْقَدِيرُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے کون کر سکتا ہے پس جس نے تمہارے لئے یہ نعمت پیدا کی اسی کی اور صرف اسی کی عبادت کرو۔

دانے کا زمین میں پھول کر پھٹنا

”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی تخلیقات میں سے ایک یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں، جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور اس کے باوجود ایک دوسرے سے مختلف ہیں، حالاں کہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے، کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بنجر ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوہ کے قابل ہے حالاں کہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں، عجیب بات ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں۔

جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور زمی سے پھول کر پھٹا اور اس سے سورگیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف، حالاں کہ زمین، پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب و علل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے، جو اس میں غور و فکر کر لے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں، بل کہ کسی ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی کاری گری اور کرشمہ سازی ہے۔

آم کے درخت میں تربوز

”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے دلائل قدرت میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے انسانوں میں بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی

ہے، کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا کسی کو مالک اور آقا بنایا اور کسی کو مملوک اور غلام بنایا غرض یہ کہ بنی آدم کو مختلف اوصاف پر پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ سب کا رزق اس کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ بعض کو زیادہ دیتا ہے اور بعض کو کم اور کسی بندہ کے اختیار میں نہیں کہ اس تفاوت کو ختم کر دے، اسی اختلاف اور تفاوت میں اس کی حکمت بالغہ ہے جس کے سمجھنے سے بندوں کی عقلیں قاصر ہیں، اور اس کے اسباب کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری رزق یعنی مال و دولت میں تفاوت رکھا۔ اسی طرح معنوی رزق یعنی علم، عقل، فہم، حسن صورت، حسن سیرت، صحت، مرض، ضعف، قوت، بصارت اور بصیرت میں بھی تفاوت رکھا۔

کسی کو زیادہ عقل دی اور کسی کو کم، کسی کو قوی جسم بنایا اور کسی کو ضعیف ناتواں بنایا، کسی کو عاقل اور کسی کو نادان، کسی کو عالم اور کسی کو جاہل کسی کو حسین اور کسی کو بد شکل بنایا۔ غرض یہ کہ دنیا کا سارا نظام اسی اختلاف اور تفاوت پر مبنی ہے، اگر سب یکساں ہو جائیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور یہ تفاوت اور تقسیم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے، اگر یہ بات علم و عقل، فہم اور دانش پر موقوف ہوتی تو دنیا میں کوئی بد عقل اور جاہل دولت مند اور مال دار نظر نہ آتا اور کوئی عالم اور عاقل دنیا میں خوار اور نادار نہ ہوتا۔ حالاں کہ معاملہ برعکس ہے، ظاہری صورت کے لحاظ سے سب انسان یکساں ہیں مگر صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کارخانہ عالم ان ہی اختلافات اور تباین و تفاوت پر مبنی ہے، اگر سب آدمی باتوں میں یکساں ہو جائیں تو کیوں کوئی حاکم ہو اور کوئی محکوم، کوئی مال دار اور کوئی نادار، کوئی مالک مکان اور کوئی کرایہ دار۔ اور دنیا کا کارخانہ اسی اختلاف سے چل رہا ہے۔

وَاقِعَةُ مَلِكٍ ۱۰۶: لطیفہ: ایک ملحد ہمیشہ نظام قدرت اور حکمت خداوندی پر معترض رہتا تھا، ایک روز اس کا گزر ترہبوز کے کھیت میں سے ہوا۔ اس چھوٹے سے پودے میں اتنے بڑے بڑے ترہبوز دیکھ کر قدرت کی اس نامناسبیت و ناموزونیت پر ہنسا۔ آگے بڑھا تو آموں کا ایک باغ آیا۔ بڑے بڑے تناور درختوں میں چھوٹے چھوٹے آم دیکھ کر نظام قدرت میں یہ اصلاح کی کہ بلحاظ جسامت آم کا چھوٹا چھوٹا پھل ترہبوزوں کے پودے میں اور ترہبوزوں کا پھل آم پر لگتا تو یہ نہایت ہی موزوں تناسب ہوتا۔

وہ اس مسئلہ پر آم کے پھلوں پر ٹکٹکی لگائے اُن کی نامناسبیت پر غور کر رہا تھا کہ طوطے نے ایک آم کترا جو گر کر سیدھا اس کی آنکھ کے ڈھیلے میں جا لگا، آنکھ پھوٹ گئی، سخت تکلیف ہوئی، لیکن وہ ملحدانہ خیالات سے تائب ہو کر فوراً ہی سجدہ شکر بجالایا کہ اب تو صرف آنکھ ہی ضائع ہونے پر بلا ٹل گئی، اگر میری اصلاح کے مطابق اس پر ترہبوز لگے ہوتے تو جان کی بھی خیر نہ تھی۔

جہاں اس صانع مطلق کی صنعت کے کارخانے عجیب ہیں، وہاں ان کو عجیب کہنے والا انسان خود سب سے بڑا عجوبہ

روزگار ہے۔ اس صانع حقیقی کی بے شمار قدرتیں بھی حیرت خیز اور محیر العقول ہیں، لیکن یہ خاکی پتلا ان سب سے بڑھ کر حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ اس کی بناوٹ میں اس صانع حقیقی نے اپنی صناعتی کا کمال دکھلایا ہے۔

کیا بناوٹ کی خوبی کے لحاظ سے، اور کیا مشینری کی لطافت اور باریکی کے لحاظ سے، اپنا جواب آپ ہے۔ اس چھوٹی سی آنکھ کے اندر نور کا موجود ہونا اور اس آنکھ کی پتلی میں بڑے بڑے مکانات، پہاڑ، حتیٰ کے آسمان تک کا سما جانا ایک بے نظیر کرشمہ ہے۔ انسان کا دل و دماغ اس سے بھی بڑھ کر عجوبہ ہے جس میں عقل و حکمت کے بحر بیکراں بہہ رہے ہیں۔

ہے آدمی بجائے خود اک منبع کمال

اگر بہ نسخہ تشریح جسم و رنگری

تَرْجَمَہ: ”اگر تو انسانی جسم کی شرح کی کتاب میں نگاہ مارے تو اس مختصر سی کتاب میں قدرت کی ساری تشریحات کو

دیکھ پائے گا۔“

انگور ہوں یا تر بوز، بارش کے قطرے ہوں یا سمندروں کا پانی، ہر شے سے اس کی قدرت کا نظارہ ہوتا ہے۔ بے شمار جانور بھی اس ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی ذات نے پیدا کئے ہیں۔ ایک اونٹ ہی کے بارے میں غور کریں کہ کیسی عجیب مخلوق ہے۔

قدرت نے اونٹ کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کر دیا

جانوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والے کے لئے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اول تو عرب میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے، ہاتھی وہاں ہوتا نہیں، دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو ایسا بنا دیا ہے کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیوں کہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھر لے گا، اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی۔

یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کر لیتا ہے، ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے، ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزروٹنکی ایسی لگا دی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اُس ٹنکی میں محفوظ کر لیتا ہے، اور تدریجی رفتار سے وہ اس پانی کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔

اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کر دیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنا دیئے کہ وہ تہہ کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اُس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہو جاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے

کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھالیتا ہے۔ عرب کے میدان میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے لیکن قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنا دیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک بچی بھی اُس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں، جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت بالغہ کا سبق دیتی ہیں۔

بے زباں جانور کا بولنا النبِیُّ جَلَّ جَلَالُهُ کی قدرت

واقعة مذہب (۱۰۷): علامہ ابن اثیر جزری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نقل کرتے ہیں: جب حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایرانی آتش پرستوں سے جہاد کرنے کے لئے قادسیہ پہنچے، تو انہوں نے اپنے لشکر کے ایک افسر عاصم بن عمرو رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو کسی کام سے ”میان“ کے مقام پر بھیجا، یہ دشمن کے ملک میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ حضرت عاصم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی یہاں پہنچے تو رسد کا سارا ذخیرہ ختم ہو گیا اور ساتھیوں کے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا۔ انہوں نے آس پاس تلاش شروع کی کہ شاید کوئی گائے بکری مل جائے مگر کافی جستجو کے باوجود کوئی جانور ہاتھ نہ آیا۔ اچانک انہیں بانس کے ایک چھپر کے پاس ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ انہوں نے اس سے جا کر پوچھا: ”یہاں آس پاس کوئی گائے بکری مل جائے گی؟“

اس شخص نے کہا: ”مجھے نہیں معلوم۔“ حضرت عاصم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ابھی واپس نہیں لوٹے تھے کہ چھپر کے اندر سے ایک آواز سنائی دی:

”یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے، ہم یہاں موجود ہیں۔“

حضرت عاصم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی چھپر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں کئی گائے بیل کھڑے ہیں۔ مگر وہاں کوئی آدمی نہیں تھا اور یہ آواز ایک بیل کی تھی۔ حضرت عاصم رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی وہاں سے گائے بیل لے کر آئے اور انہیں لشکر میں تقسیم کیا۔

یہ واقعہ کسی نے حجاج بن یوسف کو سنایا تو اسے یقین نہ آیا۔ اس نے جنگ قادسیہ کے شرکاء کے پاس پیغام بھیج کر اس کی تصدیق کرنی چاہی، تو بہت سے حضرات نے گواہی دی کہ اس واقعے کے وقت ہم موجود تھے، حجاج نے ان سے پوچھا:

”اس زمانے میں اس واقعے کے بارے میں لوگوں کا تاثر کیا تھا؟“

انہوں نے کہا: ”اس واقعے کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے اور وہ ہمیں دشمن پر فتح عطا فرمائے گا۔“

”یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب لوگوں کی اکثریت متقی و پرہیزگار ہو“ حجاج نے کہا:

”لوگوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے“ انہوں نے کہا: ”لیکن اتنا ہم بھی جانتے ہیں کہ دنیا سے اس قدر بے نیام قوم ہم نے ان کے بعد نہیں دیکھی۔“

الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟

واقِعَةُ مُبِينٌ (۱۰۸): جان ولیم کلاٹس نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے: جب آسٹریلیا کا براعظم نیا دنیا دریافت ہوا اور یورپ کے بہت سے لوگ وہاں جا جا کر آباد ہونے لگے تو انہوں نے دیکھا کہ اس براعظم میں خرگوش بالکل نہیں ہیں، یہ لوگ یورپ میں خرگوش کے شکار کے عادی تھے، اور انہیں اس شکار میں جو لطف آتا تھا، آسٹریلیا میں اس کی یاد ستانے لگی، انہیں لوگوں میں سے ایک شخص تھامس آسٹن تھا، اس نے ۱۸۵۹ء میں آسٹریلیا کی فضا خوشگوار بنانے کی کوشش کی اور یورپ سے خرگوش کے تقریباً بارہ جوڑے منگوا کر وہاں چھوڑ دیئے۔

لیکن قدرت کی حکمتوں کا احاطہ کون کرے؟

ہوا یہ کہ یورپ میں تو خرگوشوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی مخلوقات بھی پائی جاتی ہیں جو ان کی طبعی دشمن ہیں۔ اس کی وجہ سے وہاں خرگوش کی نسل میں اعتدال و توازن برقرار رہتا ہے مگر آسٹریلیا اس کے ان طبعی دشمنوں سے خالی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بارہ جوڑوں سے خرگوش کی نسل بڑھنی شروع ہوئی تو اس کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا آسٹریلیا خرگوشوں سے بھر گیا اور یہ بے مہار مخلوق کھیتوں میں گھستی تو کھیت ویران کر دیتی، چراگا ہوں میں پہنچتی تو چراگا ہیں اجاڑ دیتی، غرض وہ جانور جسے آسٹریلیا کی طبعی فضا کو خوشگوار بنانے کے لئے باقاعدہ درآمد کیا گیا تھا، سارے براعظم کے لئے عذابِ جان بن گیا۔

اب اس مشکل پر قابو پانے کی کوششیں شروع ہوئیں، کونزلا کے علاقے میں باقاعدہ سات سو میل لمبی فصیلیں اس غرض کے لئے تعمیر کی گئیں کہ خرگوش آبادیوں میں نہ پہنچ سکیں لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہوئی اور خرگوش ان فصیلوں کو پھاند پھاند کر آنے لگے، پھر ایک زہریلی غذا کو کام میں لا کر یہ روز افزوں نسل گھٹانے کی کوشش کی گئی مگر اس کا بھی نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

آخر کار کئی سال کی محنت اور کوشش کے بعد اس مشکل کا حل دریافت ہوا، ایک دوا ایجاد کی گئی جو خرگوش کو حرضِ مخا طی کے مہلک مرض میں مبتلا کر دیتی تھی، اس وباء کے پھیلنے سے خرگوش کی نسل میں کمی واقع ہوئی اور رفتہ رفتہ بڑے بڑے خشک صحرا اور بنجر پہاڑ جو دسیوں سال قحط زدہ رہے، اب سرسبز و زرخیز خطوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بکریوں کی صنعت سے آمدنی بہت بڑھ گئی ۵۲، ۱۹۵۳ء کے دوران اس صنعت کی آمدنی میں جو اضافہ ہوا اس کا اندازہ ۸۴ ملین

پرنڈے راستہ کیوں نہیں بھولتے؟

سائنس دانوں کا خیال ہے کہ انہوں نے اس بات کی کھوج لگالی ہے کہ موسم بدلنے پر ہجرت کرنے والے پرنڈے کس طرح ہزاروں میل کا سفر کر کے دوسرے مقام تک پہنچتے ہیں، اور سفر کے دوران راستہ بھی نہیں بھولتے۔ جدید تحقیق کے مطابق ہجرت کرنے والے بہت سے پرنڈوں کی آنکھوں میں ایسے خلیے ہوتے ہیں جو کرۂ زمین کا مقناطیسی میدان اور زمین پر ہونے والی روشنیاں بالکل اس طرح واضح طور پر دیکھنے میں ان کی مدد کرتے ہیں جس طرح انہیں زمین پر اگے درخت، چٹانیں اور دیگر اشیاء صاف دکھائی دیتی ہیں۔

سال کے اس حصے میں برطانیہ سے قریباً ۳ کروڑ پرنڈے گرم علاقوں کی جانب ہجرت کرنے والے ہیں۔ ان میں سے کئی پرنڈے تو ایسے ہیں جو برطانیہ سے سفر کر کے افریقہ پہنچیں گے۔ اس موقع پر جرمنی کی اولڈن برگ یونیورسٹی کے تحقیق دان ہنرک مورٹسن نے تجربہ کیا جس کا نتیجہ انہوں نے یہ نکالا کہ پرنڈوں کی آنکھوں کے پردے میں ایسے خلیے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ زمین کا مقناطیسی نقشہ دیکھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہزاروں میل کا سفر کرنے کے باوجود راستہ نہیں بھولتے۔ مورٹسن نے، جس جگہ سے پرنڈوں نے ہجرت شروع کی اس جگہ کے قریب مصنوعی مقناطیسی میدان قائم کیا اور مقناطیسی کشش کی قوت، زمین کی عمومی کشش سے ۹۰ درجے پر رکھی اور جب اس مصنوعی مقناطیسی میدان میں انہوں نے مقناطیسی لہریں پیدا کیں تو وہ پرنڈے، جو شمال کی جانب پرواز کر رہے تھے، ان کا رخ مغرب کی جانب ہو گیا۔ اس تجربے سے حاصل شدہ نتائج کی تصدیق کے لئے مورٹسن اور ان کی ٹیم نے باغوں میں بسیرا کرنے والے پرنڈوں پر تجربات کا فیصلہ کیا اور ان میں سے چند پرنڈے، جیسے کوئل وغیرہ پنجروں میں قید کر لئے۔ پھر ان پرنڈوں کا طرز عمل تبدیل ہوا تو اس سے انہیں معلوم ہوا کہ اب یہ پرنڈے یہاں سے ہجرت کرنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

تجربے کی خاطر مورٹسن اور ان کی ٹیم نے ان پرنڈوں کو رہا کرنے کے بجائے انہیں مارڈالا پھر ان کی آنکھوں پر تحقیق کی جس سے ظاہر ہوا کہ ان پرنڈوں کی آنکھوں کے پردے میں مخصوص خلیے ہوتے ہیں جن میں ”کریٹوکروم“ نامی پروٹین ہوتی ہے۔ کریٹوکروم پروٹین اتنی حساس ہوتی ہے کہ مقناطیسی میدان میں معمولی سی تبدیلی بھی فوراً محسوس کر لیتی ہے۔ مورٹسن کا کہنا ہے کہ آنکھ کے پردے پر کروڑوں خلیے ہوتے ہیں جو مخصوص طریق عمل سے پرنڈوں کو مقناطیسی میدان بالکل اس طرح دکھاتے ہیں جس طرح راڈار پر طیارے دکھائی دیتے ہیں۔

۱۔ (ترائے: ۶۷) ”اللہُ بَتَجَلّٰی فِی عَصْرِ الْعِلْمِ“ ترجمہ عربی (The Evidence Of God The Expanding Universe) مرتبہ جان

کلاور مونسما و مترجمہ عبدالجید سرحان، موسسۃ فرانکلین قاہرہ نیویارک (۱۹۶۱ء صفحہ ۵۱)

اس آئینے میں سبھی عکس ہیں تیرے

مذکورہ مضمون نگار ہی نے لکھا ہے کہ پھول کی ایک خاص قسم ہے جس کا نام (Jack in the pulpoint) ہے اس پودے میں پھولوں کے گچھے دو طرح کے ہوتے ہیں: نر اور مادہ۔ اس پودے میں چھوٹے چھوٹے پیالوں کی طرح کچھ نباتی حلقے ہوتے ہیں اور انہی حلقوں کے اندر پھول نشوونما پا کر باہر آتے ہیں، دوسرے پودوں کی طرح ان میں بھی پھولوں کی نشوونما نر اور مادہ کے ملاپ سے ہوتی ہے، لیکن ان پودوں میں ملاپ کا عجیب و غریب طریقہ مقرر ہے۔

نر اور مادہ یہاں براہ راست نہیں ملتے بل کہ یہ ملاپ بہت چھوٹی مکھی کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ پودے کے نباتاتی حلقے اوپر سے کشادہ ہوتے ہیں لیکن اندر جا کر تنگ ہو جاتے ہیں، وہ چھوٹی سی مکھی نر پودے کے ان حلقوں کے اندر گھسنا چاہتی ہے، لیکن بیچ میں پہنچ کر بری طرح پھنس جاتی ہے، ایک تو آگے راستہ تنگ ہوتا ہے۔

دوسرے جوں ہی مکھی کسی نر پودے کے حلقے میں داخل ہوتی ہے، اس حلقے کے بالائی حصے سے موم کی طرح کا ایک مادہ اندر کی طرف پھیلنا شروع ہو جاتا ہے، جس سے حلقے کی دیواریں ڈھک جاتی ہیں۔ اب اس مکھی کو نہ آگے جانے کا راستہ ملتا ہے، نہ پیچھے ہٹنے کا، اس لئے وہ اپنی جگہ ایک جنونی کیفیت میں چکر کاٹتی ہے، اس جنونی گردش کے سبب پودے کے تناسلی ذرات اس مکھی کے جسم سے چمٹ جاتے ہیں اور جونہی یہ کام مکمل ہوتا ہے تو حلقے کے بالائی حصے سے مومی مادہ کا خروج خود بخود بند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اوپر کا حصہ تھوڑا تھوڑا سخت ہونے لگتا ہے اور مکھی ذرا سا زور لگا کر باہر نکل آتی ہے۔

اس کے بعد یہی مکھی کسی مادہ پودے کے حلقے میں اسی طرح داخل ہوتی ہے، لیکن مادہ پودے کے حلقوں میں یہ خاصیت ہے کہ وہ مکھی کے گھسنے کے بعد نکلنے نہیں دیتے، مکھی اندر پہنچ کر ہمیشہ کے لئے مقید ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، مرنے سے ذرا دیر پہلے وہ باہر نکلنے کی جو آخری کوشش کرتی ہے، اس میں وہ نر پودے کے تناسلی ذرات مادہ پودے میں منتقل کر دیتی ہے اور تناسل کا عمل مکمل ہو جاتا ہے۔

یہ عجیب و غریب معاملہ ہے کہ نر پودے کا حلقہ پہلے مکھی کو داخل ہونے کا موقع دیتا ہے، پھر اسے پھانس دیتا ہے، اور اس کے بعد نکلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس کے برعکس مادہ پودا ایک بار پھانسنے کے بعد نکلنے کا موقع نہیں دیتا۔

﴿فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾

مضمون نگار یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

”کیا یہ سارے شواہد اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلالت نہیں کرتے؟ ہماری عقلوں کے لئے یہ تصور کرنا انتہائی دشوار ہے کہ یہ عجیب و غریب انتظام محض اتفاقات کا کرشمہ ہے، یہ ماننا گزیر ہے کہ یہ سب کچھ ایک مستحکم تدبیر اور مکمل قدرت کا

نتیجہ ہے۔^۱

الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ کے کرم کا ایک واقعہ

وَاقِعَةُ مِثْبَرٍ (۱۰۹): عامر بن حطان خارجی تھا اور حجاج بن یوسف کے مخالفین میں سے تھا، حجاج نے اسے گرفتار کیا، جلاد سے کہا: ”بدکار عورت کے اس بیٹے کی گردن اڑا دو۔“ عامر نے بڑے پروقار انداز میں سر اٹھا کر کہا: ”حجاج! تمہارے بڑوں نے تمہاری بڑی غلط تربیت کی ہے، موت کے بعد رہ کیا جاتا ہے، میں جواباً اسی طرح کی گالی تمہیں دوں تو مجھے کیا خوف ہو سکتا ہے لیکن گالی دینا بہادروں اور شرفاء کے شایان شان نہیں۔“ یہ گالی کا باعث نجات جواب تھا، حجاج نے اس کا یہ جملہ سن کر شرمندگی سے سر جھکا لیا، پھر اس سے کہا: ”تمہارے ساتھ احسان کیا جاسکتا ہے؟“

عامر نے کہا: ”کیوں نہیں“ چنانچہ حجاج نے گھوڑا اور زادراہ دے کر اسے اپنے علاقے کی طرف رخصت کیا، عامر وہاں پہنچا تو اس کے قبیلہ کے لوگوں نے کہا: ”آپ کو اللہ تعالیٰ نے آزادی دی ہے، حجاج نے نہیں، بھرپور تیاری کے ساتھ ہمیں دوبارہ حجاج پر حملہ کرنا چاہئے۔“ لیکن عامر نے کہا: ”حجاج نے مجھ پر احسان کیا ہے اور اس احسان نے میرے ہاتھ باندھ لئے ہیں، اب میں اس کے خلاف لڑنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔“^۲

فَوَائِدُ وَنَصَائِحُ

۱ اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کو ہی ہر چیز کا خوب صورت اور رنگ برنگی پیدا کرنے والا سمجھے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس طرح بغیر نمونے، مثال، سانچے کے بنانے، پیدا کرنے کی طاقت نہیں ہے، یہی مطلب ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا ہے۔ انسان بدیع نہیں ہے، کیوں کہ انسان تو پہلے اپنے سامنے ایک نقشہ رکھتا ہے پھر کہیں جا کر اس کی نقل تیار کرتا ہے، بغیر نقشے یا نمونے کے ابتداء کسی چیز کو نہیں بناتا، یہ صرف ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ ہی کی خصوصیت ہے۔

۲ اس خوب صورت کائنات کے ذرے ذرے پر غور کرے اور ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی حقانیت پر اپنے یقین کو پختہ کرے۔

۳ ”الْبَدِيعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے جو مخلوقات اس انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمائی ہیں ان سے نفع حاصل کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے اور یہ سوچے کہ یہ طاقت و مخلوق اللہ تعالیٰ کی بہترین کاری گری میں سے ہے۔

الْبَاقِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ

(ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① ”هُوَ الَّذِي لَا تَعْتَرِضُ عَلَيْهِ عَوَارِضُ الزَّوَالِ وَهُوَ الَّذِي بَقَاؤُهُ غَيْرُ مُتَنَاهٍ وَلَا مَحْدُودٌ، وَلَيْسَتْ صِفَةُ بَقَائِهِ وَدَوَامِهِ كِبَقَاءِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَدَوَامِهِمَا، وَذَلِكَ أَنَّ بَقَائَهُ أَزَلِيٌّ أَبَدِيٌّ وَبَقَاءُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ أَبَدِيٌّ غَيْرُ أَزَلِيٍّ وَمَعْنَى الْأَزَلِ مَا لَمْ يَزَلْ وَمَعْنَى الْأَبَدِ مَا لَا يَزَالُ، وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوقَتَانِ كَانَتَانِ بَعْدَ أَنْ لَمْ تَكُونَا فَهَذَا فَرْقٌ مَا بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ“^۱

”الْبَاقِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے جس پر اسبابِ زوال طاری نہیں ہو سکتے اور جس کے باقی رہنے کی کوئی انتہا اور حد نہ ہو اللہ رب العزت کی ہمیشہ باقی رہنے والی صفت جنت و جہنم کے ہمیشہ باقی رہنے کی طرح نہیں ہے کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، جب کہ جنت و جہنم ہمیشہ تو رہیں گے لیکن ہمیشہ سے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہیں، ازل کا مطلب جو ہمیشہ سے ہو اور ابد کا مطلب جو ہمیشہ رہے۔ جب کہ جنت و جہنم مخلوق ہیں پہلے موجود نہ تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق فرمائی (اور جنت و جہنم کو ہمیشہ باقی رہنے کی صفت بھی ”الْبَاقِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے عطا فرمائی ہے۔“

② ”الْبَاقِيُّ الَّذِي لَا إِبْتِدَاءَ لَوْجُودِهِ وَلَا نِهَآيَةَ لِّوُجُودِهِ وَقِيلَ : هُوَ الْأَوَّلُ بِلَا إِبْتِدَاءٍ وَالْآخِرُ بِلَا انْتِهَاءٍ“^۲

”الْبَاقِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات جس کے وجود کی نہ کوئی ابتداء ہو اور نہ ہی کوئی انتہاء ہو، بعض حضرات فرماتے ہیں: ”الْبَاقِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ہے جو اول ہے بغیر ابتداء کے اور آخر ہے بغیر انتہاء کے۔“

”الْبَاقِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے سوا ہر چیز فانی ہے

اللہ رب العزت کا ارشاد مبارک ہے:

۱۔ شان الدعاء: ۹۶ ۲۔ شرح اسماء اللہ الحسنیٰ للرازی: ۳۵۰

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَإِنَّ رَبَّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾^۱

ترجمہ: ”زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں، صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت و عزت والی ہے باقی رہ جائے گی۔“

مشہور تفسیر کے مطابق آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے جن میں جن و انس بھی داخل ہیں سب کے سب فانی ہیں، باقی رہنے والی ایک ہی ذات حق جَلَّ جَلَالُہ کی ہے۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں، ان میں دوام و بقا کی صلاحیت نہیں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی، بعض حضرات مفسرین نے ﴿وَجْهَ رَبِّكَ﴾ کی تفسیر جہت اور سمت سے کی ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ کل موجودات میں بقا صرف اس چیز کو ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب میں ہے، اس میں اس کی ذات و صفات بھی داخل ہیں اور مخلوقات کے اعمال و احوال میں جس چیز کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان اور جن اور فرشتے جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی فنا نہیں ہوں گے۔^۲

اور اس مفہوم کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾^۳

ترجمہ: ”جو کچھ تمہارے پاس ہے (مال و دولت ہو یا قوت و طاقت یا راحت و کلفت یا کسی کی محبت و عداوت یہ سب چیزیں) فنا ہونے والی ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے پاس انسان کے اعمال و احوال میں سے وہ چیز ہے جس کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے کہ اس کو فنا نہیں۔^۴

دنیا کی راحت و کلفت، دوستی، دشمنی سب فنا ہونے والے ہیں اور ان کے ثمرات و نتائج جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والے ہیں۔

﴿مَا عِنْدَكُمْ﴾ کے لفظ سے عام طور پر ذہن صرف مال و متاع کی طرف جاتا ہے، استاذ محترم مولانا سید اصغر حسین صاحب رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی نے فرمایا: لفظ ﴿مَا﴾ لغت کے اعتبار سے عام ہے اور عموم کے معنی مراد لینے سے کوئی امر شرعی مانع نہیں، اس لئے اس میں دنیا کا مال و متاع بھی داخل ہے، اور اس میں پیش آنے والے تمام حالات و معاملات، خوشی، رنج و غم، راحت، بیماری، صحت، نفع اور نقصان کسی کی دوستی یا دشمنی یہ سب چیزیں شامل ہیں کہ سب کی سب فنا ہونے والی ہیں، البتہ ان حالات و معاملات پر جو آثار مرتب ہونے والے ہیں اور قیامت میں ان پر عذاب و ثواب ہونے والا ہے وہ سب باقی رہنے والے ہیں۔

فنا ہو جانے والے حالات و معاملات کی دھن میں لگا رہنا اور اپنی زندگی اور اس کی توانائی کو اسی کی فکر میں لگا کر دائمی عذاب و ثواب سے غفلت برتنا کسی ذی عقل کا کام نہیں۔

قرآن کہتا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾^۱

ترجمہ: ”صرف وہی زندہ جاوید ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔“
سورۃ القصص میں فرمایا:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾^۲

ترجمہ: ”اس ذات کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے۔“

اس آیت میں قرآن پاک نے غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے ایک عام فہم آسان انداز میں دل نشین اور بہت دل چسپ استدلال کیا ہے۔ اگر غیر مسلم بھی اس کو سوچے تو اس کو اسلام اور توحید کی توفیق مل جائے گی اور مسلمان جتنا اس پر غور کرے گا تو توحید کا عقیدہ مضبوط ہوگا اور غیر اللہ سے مستغنی ہو جائے گا:

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے، باقی رہنے والی اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہستی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جو سب کا خالق اور پروردگار ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو حاجت روا اور کارساز سمجھ کر اُن سے دُعائیں کرنے والے اور مُرادیں مانگنے والے جاہل مشرکین بھی اس حقیقت کو جانتے اور مانتے ہیں کہ سدا رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور باقی سب فانی ہیں۔

پس قرآن کہتا ہے: جن ہستیوں کے متعلق تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنے وجود اور اپنی حیات میں بھی مختار نہیں اور اپنے کو موت اور فنا سے بچا لینا بھی جن کے بس میں نہیں، سو چونکہ اُن کو کارساز اور حاجت روا سمجھ کر اُن سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا کتنی بڑی حماقت و جہالت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا وہ لبید شاعر کا ہے۔“

”أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ“^۳

ترجمہ: ”خبردار ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سوا ختم ہونے والی ہے۔“

پس جو لوگ بتوں کو..... یا نیک اور مقدس رُوحوں کو..... یا گزرے ہوئے پیغمبروں..... یا پیروں..... ولیوں..... اپنی مدد کے لئے پکارتے ہیں اور اپنی حاجتوں میں اُن سے دُعائیں کرتے ہیں (حالاں کہ جانتے ہیں کہ یہ سب فانی ہستیاں ہیں) وہ خود سوچیں کہ وہ کیسی احمقانہ حرکت کرتے ہیں اور اپنے کو وہ کتنی گہری پستی میں گراتے ہیں۔^{۱۷}

الباقی جلد اول سے تعلق پیدا کرنے کی دعا

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دنیا سے ہر انسان کو جانا ہے، اب جانے والا یا تو قید خانے سے نکل کر جاتا ہے یا پھر قید خانے میں جاتا ہے۔ یعنی انسان نے دنیا میں اپنے دل کو قید اور پابندی میں بند رکھا کہ اس میں غیر اللہ کا خوف اور غیر اللہ سے امید نہ رکھی..... آنکھوں کو قید میں رکھا کہ بد نظری نہ کی..... زبان کو قید میں رکھا کہ غیبت..... بدزبانی..... گالی گلوچ سے بچایا اور ذکر و تلاوت کا پابند رکھا تو موت آتے ہی یہ تمام اعضاء قید سے نکل کر آزاد فضا میں ہوں گے، اور اگر ان اعضاء کو دنیا میں آزاد رکھا تو پھر موت آتے ہی یہ سب قید خانے میں ہوں گے۔

اسی لئے کہتے ہیں:

”فَكُلُّ خَارِجٍ مِّنَ الدُّنْيَا إِمَّا مُتَخَلِّصٌ مِّنَ الْحَبْسِ وَإِمَّا ذَاهِبٌ إِلَى الْحَبْسِ“^{۱۸}

”یعنی دنیا سے ہر جانے والا شخص یا تو قید سے رہائی پانے والا ہے گیا یا قید میں جانے والا ہے۔“

انسان الباقی جلد اول سے جتنی محبت اور تعلق کو بڑھائے گا، اتنا ہی اس کے ہر فیصلے پر راضی رہ سکے گا اور اتنا ہی فانی چیزوں سے تعلق گھٹے گا، بسا اوقات انسان کی کوئی محبوب ترین چیز جدا ہو جاتی ہے جس سے اس کو اتنا افسوس ہوتا ہے کہ نہ پوچھیں.....؟

ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ کاروبار میں نقصان ہو یا کسی عزیز کا انتقال ہو، کسی فانی چیز پر مصیبت آئی، کسی نے بے وفائی کی، تو انسان اپنے ہوش و حواس کھودے، یا پریشان پھرتا رہے، یا اپنی زندگی کو ختم کرنے کی فکر اور دعا کرتا رہے، بل

۱۷

دوران لقاء چو باد صحرا بگذشت تلخی و خوشی وزشت و زیبا بگذشت
پنداشت شکر کہ جفا برما کرد برگر دن وے بماند و برما بگذشت

ملاقات کے دوران جب صحرائی ہوا چلی تو وہ خوشی غمی اچھے برے لمحات لے کر چلی
ستم گر یہ سمجھا کہ ہوا ہم پر ظلم کر گئی، کہ اس کی گردن پہ باقی رہی اور ہم پر سے گزر گئی

(معارف القرآن: ۵/۳۹۷)

۱۸ اس میں اشارہ ہے اس حدیث مبارکہ کی طرف جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے: ”میت کا جنازہ جلدی لے جاؤ اس لئے کہ اگر یہ نیک آدمی تھا تو اس کو بہتری کی طرف آپ بڑھا رہے ہیں اور اگر یہ برا آدمی تھا تو اس کے شر سے جلد محفوظ ہو جاؤ گے۔“ (سنن ابی

داؤد، الجنائز، باب الاسراع بالجنائز، رقم: ۳۱۸۱)

کہ یہ دعا مانگتا رہے:

”اللَّهُمَّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا أَحَبُّ فَأَجْعَلْهُ فَرَاغًا لِي فِيمَا تُحِبُّ.“^۱

ترجمہ: ”اے میری جن پسندیدہ نعمتوں کو تو نے مجھ سے روک لیا ہے تو اب تو ان کے خیال سے بھی میرے دل کو خالی کر کے ایسے کاموں میں لگا دے جو تجھ کو پسند ہوں۔“

یہ دعا ہر وقت مانگتا رہے تب ہی جا کر اس **الْبَاقِي** جَلَّ جَلَالُهُ سے قلبی تعلق پیدا ہو جائے گا اور اس فانی دنیا کی تبدیلیوں سے آپ کو بالکل غم و افسوس نہیں ہوگا۔ اس کی ایک بہترین مثال بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ اپنے والد ماجد کا واقعہ لکھتے ہیں:

اللہ والے دنیا کے تمام کاروبار عام انسانوں کی طرح انجام دیتے ہیں، لیکن دنیا کی محبت ان کے دل میں نہیں ہوتی، اس جملے کی مکمل عملی تفسیر ہم نے اپنے والد ماجد **رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی** کی زندگی میں دیکھی، آپ کو اللہ تعالیٰ نے کسب معاش کے لئے تجارت، زراعت اور اجارہ تینوں سنتوں پر عمل کی توفیق بخشی، تجارت اس طرح کہ صرف پانچ روپے کے سرمائے سے دارالاشاعت کا کام شروع کیا، جو کتابوں کی نشر و اشاعت کی شکل اختیار کر گیا، زراعت اس طرح فرمائی کہ دیوبند میں باغ لگایا، اس کے علاوہ کتابت اور جلد سازی کا بھی کام کیا، اور تنگ دستی سے لے کر وسعت فراخی تک ہر قسم کے سرد و گرم چکھے، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی محبت آپ کو چھو کر بھی نہیں گئی۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ دیوبند میں عمر کا بیشتر حصہ آپ نے ایک تنگ کمرے میں گزارا، آخر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی تو خود اپنے شوق سے ایک کشادہ مکان بنوایا، اس کی ایک ایک اینٹ پر محنت خرچ کی، یہاں تک کہ وہ آپ کی راحت کا بہترین سامان بن گیا، آپ کو شجر کاری کا بھی شوق تھا اور فرمایا کرتے تھے: اگر نیت صحیح ہو تو درخت لگانا بھی ایک صدقہ جاریہ ہے، جب تک وہ درخت قائم رہے گا، اس سے جتنے آدمی فائدہ اٹھائیں گے، درخت لگانے والے کو ثواب ملے گا، چنانچہ دیوبند ہی میں ایک باغ لگایا جس میں بڑے شوق اور محنت سے مختلف پھلوں، بالخصوص آم کے درخت جمع کئے، لیکن اس اثناء میں پاکستان بن گیا، اور ہجرت کا مرحلہ اس وقت آیا جب اس باغ پر پہلا پھل آ رہا تھا، آپ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے آئے اور اکثر تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے:

”بفضلہ تعالیٰ جس روز میں نے اس گھر اور اس باغ سے قدم نکالا ہے، وہ گھر اور باغ میرے دل سے نکل گئے، اور اب مجھے بعض اوقات سوچ کر بھی اس گھر کے بعض حصوں کا نقشہ یاد نہیں آتا۔“ چنانچہ ساری عمر کبھی ایک مرتبہ آپ کو اس گھر یا باغ کا حسرت سے تذکرہ کرتے نہیں دیکھا۔

اسی طرح کراچی آنے کے سات سال بعد اللہ تعالیٰ نے سبیلہ ہاؤس میں وسیع اور آرام دہ مکان عطا فرمایا لیکن چند

سال اس میں مقیم رہنے کے بعد دارالعلوم کی ضرورت داعی ہوئی کہ اپنا قیام یہاں منتقل فرمائیں، چنانچہ اس کشادہ اور آرام دہ مکان کو چھوڑ کر یہاں تشریف لے آئے، اور ایک ایسے تنگ مکان میں سال ہا سال گزارہ کیا جس کی چھتیں ناچختہ تھیں، اور برسات کے موسم میں کمرہ بری طرح ٹپکتا تھا، لیکن یہاں آنے کے بعد سبیلہ کے مکان کے راحت و آرام کو یاد کرتے کبھی نہیں دیکھا۔

غرض دنیا کی کسی بڑی سے بڑی منفعت کے ہاتھ سے نکل جانے پر کبھی حسرت کرتے آپ کو نہیں پایا، بہادر شاہ ظفر مرحوم کا یہ شعر جو آپ ایسے مواقع پر اکثر پڑھا کرتے تھے، آپ کے قلب کی کیفیت کی تصویر تھا:۔

یہ کہاں کا فسانہ سود و زیاں، جو گیا سو گیا، جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

ان مندرجہ ذیل جملوں کو اپنے کمرے میں آویزاں کریں

* تبدیلی اللہ کی طرف سے ہے ہر چیز فنا ہوتی ہے!

* جو ہوا اچھا ہوا!

* جو ہو رہا ہے وہ اچھا ہو رہا ہے!

* جو ہوگا وہ بھی اچھا ہی ہوگا!

* تمہارا کیا گیا جو تم روتے ہو؟

* تم کیا لائے تھے، جو تم نے کھو دیا؟

* تم نے کیا پیدا کیا تھا جو ختم ہو گیا!

* تم نے جو لیا، یہیں سے لیا!

* جو دیا، یہیں پر دیا!

* جو آج تمہارا ہے!

* کل کسی اور کا تھا!

* آئندہ کسی اور کا ہو جائے گا!

ٹینشن اور ڈپریشن دور کرنے کے لئے ان کلمات کو یاد کر لیجئے

الْباقی جَلَّ جَلَالُہٗ کے نام کو جتنا سوچے گا دنیا کے زائل ہو جانے کا غم ختم ہوتا جائے گا۔ یہاں چند عبارتیں لکھی

جاتی ہیں جو اس دنیا کے فانی ہونے کو یاد دلاتی ہیں اور دنیا کی چیزوں کے کم ہونے یا ضائع ہو جانے یا نقصان ہونے پر جو ڈپریشن یا ٹیشن کی بیماری ہوتی ہے اس کو زائل کرنے کے لئے یہ عبارتیں مفید رہیں گی۔

۱ اے انسان! تو سمجھتا ہے کہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا، لیکن نہیں نہیں، بل کہ جلد ہی دنیا تمہارا نام زندوں کی فہرست سے نکال کر مردوں کی فہرست میں درج کر دے گی۔

۲ والدین بہت روئیں گے بالآخر مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے۔

۳ دوست احباب، عزیز واقارب تمہیں خوب یاد کر کے ہمیشہ کے لئے بھول جائیں گے۔

۴ بیوی کچھ عرصہ سوگوار رہے گی مگر چند روز کے بعد حالات کی تبدیلیاں اُسے تازہ مشاغل میں الجھا دیں گی۔

۵ بچے بہت یاد کریں گے مگر آہستہ آہستہ اُن کے ذہن سے تمہارا نقش محو ہو جائے گا۔

۶ طوفانِ باد و باراں دستوراً تمہاری قبر کی بلندی کو ہموار کر کے تمہارا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے، چند سال بعد ایک بھولے ہوئے خواب کے مانند ہو جاؤ گے۔

۷ نصف صدی گزر جانے پر اس بات کا باور کرنا مشکل ہوگا کہ تم کبھی دنیا میں آئے بھی تھے، اس لئے دنیا کی فکر چھوڑ! آخرت کی تیاری کر جہاں کی ابدی زندگی تیرا انتظار کر رہی ہے۔

دنیا کا سارا ذخیرہ اولاً تو ہے ہی کتنا، اور پھر جتنا ہے، سرلیح الزوال ہے، آنا فنا ختم ہو جانے والا اور اجرِ آخرت اولاً تو بے حساب و بے نہایت اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمیشہ رہنے والا اور کبھی ختم نہ ہونے والا ہے۔

موجودہ ”مہذب“ دنیا عقائد میں جس شے کو سب سے زیادہ اور یکسر بھولی ہوئی ہے وہ یہی آخرت کی نعمتیں اور ان کی اہمیت ہے، فسق و معصیت کی طرف لے جانے والی اور تقویٰ اور طاعت کی طرف سے بے پرواہ کر دینے والی سب سے بڑھ کر یہی آخرت فراموشی ہے اور اسی لئے قرآن مجید صد ہا مختلف پیرایوں سے اس کی یاد دلاتا رہتا ہے۔^۱

اس عارضی و فانی دنیا کے پیچھے پڑ کر آخرت کی دائمی زندگی کو خراب کرنا کس قدر محرومی کی بات ہوگی اگر کوئی شخص حرام ذریعہ سے لاکھ روپے کمالیتا ہے تو وہ اپنی فانی دنیا کی چند راحتوں کی خاطر نہ ختم ہونے والی زندگی کی بربادی کا سودا کر رہا ہے، کیا اسے عقل مندی کہا جاسکتا ہے؟

ہرگز نہیں، اگر ایک شخص والدین کے انتقال کے بعد وراثت شرعی طریقوں پر تقسیم نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ اس مال و دولت کے ساتھ میں ہمیشہ رہ سکوں گا تو یہ دھوکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذات و صفات کا صحیح یقین نصیب فرمائے اور عقیدہ آخرت کا استحضار رکھنے والا بنائے اور سوچ و فکر کا صحیح رخ عطا فرمائے۔ آمین۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱ تفسیر ماجدی: ۱/۵۷۰، النحل: ۹۶

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾^۱

ترجمہ: ”اس کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے بجز اس کی ذات کے۔ حکومت اسی (ایک) کی ہے اور اسی کی طرف تم (سب) لوٹائے جاؤ گے۔“

یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تمام چیزوں کو فنا ہونا ہے، خواہ کبھی ہو۔ مگر اس کی ذات یعنی وہ آپ نہ کبھی معدوم تھا نہ کبھی فنا ہو سکتا ہے۔^۲

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فانی چیزوں سے دل نہیں لگایا

واقعتاً میں (۱۱۰): صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں مصر کے مشہور شہر اسکندریہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، اسی دوران حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی ضرورت سے پڑاؤ سے کچھ فاصلہ پر چلے گئے اور ایک جگہ گھوڑے سے اتر کر نماز کی نیت باندھ لی، اتنے میں کچھ رومی کافر گھومتے ہوئے ادھر آئے، انہوں نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنہا نماز پڑھتے دیکھا تو سوچا یہ انہیں قتل کرنے کا اچھا موقع ہے، چنانچہ وہ بری نیت لے کر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بڑھے، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں مشغول رہے لیکن جب رومی ان کے بالکل ہی قریب پہنچ گئے تو انہوں نے جلدی سے سلام پھیرا۔ انتہائی پھرتی کے ساتھ چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور رومیوں پر حملہ کر دیا، رومیوں کو ایک عابد درویش سے ایسی شجاعت کی توقع نہ تھی۔

جب اللہ تعالیٰ کا یہ شیر ان کی طرف بڑھا تو وہ باگیں موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا تعاقب نہ چھوڑا وہ سب آگے آگے، اور یہ تنہا پیچھے پیچھے۔ جب جان بچتی نظر نہ آئی تو انہوں نے اپنا کچھ قیمتی سامان کمر کی پٹیاں کھول کھول کر زمین پر پھینکنا شروع کر دیا۔ خیال تھا کہ عرب کا یہ صحرائی نشین یہ قیمتی سامان دیکھے گا تو اس کے لالچ میں ہمارا پیچھا چھوڑ کر سامان بٹورنے میں لگ جائے گا، لیکن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردارِ دو عالم ﷺ کے شیدائی تھے، انہوں نے سامان کی طرف نظر بھر کر بھی نہ دیکھا اور تعاقب جاری رکھا، یہاں تک کہ رومی بمشکل تمام قلعہ کے قریب پہنچے اور اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھوڑی دیر قلعہ کے اوپر پتھر برساتے رہے اور اس کے بعد لوٹ آئے۔

واپسی میں ان رومیوں کا سامان زمین پر بکھرا تھا، مگر یہ درویش اللہ تعالیٰ کے عاشق اسے اٹھانے میں اپنا وقت کہاں برباد کرتے؟ واپس اسی جگہ پہنچ کر پھر نماز شروع کر دی۔ رومیوں نے سامان جوں کا توں پڑا دیکھا تو باہر آ کر اسے اٹھالے گئے۔^۳

واقعة مذبذب (۱۱۱): حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حمص کا امیر (گورنر) بنایا۔ ایک عرصہ بعد اہل حمص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے کہا: ”اپنے فقراء کے نام لکھ دو تاکہ ہم ان کی مدد کر سکیں“ انہوں نے فقراء حمص کے نام لکھ کر پیش کئے تو ان میں ایک نام سعید بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا، پوچھا، ”کون سعید بن عامر؟“

کہا: ”ہمارا امیر“ پوچھا، ”تمہارا امیر فقیر ہے؟“

کہا: ”جی ہاں! کئی دن گزر جاتے ہیں اور ان کے گھر آگ نہیں جلتی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رونے لگے اور ایک ہزار دینار ان کے لئے بھیجے۔

جب وہ دینار ان کو ملے تو یک دم ”**إِنَّا لِلّٰہِ.....**“ پڑھنے لگے، بیوی نے کہا:

”**مَا شَأْنُكَ؟ أَصِيبَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ؟**“ کیا بات ہے، امیر المؤمنین انتقال کر گئے؟

فرمایا: ”**بَلْ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ. الدُّنْيَا أَتَنِي، الْفِتْنَةُ أَتَنِي**“ ”معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے، دنیا میرے پاس آنے لگی، فتنہ میرے پاس آنے لگا، مجھ پر چھانے لگا“ کہنے لگی:

اس کا تو حل ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کر دیجئے چناں چہ اگلے دن وہ ساری رقم مجاہدین میں تقسیم کر دی۔

کتنے سعادت مند تھے یہ لوگ

واقعة مذبذب (۱۱۲): جنہوں نے اس فانی دنیا سے دل نہیں لگایا، دین کی خدمت، دین کی اشاعت و حفاظت میں اس فانی دنیا کے ایام کو ہمیشہ رہنے والی آخرت کے سدھارنے پر لگا دیا۔

امام ابو زرہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مشہور محدث اور فقیہ گزرے ہیں، ان کے انتقال کا بھی عجیب واقعہ ہے، ابو جعفر تسری کہتے ہیں: ہم جان کنی کے وقت ان کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت ابو حاتم، محمد بن مسلم، منذر بن شاذان اور علماء کی ایک جماعت وہاں موجود تھی، ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

”**لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**“ (اپنے مردوں کو ”**لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ**“ کی تلقین کیا کرو) مگر ابو زرہ سے شرمارہے تھے اور ان کو تلقین کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہئے، چناں چہ محمد بن مسلم نے ابتدا کی۔

”**حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مُخَلَّدٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ.....**“ اور اتنا کہہ کر رک گئے، باقی حضرات نے

بھی خاموشی اختیار کی، اس پر ابو زرہ نے اسی جان کنی کے عالم میں روایت کرنا شروع کیا:

”حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي عَرِيبٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”اتناهی کہہ پائے تھے کہ طائرِ روحِ قفسِ غصری سے عالمِ قدسی کی طرف پرواز کر گیا، پوری حدیث یوں ہے:

”مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (یعنی جس کی زبان سے آخری الفاظ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ نکلے وہ جنت میں داخل ہوگا)۔

الباقی جلالہ سے حسنِ خاتمہ مانگئے

حضرت عائشہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا فرماتی ہیں: آپ ﷺ وفات کے وقت یہ دُعا مانگ رہے تھے:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَالْحَقِّنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلَى“۔

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے بخش دیجئے اور مجھ پر رحم کیجئے اور مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا دیجئے۔“

اس فانی دنیا کی بے ثباتی

واقِعہٴ مٹ بک (۱۱۳): حضرت صالح عَجَلی رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى کہتے ہیں: ایک دن حضرت علی بن ابی طالب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندو! دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کیوں کہ یہ ایسا گھر ہے جو بلاؤں سے گھرا ہوا ہے اور جس کا ایک دن فنا ہو جانا مشہور ہے اور جس کی خاص صفت بدعہدی کرنا ہے، اس میں جو کچھ ہے وہ زوال پذیر ہے، دنیا اپنی جگہ بدلتی رہتی ہے، کبھی کسی کے پاس اور کبھی کسی کے پاس.....

اس میں اترنے والے اس کے شر سے ہرگز نہیں بچ سکتے، دنیا کے عیش و عشرت میں لگنا قابلِ مذمت کام ہے اور اس کی فراوانی ہمیشہ نہیں رہتی اور یہ فراوانی دنیا کے لئے نشانہ ہیں، ان پر دنیا اپنے تیر چلاتی رہتی ہے اور موت کے ذریعہ انہیں توڑتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! تمہارا دنیا کا راستہ ان لوگوں سے الگ نہیں ہے جو دنیا سے جا چکے ہیں، جن کی عمریں تم سے زیادہ لمبی تھیں اور جن کی پکڑ تم سے زیادہ سخت تھی اور جنہوں نے تم سے زیادہ شہر آباد کئے تھے اور جن کی آبادی کے نشانات بہت زیادہ عرصے تک رہے تھے، ان کی آوازوں کا شور بہت زمانے تک رہا تھا۔

لیکن اب ان کی یہ آوازیں بالکل خاموش اور بجھ چکی ہیں، اب ان کے جسم بوسیدہ اور ان کے شہر خالی ہو چکے ہیں، ان کے تمام نشانات مٹ چکے ہیں، قلعی اور چوڑے والے محلات، مزین تختوں اور بچھے ہوئے گاؤں تکیوں کے بجائے اب

انہیں چٹائیں اور پتھر مل گئے ہیں جو ان کی قبروں میں رکھے ہوئے ہیں اور گارے سے بنے ہوئے ہیں، ان کی قبروں کے سامنے کی جگہ ویران اور بے آباد پڑی ہوئی ہے اور مٹی کے گارے سے ان قبروں پر لپائی کی گئی ہے۔ ان قبروں کی جگہ آبادی کے قریب ہے لیکن ان میں رہنے والے بہت دور چلے جانے والے مسافر ہیں۔

ان کی قبریں آبادی کے درمیان ہیں، لیکن ان قبروں والے وحشت اور تنہائی محسوس کرتے ہیں۔ ان کی قبریں کسی محلہ میں ہیں لیکن یہ قبروں والے اپنے ہی میں مشغول ہیں اور انہیں آبادی سے کوئی انس نہیں ہے حالاں کہ یہ قبروں والے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں، ان کی قبریں پاس ہیں لیکن ان میں پڑوسیوں والا کوئی جوڑ نہیں ہے اور ان میں آپس میں جوڑ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ بوسیدگی نے انہیں پیس رکھا ہے اور چٹانوں اور گیلی مٹی نے انہیں کھا رکھا ہے۔

پہلے یہ لوگ زندہ تھے اب مر چکے ہیں اور عیش و لذت والی زندگی گزار کر اب ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں، ان کے مرنے پر ان کے دوستوں کو بہت دکھ ہوا اور مٹی میں انہوں نے بسیرا اختیار کر لیا اور ایسے سفر پر گئے ہیں جہاں سے واپسی نہیں۔ ہائے افسوس، ہائے افسوس ہرگز ایسا نہیں ہوگا یہ اس کی صرف ایک ہی بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے آڑ (یعنی عالم برزخ) ہے اس دن تک کے لئے جس دن لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور تم بھی ایک دن ان کی طرح قبرستان میں اکیلے رہو گے، بوسیدہ ہو جاؤ گے اور تمہیں بھی اس لیٹنے کی جگہ کے سپرد کر دیا جائے گا، اور یہ قبر کا امانت خانہ تمہیں اپنے میں سمیٹ لے گا، تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تمام کام ختم ہو جائیں گے اور قبروں کے مردے زندہ کر کے کھڑے کر دیئے جائیں گے۔

جو کچھ دلوں میں ہے وہ سب کھول کر رکھ دیا جائے گا پھر تمہیں جلال و دبذہ والے بادشاہ کے سامنے اندر کی ساری باتیں ظاہر کرنے کے لئے کھڑا کر دیا جائے گا، پھر گزشتہ گناہوں کے ڈر سے دل اڑنے لگ جائیں گے اور تمہارے اوپر سے تمام رکاوٹیں اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے، تمہارے تمام عیب اور راز ظاہر ہو جائیں گے۔

ہر انسان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا، برے کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ برا بدلہ اور اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیں گے، اعمال نامہ سامنے رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس اعمال نامہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے ہائے ہماری بد قسمتی! اس اعمال نامہ کی عجیب حالت ہے کہ اس نے لکھے بغیر نہ چھوٹا گناہ چھوڑا اور نہ بڑا اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا اسے وہاں سب لکھا ہوا موجود پائیں گے، ان کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی کتاب پر عمل کرنے والا اور اپنے دوستوں کے پیچھے چلنے والا بنائے تاکہ ہمیں اور آپ کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر یعنی جنت میں جگہ عطا فرمائے، یقیناً وہ تعریف کے قابل بزرگی والا ہے۔

فانی دنیا کے ناکام عاشق

واقعة منہیں (۱۱۴): امام ابن جوزی **رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی** نے اپنی مشہور کتاب ”**صيد الخاطر**“ میں اس فانی دنیا کے چند عاشقوں کے واقعات نقل کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔ فرمایا:

مجھے میرے جاننے والوں نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک شخص کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، اس شخص کے پاس ایک ہزار دینار کی خطیر رقم تھی جو اس نے کہیں دفن کی تھی، ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوا، تو اپنے ایک لڑکے سے کہنے لگا:

”**إِنَّ أَخَاكَ مَشْغُولٌ بِاللَّعِبِ وَالطُّيُورِ..... وَإِنَّ أُخْتَكَ لَهَا زَوْجٌ تَرَكِي..... وَمَتَى وَصَلَ مِنْ**

مَالِي إِلَيْهِمَا شَيْءٌ أَنْفَقُوهُ فِي اللَّعِبِ.....“

”بیٹا! تیرا دوسرا بھائی تو بالکل فضول و آوارہ ہے، بہن کی شادی ہو گئی ہے اور اس کا شوہر ایک آزاد خیال، وقت پر ساتھ نہ دینے والا آدمی ہے، لہذا فلاں جگہ ایک ہزار دینار میں نے رکھے ہیں، میں صرف تجھے اس مال کا حق دار سمجھتا ہوں، تو میرے مرنے کے بعد تم وہ اپنے لئے نکال لینا“..... بیٹے کو جب معلوم ہوا تو اس نے باپ کے مرنے کا انتظار نہیں کیا اور جا کر وہ ایک ہزار دینار نکال لئے۔

کچھ دنوں کے بعد وہ شخص ٹھیک ہو گیا، بیٹے سے دینار لوٹانے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا، اتفاقاً وہ لڑکا بیمار ہوا، باپ نے بڑے اصرار اور لجاجت کے ساتھ اس سے کہا:

”**وَبِحَاكْ خَصَصْتُكَ بِالْمَالِ دُونَهُمْ، فَتَمُوتُ فَيَذْهَبُ الْمَالُ**“

”بیٹا وہ رقم بتا دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو بھی دنیا سے چلا جائے اور مال کا بھی کسی کو پتہ نہ ہو جب کہ میں نے اپنے تین بچوں میں سے صرف تجھے اس کا حق دار سمجھ کر بتایا تھا“..... بالآخر بیٹے نے وہ جگہ بتا دی، جہاں وہ دینار اس نے دفن کئے تھے۔

کچھ دنوں کے بعد باپ پھر بیمار ہوا، اب بیٹے نے اصرار شروع کیا لیکن اس بار باپ بتانے کے موڈ میں نہ تھا، یہاں تک کہ وہ مر گیا اور مال کسی گم نام جگہ میں دفن کا دفن ہی رہا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فانی دنیا کی حرص سے بچائے (آمین)۔

اس فانی محل میں دو عیب ہیں

واقعة منہیں (۱۱۵): اس دنیا کی ہر شے میں ایک نقص ہے وہ یہ کہ یہاں کی ہر چیز فانی ہے اسے بقا حاصل نہیں بقا صرف اور صرف **الباقی جلد اول** کو ہے، لہذا فانی و زائل زندگی اور چند روزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہیں بھولنا چاہئے،

۱ صید الخاطر، حکایات عن البخلاء: ۲۸۰

دنیا کی زندگی بہر حال بھلی بری ختم ہو جانے والی ہے اس کے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جہاں کی کسی بھی چیز کو زوال نہ ہوگا، عقل مند کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس زندگی کی درستگی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔

۔ اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

امیر المؤمنین مہدی نے ایک نیا محل تعمیر کروایا۔ خلیفہ نے فرمایا: ”کسی شخص کو اس محل کے نظارے سے منع نہ کیا جائے۔ ناظرین یا تو دوست ہوں گے یا دشمن۔ اگر دوست ہیں تو خوش و خرم ہوں گے اور ہمیں دوستوں کی خوش دلی مطلوب ہے اور اگر دشمن ہیں تو رنج اٹھائیں گے اور دل کوفتہ ہوں گے۔

اور ہر شخص کی یہی مراد ہوتی ہے کہ دشمن کو رنج پہنچے۔ نیز شاید وہ کوئی عیب ڈھونڈیں اور کوئی خلل کی بات بتائیں اور اس سے وقوف پانے پر اس خلل کا تدارک کیا جاسکے اور نقص کو دور کر دیا جائے۔“ ایک فقیر نے کہا: ”اس محل میں دو نقص ہیں۔

ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔

دوسرا یہ کہ یہ محل ہمیشہ نہ رہے گا۔“ خلیفہ اس کلام سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ محل غرباء اور فقراء کے لئے وقف کر دیا۔

۔ ہوئے قصر فنا سے قصر عالی بے نشان لاکھوں تری عبرت کو منعم ایک باقی قصر گردوں ہے

”الْبَاقِيُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی مخلوقات کی عارضی بقاء

پہاڑوں اور زمینوں اور دریاؤں کو بقا سے بڑا حصہ عطا کیا ہے، مگر یہ بھی ایک دن زلزلوں وغیرہ کی نذر ہو جاتے ہیں تاکہ کوئی خدائی کا دعوے دار نہ بن بیٹھے۔

جسموں کی بقا کو محدود کر دیا ہے اور روحوں کی بقا غیر محدود ہے۔ موت ہمارے جسم کو ہاتھ لگا سکتی ہے روح کو نہیں کیوں کہ یہ اس ”الْبَاقِيُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے ساتھ باقی رہتی ہے فنا نہیں ہوتی۔ اس ”الْبَاقِيُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں بقائے ابدی سے نوازا۔

محدود بقا کا تعلق صرف جسم والی چیزوں ہی سے نہیں ہے غیر جسمانی چیزوں سے بھی ہے، حقائق بھی مضحل (کمزور) اور فنا ہوتے رہتے ہیں۔ نام اور شہرت کو بھی فنا ہے، ایک عرصہ دراز تک کسی انسان کی بڑی شہرت رہتی ہے پھر امتدادِ زمانہ (زمانہ کے گزرنے) سے رفتہ رفتہ پگھل کر نابود ہو جاتی ہے، بس بقا ہے تو صرف اسی کے لئے ہے۔

۔ نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا فقط ایک رب العلا ہی رہے گا

کسی کے رنگ کو عارضی بقا دی ہے تو کسی کی بو کو، کسی کے مزے کو، کسی کے حسن کو، کسی کی نرمی کو بقا ہے تو کسی کی سختی کو، کسی کی کسی ادا کو بقا ہے تو کسی کے کسی انداز کو اور یہ سب عارضی بقائیں اس ”الْبَاقِیُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی بقا کی گواہی دیتی ہیں۔

آپ تصور تو کریں کہ ایک شخص مر رہا ہے اور جانتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے گیا اور دوسرا شخص جو مر رہا ہے مگر یقین رکھتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہوا، ان دونوں کی موت میں کتنا عظیم فرق ہے، ایک کی موت مکمل غم و ملال ہے اور دوسرے کی سراپا امید و وصال۔^۱

فانی چیزوں سے دل نہ لگانے کی نصیحت

حضرت شقیق بلخی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے بہت محبوب ہوتی ہے وہ اس کو اٹھا کر بڑی احتیاط سے رکھتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾^۲

تَرْجَمَہ: ”جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ، ہر حال میں وہ ختم ہوگا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔“

اس آیت شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس ایسی کبھی ہوئی جس کی مجھے وقعت زیادہ ہوئی، وہ پسند زیادہ آئی وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تاکہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے۔

میں نے ساری دنیا کو دیکھا کوئی شخص مال کی طرف (اپنی عزت اور بڑائی میں) لوٹتا ہے، کوئی نسب کی شرافت کی طرف، اور کوئی فخر کی چیزوں کی طرف، یعنی ان چیزوں کے ذریعہ سے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ﴾^۳

تَرْجَمَہ: ”بے شک تم میں سے سب سے زیادہ معزز اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو۔“
تو میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کریم و شریف ہو جاؤں۔^۴

فکر و غم کے ازالے کی ایک دعا

”حضرت عبداللہ بن عباس **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** سے روایت ہے کہ رسول اللہ **ﷺ** نے فرمایا: جو شخص.....

^۱ شرح اسماء الحسنی، (الازہری): ۵۲، ۵۳

^۲ النحل: ۹۶

^۳ ماخوذ از کشکول: ۲۲

^۴ الحجرات: ۱۳

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَبْقَى رَبُّنَا وَيَفْنَى كُلُّ شَيْءٍ“

کہے اسے فکر و غم سے مکمل عافیت عطا کی جائے گی۔^۱
دنیا کے فنا اور رب جَلَّ جَلَالُهُ کے باقی ہونے کے اعتراف کرنے سے غم کا ازالہ ہوتا ہے۔

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

❶ اس اسم سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ دنیا میں ایسے رہے گویا کہ وہ ایک مسافر ہے اور اس کی اصل منزل آخرت ہے اور دنیا کی فانی چیزوں میں دل نہ لگائے تاکہ ”الْبَاقِيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے تعلق مضبوط رہے اور اس فقیر کی بات اپنے میز پر یا کہیں ایسی جگہ لکھ کر رکھیں جہاں ہر وقت انسان کی نگاہ پڑے کہ:
”اس محل میں نہ آپ ہمیشہ رہیں گے اور نہ یہ محل ہمیشہ رہے گا۔“

❷ مال کو جمع کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے لئے ذخیرہ بنائے۔ اسی طرح اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والے کو چاہئے کہ کسی سے تکلیف دہ کوئی بات پہنچی ہو تو اس کو اپنے دل میں باقی نہ رکھے، بل کہ یہ سوچے کہ یہ بولنے والا اور سننے والا دونوں اس جہاں سے چلے جائیں گے، جس نے سن کر صبر کر لیا تو یہ صبر ہمیشہ باقی رہے گا اور غصہ کا جواب غصہ سے دینا یا گالی کا جواب گالی سے دینا اس عمل کا گناہ ہمیشہ باقی رہے گا تو آدمی کیوں نہ صبر کر کے ثواب اور اللہ تعالیٰ کی محبت کو باقی رکھے۔

❸ اس اسم مبارک کے تحت جو ”حسنِ خاتمہ کی دُعا“ آئی ہے اسے اللہ تعالیٰ سے کثرت سے مانگتا رہے۔

الوارث جَلَّ جَلَالُهُ

(سب کے بعد موجود رہنے والا)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

① (الْوَارِثُ) هُوَ الْبَاقِي بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ وَالْمُسْتَرِدُّ أَمْلاكَهُمْ وَمَوَارِثُهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ، وَلَمْ يَزَلِ

اللَّهُ بَاقِيًا مَالِكًا لِأُصُولِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ وَيَسْتَخْلِفُ فِيهَا مَنْ أَحَبَّ. ۷

هَوْنٌ عَلَيْكَ وَلَا تُؤْلَعُ بِإِشْفَاقٍ فَإِنَّمَا مَالُنَا لِلْوَارِثِ الْبَاقِي ۸

ترجمہ: امام خطابی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”الوارث جَلَّ جَلَالُهُ“ مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد بھی باقی رہنے والے ہیں، مخلوق کے اموال اور ان کی میراث ان کے مر جانے کے بعد ورثاء تک پہنچانے والے بھی ”الوارث جَلَّ جَلَالُهُ“ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی رہیں گے اور تمام چیزوں کے مالک بھی وہی رہیں گے، جسے چاہیں گے، جس چیز کا چاہیں گے (اپنے خزانوں میں سے) مالک بنادیں گے اور تصرف کا اختیار عطا فرمادیں گے۔ ۷

پرواہ نہ کر اور لالچ میں نہ پڑ کہ ہمارا سارا مال اسی وارث باقی کا ہے

② ”الْوَارِثُ“ كُلُّ بَاقٍ بَعْدَ ذَاهِبٍ فَهُوَ وَارِثٌ. ۹

ترجمہ: ”امام زجاج رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: جانے والے کے بعد جو باقی رہ جائے وہ وارث کہلاتا ہے۔“ اللہ ربُّ العزت کا ارشاد مبارک ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ﴾ ۱۰

ترجمہ: ”ہم ہی زمین کے اور اس پر رہنے والوں کے وارث رہ جائیں گے..... اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے.....“

یعنی کسی کا ملک یا ملک باقی نہ رہے گی، ہر چیز براہ راست مالک حقیقی کی طرف لوٹ جائے گی، وہی بلا واسطہ حاکم و

۱۰ شان الدعاء: ۹۶، ۹۷، بحوالہ النهج الاسمی: ۲۸۸/۲

۷ مزیم: ۴۰

۸ تفسیر الاسماء: ۶۵

متصرف ہوگا۔ جس چیز میں جس طرح چاہے گا اپنی حکمت کے موافق تصرف کرے گا، دنیا کے جن سامانوں نے ہمیں غفلت میں ڈال رکھا ہے، سب کا ایک ہی وارث باقی رہ جائے گا، ملک و ملک کے لمبے چوڑے دعوے رکھنے والے سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔^{۱۷}

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ﴾^{۱۸}

ترجمہ: ”اور ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث رہیں گے۔“

یعنی سب کے فنا ہو جانے کے بعد ہم ہی باقی رہیں گے یہ نہیں کہ مخلوقات کی فنا کے ساتھ ہم بھی فنا ہو جائیں گے بل کہ اور سب فنا ہو جائیں گے اور صرف ہماری ذاتِ بابرکات باقی رہ جائے گی۔

﴿إِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ﴾^{۱۹} یہاں تاکید کے ساتھ تصریح فرمائی ہے کہ ہوا، بارش وغیرہ کے انتظامات کے علاوہ

زندگی اور موت بھی تمام تر ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔^{۲۰}

امام غزالی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اپنی کتاب ”المقصد الاسنی“ میں فرماتے ہیں:

”الْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُهُ“ وہ ذات ہے، جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد مملوکات کا مالک قرار پاتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ

ہے۔ جو مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد باقی ہے۔ ہر شے کا آخری مرجع وہی ہے۔ (جب آخرت میں ہر چیز فنا ہو جائے

گی اور کچھ بھی باقی نہ رہے گا) اس وقت وہ یوں فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (آج کس کی بادشاہی ہے) پھر

خود ہی یوں جواب دے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (اللہ واحد و قہار کی بادشاہی ہے)، یہ انداز ان اکثر لوگوں کے غلط

زعم کو دور کرنے کی غرض سے اختیار کیا جائے گا۔ جو خود بادشاہ اور صاحبِ ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں اس وقت اصل

معاملہ ان پر آئینہ ہو جائے گا۔

لیکن جو لوگ صاحبِ بصیرت ہیں وہ ہمیشہ سے خود بخود اس پکار کا معنی سمجھے ہوئے ہیں۔ بل کہ یہ نداء بلا حرف و

آواز ہر وقت سن رہے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لمحہ میں ”اللہ وَاحِدٌ قَهَّارٌ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی

بادشاہی ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔^{۲۱}

^{۱۷} تفسیر عثمانی: ۴۱۱

^{۱۸} الحجۃ: ۲۳

^{۱۹} تفسیر ماجدی: ۵۳۹/۱

^{۲۰} المؤمن: ۱۶

^{۲۱} اللہ جَلَّ شَأْنُهُ هُوَ الْبَاقِي بَعْدَ فَنَاءِ خَلْقِهِ، الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ، الدَّائِمُ الَّذِي لَا يَنْقَطِعُ، وَإِلَيْهِ مَرْجِعُ كُلِّ شَيْءٍ وَمَصِيرُهُ.

فَإِذَا مَاتَ جَمِيعُ الْخَلَائِقِ، وَزَالَ عَنْهُمْ مُلْكُهُمْ، كَانَ اللّٰهُ تَعَالٰی هُوَ الْبَاقِي الْحَقُّ الْمَالِكُ لِكُلِّ الْمَمْلُوكَاتِ وَحْدَهُ، وَهُوَ الْقَابِلُ إِذْ ذَٰكَ ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ وَهُوَ الْمُجِيبُ لِنَفْسِهِ ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (المؤمن: ۱۶)

فَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ يَظُنُّونَ أَنَّ لَهُمْ مُلْكًا حَقِيقِيًّا، فَيَنْكَشِفُ لَهُمْ ذَٰلِكَ الْيَوْمَ حَقِيقَةُ الْحَالِ وَهَٰذَا النِّدَاءُ عِبَارَةٌ عَنِ

حَقِيقَةِ مَا يَنْكَشِفُ لَهُمْ فِي ذَٰلِكَ الْوَقْتِ.

اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو توحید کی حقیقت جانتا ہے اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان کے کلی انتظام میں فاعل واحد، وہی واحد و یکتا ہے۔^۱

”وارث“ اُسے کہتے ہیں کہ جس کے پاس دوسرے کی چیز اس کی موت کے بعد منتقل ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے وارث کا اطلاق اس لئے ہے کہ ہر ایک سلطنت کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی لاوارث کی کوئی جائیداد رہ جاتی ہے تو اس کی ملکیت سلطنت کی طرف منتقل ہوتی ہے۔

ایسے حالات میں جب کہ کوئی قوم ساری کی ساری تباہ کر دی گئی ہو تو اس کی وراثت سلطنت الہیہ کی طرف منتقل ہوگی اور جب کل عالم کے عارضی مالک اپنی اپنی ملکیتوں کو چھوڑ کر خاکِ فنا میں سو رہے ہوں گے تو ظاہر ہے کہ رب العالمین ہی کو ان کی وراثت حاصل ہوگی۔

جو لوگ ملکیتوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، درحقیقت یہ وہ غلام ہیں جو آقائے حقیقی کے لطف سے اس کی ملکیت میں سے عارضی طور پر فائدہ اٹھا کر لطف و کرم کی بہاریں لوٹ رہے ہیں۔^۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، جب کہ اس کا مال درحقیقت صرف تین چیزیں ہیں، ایک وہ جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، دوسرا وہ جو اس نے پہن کر پرانا کر دیا، تیسرا وہ جو اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اپنے لئے آگے بھیج دیا، اس کے سوا جو کچھ بھی ہے اسے یہ لوگوں کے لئے چھوڑ کر جانے والا ہے۔“^۳

دنیا کی ساری دولت جو کہ ہاتھ در ہاتھ گھوم رہی ہے بالآخر اس دنیا کے انجام پر اسی ”الوارث جَلَّ جَلَالُهُ“ کے قبضہ و اختیار میں جا پہنچے گی جو اس سب مال و متاع کا حقیقی مالک ہے، جس نے اس دنیا میں مال و متاع کی عارضی ملکیتیں اپنے بندوں میں اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کر رکھی تھیں۔

الوارث جَلَّ جَلَالُهُ کی راہ میں خرچ

اللہ رب العزت نے اپنے کلام مجید میں جا بجا اپنے مومن بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی جانب راغب فرمایا ہے اور انہیں اس حقیقت کی یاد دہانی کروائی ہے کہ جو کچھ بھی مال و اسباب ان کے پاس ہیں موت کے بعد ان سے رہ جانے والے ہیں، پھر انہیں تصرف کا کوئی اختیار نہ رہے گا بل کہ وہی طریقہ جاری ہوگا جسے ”الوارث جَلَّ جَلَالُهُ“ نے اپنے

فَأَمَّا أَرْبَابُ الْبَصَائِرِ فَإِنَّهُمْ أَبَدًا مُّشَاهِدُونَ لِمَعْنَى هَذَا النِّدَاءِ، سَامِعُونَ لَهُ مِنْ غَيْرِ صَوْتٍ وَلَا حَرْفٍ، يُوقِنُونَ بِأَنَّ الْمُلْكَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، فِي كُلِّ يَوْمٍ وَفِي كُلِّ سَاعَةٍ وَفِي كُلِّ لَحْظَةٍ، فَكَذَلِكَ كَانَ أَوَّلًا وَأَبَدًا. (المقصد الاسنی: ۹۵)

بندوں میں تقسیم میراث کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلِفِيْنَ فِيْهِ فَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌۙ﴾

ترجمہ: ”ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو، سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر ہوگا (کہ وہ مال کو اسی اصل مالک اور دینے والے کی راہ میں خرچ کر رہے ہیں)۔“

﴿مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلِفِيْنَ فِيْهِۙ﴾

یعنی ”اس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے۔“

اس میں صاف اور واضح اشارہ اس طرف آگیا کہ یہ مال تم سے پہلے کسی اور کا تھا اور تمہارے بعد کسی اور کا ہو جائے گا، یہ کون سی ایسی چیز ہے جس کا تم اتنا غم کر رہے ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی ضرورتوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے بھی بخل کر رہے ہو، مالی جہاد کی ترغیب کا یہ طریقہ کتنا حکیمانہ اور مصلحانہ ہے، اس کے بعد اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اگر ہمارے عطا کردہ مال سے تم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کیا، تب بھی تو یہ سارا مال تمہارے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ جائے گا، کیوں کہ آسمان اور زمین سب اسی کی میراث ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۙ﴾

ترجمہ: ”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ دراصل آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک (تنہا) اللہ ہی ہے۔“

میراث اصل میں اُس ملکیت کو کہا جاتا ہے جو پچھلے مالک کے انتقال کے بعد اس کے بعد زندہ رہنے والے وارثوں کو ملا کرتی ہے، اور یہ ملک جبری ہوتی ہے مرنے والا چاہے یا نہ چاہے، جو وارث ہوتا ہے ملکیت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، یہاں حق تعالیٰ کی ملکیت آسمان و زمین کو میراث کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تم چاہو یا نہ چاہو جس جس چیز کے مالک آج تم سمجھے جاتے ہو وہ سب بالآخر حق تعالیٰ کی ملکیت خاصہ میں منتقل ہو جائے گی، مراد یہ ہے کہ اگرچہ حقیقی مالک تمام اشیاء عالم کا پہلے بھی حق تعالیٰ ہی تھا، مگر اس نے اپنے فضل سے کچھ اشیاء کی ملکیت تمہارے نام کر دی تھی اور اب وہ ظاہری ملکیت بھی تمہاری باقی نہیں رہے گی، بل کہ حقیقتہً اور ظاہراً ہر طرح اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہو

جائے گی، اس لئے اس وقت جب کہ تمہیں ظاہری ملکیت حاصل ہے اگر تم اللہ کے نام پر خرچ کر دو گے تو اس کا بدلہ تمہیں آخرت میں مل جائے گا، اس طرح گویا اللہ کی راہ میں خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لئے دائمی ہو جائے گی۔^۱

لہذا جب سارا مال آخر ایک روز چھوڑنا ہی ہے تو ابھی سے اپنی خوشی سے طاعتِ حق کی راہ میں کیوں نہ دے دیا جائے، اس آیت شریفہ میں اہل ایمان کو دینی اور ملی مقاصد میں مالی شرکت کے لئے آمادہ اور مستعد کیا جا رہا ہے۔^۲

کسی کے انتقال پر تقسیم میراث

اس ”الوارث جَلَّ جَلَالُهُ“ نے انتقالِ املاک کا ایسا مربوط نظام قائم فرمایا ہے جس کے مقابل انسانی عقل اگر کسی نظام کو رائج کرنا بھی چاہے تو اس کی ناکامی میں کوئی شک کی گنجائش نہیں بل کہ انسان اس کا تجربہ بھی کر چکا ہے۔

شریعت نے انسان کی زندگی میں اسے ایسے اصول عطا کئے جس پر کار بند رہ کر اسے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہوتی ہے، زندگی میں اموال عطا کر کے ان کے خرچ کرنے کے اصول بھی عطا کئے اور انسان کو مطلق العنان نہیں چھوڑا گیا، بل کہ اس پر مالی حقوق لازم کر دیئے گئے، جنہیں پورا کر کے اتباعِ شریعت کے ساتھ اہل حقوق کے حقوق ادا کر کے مثالی معاشرے کی بنیاد قائم کی گئی۔

اور موت کے بعد بھی شریعت نے میراث کے وہ اصول عطا کئے جس کی نظیر کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی، میت کے ترکہ میں میراث کی تقسیم لازم قرار دی گئی ہے۔ موت کے بعد ملکیت وراثت کی جانب منتقل ہو جاتی ہے لہذا صاحبِ حق کا حق اسے جلد ملنا چاہئے، غیر کا اس میں بلا اجازت تصرف کرنا ناجائز ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی فرماتے ہیں:

”آج ہمارے معاشرے میں جہالت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی کے مرنے پر اس کے وارثین سے یہ کہا جائے کہ بھائی میراث تقسیم کرو، تو جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ توبہ، توبہ، ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم نے میراث کی تقسیم کی بات شروع کر دی۔ چنانچہ میراث کی تقسیم کو دنیاوی کام قرار دے کر اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اب ایک طرف تو اتنا تقویٰ ہے کہ یہ کہہ دیا کہ ابھی تو مرنے والے کا کفن بھی میلا نہیں ہوا، اس لئے مال و دولت کی بات ہی نہ کرو، اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ جب میراث تقسیم نہیں ہوئی اور مشترکہ طور پر استعمال کرتے رہے تو سال کے بعد وہی لوگ جو مال و دولت کی تقسیم سے بہت اعراض برت رہے تھے، وہی لوگ اسی مال و دولت کے لئے ایک دوسرے کا خون پینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگتے ہیں کہ فلاں زیادہ کھا گیا،

فلاں نے کم کھایا۔“

کئی جگہ یوں ہوتا ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد بڑے بھائی مل کر باپ کی ساری ملکیت، جائیداد و اموال پر قبضہ کر لیتے ہیں اور بہنوں کو ان کا شرعی حق نہیں دیتے، یہ سراسر ظلم ہے۔ اور جو حق اللہ تعالیٰ نے ان لڑکیوں کا مقرر کر دیا ہے اس کو خود کھا جانا حرام اور ناجائز ہے، ان لڑکیوں کا خود حق نہ مانگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے، اور مالیات میں تو بالخصوص رواجی خاموشی معتبر نہیں، نیز مروجہ جھوٹی معافی کا بھی کوئی اعتبار نہیں خصوصاً جب کہ نابالغ بہن بھائی بھی وارثوں میں ہوں، تو ان کی تو از خود معافی یا مال چھوڑنے پر رضا مندی بھی شرعاً ہرگز معتبر نہیں، یا اس طرح بھائی کی وفات پر اس کی بیوہ (یعنی بھائی) اور اس کی اولاد کو حق نہ دینا اور خود ہڑپ کرنا سراسر ظلم ہے اور حرام سے اپنے پیٹ کو بھرنا ہے، ایسے لوگ گویا اپنے پیٹوں میں جہنم کی جلتی ہوئی آگ کے انگارے بھر رہے ہیں۔

لہذا بہنوں کا، بھائیوں کا، یتیموں کا جو مال کھایا ہو، اب جب اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی تو فوراً ادا کرنا شروع کر دیں، اور فوراً سارا ادا نہ کر سکیں تو آہستہ آہستہ دیتے رہیں اور اپنے وصیت نامے میں لکھ جائیں کہ اگر میں ادا نہ کر سکا تو میرے باقی مال سے یا میرے رشتہ دار مجھ پر احسان کرتے ہوئے اتنا مال فلاں فلاں کو لوٹا دیں، جو میں نے ناجائز طور سے غلطی سے کھالیا۔

یاد رکھئے! بیوی بچوں کی محبت میں آکر بہنوں کو محروم کرنا، یا چھوٹے بھائیوں کو اپنے والد کے ورثہ میں سے پورا حق نہ دینا بہت ہی بری بات ہے۔ بہن کو اپنے بھائی سے کتنی محبت ہے اس کا صحیح اندازہ تو بہن ہی کر سکتی ہے بھائی نہیں کر سکتا، بہن کا خون نازک اور لطیف ہوتا ہے، محبت اس کی رگ رگ میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے، لیکن بھائیوں کے خون میں سختی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ بہن کی محبت کے لئے اتنا نہیں جلتا جتنا بہن کا خون بھائی کی محبت میں جلتا ہے، بھائی اور بہن ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔

اس لئے مسلمان بھائی کو چاہئے کہ بہن کا حق جو والدین کے مال سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہے اس کو جلد از جلد ادا کرے۔ اس کا حق کھا جانا گویا جہنم کی آگ سے اپنے پیٹ کو بھرنا ہے، لہذا مسلمان بھائی کو چاہئے کہ اپنی بہنوں کا خیال رکھیں، ان کی خوب دعائیں لیں، ان کے حق سے زیادہ ان کو دے کر ان کا اکرام کریں، والد محترم کی جدائی محسوس نہ ہونے دیں، بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ بہن کو حج کروادیا، یا بہن کی شادی کروادی۔ یا بھانجے کو اپنی فیکٹری کا منیجر بنوا دیا، یا بھانجے بھانجی کی تعلیم پر خرچ کر دیا تو ان کا حق ادا ہو گیا۔

حالاں کہ ایسا نہیں، بل کہ جب تک صاحب حق کا حق اسے نہ پہنچے اس کا حق آپ کے ذمہ لازم رہے گا، حق ادا نہ کرنے کی صورت میں قیامت میں سخت پکڑ ہوگی اور کسی کا حق دبا کر اپنے تصرف میں رکھتے ہوئے حرام کھانے کا وبال

اور گناہ الگ ہوگا اور صاحبِ حق کا دل دکھا کر اس کے دل کی آہ لینا یہ تو مظلوم کی بددعا ہے جس کے اور عرش کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی، تو کیا مظلوم کی بددعا لے کر کوئی شخص سکون و چین کی زندگی گزار سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے آمین۔^۱

الوارث جلالہ کی بہترین وراثت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾^۲

ترجمہ: ”پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچائی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا۔“ آیت مبارکہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن جو خالص حق ہی ہے اور تمام پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، پہلے بطور وحی آپ ﷺ کے پاس بھیجی۔

اس کے بعد ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنادیا، جن کو ہم نے منتخب اور پسند کر لیا اپنے بندوں میں سے۔ اس طرح پہلے آپ ﷺ پر بذریعہ وحی نزول اور آپ ﷺ کے بعد بندوں کو وارث کتاب بنانا جس میں اول و آخر اور مقدم و موخر ہونا رتبہ اور درجہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ قرآن کا بذریعہ وحی آپ ﷺ کے پاس بھیجنا رتبہ اور درجہ میں مقدم ہے، اور امت محمدیہ کو عطا فرمانا اس سے موخر ہے، اور اگر امت کو وارث قرآن بنانے کا مطلب یہ لیا جائے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے واسطے زرو زمین کی وراثت چھوڑنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی کتاب بطور وراثت چھوڑی، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کی شہادت موجود ہے کہ..... ”انبیاء درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑا کرتے، وہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں۔“^۳

اسی حدیث میں علماء کو وارث انبیاء فرمایا ہے، تو اس لحاظ سے یہ تقدیم و تاخیر زبانی بھی ہو سکتی ہے کہ ہم نے یہ کتاب آپ کو عنایت فرمائی ہے پھر آپ نے اس کو امت کے لئے بطور وراثت چھوڑا، وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے، اس عطا کو بلفظ میراث تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وارث کو میراث کا حصہ بغیر اس کے کسی عمل اور کوشش کے مل جاتا ہے، قرآن کریم کی یہ دولت بھی ان منتخب بندوں کو اس طرح بغیر کسی مشقت و محنت کے دے دی گئی۔^۴

^۱ مظلوم کی بددعا سے بچنے کے لئے بیت العلم ٹرسٹ کی کتاب ”مظلوم کی آہ“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

^۲ فاطر: ۳۲

^۳ ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ: ۹۷/۲، ۹۸

^۴ معارف القرآن: ۷/۳۴۵

اب ان منتخب بندوں پر لازم ہے کہ قرآن کریم اور علم کی اس دولت پر خود بھی عمل پیرا رہیں اور دنیا کے سارے انسانوں تک اس کا پیغام پہنچانے کی محنت کریں کیوں کہ یہ امت انبیاء علیہم السلام کے مقصد کی وارث ہے اور انبیاء علیہم السلام کا مقصد حیات انسانیت کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکامات سے روشناس کرانا ہے۔

فَوَائِدُ وَنَصَاحَاتُ

- ۱ اس اسم سے تعلق حاصل کرنے والوں کو لازم ہے کہ مال و زر میں جو حقوق مستحقین کے ہیں وہ ادا کرتے رہیں، مال کو اللہ تعالیٰ ہی کا سمجھیں، دیا ہوا بھی اسی کا ہے اور آخر میں سنبھالنا بھی اسی نے ہے۔^۱
- اگر کسی نے آپ سے زمین چھین لی یا ظلم کیا یا آپ کو پورا حق نہیں دیا تو اس پر اس طرح جھگڑا گالی گلوچ نہ کرے جو حدود سے باہر نکل جائے، رشتہ داروں کو نقصان پہنچائے، بل کہ ”الْوَارِثُ“ کے نام پر غور کرے کہ میرے مقدر میں زمین ہوگی تو ضرور مل کر رہے گی حقیقی وارث تو اللہ ہیں، وہ مجھے ضرور میرا مقدر عافیت کے ساتھ حلال طریقے سے دے گا۔ جس کو اس نام کی معرفت حاصل ہوگئی، وہ زمین کے ٹکڑوں کی وجہ سے رشتہ ناطہ نہیں توڑے گا؛ بل کہ وہ اپنا ہر مقدمہ، ہر پریشانی ”الْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی عدالت میں پیش کرے گا، جس کے خزانوں میں ساتوں زمین اور ساتوں آسمان ہیں، اُس کے خزانے میں کمی نہیں آتی، مہنگائی نہیں آتی اس کے خزانے حالات سے متاثر نہیں ہوتے۔
- ۲ کسی کے انتقال پر تقسیم میراث کے عمل میں غفلت سے بچے اور مستحقین کو ان کا پورا پورا حصہ وراثت میں سے دے، تقسیم میراث کے لئے ہر ایک کو راقم الحروف کی کتاب ”طریقہ وصیت“ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔
- ۳ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوڑی ہوئی وراثت یعنی ”علم“ کو حاصل کرنے اور دوسروں کو سکھانے کے لئے کوشش کرے۔
- ۴ ”الْوَارِثُ جَلَّ جَلَالُهُ“ سے اپنی دُعاؤں میں نیک وارث مانگتا رہے اور نیک وارث کے لئے ہمیں ان الفاظ سے دعا مانگنا سکھایا گیا ہے:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ﴾

ترجمہ: ”اے میرے پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو سب سے بہتر وارث ہے۔“

الرشید جَلَّ جَلَالُهُ

(سب کا رہنما)

اس اسم کے تحت دو تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "الرَّشِيدُ: هُوَ الَّذِي أَرْشَدَ الْخَلْقَ إِلَى مَصَالِحِهِمْ" ^۱

ترجمہ: "الرشید جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ذات ہے کہ جس نے مخلوق کی راہنمائی ان کے مصالح کی طرف کی۔"

۲ "الرَّشِيدُ الَّذِي أَسْعَدَ مَنْ شَاءَ بِإِرْشَادِهِ..... وَأَشْقَى مَنْ شَاءَ بِإِبْعَادِهِ..... وَقِيلَ: الرَّشِيدُ الَّذِي

لَا يُوْجَدُ سَهْوٌ فِي تَدْبِيرِهِ..... وَلَا لَهْوٌ فِي تَقْدِيرِهِ" ^۲

ترجمہ: "الرشید جَلَّ جَلَالُهُ" وہ ہے جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نیک راہ کی ہدایت فرما کر انہیں نیک بختی عطا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اپنے سے دور فرما کر بد نصیبی سے دوچار فرما دیتا ہے، "الرشید جَلَّ جَلَالُهُ" کی تدبیر بھول چوک اور کمزوری سے پاک ہے، اور اس کے تقدیری فیصلوں میں کسی بھی بے کار اور بے اصل بات کی کوئی گنجائش نہیں۔"

اللہ جَلَّ جَلَالُهُ نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کی رشد و ہدایت کے وہ سارے سامان پیدا فرما دیئے جن کی اسے ضرورت تھی اور اس کی تخلیق میں ان تمام پہلوؤں کو کیسی حکمت کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا جس کی اسے معرفتِ الہی کے حصول میں ضرورت تھی، جس کی نظیر دوسرے حیوانات میں موجود نہیں، البتہ ایک خاص شعور تو کائنات کی ہر شے کو حاصل ہے، لیکن جو شعور و ادراک انسان کو دیا گیا اس کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے اور رشد و ہدایت کے جس درجہ پر انسان کو فائز کیا گیا وہ بھی بہت اعلیٰ ہے۔

کائنات کی ہر ہر چیز کو اس "الرشید جَلَّ جَلَالُهُ" نے اپنے اپنے کام اور مقصد کی سمجھ بوجھ عطا کر دی اور اس میں مصروفِ عمل کر دیا، جس کا مشاہدہ انسان کر رہا ہے کہ ہر شے اپنی مقرر کردہ ذمہ داری سے کبھی بھی انحراف کرنے کی جرأت نہیں کر سکی، البتہ حضرت انسان کو رب تعالیٰ نے اپنی جانب سے اعزاز و شرافت عطا کر کے دو راستوں رشد و ہدایت اور گمراہی و ضلال میں اختیار دے دیا اور اس کے لئے آزمائش طے کر دی کہ وہ کس راستے کو اختیار کرتا ہے، آیا رشد و ہدایت

کی راہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوش نودی حاصل کرتا ہے، یا گم راہی کے راستے کو اختیار کر کے اس کے غیظ و غضب کا مستحق بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدًّا ۚ فَمَلِّقِيهِ ۚ﴾

ترجمہ: ”اے انسان! تو اپنے رب سے ملنے تک یہ کوشش اور تمام کام اور محنتیں کر کے اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔“

”کَدْح“ کے معنی کسی کام میں پوری کوشش اور اپنی توانائی صرف کرنے کے ہیں، ”إِلَىٰ رَبِّكَ“ یعنی انسان کی ہر کوشش و محنت کی انتہا اس کے رب تعالیٰ کی طرف ہونے والی ہے، اس آیت شریفہ میں انسان کی توجہ اس طرح مبذول کروائی گئی ہے کہ دنیا میں اس نے بہر صورت مشقت دیکھنی ہے، خواہ وہ اپنا دستورِ عمل بدی کو بنائے یا نیکی کو، کیوں کہ دنیا راحت کا موقع نہیں البتہ اگر اس نے اپنا دستورِ عمل نیکی کو بنایا تو عن قریب وہ اس کا اچھا پھل بھی پائے گا۔

”الْبَشَائِلُ جَلَّالَهُ“ کی جانب سے رُشد و ہدایت کی راہ

اس (مذکورہ بالا) آیت میں حق تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خطاب فرما کر غور و فکر کے لئے (رُشد و ہدایت) ایک ایسی راہ دکھائی ہے کہ اس میں کچھ بھی عقل و شعور ہو تو وہ اپنی کوشش کا رخ صحیح سمت کی طرف پھیر سکتا ہے جو اس کو دنیا و دین میں سلامتی اور عافیت کی ضمانت دے، پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نیک ہو یا بد، مؤمن ہو یا کافر، اپنی فطرت سے اس کا عادی ہے کہ کچھ نہ کچھ حرکت کرے اور کسی نہ کسی چیز کو اپنا مقصود بنا کر اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش اور محنت کرے، جس طرح ایک شریف نیک خوان انسان اپنے معاش اور ضروریاتِ زندگی کی تحصیل میں فطری اور جائز طریقوں کو اختیار کرتا ہے اور ان میں اپنی محنت و توانائی صرف کرتا ہے۔ بدکار، بدخوان انسان بھی اپنے مقاصد کہیں بغیر محنت اور بغیر کوشش کے حاصل نہیں کر سکتا، چور، ڈاکو اور بد معاش دھوکہ فریب سے لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو دیکھو کیسی کیسی ذہنی اور جسمانی محنت برداشت کرتے ہیں جب ان کو ان کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ بتلائی کہ عاقل انسان اگر غور کرے تو اس کی تمام حرکات بل کہ سکناات بھی ایک سفر کی منزلیں ہیں جس کو وہ غیر شعوری طور پر قطع (کاٹ) کر رہا ہے، جس کی انتہا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری یعنی موت ہے ”إِلَىٰ رَبِّكَ“ میں اسی کا بیان ہے اور یہ انتہا ایسی حقیقت ہے کہ جس کا کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان کی ہر کوشش اور محنت موت پر ختم ہونا یقینی ہے۔

تیسری بات یہ بتلائی کہ موت کے بعد اپنے رب کے سامنے حاضری کے وقت اس کی تمام حرکات و اعمال اور ہر کوشش کا حساب ہونا از روئے عقل و انصاف ضروری ہے تاکہ نیک و بد کا انجام الگ الگ معلوم ہو سکے، ورنہ دنیا میں تو اس کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا، ایک نیک آدمی ایک مہینہ محنت مزدوری کر کے اپنا رزق اور جو ضروریات حاصل کرتا ہے، چور ڈاکو اس کو ایک رات میں حاصل کر لیتے ہیں۔

اگر کوئی وقت حساب کا اور جزا سزا کا نہ آئے تو دونوں برابر ہو گئے، جو عقل و انصاف کے خلاف ہے۔ آخر میں فرمایا ﴿فَمُلَاقِيهِ﴾ اس کا ایک معنی یہ ہو سکتا ہے ہر انسان آخرت میں اپنے رب تعالیٰ سے ملنے والا اور حساب کے لئے اس کے سامنے پیش ہونے والا ہے۔

اس مجموعہ پر اگر انسان غور کرے کہ ضروریات زندگی بل کہ اپنے نفس کی غیر ضروری مرغوبات کو بھی حاصل تو نیک و بد دونوں ہی کر لیتے ہیں، اس طرح دنیا کی زندگی دونوں کی گزر جاتی ہے، مگر ان دونوں کے انجام میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ایک کے نتیجہ میں دائمی غیر منقطع (نہ ختم ہونے والی) راحت ہی راحت ہے، دوسرے کے نتیجہ میں دائمی مصیبت و عذاب ہے، پھر کیوں نہ انسان اس انجام کو آج ہی سوچ سمجھ کر اپنی سعی و عمل کا رخ اس طرف پھیر دے جو دنیا میں بھی اس کی ضرورتوں کو پورا کر دے اور آخرت کی دائمی نعمت بھی اس کو حاصل رہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے نیکی کی توفیق ملتی ہے، نیکی کرنا تو نیکی ہی ہے، البتہ نیکی کی حسرت بھی بڑی دولت ہے جو کہ ”البشیر جلالہ“ کی عطا کردہ رشد و ہدایت کی علامت ہے۔

البشیر جلالہ کی ہدایت کی روشنی

واقِعْدٌ مِنْ بَنِي ۱۱۶: حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بڑی رحمت کا معاملہ فرمایا، لیکن وہ درجہ مجھے نصیب نہ ہوا جو میرے پڑوس میں رہنے والے لوہار کو ملا، کیوں کہ اگرچہ وہ لوہار تھا لیکن جوں ہی اس کے کان میں ”حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ“ کی آواز پڑتی تو اگر اس نے ہتھوڑا سر پر بلند کر رکھا ہوتا تو بجائے اس کے کہ وہ لوہے پر دے مارتا، وہ ہتھوڑا پیچھے پھینک دیتا تھا اور نماز کے لئے چلا جاتا تھا اور اپنی بیوی سے یہ کہا کرتا تھا: ہم تو دن رات دنیا داری کے کام میں مشغول رہتے ہیں اس لئے ہمیں موقع نہیں ملتا کہ جس طرح یہ اللہ تعالیٰ کے بندے ساری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہتے ہیں اسی طرح ہم بھی پڑھتے۔

اگر ہمیں بھی فراغت ہوتی تو ہم بھی عبداللہ بن مبارک کی طرح رات کے وقت عبادت کر لیا کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: ہم نے تجھے تیری اس حسرت پر نواز دیا اور تجھے وہ درجہ دیا جو عبد اللہ بن مبارک رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کو بھی نہ دیا۔

نفس کی برائی سے پناہ اور رُشد و بھلائی مانگنے کی دعا

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی:

① ”اللَّهُمَّ اَلْهَمْنِي رُشْدِي وَاَعِزَّنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي.“^۱

ترجمہ: ”اے اللہ! میرے دل میں بھلائی ڈال دے اور میرے نفس کی برائی سے مجھے بچا دے۔“

② ”اللَّهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا وَكِّرْهُ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ“

وَاَجْعَلْنَا مِنَ التَّرَاشِدِيْنَ.“^۲

ترجمہ: ”اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دے اور اس کو ہمارے دلوں کی زینت بنا دے اور نفرت

ڈال دے ہمارے دلوں میں کفر کی، گناہ کی، نافرمانی کی، اور ہم کو نیک راہ پر چلنے والوں میں بنا لے۔“

فَوَائِدُ وَنَصَاحُ

① اس اسم مبارک سے تعلق قائم کرنے والوں کو چاہئے کہ ”الْبَشِيْلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے بارے میں خود بھی یہ یقین بنائیں اور لوگوں کو بھی دعوت دیں کہ بچے کو انڈے سے نکلنے..... درختوں کو پھل دینے..... بادلوں کو بارش برسانے..... مکڑی کو جالا بننے..... پانی کو سیراب کرنے..... دور جانوروں کو راستوں کی سمجھ..... ان سب کی راہ نمائی اسی ذات نے فرمائی ہے۔^۳

② جس طرح ”الْبَشِيْلُ جَلَّ جَلَالُهُ“ نے ہدایت دی ہے اس ہدایت کی روشنی کو پورے عالم تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک رُشد و ہدایت والا نہیں۔

③ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی دُعاؤں کو یاد کر کے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیں۔

۱۔ اللہ کے لئے جینا مرنا: ۲۳

۲۔ ترمذی، الدعوات، رقم: ۳۴۸۳

۳۔ مسند احمد: ۴/۴۳۸، رقم: ۱۵۰۶۶

۴۔ المنہج للامام الجوزی: ۴۷۴

الصابور جلالہ

(بڑا بردبار)

اس اسم کے تحت دو تعریضیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱ "الصَّبُورُ الَّذِي لَا تُزْعِجُهُ كَثْرَةُ الْمَعَاصِي إِلَى كَثْرَةِ الْعُقُوبَةِ وَقِيلَ: الصَّبُورُ الَّذِي إِذَا قَابَلَتْهُ

بِالْجَفَاءِ قَابَلَكَ بِالْعَطِيَّةِ وَالْوَفَاءِ، وَإِذَا أُعْرِضَتْ عَنْهُ بِالْعِصْيَانِ أَقْبَلَ إِلَيْكَ بِالْغُفْرَانِ" ۱

ترجمہ: "الصابور جلالہ" وہ ذات ہے جسے گناہوں کی زیادتی سزا میں زیادتی پر نہیں ابھار سکتی، بعض حضرات نے فرمایا: "الصابور جلالہ" کے سامنے اگر تم ظلم کر کے بھی جاؤ گے تب بھی وہ تمہارا استقبال بخشش و عطاء سے فرمائے گا، اور اگر تم گناہ کر کے اس سے اعراض کرو گے تب بھی وہ اپنی مغفرت کے ساتھ تمہاری جانب توجہ فرمائے گا۔

۲ "الصابور جلالہ" وہ ذات ہے جو اپنے گناہ گار بندوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتے، بل کہ وقت مقررہ تک انہیں مہلت دیئے رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں "الصابور" اور "الجليل جلالہ" باہم معنی میں قریب قریب ہیں لیکن ایک وجہ فرق موجود ہے کہ صفت صبور میں گناہ گار بندوں کو مہلت کی اتنی گنجائش نہیں ہے جتنی گنجائش صفت حلیم میں دی گئی ہے۔" ۲

تو اس کریم ذات کا در چھوڑ دینا کتنی بد نصیبی کی بات ہے، اس ذات "الصابور" کو ہمارے گناہ رتی بھر نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن اس کے جلال و ہیبت کے سامنے ہماری نافرمانی کا تقاضہ یہی تھا کہ ہماری فوراً پکڑ ہو جاتی ہے لیکن اس ذات "الصابور جلالہ" کے تحمل پر قربان جائیے کہ ہماری نافرمانیاں بل کہ حد درجہ سیاہ کاریاں بھی اسے طیش نہیں دلا سکتیں، وہ بندوں سے کس قدر محبت کرتا ہے کہ مہلت پر مہلت دیئے جاتا ہے، ذرا ذرا پر نوازتا جاتا ہے، اس کی رحمتیں بہانے بہانے سے ہماری طرف متوجہ ہوتی رہتی ہیں، ہم ہی نا قدرے ہوں تو کسی بات پر کیا گلہ؟

۱ اسماء اللہ الحسنی للرازی: ۳۵۳

۲ "هُوَ الَّذِي لَا يُعَاجِلُ الْعَصَاةَ بِالْإِنْتِقَامِ مِنْهُمْ بَلْ يُؤَخِّرُ ذَلِكَ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيَمَهِّلُهُمْ لِيُوقِتَ مَعْلُومٍ فَمَعْنَى الصَّبُورِ فِي صِفَةِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ قَرِيبٌ مِّنْ مَّعْنَى الْحَلِيمِ إِلَّا أَنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ، أَنَّهُمْ لَا يَأْمَنُونَ الْعُقُوبَةَ فِي صِفَةِ الصَّبُورِ كَمَا يَسْلَمُونَ مِنْهَا فِي صِفَةِ الْحَلِيمِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ" (شان الدعاء: ۹۸)

وہ اپنے بندوں کے لئے بھی صبر کو پسند فرماتا ہے اور صبر پر بے بہا انعامات مقرر کر رکھے ہیں، قرآن کریم میں جا بجا صبر کی تلقین اور صابرین کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

قرآن مجید نے جن اخلاق پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف پیرایوں میں جن کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے ان میں ”صبر“ کا خاص مقام ہے۔

لیکن ہماری اردو زبان میں صبر کے معنی بڑے محدود ہو گئے ہیں۔ سمجھا جاتا ہے کہ صبر کا مطلب بس یہ ہے کہ موت اور بیماری اور فقر و تنگ دستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح سہہ لیا جائے کہ شور و فغان اور شکوہ و شکایت کا اظہار نہ ہو، اور کوئی ظالم اگر ظلم کرے تو اس کا انتقام نہ لیا جائے، اور نہ نالہ و فریاد کی جائے، مگر قرآن کی زبان میں صبر کے معنی اس سے بہت زیادہ وسیع اور گہرے ہیں۔

مختصر الفاظ میں اس کی حقیقت کو کچھ اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے:

”کسی عظیم اور مقدس مقصد کے لئے (مثلاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے یا دنیا میں نیکی پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لئے یا دوسروں کی خدمت اور راحت رسانی کے لئے) صدموں، تکلیفوں اور ناگوار یوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مضبوطی سے جمے رہنا اور نیکی کے راستے پر چلتے رہنا صبر ہے۔“

صبر کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں پڑھیے، سب سے پہلے سورہ بقرہ کی یہ آیت پڑھیے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾^۱

ترجمہ: ”اے ایمان والو! (مشکلوں اور تکلیفوں میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو (یہ بات ناقابل شک اور بالکل یقینی ہے) کہ اللہ تعالیٰ (اور اس کی پوری مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“^۲

صبر اور نماز ہر مشکل کا حل اور ہر تکلیف کا علاج ہیں

اس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ انسان کی تمام حوائج و ضروریات کے پورا کرنے اور تمام آفات و مصائب اور تکالیف کو دور کرنے کا نسخہ اکسیر دو جزو سے مرکب ہے، ① صبر ② نماز اور اس نسخہ کے تمام حوائج اور تمام مصائب کے لئے عام ہونے کی طرف قرآن عظیم نے اس طرح سے اشارہ کر دیا کہ ﴿اسْتَعِينُوا﴾ کو عام چھوڑا ہے، کوئی خاص چیز ذکر نہیں فرمائی کہ فلاں کام میں ان دونوں چیزوں سے مدد حاصل کرو۔^۳

۱۔ البقرہ: ۱۵۳ ۲۔ قرآن آپ سے کیا کہتا ہے: ۱۷۷

۳۔ اللہ کی مدد کے لئے ان تین کتابوں کا مطالعہ کریں ① عربی کی کتاب ”لا تحزن“ مکتبہ العبیکان ریاض، ② ”سکون قلب“ افادات مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ③ راقم الحروف کی کتاب ”پریشان ہونا چھوڑ دیجئے“ ان شاء اللہ ان کتابوں کے مطالعے سے بڑا فائدہ ہوگا اور پریشانیاں دور ہوں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے انسان ہر ضرورت میں مدد حاصل کر سکتا ہے۔

لوگوں کی ایذا کا مقابلہ صبر اور نصرتِ الہی سے کیجئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ بِمَا صَبَرُوا﴾^۱

ترجمہ: اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل پر اس انعام و احسان کی وجہ بھی بیان فرمادی ”بِمَا صَبَرُوا“ یعنی اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تکلیفیں برداشت کیں اور ان پر ثابت قدم رہے۔

اس میں اشارہ کر دیا کہ ہمارا یہ احسان و انعام کچھ بنی اسرائیل ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بل کہ ان کے عمل صبر و ثابت قدمی کا نتیجہ تھا، جو شخص یا جو قوم اس عمل کو اختیار کرے، ہمارا انعام ہر جگہ ہر وقت اُس کے لئے موجود ہے۔

۱۔ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے جب نصرتِ الہی کا وعدہ اپنی قوم سے کیا تھا اس وقت بھی انہوں نے قوم کو یہی بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور مصائب و آفات کا ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہی اصل کامیابی ہے۔

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا: اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب انسان کا مقابلہ کسی ایسے شخص یا جماعت سے ہو جس کا دفاع کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو تو ایسے وقت کامیابی اور فلاح کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ مقابلہ نہ کرے بل کہ صبر کرے، انہوں نے فرمایا: جب کوئی آدمی کسی کی ایذا کا مقابلہ اس کی ایذا سے کرتا ہے یعنی اپنا انتقام خود لینے کی فکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کر دیتے ہیں، کام یاب ہو یا ناکام اور جب کوئی شخص لوگوں کی ایذا کا مقابلہ صبر اور نصرتِ الہی کے انتظار سے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے راستے کھول دیتے ہیں۔^۲

جس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے صبر و ثابت قدمی پر یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان کو دشمن پر فتح اور زمین پر حکومت عطا کریں گے، اسی طرح امتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے بھی وعدہ فرمایا ہے، جو سورہ نور کی آیت ۵۵ میں مذکور ہے۔

اور جس طرح بنی اسرائیل نے وعدہ خداوندی کا مشاہدہ کر لیا تھا، امتِ محمدیہ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے ان سے زیادہ واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی مدد کا مشاہدہ کیا کہ پوری زمین پر ان کی حکومت و سلطنت عام ہو گئی۔

مصیبت کے وقت صبر کرنا اور ”الْصَّبْرُ جَلَّالًا“ ہی سے مدد طلب کرنا

فرعون نے موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ کے مقابلہ میں شکست کھانے کے بعد بنی اسرائیل پر اس طرح غصہ اتارا کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر کے صرف عورتوں کو باقی رکھنے کا قانون بنا دیا تو بنی اسرائیل گھبرائے کہ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ کی پیدائش سے پہلے جو عذاب فرعون نے ان پر ڈالا تھا وہ پھر آگیا اور حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ نے بھی اس کو محسوس فرمایا تو پیغمبرانہ شفقت اور حکمت کے مطابق اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی۔

ایک دشمن کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔ دوسرا مشکل حل ہونے تک صبر و ہمت سے کام لینا اور یہ بھی بتلادیا کہ اس نسخہ کا استعمال کرو گے تو یہ ملک تمہارا ہے تم ہی غالب آؤ گے۔

یہی مضمون ہے پہلی آیت کا جس میں فرمایا ہے: ﴿اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا﴾^۱ ”یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو۔“

اور پھر فرمایا: ﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾^۲

”یعنی ساری زمین اللہ کی ہے وہ جس کو چاہے اس کو اس زمین کا وارث و مالک بنائے گا اور یہ بات متعین ہے کہ انجام کار کامیابی متقی پر ہی حاصل ہوتی ہے۔“

اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا جس کا طریقہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ ”اسْتَعَانَتْ بِاللَّهِ“ (اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا) اور صبر کو لازم پکڑا جائے تو انجام کار تم ہی ملک مصر کے مالک و قابض ہو گے۔

مشکلات و مصائب سے نجات کا نسخہ اکسیر

حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ نے بنی اسرائیل کو جو حکیمانہ نسخہ دشمن پر غالب آنے کے لئے تلقین فرمایا تھا، غور کیا جائے تو یہی وہ نسخہ اکسیر (محرَب) ہے جو کبھی خطا نہیں ہوتا، جس کے بعد کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

① اس نسخہ کا پہلا جزء ”اسْتَعَانَتْ بِاللَّهِ“ ہے، جو اصل رُوح ہے اس نسخہ کی۔ وجہ یہ ہے کہ خالق کائنات جس کی مدد پر ہو تو ساری کائنات کا رُخ اس کی مدد کی طرف پھر جاتا ہے، کیوں کہ ساری کائنات اُس کے تابع ہے۔

② دوسرا جزء اس نسخہ کا صبر ہے، صبر کے معنی اصل لغت کے اعتبار سے خلاف طبع چیزوں پر ثابت قدم رہنے اور نفس کو قابو میں رکھنے کے ہیں۔ کسی مصیبت پر صبر کرنے کو بھی اسی لئے صبر کہا جاتا ہے کہ اُس میں رونے پٹینے اور واویلا کرنے کے طبعی جذبہ کو دبایا جاتا ہے۔

ہر تجربہ کار عقل مند جانتا ہے کہ دنیا میں ہر بڑے مقصد کے لئے بہت سی خلاف طبع محنت و مشقت برداشت کرنا

لازمی ہے، جس شخص کو محنت و مشقت کی عادت اور خلاف طبع چیزوں کی برداشت حاصل ہو جائے وہ اکثر مقاصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: صبر ایسی نعمت ہے کہ اس سے زیادہ وسیع تر نعمت کسی کو نہیں ملی۔^۱

صبر کی اصل حقیقت

صبر کے اصلی معنی اپنے نفس کو روکنے اور اس پر قابو پانے کے ہیں، قرآن و سنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں:

- ۱ اپنے نفس کو حرام و ناجائز چیزوں سے روکنا۔
 - ۲ اپنے نفس کو طاعات و عبادات کی پابندی پر مجبور کرنا۔
 - ۳ مصائب و آفات پر صبر کرنا یعنی جو مصیبت آگئی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا، اور اس کے ثواب کا امیدوار ہونا، اس کے ساتھ اگر تکلیف و پریشانی کے اظہار کا کوئی کلمہ بھی منہ سے نکل جائے تو وہ صبر کے منافی نہیں۔^۲
- یہ تینوں شعبے صبر کے فرائض میں داخل ہیں، ہر مسلمان پر یہ پابندی عائد ہے کہ تینوں طرح کے صبر کا پابند ہو، عوام کے نزدیک صرف تیسرے شعبے کو صبر کہا جاتا ہے، لیکن دو شعبے جو صبر کی اصل اور بنیاد ہیں عام طور پر ان کو صبر میں داخل ہی نہیں سمجھا جاتا۔

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں صابرین انہیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں، بعض روایات میں ہے کہ محشر میں ندا کی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہ لوگ جو تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی سے گزر رہے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کو بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت دے دی جائے گی۔

ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُوفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾^۳

ترجمہ: ”صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔“

اس آیت سے بھی اس طرف اشارہ ہوتا ہے۔^۴

دوسرا جز اس نسخہ کا نماز ہے جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور تمام پریشانیوں اور آفتوں سے نجات دلانے میں اکسیر ہے، صبر کی جو تفسیر ابھی لکھی گئی ہے اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ درحقیقت نماز اور تمام عبادات صبر ہی کے جزئیات ہیں، مگر نماز کو جداگانہ بیان اس لئے کر دیا کہ تمام عبادات میں سے نماز ایک ایسی عبادت ہے جو صبر کا مکمل نمونہ

۱۔ مسلم: الزکوٰۃ، فضل التعفف والصبر: ۳۳۷/۱

۲۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۲، البقرة: ۱۵۳

۳۔ الزمر: ۱۰

۴۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۲، البقرة: ۱۵۳

ہے، کیوں کہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت و طاعت پر مجبوس بھی کیا جاتا ہے، اور تمام معاصی و مکروہات سے بل کہ بہت سے مباحات سے بھی نفس کو بحالت نماز روکا جاتا ہے، اس لئے صبر جس کے معنی نفس کو اپنے قابو میں رکھ کر تمام طاعات کا پیرو اور تمام معاصی سے بچنے والا و بیزار بنانا ہے، نماز اس کی ایک عملی تمثیل (مثال) ہے۔

صبر اور نماز تمام مشکلات و مصائب سے نجات دینے والے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾^۱ اس کلمہ میں اس کا راز بتلا دیا گیا ہے کہ صبر نجات کا سبب اس لئے ہے کہ صبر سے حل مشکلات اور دفع مصائب کا سبب کیسے بنتا ہے؟

ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ صبر کے نتیجہ میں انسان کو حق تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے ساتھ ربُّ العزت کی طاقت ہو اس کا کون سا کام رک سکتا ہے اور کون سی مصیبت اس کو عاجز کر سکتی ہے؟^۲

دُکھ، سُکھ، خوشی اور ناخوشی سب الصَّبْرُ جَلَّالًا کی طرف سے ہے

اس دنیا میں دُکھ اور رنج بھی ہے اور آرام و خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوش گواری بھی ہے اور ناخوش گواری بھی، یہ سب کچھ الصَّبْرُ جَلَّالًا ہی کی طرف سے ہے، اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دُکھ اور مصیبت پیش آجائے، تو وہ مایوسی اور دل شکستگی کا شکار نہ ہوں بل کہ ایمانی صبر و ثابت قدمی کے ساتھ اس کا استقبال کریں اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں۔

یہ سب کچھ الصَّبْرُ جَلَّالًا کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دُکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح جب حالات سازگار ہوں اور چاہتیں مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان ہوں تو بھی اس کو اپنا کمال اور اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بل کہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ کا ہر حال میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے تعلق بڑھتا ہے۔

اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور نا کامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی، مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

۱ ”حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بندہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی، راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت پر یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔“

تشریح اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لئے ہے، لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام، مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں، اور کوئی ناخوش گواری ان کو پیش آتی ہے تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں..... اور چوں کہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے دل بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔

۲ ”حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے ابنِ آدم! اگر تو نے شروعِ صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا جنت سے کم پر کہ اس کے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔“

تشریح جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گزرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود ہی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اسی کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا: ”جو

۱ ”عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ“ (مسلم، الزهد، باب في احاديث متفرقة: ۴۱۳/۲)

۲ ”عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَقُولُ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولَى لَمْ أُرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ“ (ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء في الصبر علی المصيبة: ۱۴۱)

صاحب ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوگا.....“ اللہ اکبر!

کس قدر کریمانہ انداز ہے، براہ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے: اے ابن آدم! جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی امید پر اس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا..... گویا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

فائدہ: جب اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے..... کسی سے تکلیف پہنچے..... کوئی مالی یا جسمانی نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جائے..... تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کرے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہوگی۔^۱

جو اپنی مصیبت کسی پر ظاہر نہ کرے اس کے لئے بخشش کا وعدہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔“^۲

فائدہ: صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو، ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش کا ذمہ لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان مواعید (وعدوں) پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔^۳

کسی بھی قسم کے حالات کیوں نہ ہوں، مسلمان کبھی ہمت نہیں ہارتا اور اپنے مولیٰ کی ذات سے ناامید نہیں ہوتا۔ دنیا کی زندگی میں ہر قسم کے حالات آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ قرآن پاک کی مختلف آیات میں اس بات کو بار بار بیان کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ضرور ہوگی اور تمہیں مختلف طریقوں سے آزمایا جائے گا۔ اولاد کا نہ ہونا..... یا اولاد کا بیمار معذور ہونا..... ملازمت و تجارت میں نقصان و کمی..... خود اپنے بدن میں بیماری

^۱ معارف الحدیث: ۳۰۱/۲

^۲ مجمع الزوائد، باب فیمن صبر علی العیش الشدید: ۳۲۴/۱۰، رقم: ۱۷۸۷۲

^۳ معارف الحدیث: ۳۰۲/۲

..... دشمنوں اور حاسدوں کی طرف سے مخالفت اور پریشانی اپنے ارد گرد کے سخت اور مشقت والے حالات اور دوسرے بعض مخصوص معاملات یہ سب آزمائش کے طریقے ہیں۔ ایمان والا مرد اور ایمان والی عورت کبھی بھی حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے، بل کہ ہر آزمائش پر ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ صبر اور شکر کے ذریعے یہ نہ صرف اپنے درجات کی بلندی حاصل کر لیتے ہیں بل کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بن جاتے ہیں۔

دنیا راحت کی جگہ نہیں

دنیا اور دنیا کی زندگی مشقتوں اور آزمائشوں والی زندگی ہے۔ ہم اگر اپنی پیدائش سے قبل اور پھر پیدا ہونے کے بعد دنیا کی زندگی کے مختلف مراحل پر غور کریں تو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ یہ سب کے سب مراحل یقیناً سخت اور مشکل ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کی راحت آخرت میں ہے وہاں کسی بھی قسم کی مشقت اور سختی نہیں، نیز وہاں کوئی آزمائش نہیں، لہذا مومن ہونے کی حیثیت سے ہم سب کو ہمیشہ اس آخرت والی زندگی کی فکر کرنی چاہئے اور اس دنیا کی زندگی میں اگر کسی آزمائش یا سختی سے دوچار ہونا پڑے تو ہمیں چاہئے (دنیا کے) ان امور میں اپنے سے کم پر نظر ڈالیں۔

مسند احمد کی ایک روایت میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”تم لوگ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو دیکھو اور اپنے سے اوپر (اپنے سے زیادہ اچھی حالت) والوں کی طرف نہ دیکھو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری نہ کرو۔“^۱ **فائدہ:** اگر ہم اس حدیث پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہر لمحہ ہماری زبانوں سے شکر و حمد ہی کے جملے و کلمے ادا ہوں گے کہ کتنے وہ لوگ ہیں جو ہم سے زیادہ کڑی اور سخت آزمائش میں ہیں اور ہم بحمد اللہ پھر بھی (ان لوگوں کی نسبت) اچھی حالت میں ہیں۔ اسی کیفیت میں زبان سے حمد و شکر ادا ہوگا جو کہ مطلوب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے سامنے وہ قرآنی آیات اور وہ احادیث بھی ہوں جن میں ایمان والوں کو آزمائش میں صبر کرنے پر بڑے اور عظیم اجر و ثواب کی خوش خبریاں سنائی گئی ہیں۔

ان میں سے ایک معیت الہی ہے کہ ایسے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے جیسا کہ **سورة البقرة** کی آیت ۱۵۳ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

”بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

جب کہ **سورة الزمر** آیت ۱۰ میں ارشاد ہے جس کا ترجمہ ہے:

”صبر کرنے والوں کے لئے ان کا اجر و ثواب بے حساب ہے۔“

امام قرطبی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے اس آیت کی تفسیر میں سیدنا علی اور سیدنا حسین بن علی **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا** اور بعض دوسرے اصحاب کا قول نقل کیا ہے کہ وہ لوگ جو دنیا کی زندگی میں مصیبتوں اور آزمائشوں میں صبر کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کے لئے بلا حساب جنت میں داخلہ ہے۔^{۱۷}

ہر قسم کے حالات میں صبر کرنا اور ہر حالت میں شکر ادا کرنا ایک بڑی نیکی ہے کہ اس سے انسان کا اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین پختہ ہوتا ہے اور ایمان کامل ہوتا ہے۔

وَاقْعَدْ فَرْجَکَ ۝۱۱۷ ایک حدیث میں ارشاد ہے: مسلمان کو دنیا کی زندگی میں جو بھی تکلیف ملتی ہے خواہ یہ غم ہو، اذیت ہو یا دوسری کوئی آزمائش ہو، یہاں تک کہ اگر اسے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے تو اس پر بھی اس کے لئے اجر و ثواب ہے۔^{۱۸}

ایک خاتون صحابیہ **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا** کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ایک موقع پر سیدنا عبداللہ بن عباس **رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا** نے عطاء بن ابی رباح **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** سے فرمایا تھا: ”میں تمہیں ایک ایسی عورت کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جو اہل جنت میں سے ہے، پھر ارشاد فرمایا: یہ جو کالی عورت ہے اسے مرگی والی بیماری تھی۔ اس نے رسول کریم **ﷺ** کی خدمت میں عرض کیا: مجھ پر اس بیماری کے دورے پڑتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میرا پردہ کھل جاتا ہے اور میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، میرے لئے دعا فرمائیے۔ سرکارِ دو عالم **ﷺ** نے ارشاد فرمایا: ”اگر تم چاہو تو صبر کر کے جنت حاصل کر لو اور اگر چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگوں گا کہ وہ تجھے شفا و عافیت سے نوازے۔“ اس عورت نے عرض کیا: میں صبر کرنا چاہتی ہوں، البتہ یہ دعا فرما دیجئے کہ میرا پردہ نہ کھلے۔ اس پر رسول اللہ **ﷺ** نے اس کے لئے دعا فرمادی۔“^{۱۹}

ہم سب کے لئے عموماً اور مسلمان خواتین کے لئے خصوصاً اس حدیث میں نصیحت ہے کہ ہم صبر کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس آزمائش میں ڈالا ہے، یہ اس کی آپ سے محبت کی نشانی ہے۔ رسول کریم **ﷺ** نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت فرماتا ہے تو ان کو آزماتا ہے۔^{۲۰} کسی مصیبت و پریشانی، بیماری، نقصان و خسارے اور کسی عزیز کی موت یا جدائی پر صبر کرنا ایمان کی نشانی اور یقین کا ثبوت ہے۔ کیا ہم اور آپ یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہو؟

یقیناً ہم سب کی یہی آرزو اور تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی رہے، تو اس رضا مندی اور قرب الہی کے لئے صبر سیڑھی ہے۔ اس سیڑھی کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ایسے بندے بہت ہی اچھے لگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی قسم کی آزمائش پر صبر کریں اور تسبیح و تحمید کے ذریعہ اپنی زبان سے اس کی

^{۱۷} تفسیر قرطبی: ۱۷۷/۸ ^{۱۸} مسلم، البر والصلة، ثواب المؤمن فیما یصیبه: ۳۱۸/۲

^{۱۹} بخاری، کتاب المرضی، باب فضل من یصبر عن الریح، رقم: ۵۶۵۲

^{۲۰} ”إِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَلَكَ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ اللَّهَ أَنْ يُعَاضِيكَ.“ ^{۲۱} مسند احمد: ۴۲۸/۵، رقم: ۲۳۱۲۲

تعریف کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں کسی پر بھی زیادتی نہیں کرتا۔ دنیاوی آزمائش جو ظاہری طور پر کبھی ہمیں زیادتی نظر آتی ہے۔ کل قیامت کے دن جب اس کے اجر و ثواب کا معاملہ ہوگا تو ہم کہیں گے کاش کہ دنیا کی زندگی میں مزید آزمائشیں ہوتیں اور ان سب کا اجر آج ہمیں ملتا۔

سورۃ البقرہ آیت ۲۱۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: ”ہو سکتا ہے کسی چیز کو تم ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔“

مؤمن کبھی بھی حالات سے نہیں گھبراتا بل کہ مؤمن اور مؤمنہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل کے ساتھ ایک نئے عزم و ولولے سے اپنے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے سستی و کاہلی اور بزدلی سے پناہ مانگی ہے۔ اسی طرح کئی دوسری احادیث میں رسول کریم ﷺ کی دعاؤں میں ہمت ہار دینے سے اور مایوسی سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (مضبوط قوی ارادے والا) ”قوی مؤمن اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے ایک کمزور مؤمن سے لیکن دونوں میں خیر ہے“۔ (یعنی دونوں بہر حال ایمان والے ہیں)۔ اسی حدیث میں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو (اور اسی کے بھروسہ و اعتماد سے اپنے سارے کام کرو عا جزی مت دکھاؤ ہمت نہ ہارو)۔^۱

پریشانیوں میں گھبرانا نہیں چاہئے

پریشان ہونے سے لوگوں کے سامنے رونے دھونے سے وہ مصیبت ختم یا کم تو نہیں ہوگی، مزید گھبراہٹ اور پریشانی میں اضافہ ہوگا، اس لئے سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ”مَالِكٌ“ ہے، جس حال میں رکھے ہمیں اس پر راضی ہونا چاہئے، وہ مالک ہے ہم مملوک ہیں وہ آقا ہے ہم بندے ہیں، مالک کو اختیار ہے اپنی ملک میں جس طرح چاہے تصرف کرے، ہاں بندہ دعا مانگتا رہے، گڑ گڑاتا رہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے رورو کر التجا کرے۔

حضرت داؤد علیہ السلام یہ کلمہ پڑھا کرتے تھے:

”سُبْحَانَ مُسْتَخْرِجِ الدُّعَاءِ بِالْبَلَاءِ..... سُبْحَانَ مُسْتَخْرِجِ الشُّكْرِ بِالرِّخَاءِ“

یعنی حق تعالیٰ بڑا ہی پاک ہے جو انسان کو بلا میں مبتلا کر کے اس کی زبان سے دعا نکلاتا ہے اور راحت دے کر اس کی زبان سے شکر نکلاتا ہے۔

حضرت کردوس بن عمرو جو کتب سابقہ کے عالم تھے فرماتے ہیں: بعض کتب سابقہ میں حق تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ بعض اوقات کسی اپنے مقبول بندے کو تکلیف میں مبتلا فرمادیتے ہیں تاکہ وہ آہ و زاری کرے، حق تعالیٰ ان کی آہ و زاری کو سنتے ہیں۔^{۱۷}

حضرت بشر بن بشار مجاشعی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** (جو زہد و عبادت میں مشہور و معروف ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عابد سے کہا کہ مجھے وصیت کرو!

اس نے کہا: تقدیر الہی تمہیں جس جگہ ڈالے صبر و سکون کے ساتھ اپنے نفس کو وہاں ڈال دو۔ اسی کے ذریعہ تمہارا قلب فارغ ہوگا اور تمہارا غم ہلکا ہوگا اور تقدیر پر ناراضگی کا اظہار ہرگز نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس طرح تم پر نازل ہوگا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔^{۱۸}

حضرت عبداللہ بن مسعود **رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** فرماتے ہیں کہ رسول اللہ **ﷺ** نے ارشاد فرمایا ہے: ”جس شخص کو کوئی حاجت پیش آئے اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے (یعنی حق تعالیٰ سے قطع نظر کر کے لوگوں ہی کو حاجت روا قرار دے) تو اس کی حاجت پوری نہ ہوگی، لیکن اگر وہ اپنی حاجت حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے تو حق تعالیٰ یا تو اس کی مراد جلد پوری فرمادیں گے اور یا اگر اس کی عمر پوری ہو چکی ہے تو وفات (دے کر اس کو راحت) عطا فرمائیں گے۔“^{۱۹}

حضرت عمران بن حصین **رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ** فرماتے ہیں کہ نبی کریم **ﷺ** نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص لوگوں سے قطع نظر کر کے حق تعالیٰ پر اعتماد و توکل کرے۔ حق تعالیٰ اس کی ہر حاجت کے کفیل بن جاتے ہیں اور بے گمان رزق دیتے ہیں اور جو شخص حق تعالیٰ کی رحمت سے قطع نظر کر کے (محض لوگوں پر بھروسہ کرے اور ان سے اپنی حاجت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کر دیتے ہیں۔“^{۲۰}

صبر..... معیتِ خداوندی کا ذریعہ

یہ یکی بات ہے اپنے دلوں پر لکھ لیجئے، اللہ ربُّ العزت کو صبر کرنے والوں سے محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾^{۲۱} ”بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ وہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کو نصیب ہے۔ جس کے ساتھ پروردگار ہوتا ہے پھر کوئی بندہ اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اگر اپنی بات کہنی ہو تو فقط اللہ تعالیٰ کے سامنے کہیں۔ اس پروردگار نے حالات بھیجے ہیں۔ جو بھیجنے والا ہوتا ہے حالات کو واپس وہی لے لیا کرتا ہے، ہم اس کے در پہ تو جاتے نہیں اور دوسرے ہر در پر جا رہے ہوتے ہیں۔ در در پر ہاتھ پھیلا رہے ہوتے ہیں، شکوے سنا رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنی پریشانیوں میں اور اضافہ کر رہے ہوتے

^{۱۷} صفة الصفة، کردوس بن عباس الثعلبی: ۳/۶، رقم: ۴۰۶۔ ^{۱۸} صفة الصفة، ذکر المصطفین من العباد المقدسین: ۴/۲۰۷، رقم: ۷۷۴۔

^{۱۹} ابو داؤد، کتاب الزکاة، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۶۴۵۔ ^{۲۰} مجمع الزوائد، باب ماجاء فی العزلة: ۱۰/۳۹۷، رقم: ۱۸۱۸۹۔ ^{۲۱} البقرة: ۱۵۳۔

ہیں۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں اور ان کو بڑا اجر عطا فرما دیتے ہیں۔

اقسام صبر

ابواللیث سمرقندی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے لکھا ہے: صبر کی تین قسمیں ہیں، اس بات کی دلیل آپ **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے ایک حدیث کے ذریعے لکھی ہے، آپ **ﷺ** کا ارشاد ہے کہ صبر تین ہیں:

① طاعت پر صبر ② مصیبت پر صبر ③ معصیت سے صبر، جو شخص مصیبت پر صبر کرتا ہے حتیٰ کہ اعلیٰ حوصلہ کے ساتھ اسے برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین سو درجے لکھ دیتے ہیں، اور جو شخص طاعت پر صبر کرتا ہے اس کے چھ سو درجے لکھے جاتے ہیں، اور جو شخص معصیت سے صبر کرے اس کے لئے نو سو درجے لکھ دیئے جاتے ہیں۔^۱
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے معارف القرآن میں صبر کی تین قسمیں لکھی ہیں:

اول: صَبْرٌ عَلَى الطَّاعَاتِ:

① یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول **ﷺ** نے حکم دیا ہے ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔

مثال کے طور پر حق تعالیٰ شانہ نے پانچ وقت نماز کا حکم دیا اب اگر کسی پر فجر کی نماز پڑھنا بھاری ہو رہا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں نفس پر جبر کر کے اٹھے اور فجر کی نماز باجماعت پڑھے، اسی کا نام **صَبْرٌ عَلَى الطَّاعَاتِ** ہے۔

دوم: صَبْرٌ عَنِ الْمَعَاصِي:

② یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول **ﷺ** نے منع فرمایا ہے، وہ نفس کے لئے کتنی ہی مرغوب و لذیذ ہوں نفس کو اس سے روکے رکھنا۔

مثلاً کسی کو بدنظری کا مرض ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے نفس پر جبر کر کے اور اپنی خواہشات کا خون کر کے اس مرض کو چھوڑا تو اس کا نام **صَبْرٌ عَنِ الْمَعَاصِي** ہے۔

سوم: صَبْرٌ عَلَى الْمَصَائِبِ:

③ یعنی مصیبت و تکلیف پر صبر کرنا،..... حد سے زائد پریشان نہ ہونا..... اور سب تکلیف و راحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا.....^۲

مثال کے طور پر ایک شخص کا ایکسڈنٹ ہو گیا اور اس میں اس کا ایک ہاتھ بھی چلا گیا، وہ اللہ والا تھا، اس نے کہا: اس دنیا میں ہزاروں آدمی ایسے ہیں جن کے پاس دونوں ہاتھ نہیں ہیں اور نہ ہی دونوں پاؤں ہیں۔ آپ نے مجھے دو ہاتھ

^۱ تنبیہ الغافلین، باب الصبر علی المصیبة: ۲۹۰، ۲۹۱ معارف القرآن: ۲/۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶،

دیئے۔ دوپیر دیئے پھر اس میں اگر ایک ہاتھ واپس لے لیا تو اس میں بھی آپ کا مجھ پر احسان ہے کہ آپ چاہتے تو دونوں ہی ہاتھوں سے محروم کر سکتے تھے۔ وہ شخص جس کا ایکسڈنٹ ہوا تھا اس نے اس بات کا مراقبہ کر کے اپنے دل کو مطمئن کر لیا، تو اس صبر کا نام **صَبْرٌ عَلَى الْمَصَائِبِ** ہے۔ **الْصَّبْرُ جَلَّالًا** سے تعلق پیدا کرنے کے لئے صبر کی ان تینوں قسموں پر عمل کرنا چاہئے۔

واقعاتِ صبر

واقِعَةُ مُطَبِّكٍ (۱۱۸): ابوسلیمان دارانی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے تھے: حضرت موسیٰ **عَلَيْهِ السَّلَام** ایک آدمی کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ درندوں نے پھاڑ ڈالا تھا اور گوشت نوچ لیا تھا، حضرت موسیٰ **عَلَيْهِ السَّلَام** نے اس کو پہچان لیا اور اس کے پاس کھڑے ہو کر عرض کیا: اے پروردگار! یہ شخص تیرا مطیع تھا تو ایسا کیوں ہے؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وحی فرمائی: اے موسیٰ! اس نے مجھ سے وہ درجہ طلب کیا تھا جس تک اپنے اعمال کی بدولت نہ پہنچ سکتا تھا پس میں نے اس کو وہاں تک پہنچانے کے لئے اس مصیبت میں مبتلا کیا۔

واقِعَةُ مُطَبِّكٍ (۱۱۹): احنف بن قیس **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے اپنے چچا سے دانت کے درد کی شکایت کی تو انہوں نے کہا: اے **اللہ**! احنف تو ایک ہی رات میں درد کی شکایت کرتا ہے، واللہ مجھے یہ درد تقریباً تیس سال سے ہے مگر تیرے سوا اور کسی کو معلوم نہیں۔^۱

واقِعَةُ مُطَبِّكٍ (۱۲۰): صبر کے بارے میں حضرت امام مالک **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** کا واقعہ بڑا سبق آموز ہے: آپ ایک دن حدیث پاک کا درس دے رہے تھے کہ آپ کو بچھو نے سولہ بار ڈنگ مارا، جس کی وجہ سے آپ کا رنگ متغیر ہو گیا، لیکن آپ نے حدیث پاک کی تعظیم کی وجہ سے اپنے کلام کو قطع نہ کیا۔^۲

ابن شہر مہ **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** پر جب کوئی مصیبت نازل ہوتی تو فرماتے:

یہ تو بادل ہے تھوڑی دیر بعد چھٹ جائے گا۔ اس کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

واقِعَةُ مُطَبِّكٍ (۱۲۱): حضرت بایزید بسطامی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** جا رہے تھے، مریدوں کا لشکر اور فوج ساتھ تھی، اوپر سے بدکار عورت نے چولہے کی راکھ اور گھر کا کچرا اور گندگی کا ٹوکرا بھر کر ان کے سر پر ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا: **الْحَمْدُ لِلّٰہ**۔ مریدوں نے پوچھا: حضرت اس وقت آپ نے **الْحَمْدُ لِلّٰہ** کیوں کہا: فرمایا: دل میں میں نے **إِنَّا لِلّٰہ** بھی پڑھ لیا کہ سنت ہے لیکن اس سنت کے ساتھ ایک دوسری سنت بھی ادا کر رہا ہوں۔ **الْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَى كُلِّ حَالٍ**۔

خادموں نے کہا: حضرت اجازت دیجئے کہ ہم اس سے بدلہ لیں، فرمایا: تم لوگ میرے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو،

اللہ والے انتقام نہیں لیا کرتے۔^۱

واقعة منہک (۱۳۳): شیخ سعدی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے اپنے فارسی کلام میں جن اہم نصیحت والے امور اور عبرت والے واقعات کو بیان کیا ہے ان میں ایک یہ ہے: ایک مرتبہ دورانِ سفر ان کے جوتے پھٹ گئے اور بے کار ہو گئے۔

شیخ سعدی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** کو کئی میل تک پیدل بغیر جوتوں کے سفر کرنا پڑا حتیٰ کہ ان کے پیر زخمی ہو گئے۔ فرماتے ہیں: میں نے اس حالت میں اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ کیا:

اے اللہ! میں کتنا بے بس اور مفلس ہوں کہ تو نے مجھے جوتے تک نہیں دیئے اور میں ننگے پیر سفر کر رہا ہوں۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد شیخ سعدی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** نے دیکھا کہ ایک درخت کے سایہ میں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے جو دونوں پیروں سے محروم ہے۔ شیخ سعدی **رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی** فرماتے ہیں: میرے دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اٹھ گئے اور زبان سے بار بار شکر کے الفاظ نکلنے لگے کہ مولائے کریم! تیرا شکر ہے کہ تو نے جوتے نہیں دیئے مگر پیر تو سلامت ہیں جن سے چل پھر سکتا ہوں۔^۲

صبر کے آداب

صبر کے آداب میں سے ہے کہ شروع ہی سے صبر کیا جائے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ”صبر“ صدے کے ابتداء میں ہے، ہر مجلس میں بیٹھ کر اپنی پریشانیوں، ناکامیوں کا ذکر نہ کریں، تنہائی میں بھی ماضی کی ناکامیوں کو زیادہ نہ سوچیں، ہر حال میں خوش و خرم رہنے کی کوشش کریں۔

صبر کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مصیبت کے وقت: **”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“** کہے، جیسا کہ مسلم شریف میں اُمّ سلمہ **رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهَا** کی روایت ہے۔^۳

مصائب کے فوائد

۱ اللہ تعالیٰ دنیا میں مسلمانوں کو مصائب و تکالیف دے کر اس کا میل صاف کرتے ہیں، یعنی وساوس و معاصی سے جو غفلت قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اس کو دور کرتے ہیں، یہ تو آخرت کی بھلائی ہوئی۔

۲ دنیا کی بھلائی یہ ہوتی ہے کہ مصائب و تکالیف سے انسان کے اخلاق درست ہو جاتے ہیں اور اخلاق کی درستگی سے بہت راحت ملتی ہے کیوں کہ بدخلق سے سب کو وحشت ہوتی ہے، لوگ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ نیز اس کے یعنی (اہل مصیبت کے) دل پر دنیا کی حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ دنیا دل لگانے کی چیز نہیں ہے۔

۱ سکونِ قلب: ۱۷۴، ۱۷۶ ۲ سکونِ قلب: ۱۹۶ ۳ مسلم، الجنائز: ۳۰۱/۱

۴ تَرْجَمًا: ”ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“ ۵ مسلم، کتاب الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، رقم: ۲۱۲۶

۳ عبدیت غالب ہو جاتی ہے اور دعویٰ غرور و تکبر کا میل کچیل معلوم ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت واضح ہو کر سمجھ میں آ جاتی ہے کہ آدمی کو کبھی دعویٰ نہ کرنا چاہئے۔

۴ مصائب میں استحضار عظمتِ الہی کا ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی عاجزی زیادہ ظاہر ہوتی ہے، پس مصائب سے انسان پر عبدیت کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ عبدیت کا اعلیٰ مقام ہے۔

مصائب کے وقت بزرگوں کا بنایا ہوا ایک اصول یاد رکھیں!

مصائب کو گناہوں کی سزا سمجھو، یا ایمان کی آزمائش سمجھو، مگر یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں، کیوں کہ یہ خیال خطرناک ہے، اس سے تعلق ضعیف ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ تعلق زائل ہو جاتا ہے۔

مصائب کو ہلکا کرنے کی تدابیر

۱ اپنے گناہوں کو یاد کر کے کثرت سے گناہوں کی معافی مانگے۔

۲ مصیبت کے ثواب کو یاد کرے۔

۳ مصیبت کے وقت صبر مطلوب ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا تصرف سمجھ کر راضی رہے اور دل میں اللہ تعالیٰ سے شکایت نہ لائے، نہ لوگوں کے سامنے کہتا پھرے۔

۴ صبر کی ایک صورت یہ ہے کہ اہل مصائب کو سامنے رکھے، بالخصوص ان کو جن پر زیادہ مصیبت آئی ہے تو خود بخود وہ شکر کرے گا کہ ہم سے زیادہ مصیبت فلاں پر آئی ہے۔

دنیا کی نعمت بھی ہو تو اس میں بھی مصائب ملے ہوئے ہیں، کوئی نعمت ایسی نہیں کہ جس میں مصیبت کا دروازہ کھلا ہوا نہ ہو اور کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ جس میں نعمت کا راستہ نہ نکلتا ہو۔ تو یہاں کی نعمت محدود ہے اور مصیبت بھی یہاں کی لازوال نہیں ہے۔

۵ اکبر نے ایک قطعہ لکھا ہے وہ مانے ہوئے شاعر ہیں۔ انہوں نے بڑے ہی کام کی بات کہی ہے:

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے یعنی جینا ہے اور مرنا ہے

اب رہی بحث رنج و راحت کی وہ فقط وقت کا گزرنا ہے

واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے بڑے کام کی بات بتائی ہے کہ مصیبتوں کا خیال مت کرو اور منزل کی طرف متوجہ رہو؛ مگر منزل کا پتہ نہیں دیا۔

مطلب یہ ہے کہ تکلیف آئے تو صبر کرو اور خیال کر لو کہ یہ تو وقت کا گزرنا ہے؛ لیکن جائیں کہاں؟ اس قطعہ میں منزل مقصود کا پتہ نہیں دیا تو میں نے اس میں اپنے تین شعر بڑھا دیئے، تاکہ منزل کا پتہ بھی چل جائے۔

مراد اس سے قاری محمد طیب صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ہیں۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی
رہ گیا عز و جاہ کا جھگڑا
اور قابلِ ذکر بھی نہیں خورد و نوش
مقصدِ زندگی ہے طاعتِ حق
یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
وہ فقط وقت کا گزرنا ہے
یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے
یہ بھیگی کی خو سے لڑنا ہے
نہ کہ فکرِ جہاں میں پڑنا ہے

اگر اس مقصد کو پیشِ نظر رکھو تو ہر مصیبت ہلکی ہو جائے گی، یعنی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں گزر جائے یہ مقصد نہیں کہ دنیا کی فکروں میں پڑ کر اصل حقیقت کو بھول جائے۔^۱

مصائب کے برداشت کرنے کا طریقہ **تعلق مع اللہ** ہے۔ اس کو پیدا کر کے دیکھو، پھر سب مصائب طاقت کے اندر ہیں، کوئی بھی مصیبت برداشت سے باہر نہیں، کیوں کہ کام تو وہ خود کرتے ہیں تم صرف راستہ اور سڑک کی مانند ہو کہ کوئی کام تم سے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ حقیقت میں کرانے والے وہ خود ہیں، تو اب تحمل اس لئے ہو جائے گا کہ وہ تمہارے دل میں قوتِ برداشت پیدا کر دیں گے۔

مصیبت میں دواجر ہیں:

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو مصیبت سے جو تکلیف ہوتی ہے اس پر بھی اجر ملتا ہے اور صبر کا اجر الگ ہے۔ حضراتِ انبیاء **عَلَيْهِمُ السَّلَام** کے جو مراتب بلند ہیں اس کی یہی توجہ ہے کہ انہوں نے سب سے زیادہ قیود و حدود کا حق ادا کیا ہے۔ ان پر وہ بلائیں گزری ہیں جن کو دوسرا برداشت نہیں کر سکتا۔

تکالیف گناہوں کا کفارہ ہیں

جس طرح سونا نکھارا جاتا ہے آگ میں ڈال کر، اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو بھی دنیا میں اس طرح تکلیف دے کر ان کے گناہوں کو دھویا جاتا ہے اور یہ سمجھ لو گے تو گناہوں کا کفارہ بھی ہو جائے گا۔ ورنہ تکلیف تو یوں بھی آتی ہے جو اہل جنت ہیں ان کو دنیا میں تکالیف پہنچتی ہیں کیوں کہ یہ جنت کے تحفے ہیں اور اہل جہنم کو دنیا میں راحت اور عیش ملتا ہے کہ یہ جہنم کے گرد کے پھل ہیں۔

حضور **ﷺ** نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جنت نعمتوں کی جگہ بنائی اور جہنم تکالیف کی جگہ بنائی“ مگر ان کے گرد

^۱ سکونِ قلب: ۱۳۰، ۱۳۱ بحوالہ مجالس حکیم الاسلام

مصائب، پریشانیوں، بلائیں، الجھنیں، ٹینشن وغیرہ میں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے لئے راقم الحروف نے ایک کتاب ”پریشان ہونا چھوڑ دیجئے“ مرتب کی ہے۔ پریشان حال و بے چین لوگوں کے لئے ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔ کسی بھی معیاری دینی کتب خانے سے یہ کتاب طلب کی جاسکتی ہے۔

^۲ ترمذی، ابواب صفة الجنة: ۸۳/۲

ایک باڑ لگائی۔ جہنم کے گرد لذت اور عیش اور راحت، شہوات، دل لہانے والی چیزوں کی باڑ لگائی ہے۔ جنت کے گہرے محنت، تکلیف اور مشقت کی باڑ لگی ہوئی ہے، لہذا کانٹے، مصیبت اور تکلیف اٹھانے کے بعد ہی جنت میں داخلہ ہوگا۔

جنت کے تحفے

مؤمن کا ایمان سلامت رہے تو یہ تکلیف، غم، بیماری اور مصیبت یہ تحفے ہیں جنت کے، یہ کانٹا ہٹا جنت کا راستہ ملا۔ جو لذتوں میں مبتلا ہیں وہ سوچ سمجھ کر قدم رکھیں کہ اس میں کہیں خلاف شرع تو کچھ نہیں کہ یہ خدا نہ کرے کہیں جہنم کا تحفہ ہو، اللہ پاک ہر مؤمن کو اس سے بچائے۔

معیارِ مصیبت

جس مصیبت سے کوفت اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے اور جس سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہو، تسلیم و رضا زیادہ ہو، وہ حقیقت میں مصیبت نہیں، گو صورتِ مصیبت ہو اور صورتِ مصیبت رفع درجات و امتحانِ محبت کے واسطے بھی ہوتی ہے۔

واقعاتِ مصائب درحقیقت تجارت ہیں

یہ واقعاتِ مصائب درحقیقت سب تجارت میں داخل ہیں کہ ایک چیز ہم سے لی جاتی ہے اور اس کے عوض دوسری چیز دی جاتی ہے اور تجارت بھی ایسی کہ ۔

نیم جاں بستاند و جان دہد انچہ درد ہمت نیا ید آں دہد
علاوہ اس کے مصیبت حالاً تو مصیبت ہے مگر مالاً (مستقبل میں) نعمت ہے کیوں کہ اس سے منافع و مصالحِ دینیہ و دنیویہ حاصل ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ برسوں کے مجاہدات سے باطن کو وہ نفع نہیں ہوتا جو ایک ساعت کے حزن سے ہوتا ہے خاص کر ایمان کو پختگی ہوتی ہے جو امورِ باطنہ میں سب سے زیادہ افضل ہے۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

الصَّبِيُّ جَلَّالًا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے صبر کرنا چاہئے

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خدمت میں عرض کیا: مجھ پر مصائب اور حوادث اتنے آئے کہ سکونِ قلب: ۱۸۱۲۱۷۷ یہ اشعار حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی خانقاہ میں لکھے ہوئے تھے۔

ہیں کہ اگر خودکشی جائز ہوتی تو میں یقیناً کر لیتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا: اگر مصائب اور حوادث کوئی بری چیز ہوتی تو حق تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے لئے پسند نہ فرماتے؟

مانگنا تو عافیت ہی چاہئے لیکن اگر کوئی مصیبت آجائے تو رضا بالقضاء چاہئے، اللہ تعالیٰ کے حکم اور حکیم ہونے کا یقین رکھے اور ان پر ہی نظر رکھے۔

صبر کے درجات

تائبین کا صبر:

پہلا درجہ تائبین کا ہے۔ اس کا کیا مطلب کہ انسان اپنا غم اور پریشانی دوسروں کو بتانا چھوڑ دے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بیوی خاوند کو نہ بتائے، بیٹا باپ کو نہ بتائے، مریض حکیم کو نہ بتائے۔ نہیں، یہ ضروریات ہیں، ایک ہوتا ہے تذکرہ احوال کے لئے بتانا وہ نہیں بتانا چاہئے۔ اس کو بتایا اس کو بتایا، حالات سنانے کی خاطر بتانا، اس سے منع کیا گیا ہے۔ ورنہ کوئی تکلیف ہے تو ڈاکٹر کو بتا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بیٹا باپ کو بتائے کوئی حرج نہیں، بیوی خاوند کو بتائے تو کوئی حرج نہیں، آخر بیوی اگر اپنے خاوند کو نہ بتائے تو کس کو سناے گی، لیکن جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی زبان پر بات ہی یہی رہتی ہے، جہاں بیٹھے بس جی کیا کریں عجیب مصیبتوں میں پھنسے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ تو ہماری سنتا ہی نہیں، اس قسم کی گفتگو ہمیشہ شکوے میں شامل ہوتی ہے۔ ایسا کہنے والے گویا یوں کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا۔

زاہدین کا صبر:

دوسرا درجہ زاہدین کا ہے۔ وہ درجہ یہ ہے کہ انسان کو اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو وہ اس کے اوپر راضی رہے۔ جب بندہ ہر حال میں راضی ہوتا ہے، اچھے حالات ہوں تو بھی راضی ہے، برے حالات ہوں تو بھی راضی، تو وہ زاہدین کا صبر کہلاتا ہے۔

صدیقین کا صبر:

ایک تیسرا مرتبہ ہے جسے صدیقین کا درجہ کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہوتا ہے کہ جب بندے پر کوئی بلا اور مصیبت آتی ہے تو وہ اس پر خوش ہوتا ہے کہ پروردگار مجھ سے راضی ہے، کیوں کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ خوشیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کے روزانہ کھڑی ہوتی ہیں: اے اللہ! ہمارے لئے کیا فیصلہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فلاں فلاں ظالمین اور منافقین کے پاس چلی جاؤ، خوشیوں کو ان کے ہاں بھیج دیتے ہیں۔ اس کے بعد فاقے، پریشانیاں اور غم وغیرہ رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اچھا، تم میرے پیاروں کے پاس چلے جاؤ۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس بندے کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو اس پر پریشانیاں اس طرح آئیں گی جیسے پانی ڈھلوان کی طرف تیزی کے ساتھ چلتا ہے^۱ لیکن تھوڑی سی پریشانیاں ہیں۔ سو سال، پچاس سال کی زندگی میں دو دن، چار دن کی پریشانی کیا حیثیت رکھتی ہے، جب کہ آگے جا کر ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں اس کا اجر اور ثواب ملے گا۔ تاہم اللہ والوں کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ اگر ہمارا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہوگا تو ہمارے اوپر آزمائش اور ابتلائیں آئیں گی۔

خلاصہ: صبر کے ان تین درجات سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت ہم اپنی مصیبت دوسروں کو شکوہ شکایت کے طور پر نہ بتائیں اور مصیبت پر راضی رہنے کی کوشش کریں، اور راضی ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہوں کہ پروردگار ہم سے راضی ہیں، کیوں کہ تکالیف اور مصیبتیں نیک لوگوں پر ہی آتی ہیں۔^۲

مصیبت میں بھی غور کرنے سے شکر کا پہلو سامنے آئے گا

صبر..... رفع درجات کا سبب:

بعض اوقات بندہ اپنی عبادات کی وجہ سے اللہ رب العزت کے قریب وہ مقام نہیں پاسکتا جو اللہ تعالیٰ اسے دینا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اس کے اوپر کچھ برے حالات بھیج دیتے ہیں۔ جب وہ بندہ ان حالات میں صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سبب بنا کر اس بندے کو بلند مقام عطا فرما دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی بیمار آدمی صحت یاب ہوتا ہے تو اپنے گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔^۳ جس طرح خزاں کے موسم میں درخت کے پتے گرتے ہیں، اسی طرح بیمار آدمی کے جسم سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو دور کر دیا کرتے ہیں۔

حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ نے بے شمار مصیبتیں جھیلیں، پریشانیاں برداشت کیں۔ آپ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی جدائی کے صدمہ سے حضرت یعقوب عَلَيْهِ السَّلَامُ کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ تقریباً چالیس سال سے زائد عرصہ تک باپ سے جدا رہے۔ بعض روایات میں ستر سال تک جدائی کا عرصہ بیان کیا گیا ہے۔ جدائی کے یہ صدمات برداشت کرنے کے علاوہ حضرت یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ نے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں۔ آپ عَلَيْهِ السَّلَامُ کو کنوئیں میں ڈالا گیا، بازار میں فروخت کیا گیا، غلام بنایا گیا اس پر ہی بس نہیں۔ آپ عَلَيْهِ السَّلَامُ پر جھوٹی تہمت بھی لگائی گئی اور بے گناہ آپ کو قید و بند کی مشقتوں میں ڈالا گیا۔

غرض طویل عرصہ تک مصیبتیں برداشت کرتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مصائب و پریشانیوں سے نجات

^۱ سکون قلب: ۱۳۷ تا ۱۳۹

^۲ ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی فضل الفقر، رقم: ۲۳۵۰

^۳ سنن الدارمی، کتاب الرقاق: ۴۰۸/۲

دی اور اپنے والد سے ملاقات کی صورت پیدا ہوئی اور چالیس سال تک والد سے جدا رہنے کے بعد ملے تو اپنے والد ماجد سے چالیس سال کی پریشانیوں اور دکھڑوں کا تذکرہ نہیں فرمایا، بل کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا شروع کیا۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا جو کہ مجھے قید خانے سے نکالا اور باہر لے آیا جب کہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا۔ حالاں کہ اگر کسی عام آدمی پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ اس کو عمر بھر گاتا پھرتا ہے۔

یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ نے چالیس سالہ جدائی کی روئداد و منٹوں میں بیان فرمادی۔ یہ ہے پیغمبر کی شان کہ مصیبت کو بھی نعمت شمار کرتے ہیں۔ شکر کرنے والوں کی نظر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہوتی ہے۔

ایک شخص اگر کسی کا مہمان بنے اور میزبان اس کو پینے کے لئے دودھ کا آدھا گلاس دے دے تو شکر گزار بندہ جب اس واقعہ کو بیان کرے گا تو اس طرح کہے گا کہ میزبان نے پینے کے لئے دودھ کا گلاس پیش کیا جو آدھا بھرا ہوا تھا، اور اسی بات کو اگر اس طرح بیان کیا جائے کہ میزبان نے دودھ کا گلاس دیا جو آدھا خالی تھا، تو مطلب تو ایک ہی بنتا ہے لیکن انداز بیان کا اثر مختلف ہے۔ جس نے یہ کہا: آدھا بھرا ہوا تھا اس نے نعمت کی جہت کو اختیار کیا ہے، اس طرح اس نے شکر ادا کیا، اور جس نے کہا: میزبان نے دودھ کا آدھا خالی گلاس پیش کیا ہے، اس نے ناشکری کا انداز اختیار کیا، تو اہل اللہ کی نظر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے منعم (انعام کرنے والا) سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

صبر کی برکات

حالات کا تغیر:

انسانی زندگی کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کبھی خوشی کی گھڑیاں ہوتی ہیں اور کبھی غم کی کیفیت ہوتی ہے، کبھی انسان کا ہاتھ کھلا ہوتا ہے اور کبھی قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوتا ہے، کبھی جوانی اور صحت کا عالم ہوتا ہے اور کبھی بیماری کی وجہ سے چارپائی کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ زندگی غم اور خوشی کے درمیان گزرتی چلی جا رہی ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ وقت گزر رہا ہے مگر موت کے وقت پتہ چلتا ہے کہ وقت کیا گزرنا تھا خود ہی اس دنیا سے گزر گیا۔

سب کے لئے ایک ہی کام ہے کہ جینا ہے اور مرنا ہے، یعنی عمل کرنے ہیں اور حساب دینا ہے۔ رہ گئی خوشی اور غم کی بات تو یہ زندگی کی ترتیب ہے۔

شاکر و صابر ہونے کی دُعا

”الْبَصِيْرُ“ اسم مبارک کے ذریعے شاکر و صابر اور تواضع و مسکنت اور لوگوں کے دلوں میں احترام و محبت پیدا ہو

جائے اس کے لئے یہ دعا مانگنی چاہئے:

”اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي شَكُورًا وَاجْعَلْنِي صَبُورًا وَاجْعَلْنِي فِي عَيْنِي صَغِيرًا وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيرًا“^۱

ترجمہ: ”اے اللہ! مجھے نہایت شکر کرنے والا اور اعلیٰ درجے کا صبر کرنے والا بندہ بنا اور مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور

دوسروں کی نگاہ میں بڑا بنا دے۔“

تشریح: اس دعا کا آخری جز و خاص طور سے قابل توجہ ہے۔ بندے کو چاہئے کہ اپنے کو وہ چھوٹا اور حقیر و ذلیل سمجھے اور

ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ دوسروں کی نگاہ میں وہ ذلیل نہ ہو۔^۲

فَوَائِدُ وَنَصَائِحُ

۱ اس اسم مبارک سے تعلق پیدا کرنے والوں کو لازم ہے کہ خود بھی اعدائے دین (دین کے دشمنوں) کے کلماتِ اذیت کو سن کر برداشت کی عادت پیدا کریں۔ خود بھی صبر کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔^۳

۲ دین کی محنت میں جتنی تکالیف آئیں ان پر صبر کرنا، صبر کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے انبیاء عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نے دین کی خاطر کیسی کیسی مشقتیں جھیلیں، ہر ہر تکلیف پر صبر کے بدلے ان کے درجات اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوتے جاتے ہیں، ہمارے پیغمبر صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا درجہ اللہ ربُّ العزت کے ہاں سب سے بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی خدمتِ دین کے لئے قبول فرمائے اور اس کی راہ میں آنے والی تکلیف پر صبر کے ساتھ استقامت کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

۳ اس اسم مبارک کے تحت دی گئی ”صابر و شاکر بننے کی دعا“ کو یاد کر کے ہر وقت مانگتے رہیں۔

۱ مجمع الزوائد، کتاب الادعیۃ: ۲۱۱/۱۰، رقم: ۱۷۴۱۲

۲ معارف الحدیث: ۲۶۷/۵

۳ شرح اسماء حُسْنٰی: ۲۲۹ (منصور پوری)

مصادر و مراجع

- | اسماءُ کتب | اسماءُ مصنفین | ناشرین |
|--|--|----------------------------------|
| ① اللہ اہل الثناء والمجد..... | الدکتور ناصر بن مسفر الزہرانی..... | مؤسستہ الجریسی ریاض، سعودی عرب |
| ② الداء والدواء..... | علامہ ابن قیم الجوزی..... | بیروت، لبنان |
| ③ اللہ وحدہ..... | خورشید عالم گوہر..... | ریاض برادر، لاہور |
| ④ انوار البیان..... | مولانا محمد عاشق الہی صاحب..... | ادارۃ تالیفات اشرفیہ، ملتان |
| ⑤ النہج الاسمی فی شرح اسماء اللہ الحسنی..... | الشیخ محمد الحمود النجدی..... | مکتبۃ الامام الذہبی، الکویت |
| ⑥ الإصابة فی تمییز الصحابة..... | احمد بن علی بن الحجر العسقلانی، وفات ۸۵۲ھ..... | دار الباز، مکہ |
| ⑦ الكامل للمبرد..... | ابوالعباس محمد بن یزید المبرد..... | دار الکتب العلمیہ، بیروت |
| ⑧ احیاء علوم الدین..... | حجۃ الاسلام امام غزالی، وفات ۵۰۵ھ..... | دار الاشاعت، کراچی |
| ⑨ الترغیب والترہیب..... | الشیخ عبدالعظیم المنذری، وفات ۶۵۶ھ..... | دار الکتب العلمیہ، بیروت |
| ⑩ الحزب الاعظم..... | الشیخ ملا علی القاری..... | مجلس دعوت و تحقیق، کراچی |
| ⑪ آپ بیتی..... | شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ..... | معهد الخلیل الاسلامی، کراچی |
| ⑫ اصلاحي خطبات..... | مفتی محمد تقی عثمانی صاحب..... | میمن اسلامک پبلشرز، کراچی |
| ⑬ استغفار کے ثمرات..... | مولانا حکیم محمد اختر صاحب..... | کتب خانہ مظہری، کراچی |
| ⑭ بکھرے موتی..... | مولانا محمد یونس پالن پوری..... | مکتبۃ الشیخ سعید احمد خان، کراچی |
| ⑮ تفسیر مظہری..... | قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی..... | مکتبۃ رشیدیہ، کوئٹہ |
| ⑯ تفسیر قرطبی..... | ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری..... | دار الفکر، بیروت |
| ⑰ تفسیر عثمانی..... | علامہ شبیر احمد عثمانی، وفات ۱۳۶۹ھ..... | شاہ فہد پرنٹنگ پریس، ریاض |
| ⑱ تقویۃ الایمان..... | حضرت شاہ اسماعیل شہید..... | دار السلام |
| ⑲ تفسیر ابن کثیر..... | حماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، وفات ۷۷۷ھ..... | دار السلام، ریاض |
| ⑳ تفسیر ماجدی..... | مولانا عبدالماجد دریا آبادی..... | خان پبلشر، نئی دہلی |
| ㉑ تراشے..... | مفتی محمد تقی عثمانی صاحب..... | ادارۃ المعارف، کراچی |
| ㉒ حلیۃ الأولیاء..... | الامام احمد بن عبداللہ الاصفہانی الشافعی، وفات ۲۳۶ھ..... | دار الکتب العلمیہ، بیروت |

- (۲۳) **حياة الصحابة** مولانا محمد يوسف کاندھلوی، وفات ۱۳۸۲ھ کتب خانہ فیضی، لاہور
- (۲۴) **حياة الحيوان** علامہ کمال الدین دمیری ادارہ اسلامیات، لاہور
- (۲۵) **الفرج بعد الشدة والضيقة** ابراہیم بن عبد اللہ الحازمی دار الشریف النشر والتوزيع
- (۲۶) **درمنثور** الحافظ جلال الدین سیوطی، وفات ۹۱۱ھ دار الاحیاء التراث العربی، بیروت
- (۲۷) **دستور حیات** مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مجلس نشریات اسلام، کراچی
- (۲۸) **دیوان امام شافعی** امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ مکتبہ بیت العلم، کراچی
- (۲۹) **رسائل امام غزالی** امام محمد غزالی، وفات ۵۰۵ھ دار الاشاعت، کراچی
- (۳۰) **روح المعانی** علامہ سید محمود آلوسی البغدادی، وفات ۱۲۷۰ھ مکتبہ المدادیہ، ملتان
- (۳۱) **سنن ترمذی** ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، وفات ۲۷۹ھ قدیمی کتب خانہ، کراچی
- (۳۲) **سنن ابی داؤد** سلیمان ابن اشعث البجستانی، وفات ۲۷۵ھ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
- (۳۳) **سنن ابن ماجہ** ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوينی، وفات ۲۷۳ھ قدیمی کتب خانہ، کراچی
- (۳۴) **سنن النسائی** ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی، وفات ۳۰۳ھ قدیمی کتب خانہ، کراچی
- (۳۵) **سنن الكبرى للبيهقي** ابو بکر احمد بن حسین بن علی، وفات ۴۵۸ھ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- (۳۶) **سکون قلب** حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- (۳۷) **شرح اسماء حسنی** قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ادارہ اسلامیات، لاہور
- (۳۸) **شرح اسماء حسنی** علامہ عبد الصمد الازہری مکتبہ قاسمیہ، ملتان
- (۳۹) **شرح اسماء حسنی** مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مجلس نشریات اسلام
- (۴۰) **شرح اسماء الله الحسنی** امام رازی دار الکتاب العربی، بیروت
- (۴۱) **شریعت یا جہالت** محمد پالن حقانی گجراتی بیت العلم ٹرسٹ، کراچی
- (۴۲) **صفة الصفوة** محمد بن عبد الرحمن الجوزیہ دار الوعی بحلب
- (۴۳) **صحیح بخاری شریف** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، وفات ۲۵۶ھ قدیمی کتب خانہ، کراچی
- (۴۴) **صحیح مسلم شریف** ابو حسین مسلم بن الحجاج القشیری، وفات ۲۶۱ھ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
- (۴۵) **صحیح ابن حبان** الامیر علاء الدین بن بلبان الفارسی دار الفکر، بیروت
- (۴۶) **طیبی شرح مشکوٰۃ** شرف الدین حسین بن محمد الطیبی ادارۃ القرآن، کراچی
- (۴۷) **عمل اليوم والليلة** ابو عبد الرحمن بن شعیب النسائی الکتب الثقافیہ، بیروت
- (۴۸) **فضائل اعمال** شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کتب خانہ فیضی، لاہور

- ۴۹ کتاب الدعاء..... صاحبزادہ قاری عبدالباسط..... حلقہ دروس قرآن و حدیث، کراچی
- ۵۰ فضائل صدقات..... شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب..... کتب خانہ فیضی، لاہور
- ۵۱ کنز العمال..... علاء الدین علی المتقی وفات ۹۷۵ھ..... دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۵۲ کتابوں کی درسگاہ میں..... مولانا ابن الحسن عباسی..... مکتبہ عمر فاروق، کراچی
- ۵۳ گناہوں کو چھوڑنے پر انعامات..... ابراہیم بن عبد اللہ الحازمی..... دارالبلاغ
- ۵۴ قرآن آپ سے کیا کہتا ہے..... مولانا محمد منظور نعمانی..... ادارہ اسلامیات، لاہور
- ۵۵ مسند امام احمد..... امام احمد بن حنبل وفات ۲۴۱ھ..... دار احیاء التراث العربی، بیروت
- ۵۶ مجمع الزوائد..... نور الدین الہیثمی وفات ۸۰۷ھ..... دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۵۷ مصنف ابن ابی شیبہ..... الحافظ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی وفات ۲۴۵ھ..... دار الفکر، بیروت
- ۵۸ معارف القرآن..... حضرت مفتی محمد شفیع وفات ۱۳۹۶ھ..... ادارۃ المعارف، کراچی
- ۵۹ معارف القرآن..... مولانا محمد ادریس کاندھلوی..... فرید بکڈپو، دہلی
- ۶۰ مشکوٰۃ المصابیح..... شیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ وفات ۷۳۷ھ..... ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
- ۶۱ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ..... الشیخ ملا علی القاری وفات ۱۰۱۴ھ..... مکتبہ امدادیہ، ملتان
- ۶۲ مظاہر حق..... نواب محمد قطب الدین..... دارالاشاعت، کراچی
- ۶۳ مدارج السالکین..... ابو عبد اللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب..... المنار، مصر
- ۶۴ معارف الحدیث..... مولانا محمد منظور نعمانی..... دارالاشاعت، کراچی
- ۶۵ منتخب احادیث..... مولانا محمد یوسف کاندھلوی وفات ۱۳۸۴ھ..... زمزم پبلشرز، کراچی
- ۶۶ مثنوی مولوی معنوی..... مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ..... اسلامی کتب خانہ، لاہور
- ۶۷ موت کا منظر..... خواجہ محمد اسلام..... مکتبہ رحمانیہ، لاہور
- ۶۸ مثالی استاذ (اول، دوم)..... محمد حنیف عبد المجید..... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی
- ۶۹ مستند مجموعہ وظائف..... علمائے بیت العلم..... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی
- ۷۰ مخزن اخلاق..... مولانا رحمت اللہ سبحانی..... سنی پبلی کیشنز، لاہور
- ۷۱ منہج الامام ابن قیم الجوزیہ..... مشرف بن علی بن عبد اللہ..... دار ابن الجوزیہ
- ۷۲ ندائے منبر و محراب..... مولانا محمد اسلم شیخوپوری..... صدف پبلشرز، کراچی
- ۷۳ فی ظلال شرح اسماء اللہ الحسنی..... السید عبدالغنی زاہد..... مکتبہ عباد الرحمن، مصر
- ۷۴ الفوائد..... لابن قیم الجوزیہ..... مکتبہ نزار مصطفی الباز، الرياض

- ۷۵ خزینہ..... مولانا اسلم شیخ پوری..... مکتبہ علمیہ
- ۷۶ بدائع الصنائع..... علامہ علاء الدین بن مسعود کاسانی..... ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
- ۷۷ قرآنی افادات..... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی..... زمزم پبلشرز، کراچی
- ۷۸ سمیر المؤمنین..... شیخ عبداللہ بدران..... دارالخیر، دمشق
- ۷۹ اسد الغابہ..... عزالدین ابن الاثیر جزری..... دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۸۰ تاریخ الخلفاء..... حافظ جلال الدین سیوطی..... دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۸۱ علو الہمة..... محمد احمد اسماعیل المقدم..... دار طبیبہ الخضراء، مکہ المکرمہ
- ۸۲ تفسیر ابن کثیر..... اسماعیل بن کثیر الدمشقی..... دار احیاء التراث العربی
- ۸۳ ذکر و فکر..... مفتی محمد تقی عثمانی صاحب..... مکتبہ المعارف دارالعلوم، کراچی
- ۸۴ المواہب اللدنیہ..... امام احمد بن محمد قسطلانی..... فرید بک اسٹال، لاہور
- ۸۵ تفسیر کبیر..... امام فخرالدین الرازی..... دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۸۶ اختلاف امت اور صراط مستقیم..... مولانا یوسف لدھیانوی شہید..... مکتبہ لدھیانوی، کراچی
- ۸۷ اکابر و یوبند کیا تھے؟..... مفتی محمد تقی عثمانی صاحب..... ادارۃ المعارف، کراچی
- ۸۸ البدایہ والنہایہ..... اسماعیل بن کثیر الدمشقی..... دار احیاء التراث العربی
- ۸۹ بیان القرآن..... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی..... تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی
- ۹۰ المعجم الکبیر..... الحافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی..... دار احیاء التراث العربی
- ۹۱ المعجم الوسیط..... لجنة العلماء..... مکتبہ القاہرہ
- ۹۲ قصص الحدیث..... مولانا محمد زکریا اقبال صاحب..... دارالاشاعت، کراچی
- ۹۳ دل کی دنیا..... مفتی محمد شفیع صاحب..... ادارۃ المعارف، کراچی
- ۹۴ مکاشفۃ القلوب..... امام غزالی..... دارالاشاعت، کراچی
- ۹۵ عقل والوں کے لئے اللہ کی نشانیاں..... ہارون یحییٰ..... ادارہ اسلامیات، لاہور
- ۹۶ حاشیۃ الجمل علی الجلالین..... الشیخ سلیمان الجمل..... قدیمی کتب خانہ، کراچی
- ۹۷ المعجم المفہرس..... لفیف من المستشرقین..... دارالدعوة، استنبول
- ۹۸ تفسیر ابن عباس..... لابی طاہر محمد بن یعقوب الشیرازی الشافعی..... تاج کتب خانہ، مردان، سرحد
- ۹۹ الادب المفرد..... حافظ الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری..... دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ۱۰۰ فتح القدیر..... الامام محمد بن علی بن محمد الشوکانی..... دار ابن حزم

- ①۰ لسان العرب.....امام جمال الدین ابن منظور.....دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ①۱ روح المعانی.....العلامة السيد محمد الآلوسی.....مکتبہ امدادیہ، مٹان
- ①۲ الاستیعاب.....عمر یوسف بن عبداللہ.....دارالکتب العلمیہ
- ①۳ سی الصحابة.....لجنة العلماء.....اداره اسلامیات، لاہور
- ①۴ فتح الباری.....حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی.....دارالسلام، ریاض
- ①۵ عمدة القاری.....امام بدرالدین العینی.....دارالکتب العلمیہ
- ①۶ شان الدعاء.....لابی سلیمان حمد بن محمد خطابی الحافظ.....دارالمأمون للتراث
- ①۷ امداد الفتاوی.....مولانا اشرف علی تھانوی.....مکتبہ دارالعلوم، کراچی
- ①۸ مستدرک للحاکم.....امام ابو عبداللہ حاکم النیسابوری.....دارالحرمین
- ①۹ صور من حياة التابعین.....الدكتور عبدالرحمن رأفت الباشا.....مکتبہ غفوریہ، کراچی
- ②۰ شرح اسماء اللہ الحسنی.....السید عبدالغنی زاهد.....مکتبہ العلوم والحکم، مصر
- ②۱ حصن حصین.....علامہ ابن جزری.....میر محمد کتب خانہ، کراچی
- ②۲ مجموعہ رسائل.....امام محمد غزالی.....دارالاشاعت، کراچی
- ②۳ فیروز اللغات.....فیروز سنز.....فیروز سنز، کراچی
- ②۴ الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النواویہ.. محمد بن علان صدیقی.....المکتبہ الإسلامیہ
- ②۵ النہایہ فی غریب الحدیث.....علامہ ابن الاثیر.....داراحیاء التراث العربی، بیروت
- ②۶ نزہۃ السبائین.....حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی.....دارالاشاعت، کراچی
- ②۷ بحر محیط.....محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی.....دارالکتب العلمیہ
- ②۸ مؤطا للإمام مالک.....امام مالک بن انس.....نور محمد کتب خانہ، کراچی
- ②۹ ذیل طبقات حنابلہ.....الحافظ ابو الفرج عبدالرحمن.....دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ③۰ المعجم الاوسط.....امام حافظ سلیمان بن احمد طبرانی.....دارالکتب العلمیہ، بیروت
- ③۱ مختصر المعانی.....مسعود بن عمر التفتازانی.....دارالحدیث

جلد اول میں ذکر کی گئی دعاؤں کی فہرست اور فوائد و فضائل

نمبر شمار	دعاؤں کے الفاظ	دعاؤں کے فوائد	صفحہ نمبر
①	"اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِيْ قَلْبِيْ رَجَائَكَ....."	غیر اللہ کو دل سے نکالنے کی دعا	۴۶
②	"اَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلَيَّ وَجْهَكَ....."	اللہ جل جلالہ سے ملاقات کی دعا	۵۵
③	"اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا....."	کرب و پریشانی کے وقت اللہ جل جلالہ سے یہ دعا مانگئے	۵۶
④	"يَا رَبِّ يَا رَبِّ اَرْحَمُ....."	نہایت ہی عاجزانہ و وابہانہ رحمت الہی مانگنے کی دعا	۶۶
⑤	"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تَدْعُوْا....."	موتے وقت کی دعا	۶۸
⑥	"يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ....."	پریشانی میں "الرحمن جل جلالہ" کی رحمت کا واسطہ دے کر مانگئے	۷۱
⑦	"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِکُ لَا شَرِيْكَ لَكَ....."	"الملك جل جلالہ" کی مالکیت اور وحدانیت کے اقرار کی دعا	۷۵
⑧	"سُبُوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ....."	زکوع میں عظمت الہی کا اقرار اور سجدہ میں مانگنے کی دعا	۸۰
⑨	"سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ....."	نوتر کے بعد کی دعا	۸۰
⑩	"اٰیَةُ الْکُرْسِیِّ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ....."	بدن کی سلامتی اور جنات، جادو، آسیب سے حفاظت کا مجرب وظیفہ	۸۷
⑪	"اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ....."	بچوں کو نظر بد سے بچانے کی دعا	۸۸
⑫	"اَسْتُوْدِعُ اللّٰهَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِکَ....."	جب کوئی گھر سے باہر جائے تو اسے یہ دعا مانگ کر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیں	۸۸
⑬	سورة البقرہ.....	جادو، تعویذ اور نظر بد سے حفاظت کے لئے	۸۹
⑭	"بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلٰی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ....."	گھر نکلتے وقت سلامتی کی دعا	۹۰
⑮	"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُضِلَّ اَوْ اُضِلَّ....."	گھر سے نکلتے وقت کی دعا	۹۱
⑯	"يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اُصْلِحْ....."	اسم اعظم کے ذریعے رحمت الہی کی فریاد	۹۲
⑰	"اَللّٰهُمَّ اُصْلِحْ لِيْ دِیْنِی الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةٌ....."	دنیا و آخرت کی درستگی کے لئے ایک بہترین دعا	۹۲
⑱	"اَللّٰهُمَّ اُکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ....."	قرض ادا کرنے کے لئے مجرب دعا	۹۲
⑲	"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا....."	عافیت کی دعا	۹۳

- ۳۰) "أَعُوذُ بِوَجْهِ اللَّهِ الْعَظِيمِ الَّذِي لَيْسَ شَيْءٌ....." جادو سے بچاؤ کی دعا ۹۳
- ۳۱) "اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ....." اللہ کے نام "السلام جل جلالہ" کے ذریعے سلامتی حاصل کرنے کی دعا ۹۴
- ۳۲) "يَا سَلَامُ سَلِّمْنَا وَسَلِّمْنَا....." موٹر سائیکل پر سوار ہو کر پڑھئے ۹۴
- ۳۳) "قرآنی آیات پر مشتمل منزل"..... جنون سے سلامتی کے لئے نبوی نسخہ و منزل ۹۴
- ۳۴) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَشْرِكَ....." مستقبل میں شرک سے بچنے اور ماضی میں لاعلمی سے شرک کی غلطی پر معافی مانگنے کی دعا ۱۰۴
- ۳۵) "رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا....." ایمان کی حفاظت کے لئے مانگئے ۱۰۶
- ۳۶) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا يَبَاسِرُ قَلْبِي....." ایمان دل میں رچ بس جائے اس کے لئے یہ دعائیں مانگئے ۱۰۶
- ۳۷) "اللَّهُمَّ أَعْطِنِي إِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ وَيَقِينًا....." ۱۰۷
- ۳۸) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا لَا يَرْتَدُّ....." ۱۰۷
- ۳۹) "اللَّهُمَّ زَيِّنَا بِزِينَةِ الْإِيْمَانِ....." ۱۰۷
- ۴۰) "اللَّهُمَّ امْنَانِي أَوْطَانِنَا....." امن کے لئے امام حرم کی مختصر دعا ۱۰۷
- ۴۱) سورة القدر رزق کی تنگی اور دشمن سے حفاظت کے لئے پڑھئے ۱۰۷
- ۴۲) "اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَوْعَاتِي....." خوف اور پریشانی کے وقت کی دعا ۱۰۸
- ۴۳) "اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، بِسْمِ اللَّهِ....." حفاظت کے لئے دعائے انس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ۱۱۲
- ۴۴) "تَمَّ نُورُكَ فَهَدَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ....." چار رکعت نماز حاجت پڑھ کر یہ پیاری اور مسنون دعا مانگ کر اپنے مسائل حل کروائیں ۱۲۱
- ۴۵) "يَا جَابِرُ كُلِّ كَسِيرٍ وَمُسْهَلِ كُلِّ عَسِيرٍ....." "الجبار جل جلالہ" سے مشکل کام کو آسان کروانے اور ادھورے کام کو پورا کروانے کی دعا ۱۳۱
- ۴۶) "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاجْبُرْنِي....." "الجبار جل جلالہ" سے دو بجدوں کے درمیان مانگنے کی دعا ۱۳۱
- ۴۷) "سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ....." "الجبار جل جلالہ" کی پیاری تسبیح حدیث کے الفاظ میں اور دو بجدوں کے درمیان پانچ مختصر لیکن بہت ہی قیمتی دعائیں ۱۳۱
- ۴۸) "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي فِي عَيْنِي صَغِيرًا....." اپنے اندر تواضع پیدا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی دل میں بٹھانے کے لئے دعا ۱۴۷

- ۳۹ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مُطِيعِيْنَ لِأَمْرِكَ....." گناہوں سے بچنے اور نیکیوں پر عمل کرنے کی توفیق مانگنے کی دعا..... ۱۸۸
- ۴۰ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْخَالِقُ الْجَلِيْلُ....." "الخالق جل جلاله" سے صفت خالق اور صفت عظمت کا واسطہ دے کر مانگئے۔ ۱۸۵
- ۴۱ "رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ....." دشواری کے دور ہونے کا عمل..... ۱۸۶
- ۴۲ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ....." سید استغفار گناہوں کی معافی مانگنے کی سب سے بہترین دعا، بل کہ دعاؤں کی سردار..... ۱۸۷
- ۴۳ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ....." اللہ سے بخشش مانگنے کے مختلف کلمات..... ۱۸۷
- ۴۴ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَتُبْ عَلَيْنَا....." اللہ تعالیٰ سے مغفرت، رحمت اور توبہ کے کلمات..... ۱۸۷
- ۴۵ "يَا مَنْ لَا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ....." گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے پیاری دعا..... ۱۸۷
- ۴۶ "جُرْمِيْ عَظِيْمٌ وَعَفْوُكَ كَبِيْرٌ....." ایک عابد کی والہانہ دعا..... ۱۸۸
- ۴۷ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ....." صبح و شام "سید الاستغفار" کی دعا..... ۱۸۸
- ۴۸ "يَا غَفَّارُ اغْفِرْ لِيْ....." دونوں سجدوں کے درمیان جلسے میں مانگنے کی دعا..... ۱۸۹
- ۴۹ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهُ دِقَّةً وَجَلَّةً....." تہجد کے سجدے میں مانگنے کی دعا..... ۱۸۹
- ۵۰ "يَا رَبِّ اِنِّيْ اُذْنِبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْ لِيْ....." حدیث میں مغفرت کی مختصر دعا..... ۱۸۹
- ۵۱ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ....." اللہ تعالیٰ کی محبت چاہنے کی دعا..... ۱۹۸
- ۵۲ "يَا رَازِقَ مَرْيَمَ ثَمَارَ الصَّيْفِ فِي السَّيْتَاءِ....." حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا..... ۲۰۵
- ۵۳ "رَبِّ اِنِّيْ وَهْنُ الْعَظْمِ مِنِّيْ....." اولاد سے مایوسی کی حالت میں قرآنی دعا..... ۲۰۵
- ۵۴ "رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً....." نیک اولاد کی طلب کے لئے دعا..... ۲۰۶
- ۵۵ "رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ....." ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے قرآنی دعا..... ۲۰۶
- ۵۶ "وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا....." اولاد کی اصلاح کے لئے "الوہاب جل جلاله" سے یہ دعا مانگیں..... ۲۰۷
- ۵۷ "اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ....." بچوں کا جادو، ٹونہ وغیرہ سے حفاظت کے لئے..... ۲۰۷
- ۵۸ "وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ....." اولاد کو شرک اور بت پرستی سے محفوظ رکھنے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا..... ۲۰۸
- ۵۹ "رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا....." بیوی بچوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک، دلوں کا سرور بنانے کی دعا..... ۲۱۰
- ۶۰ "اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ....." دوسروں کو مال اور اولاد کی کثرت کی دعا دینا..... ۲۱۱
- ۶۱ "رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلَاةِ....." اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے نماز کی پابندی کی دعا، ہر والد یہ دعا مانگے..... ۲۱۱

- ۶۲) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَلَدٍ يَكُونُ....." مال اور اولاد کے شر سے حفاظت کے لئے دعا ۲۱۱
- ۶۳) "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى الْعَلِيِّ الْوَهَّابِ....." دعا کے شروع میں پڑھنے کے کلمات ۲۱۲
- ۶۴) "اللَّهُمَّ هَبْ لِي إِيمَانًا وَبِقِينًا وَمَعَاهَاةً وَنِيَّةً....." حضرت ابوبکر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ایمان اور عافیت ان الفاظ سے مانگتے تھے..... ۲۱۳
- ۶۵) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا....." فجر کی نماز کے بعد مانگنے کی بہت ہی اہم دعا ۲۳۰
- ۶۶) "اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ....." گناہوں کی زندگی چھوڑ کر رزق کی تنگی سے حفاظت کے لئے ایک مجرب وظیفہ ۲۳۰
- ۶۷) "اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ....." بڑھاپے میں رزق میں وسعت کی دعا ۲۳۱
- ۶۸) "اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْمَا رَزَقْتَنَا....." رزق ظاہری اور رزق باطنی دونوں میں برکت کی دعا ۲۳۲
- ۶۹) "اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِكَ وَلَا تَحْرِمْنَا....." روزی کی برکت کے لئے مبارک دعا ۲۳۲
- ۷۰) "اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أُعْطِيتَ....." توحید دل میں بسانے کے لئے نمازوں کے بعد مانگی جانے والی پیاری دعا ۲۳۵
- ۷۱) "اللَّهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ....." مسجد میں داخل ہونے کی دعا ۲۳۷
- ۷۲) "اللَّهُمَّ كَمَا صُنْتَ وَجْهِي عَنِ السُّجُودِ لِغَيْرِكَ....." لوگوں سے سوال کرنے اور محتاجی سے بچنے کی دعا ۲۴۲
- ۷۳) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهُ....." ہر قسم کی بھلائی مانگنے کی دعا ۲۴۳
- ۷۴) "يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُونُ..... وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُونُ....." اللہ تعالیٰ کی صفت "العلیم" کے اظہار کی دعا ۲۴۸
- ۷۵) "اللَّهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي....." دنیا و آخرت میں نفع پہنچانے والے علم کے حصول اور پھر اس علم کو نفع مند بنانے کی دعا ۲۵۹
- ۷۶) "يَا مَنْ أَظْهَرَ الْجَمِيلِ....." "الباسط جل جلالہ" سے جہنم کی پناہ مانگئے ۲۶۴
- ۷۷) "اللَّهُمَّ ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ....." "الباسط جل جلالہ" سے فراخی رزق کی دعا مانگئے ۲۶۵
- ۷۸) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ....." نعمت کے زائل ہو جانے اور عافیت کے پھر جانے سے پناہ مانگئے ۲۷۳
- ۷۹) "اللَّهُمَّ لَا تَنْزِعْ مِنَّا صَالِحَ مَا أُعْطِيتَنَا....." ۲۷۳
- ۸۰) "اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِي وَتَرَى مَكَانِي....." میدان عرفات میں مانگی جانے والی ایک خاص دعا ۲۸۸
- ۸۱) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْأَمَانَةَ....." "الحکم جل جلالہ" سے تندرستی، پاک دامنی، امانت داری، اچھے اخلاق اور قضاء و قدر پر راضی رہنے کی دعا ۳۰۶
- ۸۲) "بِسْمِ اللَّهِ عَلَى نَفْسِي وَمَالِي وَدِينِي....." دعائے انس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ حفاظت و عافیت کے لئے صبح و شام

- گھر کے مرد یہ دعا مانگیں..... ۳۸۰
- ۸۳) "اللَّهُمَّ الطُّفُّ بِي فِي تَيْسِيرِ كُلِّ عَسِيرٍ....." "اللطيف جل جلاله" سے کاموں میں لطف، مہربانی، سہولت اور آسانی مانگنے کی دعائیں..... ۳۸۳
- ۸۴) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ اللُّطْفَ....."..... ۳۸۴
- ۸۵) "يَا لَطِيفًا بِخَلْقِهِ يَا خَبِيرًا بِخَلْقِهِ....."..... ۳۸۴
- ۸۶) "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ....." "الحليم جل جلاله" سے صفتِ حلم اور صفتِ کرم کا واسطہ دے کر ہر ضرورت اور ہر حاجت مانگئے..... ۳۸۵
- ۸۷) "سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا....." رکوع اور سجدے میں مانگنے کی دعا..... ۳۸۴
- ۸۸) "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ....." اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد و ثناء بیان کر کے بے چینی دور کرنے کی مسنون اور مستند دعا..... ۳۸۵
- ۸۹) "اللَّهُمَّ إِنَّكَ رَبُّ عَظِيمٍ لَا يَسْعُكَ....." ذلت اور رسوائی سے بچنے کے لئے بہترین دعا..... ۳۸۶
- ۹۰) "حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ....." دن بھر کے کاموں کی کفالت کے لئے دعا..... ۳۸۶
- ۹۱) "اللَّهُمَّ مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ....." "الشکور جل جلاله" کے احسانات کے اعتراف و اقرار کرنے کی صبح کے وقت کی دعا جس کو مانگنے سے بندہ شکر گزار کہلاتا ہے..... ۳۸۱
- ۹۲) "اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ....." ہر نماز کے بعد ذکر و شکر پر مدد مانگنے کی دعا..... ۳۵۳
- ۹۳) "رَبِّ أَعِنِّي وَلَا تُعِنِّ عَلَيَّ وَأَنْصُرْنِي....." نصرت اور مددِ الہی مانگنے کی دعا..... ۳۵۳
- ۹۴) "يَا عَلِيمُ يَا حَلِيمُ يَا عَلِيُّ يَا عَظِيمُ....." اللہ تعالیٰ سے اس کے پیارے ناموں کے ذریعے دعا مانگئے..... ۳۶۰
- ۹۵) "اللَّهُمَّ يَا عَلِيمُ يَا حَلِيمُ يَا عَلِيُّ....." ہر شریر مخلوق کے شر سے اور حقین کے فتنے سے حفظ و مقدم کے طور پر حفاظت کی دعا مانگیں..... ۳۶۱
- ۹۶) "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ....." صبح شام اپنی حفاظت کے لئے تین تین مرتبہ یہ دعائیں مانگیں..... ۳۸۰
- ۹۷) "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ....."..... ۳۸۱
- ۹۸) "(قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ) (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ)....." جادو اور نظر بد سے حفاظت کے لئے مجرب عمل..... ۳۸۱
- ۹۹) "اللَّهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو....." بے قرار اور بے چین شخص کے لئے ان الفاظ سے دعا مانگنے کی ہدایت نبوی..... ۴۱۷
- ۱۰۰) "يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ أَغْنِنِي....." عاجزی و انکساری میں فریاد کے الفاظ..... ۴۲۲
- ۱۰۱) "يَا مَنْ يَرَى مَا فِي الضَّمِيرِ....." علامہ سیہلی رَحِمَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى کے عجیب دعائیہ کلمات و مناجات..... ۴۲۹

- ①۰۲ "اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ الصَّادِقَةُ....." پریشانیاں و بے چینیاں کا فور کرنے کی دعا..... ۴۳۰
- ①۰۳ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ....." عفو و عافیت یعنی پرسکون رہنے کے لئے یہ دعا مانگیں..... ۴۳۱
- ①۰۴ "اللَّهُمَّ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَهْلًا....." عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى کے عجیب دعائیہ کلمات..... ۴۳۸
- ①۰۵ "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَسِّعْ لِي خُلُقِي....." "الواسع حل جلاله" سے وسعت اخلاق مانگیں..... ۴۳۹
- ①۰۶ "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَوَسِّعْ لِي فِي دَارِي....." وضو کے درمیان میں مانگنے کی دعا..... ۴۳۹



جلد دوم میں ذکر کی گئی دعاؤں کے فوائد و فہرست

نمبر شمار	دعاؤں کے الفاظ	دعاؤں کے فوائد	صفحہ نمبر
①	"اللَّهُمَّ الْهِمِّنِي رُشْدِي وَأَعِزَّنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي....."	رشد و ہدایت کے حصول کی دعا	۴۱
②	"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ....."	محبت الہی کے لئے مفید دعا	۵۱
③	"لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ....."	شدت و تکلیف کے موقع پر مانگی جانے والی پیاری دعا	۵۴
④	"اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ....."	دل کو سفید کپڑے کی طرح صاف کیجئے	۶۳
⑤	"اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ تَسَلَّفْتُ....."	اللہ تعالیٰ کے ضمان میں آ جانے کی دعا	۶۹
⑥	"اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ....."	الحق جل جلالہ سے تہجد کے وقت مانگنے کی دعا	۷۷
⑦	"تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ....."	تنگ دستی، بے چینی اور ٹینشن دور کرنے کے لئے دعا	۹۳
⑧	"اللَّهُمَّ أَسَلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ....."	سوئے سے پہلے ایمان کی حفاظت کے لئے	۹۴
⑨	"لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ....."	مصائب سے نجات اور مقاصد کے حصول کے لئے مجرب نسخہ	۱۰۰
⑩	"اللَّهُمَّ إِنِّي ضَعِيفٌ فَقَوِّ فِي رِضَاكَ ضَعْفِي....."	القوی جل جلالہ سے مانگنے کے الفاظ نبوی	۱۰۲
⑪	"إِلَهِي لَقَدْ خَلَقْتَنِي بِأَمْرِكَ وَأَقَمْتَنِي فِي بَلَايَا....."	اتین جل جلالہ سے مانگنے کی ایک دعا	۱۰۲
⑫	"يَا وَلِيَّ الْإِسْلَامِ وَأَهْلِيهِ ثَبِّتْنِي حَتَّى الْقَالِكِ....."	اسلام پر ثابت قدمی کی دعا	۱۱۹
⑬	"الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا....."	وہ دعا جس کا ثواب لکھنے میں فرشتے لڑ پڑے	۱۲۶
⑭	"إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ....."	جنت میں گھر بنانے والی دعا	۱۲۶
⑮	"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي مَا أُوَارِي بِهِ عَوْرَتِي....."	نعمتوں کے عطا کرنے پر الحمد جل جلالہ کی ان الفاظ سے تعریف	۱۲۷
⑯	"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بِنِعْمَتِهِ تَتِمَّ الصَّالِحَاتُ....."	کسی پسندیدہ چیز کو دیکھنے اور کسی کام کے مکمل ہونے پر اللہ کا شکر	۱۲۷
⑰	"الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ....."	ہر حال میں اللہ کی تعریف کرنے کے الفاظ	۱۲۷
⑱	"اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا لَدَيْ تَقُولُ....."	اللہ تعالیٰ کی حمد کے لئے پیاری دعا	۱۲۸
⑲	"اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ شُكْرًا وَلَكَ الْمَنُّ فَضْلًا....."	اللہ تعالیٰ کی تعریف شکر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف فضل کے ساتھ بیان کرنے والے الفاظ	۱۲۸
⑳	"الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَفَانِي وَأَوَانِي أَطْعَمَنِي وَسَقَانِي....."	سونے، کھانے، پینے اور ٹھکانہ حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے کی دعا	۱۲۸

- ۳۱) "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ" رکوع سے اٹھ کر الحمید جل جلالہ کی تعریف کرنے کی دعا ۱۲۹
- ۳۲) "اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلَأُ السَّمَوَاتِ" رکوع سے اٹھ کر قومہ کے اندر حمد و شکر کی عجیب ملکوتی دعا ۱۲۹
- ۳۳) "يَا رَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ" حمد و ثناء کی ایک مختصر، عمدہ اور نفیس دعا ۱۳۰
- ۳۴) "اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ، وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ" تمام تعریفات اور ساری بادشاہت کا اقرار و اعتراف کرنے کی دعا ۱۳۰
- ۳۵) "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ" "سو مرتبہ پڑھنا سب سے افضل عمل ہے" ۱۳۲
- ۳۶) "يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُونُ" "ایسی دعا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی سے سونا ہدیہ میں دیا ۱۳۵
- ۳۷) "بِسْمِ اللَّهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ" اللہ تعالیٰ کے نام کا وسیلہ دے کر ہر چیز کے نقصان سے بچاؤ کی دعا ۱۵۱
- ۳۸) "اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أُمُوتُ وَأَحْيَا" سوتے وقت کی دعا ۱۵۵
- ۳۹) "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ" نیند سے بیدار ہوتے وقت الحمد جل جلالہ کی تعریف بیان کیجئے ۱۵۵
- ۴۰) "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ" اسم اعظم کے وسیلے سے دعا کیجئے ۱۵۸
- ۴۱) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ" اسم اعظم کے ذریعے دعا کیجئے ۱۶۴
- ۴۲) "أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ" اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی بخشش کی دعا ۱۶۵
- ۴۳) "اللَّهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ أَمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ" الٰہی جل جلالہ سے مانگنے کی ایک قیمتی دعا ۱۶۶
- ۴۴) "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ" "دلوں کو زندہ رکھنے والی دعا ۱۶۶
- ۴۵) "يَا قَدِيمُ يَا خَفِيُّ يَا دَائِمُ" اللہ تعالیٰ کے ناموں کا وسیلہ دے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس طرح دعا مانگتے تھے ۱۹۹
- ۴۶) "سُبْحَانَ الْأَبَدِيِّ الْأَبَدِ" "قرب الٰہی کی والہانہ دعا ۱۹۹
- ۴۷) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ" اسم اعظم ۲۰۴
- ۴۸) "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ يَا اللَّهُ بِأَنَّكَ الْوَاحِدُ" نماز میں تشہد کے بعد "الصمد جل جلالہ" سے مغفرت طلب کرنے کی دعا ۲۰۴
- ۴۹) "اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ" اپنی کمزوری اور عاجزی کا اقرار، اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت کا سہارا مانگنے اور پریشانی دور کرنے کی دعا ۲۰۵
- ۵۰) "اللَّهُمَّ إِنَّكَ مَلِكٌ مُقْتَدِرٌ مَا تَشَاءُ مِنْ أَمْرٍ يَكُونُ" اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بادشاہت کا واسطہ دے کر دعا قبول کرائیے ۲۱۲
- ۵۱) "أَعُوذُ بِاللَّهِ وَقُدْرَتِهِ" "ورد کی جگہ ہاتھ رکھ کر پڑھیں ۲۱۲
- ۵۲) "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ" "گلے پچھلے سب گناہوں کی معافی کی دعا ۲۱۵
- ۵۳) "أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ۲۲۴
- ۵۴) "اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ" رات کو سوتے وقت ادائیگی قرض کی دعا ۲۲۶

- ۴۳۷..... "هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ" شیطانی وساوس سے بچنے کی دُعا
- ۴۳۸..... "اللَّهُمَّ أَرْضِنِي بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا قُدِّرَ لِي" الوالی جل جلالہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کی دُعا
- ۴۳۹..... "اللَّهُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِيمِ وَالْمَنِّ الْقَدِيمِ ذَا الْوَجْهِ" نظر بد دور کرنے کے لئے الوالی جل جلالہ سے اس کی عظیم سلطنت اور قدیم احسانات کا واسطہ دے کر دُعا مانگیں
- ۴۴۰..... "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَظْهَرَ الْجَمِيلَ" نیکی کے اظہار اور برائیوں کی پردہ پوشی کے لئے
- ۴۴۱..... "رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا" آدم علیہ السلام کی دُعا
- ۴۴۲..... "رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا
- ۴۴۳..... "لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ" حضرت یونس علیہ السلام کی دُعا
- ۴۴۴..... "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ" خیرات میں وتر کے اندر مانگی جانے والی دُعا
- ۴۴۵..... "اللَّهُمَّ خَلَقْتَ نَفْسِي وَأَنْتَ تَوْفَّيْهَا، لَكَ مَمَاتُهَا" جب لیٹنے کا ارادہ کرے تو یہ دُعا مانگے
- ۴۴۶..... "اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي" گناہوں کی بخشش کی عظیم دُعا
- ۴۴۷..... "يَا رَبِّ عَفْوَكَ عَفْوَكَ" چلتے پھرتے اور لیلۃ القدر میں مانگنے والی دُعا
- ۴۴۸..... "أَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" شیطان سے بچاؤ کی دُعا
- ۴۴۹..... "قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ" اسمِ اعظم
- ۴۵۰..... "اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ" نماز کے بعد کی دُعا
- ۴۵۱..... "يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" دُعاؤں میں اسمِ اعظم کو وسیلہ بنائیے
- ۴۵۲..... "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدَ لَا إِلَهَ" ذوالجلال والاکرام کے وسیلے سے مانگنے کے الفاظ نبوی
- ۴۵۳..... "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْقَصْدَ" میانہ روی اور اعتدال کی عجیب دُعا
- ۴۵۴..... "رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ" اس اسمِ مبارک کے وسیلے سے گم شدہ چیز کے لئے دُعا مانگنا
- ۴۵۵..... "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْغِنَى" غنی کے فتنہ سے حفاظت کی دُعا
- ۴۵۶..... "اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ" ادائیگی قرض اور رزقِ حلال کے لئے دُعا
- ۴۵۷..... "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ غِنَايَ وَغِنَا مَوْلَاتِي" مخلوق سے بے نیازی اور خالق کی طرف رجوع کرنے کی دُعا
- ۴۵۸..... "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ" ہر فرض نماز کے بعد اللہ کی واحدانیت کا اقرار کرنے والے الفاظ نبوی
- ۴۵۹..... "اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ" المانع جل جلالہ سے مانگنے کی ایک بہترین دُعا
- ۴۶۰..... "أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبِّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ" ہر بیماری سے شفا کی ایک بہترین دُعا
- ۴۶۱..... "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِي" نور طلب کرنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہایت جامع دُعا
- ۴۶۲..... "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ" اللہ تعالیٰ کی حفاظت و امان میں آنے کی دُعا

- ۴۹۹..... ④۱ "اللَّهُمَّ اهْدِنَا بِالْهُدَى وَزَيْنًا بِالتَّقْوَى" ہدایت طلب کرنے کی پانچ مسنون دعائیں
- ۴۰۰..... ④۲ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَى وَالتَّقَى".....
- ۴۰۰..... ④۳ "اللَّهُمَّ اهْدِنِي مِنْ عِنْدِكَ وَأَفِضْ عَلَيَّ".....
- ۴۰۰..... ④۴ "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِمَّنْ تَوَكَّلَ عَلَيْكَ فَكَفَيْتَهُ".....
- ۴۰۰..... ④۵ "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيْمَانًا دَائِمًا وَهُدًى".....
- ۴۲۰..... ④۶ "اللَّهُمَّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا أَحَبُّ" الباقی جل جلالہ سے تعلق پیدا کرنے کی دعا
- ۴۲۵..... ④۷ "اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَالْحَقْنِي بِالرَّحْمَةِ الْاَعْلَى" حسن خاتمہ کی دعا
- ۴۳۰..... ④۸ "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَبْلَ شَيْءٍ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" فکر و غم کے ازالہ کی دعا
- ۴۳۸..... ④۹ "رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا....." اللہ جل جلالہ سے اپنے لئے نیک جانشین مانگنا
- ۴۴۲..... ⑤۰ "اللَّهُمَّ اَلْهِمْنِي رُشْدِي وَأَعِزَّنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي" نفس کی برائی سے پناہ اور رشد و بھلائی سے مانگنے کی دعائیں
- ۴۴۲..... ⑤۱ "اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيْمَانَ وَزَيْنَهُ فِي قُلُوبِنَا" ایمان کی محبت دل میں بٹھانے کے لئے ایک پیاری دعا
- ۴۶۴..... ⑤۲ "اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي شَكُورًا وَاجْعَلْنِي صَبُورًا" شاکر و صابر ہونے کی دعا

جلد اوّل میں بیان کئے گئے واقعات کی فہرست

واقعہ نمبر	حوالہ عبارت جس کے تحت واقعہ بیان ہوا	صفحہ نمبر
①	اے بشر بن حارث!	۴۱
②	تو اللہ تعالیٰ سے کیا کہوں؟	۴۵
③	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما شیر کے پاس	۴۶
④	حکمت کا توشہ	۴۸
⑤	دین اسلام کس قدر معزز ہے	۵۴
⑥	”بِسْمِ اللّٰهِ“ کی تاثیر	۵۴
⑦	مالک مکان یا صاحب مکان	۷۴
⑧	میرا تکیہ لے لیجئے	۷۵
⑨	حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام	۸۴
⑩	حسین گھوڑا اور جمشید بادشاہ	۸۴
⑪	دو موتوں کے درمیان!	۸۴
⑫	جسے اللہ رکھے، اے کون چکھے	۸۵
⑬	امیر مہدی کے زمانے میں قحط	۸۵
⑭	اے میرے بھتیجے!	۱۱۹
⑮	انسان کی غلامی	۱۲۰
⑯	ایک ہزار درہم کی انگوٹھی	۱۴۵
⑰	تم نے مجھے پہچانا نہیں	۱۴۵
⑱	آپ کے حسن و جمال پر تعجب ہو رہا ہے	۱۴۶
⑲	سیاہ فام بچہ	۱۶۸
⑳	اگر تم اپنے اختیار سے چلتے ہو	۱۹۶
㉑	ہاں میاں بات تو ٹھیک ہے	۲۰۰

- ۲۰۱..... (۲۲) شکر کے پیکر
- ۲۰۱..... (۲۳) بیوی کا حق تو کہتے
- ۲۰۲..... (۲۴) دماغ کا صحیح ہونا ایک نعمت ہے
- ۲۰۲..... (۲۵) جیسے عید کا دن ہو
- ۲۰۲..... (۲۶) جناب بچہ مل گیا ہے؟
- ۲۰۲..... (۲۷) آدمی بادشاہی دے دوں گا
- ۲۱۶..... (۲۸) یہ رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے
- ۲۱۷..... (۲۹) جانور کے منہ میں ہر اپتا!
- ۲۱۷..... (۳۰) قصہ ایک پتھر کا
- ۲۱۹..... (۳۱) پہاڑ جتنی مچھلی
- ۲۲۰..... (۳۲) انگور کا خوشہ
- ۲۲۰..... (۳۳) تین دینار سے تین سو دینار
- ۲۲۱..... (۳۴) چوہا اور دینار
- ۲۲۲..... (۳۵) من و سلوئی
- ۲۲۲..... (۳۶) سونے کا مٹکا
- ۲۲۳..... (۳۷) سانپ کی روزی
- ۲۲۷..... (۳۸) تم کہاں سے کھاتے ہو؟
- ۲۲۹..... (۳۹) رزق کا معاملہ
- ۲۲۹..... (۴۰) میرا چائے کا کھوکھا ہے
- ۲۲۸..... (۴۱) غار کا منہ اور چٹان
- ۲۲۰..... (۴۲) امی امی مجھے بچا لو
- ۲۲۲..... (۴۳) کھلا در چھوڑ کر بند دروازے کا رخ کیوں کیا جائے
- ۲۲۳..... (۴۴) مجھ سے مانگو
- ۲۵۰..... (۴۵) وہ بے خبر تھا
- ۲۵۰..... (۴۶) ہائے رے! کمزور انسان

- ۴۷۸ تم میرا بستر روند رہے ہو۔
- ۴۷۹ ابن ابزئی جنگلات کا ناظم۔
- ۴۸۰ انسان کی پستی کا سبب۔
- ۴۸۱ فخر و عزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے۔
- ۴۸۲ دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔
- ۴۸۳ حضرت ابو ہریرہ اور کتان کا کپڑا۔
- ۴۸۴ ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔
- ۴۸۵ دودھ میں پانی۔
- ۴۸۶ آگے کیا ہوگا؟
- ۴۸۷ ٹکٹ خرید کر پھاڑ دیا۔
- ۴۸۸ اللہ تعالیٰ تم کو یاد رکھے گا۔
- ۴۸۹ احمد بن طولون اور خط۔
- ۴۹۰ ابوالحکم نہیں، بل کہ ابو شریح۔
- ۴۹۱ سلطان غزنوی کا جوشِ ایمانی۔
- ۴۹۲ تم میں دو خصلتیں ہیں۔
- ۴۹۳ میں راہب نہیں ہوں۔
- ۴۹۴ عظمت تو اللہ کے لئے ہے۔
- ۴۹۵ پیاس سے بانپ رہا تھا۔
- ۴۹۶ عورت کی مغفرت کر دی گئی۔
- ۴۹۷ صبر و شکر مغفرت کا سبب بن گیا۔
- ۴۹۸ سخت پریشانی میں شکر۔
- ۴۹۹ بادل میں سے آواز سنی!
- ۵۰۰ بیماری میں بھی شکر۔
- ۵۰۱ سمندر میں اتر گئے۔
- ۵۰۲ اور پانی ختم ہو چکا تھا۔

- ۳۶۶ ۷۲) شاہ فیصل بادشاہ اور مضبوط قلعہ
- ۳۶۹ ۷۳) اے عمر! تجھے خوش خبری دیتا ہوں
- ۳۷۱ ۷۴) مکڑی سے موت
- ۳۷۲ ۷۵) بھنا ہوا اثر دہا!
- ۳۷۳ ۷۶) حضرت سارہ اور ظالم بادشاہ
- ۳۷۵ ۷۷) سب سے کم تر آدمی ہوں
- ۳۷۶ ۷۸) زہر کس نے ملایا تھا
- ۳۷۷ ۷۹) کیا خیال ہے ان دو کے بارے میں
- ۳۸۵ ۸۰) محدثین کی خبر لو
- ۳۸۹ ۸۱) دشمن کی تدبیروں کا انجام
- ۴۰۰ ۸۲) داستان پیر چنگی
- ۴۰۹ ۸۳) خفیہ تصویر کشی اور خدائی نظام
- ۴۱۹ ۸۴) شہد کی مکھیوں کا غول
- ۴۲۱ ۸۵) پاؤں سے زنجیر کیسے نکلی؟
- ۴۲۲ ۸۶) زریاب پرندے کے بچے
- ۸۷) بنی اسرائیل سات سال قحط میں رہے
- ۴۳۳ ۸۸) ایک دن کی میزبانی
- ۴۳۷ ۸۹) سب مسلمانوں کے لئے یہی بات ہے



جلد دوم میں بیان کئے گئے واقعات کی فہرست

واقعہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
①	مکھی اور متکبر بادشاہ	۳۴
②	ناکامی میں بھی حکمت	۳۴
③	کوئی نکما نہیں کا رخا نہ قدرت میں	۳۵
④	اس نقصان میں بھی نفع ہے	۳۷
⑤	اللہ نے جو کیا اس میں خیر ہوگی	۳۷
⑥	”الْحَکِیْمُ جَلَّ جَلَالُهُ“ بڑوں کی مصلحتوں کو زیادہ جانتے ہیں	۳۸
⑦	اے حصین! تم دن میں کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو	۴۱
⑧	اللہ تم سے محبت کرتے ہیں	۴۶
⑨	تو بستی جلا دی گئی	۴۶
⑩	محبت الہی میں جان کا نذرانہ	۴۹
⑪	آپ کا گواہ کون ہے؟	۶۹
⑫	”ایک شخص نے یہ جانتا چاہا کہ کون سا دین صحیح ہے؟“	۷۲
⑬	”جیش السویق کی مہم“	۸۱
⑭	”دو شخصوں کا مقدمہ“	۸۳
⑮	اس کو باندھو	۸۴
⑯	جنگ دہلی نے میرا یہ حال کر دیا	۹۳
⑰	”حضرت سالم جب کافروں کی قید میں تھے“	۱۰۰
⑱	ایک مرتبہ جبریل کئی روز تک نہ آئے	۱۰۳
⑲	”اس قصہ سے ”الْمُتَّئِنُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ پر اعتماد سیکھیں“	۱۰۷
⑳	”ابو مسلم خولانی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے ساتھ ”الْمُتَّئِنُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی مدد“	۱۱۲
㉑	”اللہ کے ولی کا دو بھوکے شیروں سے مقابلہ“	۱۱۹
㉒	پرندے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے	۱۳۳

- ۲۳..... دیہاتی دعا مانگ رہا تھا..... ۱۳۵
- ۲۴..... ”الْحَيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی پکڑ کا خوف..... ۱۳۶
- ۲۵..... ”جب فرشتوں نے چیخ ماری“..... ۱۴۰
- ۲۶..... جسے ”الْمُحْيِي جَلَّ جَلَالُهُ“ زندہ رکھے..... ۱۴۴
- ۲۷..... ”حضرت عبداللہ بن حذافہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نصرانیت قبول کرنے سے انکار کر دیا“..... ۱۴۵
- ۲۸..... ”منصور بھڑک اٹھا“..... ۱۴۶
- ۲۹..... ”موت کا وقت بھی مقرر ہے اور جگہ بھی“..... ۱۴۸
- ۳۰..... ”حضرت قتیبہ باہلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا الْمُحْيِي، اَلْمُتَّيْنِ پر یقین“..... ۱۴۹
- ۳۱..... ”اور مردہ پرندے اڑنے لگے“..... ۱۵۰
- ۳۲..... ”دواؤں کو موت و حیات کے لئے موثر بنانے والا“..... ۱۵۰
- ۳۳..... ”موت و حیات کا مالک“..... ۱۵۲
- ۳۴..... ”آسمان سے گرا کھجور میں اڑکا“..... ۱۵۲
- ۳۵..... ”ایک چھوٹے سے کنکر میں موت کی تاثیر“..... ۱۵۳
- ۳۶..... ”موت سے کوئی نہیں بچ سکتا“..... ۱۵۴
- ۳۷..... ”امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا مناظرہ“..... ۱۷۰
- ۳۸..... ”ایک دیہاتی کا حیران کن جواب“..... ۱۷۱
- ۳۹..... ”وجود ماری تعالیٰ برحق ہے“..... ۱۷۴
- ۴۰..... ”تپتے ہوئے صحرا میں أَحَدٌ أَحَدٌ کی صدا“..... ۱۹۸
- ۴۱..... ”۷۰ ہزار فرشتوں کی جنازہ میں شرکت“..... ۲۰۴
- ۴۲..... ”ایٹمی طاقت اور بخار وائرس“..... ۲۰۹
- ۴۳..... ””الْحَيُّ جَلَّ جَلَالُهُ“ کی قدرت“..... ۲۰۹
- ۴۴..... ”اللہ کی قدرت اور انسان کی بے بسی“..... ۲۱۱
- ۴۵..... ”تنگ و تاریک کوٹھڑی اور نماز“..... ۲۱۱
- ۴۶..... ”شیخ عبداللہ اندلسی کا عجیب و غریب واقعہ“..... ۲۱۶
- ۴۷..... ”جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا“..... ۲۳۵
- ۴۸..... ””الْوَالِي جَلَّ جَلَالُهُ“ کے ہاں دیر تو ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں“..... ۲۳۶

- ۴۸۷..... (۴۹) ”الْوَلِيُّ جَلَّالٌ“ سے محبت کا انداز
- ۴۸۷..... (۵۰) ”حضرت حافظ محمد صدیق رحمہ اللہ کا بیماری پر صبر“
- ۴۸۸..... (۵۱) ”امانت کا نگران“
- ۴۸۹..... (۵۲) حسن اور حسین کو نظر لگ گئی
- ۴۹۰..... (۵۳) حضرت شیخ الحدیث ”مولانا زکریا رحمہ اللہ“ کا واقعہ
- ۴۹۱..... (۵۴) ”حکیم بن حزام کا آپ ﷺ سے مال طلب کرنا“
- ۴۹۱..... (۵۵) ”حضرت ابو طلحہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا باغ صدقہ کرنا“
- ۴۹۱..... (۵۶) ”حضرت زید بن حارثہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا گھوڑا صدقہ کرنا“
- ۴۹۲..... (۵۷) ”الْحَبِيبُ جَلَّالٌ“ سے محبت کرنے کی عظیم مثال
- ۴۹۲..... (۵۸) ”حضرت ابوالدرداء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نیکی“
- ۴۹۳..... (۵۹) ”پھوڑے پھنسیوں کا ایک عجیب علاج“
- ۴۹۴..... (۶۰) ”حضرت جریر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی عمدہ خریداری“
- ۴۹۱..... (۶۱) ”سو آدمیوں کے قاتل کی مغفرت“
- ۴۹۵..... (۶۲) ”استغفار کی برکات سے مسائل حل ہو گئے“
- ۴۹۰..... (۶۳) ”الْمُنْتَقِمُ جَلَّالٌ“ کا ظلم پر انتقام
- ۴۹۰..... (۶۴) ”جب وہ پرنسپل بنا“
- ۴۹۰..... (۶۵) ”دولت کے بھاری“
- ۴۹۱..... (۶۶) ”قدرت کا انتقام“
- ۴۹۳..... (۶۷) ”خطرناک وادی“
- ۴۹۵..... (۶۸) ”الْمُنْتَقِمُ جَلَّالٌ“ انتقام لینے پر آئے تو کنکر کو بم بنا دئے
- ۴۸۷..... (۶۹) ”غلطی کرنے پر باندی کو آزاد کرنا“
- ۴۸۷..... (۷۰) ”بیٹے کے قاتل کو معاف کر دیا“
- ۴۸۷..... (۷۱) حضرت مسطح کی مالی امداد
- ۴۹۱..... (۷۲) ”ایک عجیب وصیت“
- ۴۹۳..... (۷۳) ”فرزدق کی مغفرت“
- ۳۰۰..... (۷۴) ”الْبَرُّ جَلَّالٌ“ کی رافت و رحمت کا عجیب کرشمہ

- ۴۰۱..... ”حکیم لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت“ (۷۵)
- ۴۰۷..... ”اللہ جلّ جلالہ نے فقراء کو تخت و تاج کا مالک بنا دیا“ (۷۶)
- ۴۰۹..... ”اللہ جلّ جلالہ پر بھروسے کی ایک مثال“ (۷۷)
- ۴۱۴..... ”جب بلخ میں سخت قحط پڑا“ (۷۸)
- ۴۲۱..... اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے (۷۹)
- ۴۲۸..... ”ایک گھڑی کے عدل کا ثواب“ (۸۰)
- ۴۲۸..... ”باغبان کی فراست“ (۸۱)
- ۴۳۳..... ”اور تمنا پوری ہوئی“ (۸۲)
- ۴۴۰..... رشتہ داروں کو ناراض رکھنا بے برکتی کا سبب ہے (۸۳)
- ۴۴۰..... ”باہمی رضامندی کا انوکھا انداز“ (۸۴)
- ۴۴۱..... ”ریشم کی تھیلی“ (۸۵)
- ۴۴۳..... ”مجھے اپنے گناہوں کی شکایت ہے“ (۸۶)
- ۴۴۴..... ”ابراہیم بن ادہم نے مال لینے سے انکار کر دیا“ (۸۷)
- ۴۴۵..... ”بہلول کا استغنا“ (۸۸)
- ۴۴۸..... اے بلال! خرچ کرو اور عرش والے سے فقر کی توقع نہ کرو (۸۹)
- ۴۴۸..... ”حضور کا سونا صدقہ کرنا“ (۹۰)
- ۴۵۰..... پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو ادا ہو (۹۱)
- ۴۵۰..... جو پاؤں پھیلاتے ہیں وہ ہاتھ نہیں پھیلاتے (۹۲)
- ۴۵۴..... ”جب“ اللہ جلّ جلالہ نے موت کو رکنے کا حکم دیا“ (۹۳)
- ۴۵۵..... ”یزید تجھے اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا“ (۹۴)
- ۴۵۶..... ”اور بتوں کو توڑ ڈالا“ (۹۵)
- ۴۶۰..... ”اللہ جلّ جلالہ کی قدرت کے کرشمے“ (۹۶)
- ۴۶۱..... ”جب“ اللہ جلّ جلالہ نے سانپ کو نقصان پہنچانے سے روک دیا“ (۹۷)
- ۴۶۴..... ”تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا“ (۹۸)
- ۴۶۸..... میں نے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا (۹۹)
- ۴۶۹..... میں نے اس کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی دیکھی (۱۰۰)

- ۱۰۱) رشتہ داری نفع و نقصان نہیں دے سکتی ۴۷۲
- ۱۰۲) ”دوسیر سونا“ ۴۸۲
- ۱۰۳) ”ابوداؤد نے جنت خرید لی“ ۴۹۲
- ۱۰۴) ”ہم بے زار بیٹھے ہیں“ ۴۹۵
- ۱۰۵) ”حضرت خرم بن فاتک کے اسلام لانے کا واقعہ“ ۴۹۷
- ۱۰۶) ”لطیفہ“ ۴۰۹
- ۱۰۷) ایک نیل کی آواز ”ہم یہاں موجود ہیں“ ۴۱۱
- ۱۰۸) ”آسٹریلیا خرگوشوں سے بھر گیا“ ۴۱۲
- ۱۰۹) ”الْبَيْعُ جَلَّ جَلَالُهُ“ کے کرم کا ایک واقعہ ۴۱۵
- ۱۱۰) ایک عابد درویش کی شجاعت ۴۲۳
- ۱۱۱) جب ایک ہزار دینا ملے تو رونے لگے ۴۲۴
- ۱۱۲) ”امام ابو زرہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے انتقال کا عجیب واقعہ“ ۴۲۴
- ۱۱۳) ”اللہ تعالیٰ کے عاشق“ ۴۲۵
- ۱۱۴) ”فانی دنیا کے ناکام عاشق“ ۴۲۷
- ۱۱۵) ”اس فانی محل میں دو عیب ہیں“ ۴۲۷
- ۱۱۶) ”لوہار کی سعادت مندی“ ۴۳۱
- ۱۱۷) دعا فرما دیجئے کہ میرا پردہ نہ کھلے ۴۵۲
- ۱۱۸) اس کا پیٹ درندوں نے پھاڑ ڈالا ۴۵۶
- ۱۱۹) تیس سال سے دانت کا درو ۴۵۶
- ۱۲۰) بچھونے سولہ مرتبہ ڈنگ مارا ۴۵۶
- ۱۲۱) اجازت دیجئے کہ ہم اس سے بدلہ لیں ۴۵۶
- ۱۲۲) جوتے نہیں دیئے مگر پیر تو سلامت ہیں ۴۵۷